خدابخش لائبریری

جرنل

پٹنہ

۹۸

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

رجسٹریشن نمبر: ۳۳۴۲۴/۷۷
شمارہ : اٹھانوے

سالانہ : ۳۰۰ روپے
: ۶۰ ڈالر ایشیا، ۱۲۰ ڈالر غیر ممالک

اس شمارے کی قیمت: پچھتر روپے

۱۹۹۴ء

مصطفیٰ کمال ہاشمی نے جے۔ ڈی۔ ایس پرنٹرس پٹنہ میں چھپوا کر خدا بخش لائبریری پٹنہ سے شائع کیا۔

کچھ اس جرنل کے بارے میں

خدا بخش صدی یادگار تقریبات کا پانچ سالہ پروگرام بنایا گیا تھا جو ۱۹۹۱ء میں شروع ہوا اور ۹۵ء پر ختم ہو رہا ہے۔ اس میں یہ طے ہوا کہ سو اہم کتابیں شائع کی جائیں۔

اس میں یہ تجویز بھی ہوئی کہ جرنل کا وقفہ اشاعت ماہانہ کر دیا جائے اور اسی اعتبار سے ۱۹۹۱ء سے شمارہ نمبر گنے جانے لگے لیکن چونکہ یہ عملاً ممکن نہ ہو سکا کہ جس نوعیت کا یہ پرچہ تھا اس کے معیار کو برقرار رکھتے ہوئے اسکی ماہانہ اشاعت میں تسلسل رہے، اس لیے وہ شائع تو تماہی ہوتا رہا لیکن شماروں کی گنتی میں اُسے ماہنامہ تصور کیا جاتا رہا یعنی جنوری تا مارچ کے پرچے کو جنوری، فروری، مارچ گنا گیا اور تین پرچے شمار کیے گئے جبکہ واقعۃً وہ ایک ہی تھا۔ یہ سلسلہ ۱۹۹۴ء کی پہلی تماہی تک چلا۔

۱۹۹۴ء کی دوسری تماہی سے یہ خیالی سلسلہ واقعیت کی طرف مڑ گیا یعنی شمارہ ۹۶ سے ہر تماہی نمبر گنتی میں ایک ہی شمار کیا گیا۔ گویا نمبر ۹۶ سے یہ پھر اپنی اصل کی طرف لوٹ گیا ہے۔

ایک بات اور بھی: دس سال تک کے شماروں کا حساب مالی سال سے چلتا رہا۔ ۱۹۸۷ء میں ایک فاضل شمارہ، نمبر ۴۴ مالی سال ۱۹۸۸ء کی پہلی تماہی میں دینے کے بجائے ۱۹۸۷ء کی آخری تماہی کے ساتھ دیدیا گیا تاکہ مالی سال کا حساب رکھنے کے بجائے عام تقویم جنوری تا دسمبر کا سادہ سا حساب جرنل کی اشاعت میں بھی قائم رکھا جائے۔

خریدار افراد اور اداروں کے لیے یہ دونوں نکتے کوئی مسئلہ کبھی نہیں بنائے گئے اور انہیں ایک سال میں ۴ شمارے باقاعدہ ملتے رہے، گویا وہاں یہ تماہی ہی بنا رہا اور اس لحاظ سے اس کا چندہ بھی چلتا رہا۔ تاہم یہ تفصیل دینی اس لیے ضروری تھی کہ نمبروں کی گنتی جو ۱۹۹۱ء سے ایک کو تین میں بدلی وہ صرف تخیلی ہی سمجھا جائے کہ اب جرنل پھر اپنی اصل پر واپس آچکا ہے۔

چار شمارے ہر سال پیش کیے جاتے رہے اور شروع میں جب 75/= روپے سالانہ قیمت تھی تو ہزار صفحات کے بقدر اور جب قیمت 300/= روپے سالانہ ہو گئی تو تقریباً دو ہزار صفحات کے لگ بھگ خریداروں کو دیے جاتے رہے ہیں۔

شمارہ ۴۴ تک مالی سال کا حساب چلتا تھا تو ہم ۴ شمارے دیتے تھے، یہ ۱۹۸۷ء کی بات ہے۔ اسی سال ہم نے ایک شمارہ زائد دے کر مالی سال کو عام تقویم میں مدغم/تبدیل کر لیا۔

اور پھر ۱۹۸۸ء سے یہ سال بہ سال چلتا رہا۔ لیکن بس اتنا رہا کہ نمبر ایک تماہی کے بجائے تین مہینوں کے پڑتے رہے یعنی ایک = تین تا آں کہ ۱۹۹۴ء کی دوسری تماہی سے تخیل پھر واقعیت کی طرف مڑ گیا۔ یہ بات ابھی تک ریکارڈ میں نہیں آئی تھی، آجانی چاہیے تھی۔ تاخیر سے سہی معذرت کے ساتھ آجانی چاہیے۔

ـــــــ مدیر

تاریخ کیساتھ کھلواڑ

درسی کتابوں میں زہریلا مواد

تاریخ ہند (عہد وسطی) سمینار منعقدہ مارچ ۱۹۸۸ء
کے مقالات اور بحثیں

حرفِ چند

آزاد ہندستان کو آزاد رہنا ہے تو اپنی تاریخ کو بھی غلامانہ اثرات سے آزاد کرنا ہوگا۔ غلام دوسرے غلاموں سے لڑتا ہے، نفرت کرتا ہے کیونکہ اس کا آقا لڑانے میں ہی فتح پاتا رہتا ہے۔ ہماری تاریخ نویسی پر ابھی تک غلامی کے سائے منڈلا رہے ہیں، خاص کر بچوں کے لیے جو کتابیں لکھی جاتی ہیں ان میں خاموشی کے ساتھ زہر خورانی کی جاتی رہتی ہے اور انسانوں کو انسانوں سے نفرت کرنا سکھایا/پڑھایا جاتا ہے۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ رہی ہے اور ہم ابھی تک **مسجد گراؤ** مندر بناؤ **مندر گراؤ** مسجد بناؤ کے چکر سے نہیں نکل پائے ہیں۔

خدابخش لائبریری نے مارچ ۱۹۸۸ء میں اس موضوع پر سیمینار کیا جس میں اہم مورخ جمع ہوئے —— اپنی کہی دوسروں کی سنی، اس سب کا حاصل پیش خدمت ہے۔

ع ر ب

فہرست

ڈاکٹر ظفرالاسلام
علی گڑھ

تاریخ کی درسی کتابیں اور فیروز شاہ تغلق

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری (پٹنہ) کے زیر اہتمام ۲۲ تا ۲۶ مارچ ۱۹۸۸ء کو عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ سے متعلق مخطوطات پر جنوبی ایشیائی کا ریجنل سمینار منعقد ہوا۔ اس سمینار کے دو اجلاس مختلف اسکولوں کی تاریخی درسیات کے تنقیدی جائزے کیلئے مخصوص تھے، جن کے بارے میں عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے تئیں ہندوؤں میں نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ اس مخصوص اجلاس میں ملک کے مختلف اداروں کے مندوبین کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹر جمال محمد صدیقی، ڈاکٹر افضال حسین اور جناب ارشدالاسلام شریک ہوئے۔ سمینار کے عام موضوع کی مناسبت سے میرا مقالہ عربی کے ایک تاریخی مخطوطہ پر تھا لیکن تاریخی درسیات سے دلچسپی کی وجہ سے میں اس کے مخصوص اجلاس میں بھی شریک رہا اور اسی موضوع پر متعدد مقالہ نگاروں کی تحقیقات اور ان پر بحث و مباحثہ سے مستفید ہوا۔ اس سیشن میں پیش کیے جانے والے مقالات سے دو باتیں خاص طور سے اُبھر کر سامنے آئیں۔ اول یہ کہ درسی کتابوں کے تاریخی اسباق کے مطابق عہد وسطیٰ کے وہ مسلم حکمراں زیادہ متعصب تنگ نظر اور فرقہ پرست واقع ہوئے تھے جو دینی میلانات اور مذہبی رجحانات کے لیے معروف تھے۔ اس کا بخوبی اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان درسی کتابوں سے منافرت پھیلانے والے جو اقتباسات بطور مثال پیش کئے گئے تھے ان میں سے بیشتر کا تعلق فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ - ۱۳۸۸ء) اور اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۶-۱۷۰۷ء) سے تھا۔ دوسرے یہ کہ مذہب کی پابندی یا اسلامی شریعت کی پیروی اور تعصب و تنگ نظری میں گہرا رشتہ ہے۔ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ان درسی کتابوں میں پہلے ان مسلم بادشاہوں کو شریعت کا متبع اور اسلام کا نمائندہ بتایا گیا ہے اور پھر ہندو عوام کے ساتھ ان کی ظلم و زیادتی کی "مفروضہ" کہانی اس انداز میں پیش کی گئی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم معلوم ہوتے ہیں۔

تاریخی حقائق کی روشنی میں غور کیا جائے تو مذکورہ دونوں باتیں بے بنیاد اور غلط ثابت ہوں گی۔ اس میں شبہ

نہیں کہ سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ فکری و نظری طور پر اسلامی شریعت کی بالادستی کے قائل تھے اور ان کے یہاں ظاہری طور پر شریعت کا احترام اور شرعی قوانین کا پاس و لحاظ پایا جاتا تھا، لیکن یہ کہنا خلاف واقعہ ہوگا کہ ان کی شخصی و عوامی زندگی صحیح معنوں میں اسلامی تعلیمات کی عکاسی تھی یا یہ کہ ان کا نظم حکومت شریعت کے عین مطابق تھا. حقیقت یہ ہے کہ ان کی حکومت کا نظام شاہانہ تھا اور سیاست و حکومت کی دنیا میں ان کے پیش نظر مختلف عوامل (مذہبی تقاضے، خاندانی روایتیں، سیاسی مصلحتیں، انتظامی ضروریات اور مقامی حالات) ہوتے تھے جو ان کی کارکردگی کی راہ متعین کرتے تھے. ان میں سے کس عامل کو کس معاملے میں ترجیحی مقام حاصل ہوتا تھا، اس کا فیصلہ موقع و محل کی مناسبت اور سلطان کی صوابدید پر منحصر تھا. اس لیے اگر کوئی ان کے ہر ایک عمل کو اسلام سے منسوب کرے یا ان کے جملہ اقدام کو اسلامی تعلیمات کا مقتضی قرار دے تو اسے کیسے حق بجانب کہا جاسکتا ہے. تاریخ کی درسی کتابوں میں ایک جانب مسلم حکمرانوں سے بہت سی ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو ان کے عہد میں انجام پذیر نہیں ہوئیں. دوسری جانب برادران وطن کے ساتھ ان کے روا و ناروا ہر نوع کے سلوک کو اس طور پر پیش کیا گیا ہے کہ یہ تمام تر بر بنائے تقاضائے اسلام تھا. اسی بات کی وضاحت کیلئے یہاں تاریخی مآخذ کی روشنی میں فیروز شاہ کی بابت درسی کتابوں کے بیانات کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا جائے گا. اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ کس طرح تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ یا بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے تاکہ معصوم بچوں کے ذہنوں میں مسلم حکمرانوں بالخصوص مذہبی رجحان رکھنے والوں کی ایک بھیانک تصویر جم جائے اور مسلمانوں کے تئیں نفرت و عداوت کا احساس بیدار ہو جائے.

درسی کتابوں میں فیروز شاہ کے جس اقدام کو سب سے زیادہ اہمیت و شہرت دی جاتی ہے، وہ ہندوؤں پر جزیہ کا نفاذ ہے. اسے ایک زائد مالی بوجھ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس انداز میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے کہ فیروز شاہ نے ہندستان میں پہلی بار یہ قانون لاگو کیا. یہاں اس کی گنجائش نہیں کہ اسلام کے تصور جزیہ اور اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی جائے لیکن یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہندستان میں یہ قانون کسی نہ کسی صورت میں فاتح سندھ محمد بن قاسم کے زمانے سے رائج تھا. فیروز شاہ نے اس میں صرف یہ ترمیم کی کہ اس نے برہمنوں کو بھی (جو پہلے اس سے مستثنیٰ تھے) اس کی ادائیگی کا پابند قرار دیا. سلطان کا یہ اقدام معاصر علماء سے مشورہ اور ان کی متفقہ رائے پر مبنی تھا کہ جملہ برہمن اپنی سماجی و معاشی مصروفیات کی وجہ سے پروہت اور معابد کے خدام کے زمرے میں شامل نہیں کیے جاسکتے جو شریعت کی رو سے جزیے سے مستثنیٰ ہوتے ہیں. فیروز شاہ کے عہد میں قانون جزیہ کے اجراء کا بہت تذکرہ ملتا ہے. لیکن اس جانب شاید ہی کہیں اشارہ کیا جاتا ہے کہ اس نے برہمنوں کے ساتھ رعایات کرتے ہوئے

شرح جزیہ میں تخفیف کی اور تمام برہمنوں پر یکساں طور پر فی نفر دس تنکا مقرر کیا۔[7] فیروز شاہ کے اس اقدام کو سمجھنے کے لیے یہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اس نے شرعی قوانین کی روشنی میں انتظام محاصل میں اصلاح پیدا کرنے کی کوشش کی، صرف انھیں محاصل کی وصولی پر زور دیا جو شریعت سے ثابت ہیں اور اس نے حکومت کے ذرائع آمدنی کی تشخیص وتحصیل میں جو بےضابطگیاں کی جارہی تھیں انھیں رفع کیا۔[8] شریعت کی روشنی میں قانون جزیہ کا اجرا سلطان کی اسی مہم کا ایک حصہ تھا نہ کہ ہندوؤں کے خلاف کوئی تعزیری اقدام یا ان کی مالی ذمہ داریوں میں اضافہ کرنا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شاید ہی کوئی درسی کتاب جزیہ کے ذکر سے خالی ہو لیکن اس کا حوالہ شاذ و نادر ہی کہیں ملتا ہے کہ سلطان نے تقریباً ۲۸ ایسے محاصل معاف کیے جو شریعت سے ثابت نہیں تھے۔ یہ محاصل زیادہ تر مقامی نوعیت کے تھے جو کسانوں دستکاروں اور مختلف پیشہ والوں سے وصول کیے جاتے تھے۔[9] ظاہر ہے کہ سلطان کے اس اقدام سے ہندو و مسلم سبھی کو راحت ملی، اور اس کی یہ معافی کسی خاص طبقے تک محدود نہ تھی۔

درسی کتابیں مسلم حکمرانوں سے عمومی طور پر مندروں کا انہدام منسوب کرتی ہیں۔ فیروز شاہ کا اس ضمن میں کوئی استثنا نہیں ہے لیکن فیروز شاہ اور مذہب پسند سلاطین کے ساتھ خصوصیت یہ ہے کہ اس عمل کو ان کے دینی رجحان کا مظہر قرار دیا جاتا ہے کہ گویا یہ عمل مسلم حکمرانوں کے فرائض میں داخل ہے۔ اول تو یہ کہ بت شکنی یا منادر کی تخریب کو مذہبیت یا اسلام پسندی کا لازمہ سمجھنا اسلام کی غلط ترجمانی اور اس کے مزاج سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے احترام کی تعلیم دیتا ہے وہ کسی مسلم شہر میں حکومت کی اجازت کے بغیر ذمیوں کو منادر کی تعمیر کی اجازت نہیں دیتا لیکن قدیم منادر کے خلاف کسی اقدام کو روا نہیں سمجھتا۔ شریعت میں صرف اسی صورت میں مندر کے انہدام کی اجازت ہے جب اس کے ضابطے کے خلاف ان کی تعمیر عمل میں آئی ہو یا پھر وہ کسی سماجی و اخلاقی خرابی کے پھیلنے کا ذریعہ بن جائیں لیکن اگر کسی سلطان یا بادشاہ کے یہاں اس اصول کی خلاف ورزی ملتی ہے تو نہ تو اسے اسلام سے منسوب کرنا انصاف کا تقاضا ہوگا اور نہ اس کا دفاع صحیح ہوگا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عہد وسطیٰ کے ہندستان میں مندروں کے انہدام کے واقعات پیش آئے لیکن انھیں بیان کرتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کن حالات و اسباب کے تحت یہ واقعات رونما ہوئے۔ یہ مندر نیا تو نہیں تھا جو کسی مسلم شہر میں تعمیر کیا گیا۔ جنگی حالت یا فوجی مہم کے دوران اس کے ٹوٹنے کا واقعہ تو پیش نہیں آیا۔ یا یہ حکومت کے خلاف سرگرمیوں و سازشوں کا اڈہ یا غیر اخلاقی اعمال کے پھیلنے کا ذریعہ تو نہیں بن گئے تھے۔ فیروز شاہ کی بابت معاصر مآخذ کی تفصیلات سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے عہد میں زیادہ تر نئے منادر کو مسمار کیا گیا جو اسلامی ضابطے کی

خلاف ورزی میں بنائے گئے تھے۔ تغلق پور، صالح پور اور گوہانہ کے منادر کے ضمن میں خاص طور پر یہی وجہ بیان کی گئی ہے[۶]۔ جاج نگر اور نگر کوٹ کے مندر فوجی مہم کے دوران منہدم کیے گئے[۷] اور بعض مندر کی بابت یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ اس لیے توڑے گئے کہ وہ گمراہی و بد اخلاقی پھیلانے کا وسیلہ بن گئے تھے[۸]۔ انھیں عوامل کے تحت فیروز شاہ کے عہد میں کچھ مندر توڑے گئے۔ ایسا نہیں ہے کہ منادر کا انہدام اس کی بنی بنائی سیاسی پالیسی کا حصہ تھا۔ اس ضمن میں ایشور ٹوپا کی یہ رائے بہت متوازن معلوم ہوتی ہے:

" فیروز شاہ نے ایک طرف اسلامی قانون کے تحت اور دوسری طرف پبلک بھلائی کے پیش نظر ان مندروں کو توڑا۔ فیروز شاہ نے عام طور سے بحیثیت سرکاری پالیسی کے مندر نہیں توڑے[۸]۔"

فیروز شاہ دراصل لوگوں کی مذہبی و اخلاقی زندگی کے سدھار کا خواہاں تھا اور وہ ان تمام ذرائع کو بند کرنا چاہتا تھا جو اس کے لیے ضرر رساں تھے۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سلطان نے اسی مقصد کے پیش نظر مندروں میں عورتوں کا جانا ممنوع قرار دیا[۸] اور دوسری جانب مزاروں پر عورتوں کی حاضری پر پابندی عائد کی[۹]۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے اوباش و بد طینت لوگوں کو غیر اخلاقی اعمال میں ملوث ہونے اور مذموم حرکتیں کرنے کا موقع ملتا تھا۔ اگر اس ممانعتی حکم کے پیچھے جو جذبہ کار فرما تھا اسے نہ ذکر کیا جائے یا صرف مندروں کے سلسلے میں بات کہی جائے تو یقیناً اس سے ظاہر ہوگا کہ سلطان متعصب و تنگ نظر واقع ہوا تھا۔ اور اس طرح آخر کار ہمارے فرقہ وارانہ جذبات کو بھی ہوا لگے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ فیروز شاہ نے ہندوؤں سے متعلق جو اصول و ضوابط جاری کیے یا انتظامی قدم اٹھائے وہ اس کی عام سیاسی پالیسی اور اصلاحی کوششوں کا جز تھے۔ ان سے مقصود سماجی و شہری حقوق کو سلب کرنا نہ تھا۔ سلطان کے زمانۂ حکومت میں ہندوؤں کو وہ تمام حقوق و مراعات حاصل تھے جو ذمی کی حیثیت سے شریعت کی روشنی میں انھیں ملنے چاہیے۔ تاریخی و فقہی ماخذ اس کی واضح شہادت پیش کرتے ہیں جس کی تفصیل میں جانے کا موقع یہاں نہیں ہے[۱۰]۔

اسی طرح فیروز شاہ کے بارے میں یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ ایک کٹر سنی مسلمان تھا اور اس نے مختلف ایسے فرقوں و تحریکوں کے خلاف سخت معاندانہ رویہ اختیار کیا جو عام سنی عقاید و نظریات سے میل نہیں کھاتے تھے۔ اس ضمن میں خاص طور سے شیعہ فرقہ کا نام لیا جاتا ہے۔ فیروز شاہ نے بعض متشدد شیعوں کے خلاف جو سخت قدم اٹھایا اگر اس کے پس منظر کی وضاحت کے بغیر یا سلطان کی دینی و سماجی اصلاحات سے الگ کر کے اس واقعہ کو بیان کیا جائے تو یہ بلا شبہ سلطان کے تعصب و تنگ نظری کی کھلی ہوئی دلیل فراہم کرے گا لیکن اگر اسے اس تناظر میں دیکھا جائے کہ سلطان نے ایک صالح و صحتمند

معاشرے کی تعمیر کے لیے دینی افکار و نظریات کی پرورش اور مذہبی و اخلاقی زندگی میں بگاڑ پیدا کرنے والے عقاید و خیالات کے سد باب کیلئے کوشش کی اور ان فرقوں و تحریکوں کے رہنماؤں کو قرار واقعی سزا دینے میں کسی نرمی کا ثبوت نہیں دیا جو اپنے گمراہ کن افکار و اعمال کے ذریعہ ذہنی بے راہ روی اور فکری کجی پیدا کرتے تھے[11]۔ اور اگر یہ بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ اس ضمن میں اس نے اباحتی و ملاحدہ فرقے کے سرغنہ، وحدت الوجودی فلسفہ کی آڑ میں گمراہی پھیلانے والے بعض نام نہاد صوفیا، فساد عقیدہ کی دعوت دینے والے کچھ شیعہ اور فتنۂ ارتداد کو ہوا دینے والے بعض برہمن میں کوئی تفریق و امتیاز نہیں برتا[12] تو اسے تنگ نظری یا کسی فرقے کی سرگرمیوں پر بیجا پابندی سے تعبیر کرنا حقائق کو مسخ کرنا ہوگا۔ "فتوحات فیروز شاہی" میں صاف صاف مذکور ہے کہ سلطان نے ان شیعوں کے تئیں سخت رویہ اختیار کیا جو دین کے مسلمہ عقائد کے خلاف افکار کی تبلیغ میں مصروف تھے اور لوگوں میں فکری کجروی پیدا کر رہے تھے[13]۔ ورنہ جہاں تک اہل بیت سے عمومی طور پر سلطان کی عقیدت و محبت کا سوال ہے معاصر مورخ برنی کے یہ الفاظ اس پر گواہ ہیں:

"در اخلاص اہل بیت رسول رب العالمین و در محبت خاندان خاتم النبین گوی سبقت از بادشاہان ربع مسکوں ربودہ است[14]۔"

سلطان فیروز شاہ تغلق کی سیاسی و مذہبی پالیسی کے بارے میں جو غلط بیانی پائی جاتی ہے، اس سے قطع نظر علوم و فنون کی دنیا میں اس کی دلچسپیوں اور اس کے عہد کی سرگرمیوں کی بھی صحیح عکاسی نہیں کی جاتی۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے صرف مذہبی علوم اور اسلامی لٹریچر میں دلچسپی لی اور اس کے عہد میں انہی علوم کی کتابوں کی تالیف و تصنیف عمل میں آئی اور یہ کہ دوسرے علوم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا اور نہ ہی ان کی ترویج و اشاعت کی جانب اس نے کوئی توجہ دی۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان کی علمی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ بلاشبہ فقہ و فقہی علوم سے اسے خصوصی شغف تھا۔ لیکن اس کے ساتھ تاریخ، علم ہئیت و طب میں بھی اس کی دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے[15]۔ عہد فیروز شاہی کی تصنیفی و تالیفی یادگاروں میں تفسیر تاتارخانی، فتاوای فیروز شاہی، فتاوای تاتارخانی، فوائد فیروز شاہی اور طرفۃ الفقہاء کا عام طور پر تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا حوالہ بہت کم ملتا ہے کہ اس کے دور میں تاریخ، طب اور ہئیت و موسیقی سے متعلق کتابیں بھی لکھی گئیں۔ جن میں بعض اسی کے نام معنون ہوئیں۔ مثلاً تاریخ فیروز شاہی، طب فیروز شاہی اور دلائل فیروز شاہی۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موخر الذکر کتاب علم ہئیت کی ایک سنسکرت کتاب کا فارسی ترجمہ ہے جسے سلطان کی ایما پر عزالدین خالد خانی نے کیا تھا[16]۔ علم ہئیت سے اس کی ذاتی دلچسپی

اس سے بھی بجا طور پر واضح ہوتی ہے کہ اس نے خود ایک اسطرلاب تیار کیا تھا جو " اسطرلاب فیروز شاہی کہلایا اور منارہٗ فیروز شاہی پر نصب کیا گیا[17]۔ سلطان نے سنسکرت کی دوسری کتابوں کا بھی فارسی میں ترجمہ کرایا اور اس طرح ہندوؤں کی علمی خدمات سے مسلمانوں کو متعارف کرایا۔ مزید براں اس کے عہد میں فن موسیقی سے متعلق جو کتاب (غنیۃ المنیہ) لکھی گئی تھی۔ اس میں ہندستانی موسیقی کا خصوصی تذکرہ ملتا ہے۔ علم طب کے فروغ پر اس نے کافی توجہ دی۔ اس کے زمانۂ حکومت میں اس موضوع پر نہ صرف مفید کتابیں مرتب کی گئیں بلکہ اس فن کے سیکھنے و سکھانے کا بھی اہتمام کیا گیا اور شفاخانے قایم کئے گئے جہاں مختلف امراض کے ماہرین علاج و معالجہ کی خدمات انجام دیتے تھے[18]۔ ان حقائق سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ سلطان کا تصور علم بہت وسیع تھا اور اسی لیے عہد فیروز شاہی کی علمی سرگرمیاں کسی خاص دائرے میں محدود نہ تھیں بلکہ مختلف جہات میں جاری ہوئیں۔ اس کے عہد میں مکاتب و مدارس کی کثرت اور مختلف علوم وفنون کی کتابوں کی تالیف و تصنیف اسی حقیقت کی غماز ہے۔ علم کی اشاعت کے لیے سلطان نے جو نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کا اعتراف "پروموشن آف لرننگ ان انڈیا" کے مصنف این۔ این لا کے یہاں ان الفاظ میں ملتا ہے:

> "فیروز شاہ سے قبل مسلم حکمرانوں میں کوئی ایسا حکمراں نہیں گزرا ہے جس نے عوام میں علم کی ترویج کے لیے اس کے بقدر کوشش کی ہو"[19]

مختلف اسکولوں اور تعلیم گاہوں کی درسی کتابوں کا المیہ یہ ہے کہ ان میں واقعات کو توڑ مروڑ کر اور حقایق کو مسخ کرکے ہندستان کے مسلم حکمرانوں کی تاریخ میں ایسی چیزوں کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ جس سے غیر مسلموں کے ساتھ ان کی دشمنی اور غیر منصفانہ روش ثابت ہو اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان باتوں کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے گویا اسلام کی تعلیم یہی ہے اور مسلم حکومت کی خصوصیات میں یہ چیزیں داخل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نوع کی تاریخ نگاری سے باہمی نفرت و عداوت کے علاوہ اور کیسے جذبات پروان چڑھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر درسی کتابوں میں عہد فیروز شاہی کے تاریخی واقعات میں جزیہ کا نفاذ، مندروں کا انہدام اور بعض فرقوں کے خلاف سخت اقدام کو نمایاں مقام دیا جاتا ہے لیکن فیروز شاہ کے جو کارنامے بلا تفریق دین ومذہب جملہ عوام کی فلاح و بہبود سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی جانب اشارہ بھی نہیں ملتا۔ کتنی درسی کتابیں ہیں جو فیروز شاہ کے بیان میں ان حقائق کو بے نقاب کرتی ہیں کہ سلطان نے اس وقت کے محدود وسائل کی روشنی میں بیروزگاری کے انسداد کی تدبیر کی۔ کوتوال کے ذریعے شہر کی حالت کے حالات کی تفتیش کی۔ اور بیکار لوگوں کی ان کی صلاحیت واستعداد کے مطابق کام پر لگایا[20]۔ یا یہ کہ اس نے غریب خاندان کی لڑکیوں کی شادی کے لیے دیوان خیرات کے نام سے ایک مستقل محکمہ قایم کیا اور اعلان کرایا کہ نادار لوگ جن کے یہاں شادی کے قابل لڑکیاں ہیں وہ اپنا نام اس محکمے کے دفتر میں درج کرائیں۔ اس محکمے کے

افسران پہلے نام درج کرانے والوں کے حالات کی تحقیق کرتے اور پھر ان میں سے ہر ایک کو اس کی حالت و ضرورت کی مناسبت سے مالی امداد مہیا کرتے۔[21] اسی طرح درسی کتابوں میں شاذ و نادر ہی یہ بیان ملتا ہے کہ فیروز شاہ نے کسانوں کی بھلائی کے پیش نظر متعدد نہریں کھدوائیں۔[22] محاصل کی تشخیص و تحصیل میں کسانوں کے مفاد کو ملحوظ رکھنے پر خاص زور دیا۔[23] اور ان سب سے اہم یہ کہ کسانوں پر سے کروڑوں تنکوں کی معافی کا اعلان کیا جو اس کے پیش رو سلطان کے زمانے سے تقاوی کی صورت میں ان کے ذمہ واجب الادا تھے۔ اس عام معافی کا اصل سبب کسانوں کے حالات کی روشنی میں یہ احساس تھا کہ قرض کی وصولی کی صورت میں وہ زبوں حالی کا شکار ہو جائیں گے۔[24] مزید براں فیروز شاہ نے تعزیری نظام میں جو اصلاحات کیں، ان میں بھی انسانی فلاح و بہبود کے علاوہ اور کوئی جذبہ کارفرما نہ تھا۔ اس زمانے میں مجرمین بالخصوص باغیوں اور ان کے حامیوں کو جو اذیت ناک سزائیں دی جاتی تھیں سلطان نے ان پر پابندی عائد کی۔[25] اور اقبال جرم کے لیے ایذا دہی و تعذیب کا جو طریقہ رائج تھا اسے اس نے بھی ممنوع قرار دیا۔ لیکن اس نوع کے واقعات درسی کتابوں کے مرتبین کے لائق توجہ نہیں بنتے۔

مختصر یہ کہ عہد وسطیٰ کے ہندستان میں مسلم حکمرانوں نے جو اہم اقدامات کیے ان کو درسی کتابوں میں اگر صحیح سیاق و سباق میں پیش کیا جائے تو اس سے نہ صرف ان حکمرانوں کے تئیں برادران وطن کے انداز فکر میں تبدیلی پیدا ہوگی بلکہ باہمی میل جول اور بھائی چارگی کی فضا کو پروان چڑھانے میں بھی اس سے مدد ملے گی لیکن افسوس کہ اس کے برخلاف موجودہ دور میں تاریخ کی بیشتر درسی کتابیں مسلم حکمرانوں کے کردار اور ان کی سیاسی و مذہبی پالیسی کی ایسی تصویر کشی کرتی ہے کہ اس سے لامحالہ معصوم طلبہ کے دل و دماغ میں حکمرانوں اور ان کے ہم مذہبوں کے تئیں نفرت و عداوت کا احساس جنم پاتا ہے۔ ان درسیات کے جو مسموم اثرات ظاہر ہوتے ہیں، اس سے ہر دانا و بینا واقف ہے۔ اس لیے یہ از حد ضروری ہے کہ مذکورہ حقائق کی روشنی میں تاریخ کی درسی کتابوں (بالخصوص ابتدائی سطح کی) میں مناسب تبدیلی و ترمیم لائی جائے اور ان کے مسموم اثرات کو زائل کرنے کے لیے مختلف نہج سے کوشش کی جائے۔ خدا بخش لائبریری کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی سربراہی میں منعقد ہونے والا یہ سمینار اس سمت میں ایک اہم قدم تھا۔ اس میں ملک کے مختلف حصوں میں رائج تاریخ کی درسی کتابوں کا نہ صرف تجزیاتی تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا بلکہ وقت کے اس اہم موضوع پر بحث و مباحثے کے لیے آزادانہ و خوشگوار ماحول بھی فراہم کیا گیا۔

●●

حواشی و مراجع

۱۔ شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۹۱ء، ص ۲۸۴۔ حنفی مسلک کے مطابق مالی اعتبار سے ذمیوں کو تین طبقوں میں تقسیم کر کے ایک متعین تناسب کے ساتھ ان پر جزیہ عائد کیا جاتا ہے۔ فیروز شاہ نے یہاں شافعی و مالکی فقہاء کی رائے کو اختیار کیا جس کے مطابق ذمیوں کی طبقاتی تقسیم ضروری نہیں۔ امام اپنی صوابدید سے تمام ذمی باشندوں پر جزیہ کی یکساں مقدار عائد کر سکتا ہے۔

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون "عہد فیروز شاہی کا نظم محاصل شرعی قوانین کی روشنی میں" تحقیقات اسلامی (علی گڑھ) ۱/۳ جنوری۔ مارچ ۱۹۸۴ء۔ ص ۲۸ - ۴۲۔

۳۔ فتوحات فیروز شاہی۔ علی گڑھ ۱۹۵۴ء۔ ص ۵۔ عفیف۔ محولہ بالا۔ ص ۲۷۸ - ۲۷۹۔

۴۔ فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۹ - ۱۰۔

۵۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ۱۹۵۸ء۔ ص ۴۳۷۔

۶۔ فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۹ - ۱۰۔

۷۔ ایشور ٹوپا۔ ہندی مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اصول۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ، ۱۹۶۲ء۔ ص ۸۹۔

۸۔ سبحان رائے بھنڈاری۔ "خلاصۃ التواریخ" دہلی، ۱۹۱۸ء ص ۲۵۰۔

۹۔ فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۸ - ۹

۱۰۔ اس موضوع پر بحث راقم کے مضمون "غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت فتاوای فیروز شاہی کی روشنی میں" زندگی نو، ۱۲ ستمبر ۱۹۸۷ء۔ (ص ۱۶ - ۲۵) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۱۱۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون "فیروز شاہ تغلق کی دینی و سماجی خدمات"۔ تحقیقات اسلامی۔ ۲/۵ اپریل۔ جون ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۶ - ۵۷۔

۱۲۔ فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۶ - ۸، عفیف، ۳۷۹ - ۳۸۲

۱۳۔ فتوحات فیروز شاہی۔ ص ۶۔ نیز دیکھیے سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ص ۴۲۳ - ۴۲۴

۱۴۔ ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۶۰ء ص ۵۸۰۔

۱۵۔ "سیرت فیروز شاہی" نقل (مخطوط اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور) مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن، فارسیہ اخبار ع ۱۱۱۔ ص ۱۴۷، ۲۹۲ - ۲۹۷ - ۳۰۵، ۳۴۰۔

۱۶۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۸ء۔ ۱/ ۲۴۹۔ "سیرت فیروز شاہی" ص ۲۹۳۔

۱۷۔ "سیرت فیروز شاہی" ص ۹۵

۱۸۔ "فتوحات فیروز شاہی" ص ۱۵ - ۱۶، عفیف، ص ۳۵۶۔ "سیرت فیروز شاہی" ص ۲۳۵ - ۲۳۸ - ۲۴۰۔

۱۹۔ "این این بالا۔ پروموشن آف لرننگ ان انڈیا۔ دہلی، ۱۹۷۳ء ص ۵۶۔

۲۰۔ عفیف۔ ص ۳۳۴ - ۳۳۵

۲۱۔ عفیف۔ ص ۳۴۹ - ۳۵۱ - سیرت فیروز شاہی۔ ص ۲۳۸ - ۲۳۹۔

۲۲۔ برنی۔ ص ۵۶۷ عفیف ص ۱۲۷ - ۱۲۹

۲۳۔ برنی۔ ص ۵۷۴ عفیف ص ۹۴۔ "سیرت فیروز شاہی" ۲۱۱ - ۲۱۲

۲۴۔ عفیف ص ۹۲

۲۵ "فتوحات فیروز شاہی" ص ۲۔

●●

جناب تقی رحیم
پٹنہ

نصابی کتابوں میں فرقہ پرستی

پچھلے کئی برسوں سے خدا بخش لائبریری پٹنہ، ہمدرد فاؤنڈیشن دہلی اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے تعاون سے اہم مخطوطات پر جنوبی ایشیائی علاقائی کانفرنس کرتی چلی آرہی ہے۔ اس سے پہلے طب، صوفیت اور اردو ادب و دانشوری سے متعلق مخطوطات پر پٹنہ، علی گڑھ اور دلی میں سمینار ہو چکے ہیں۔ اس سال عہد وسطیٰ کی تاریخ سے متعلق مخطوطات پر ۲۲ سے ۲۶ مارچ تک پنج روزہ سمینار خدا بخش لائبریری (پٹنہ) کی عمارت میں ہوا۔ جس کا افتتاح بہار کے گورنر شری گوبند نرائن سنگھ نے کیا۔ اس بار کے سمینار میں خدا بخش لائبریری کے ڈائرکٹر جناب عابد رضا بیدار نے ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کی نصابی کتابوں میں فرقہ وارانہ نفرت و تعصب پیدا کرنے والی عبارتوں کا جائزہ لینے اور ان کے تدارک کی صورتوں پر غور و بحث کرنے کے لیے مخصوص نشستوں کا انتظام بھی کیا تھا اور اس کے لیے مختلف ریاستوں کے فضلا سے ان کی اپنی ریاست کی نصابی کتابوں کے متعلق خاص طور پر مقالے بھی لکھوائے تھے جو اس سمینار میں پیش ہوئے اور ان پر کافی جاندار بحثیں ہوئیں۔

اس پنج روزہ سمینار کی تفصیلی رپورٹ اخبارات میں آچکی ہے۔ اور یوں بھی اس موضوع کے فنی پہلوؤں سے ناواقف ہونے کے سبب مخطوطات سے متعلق ہوئی بحث کے بارے میں ہم کوئی رائے دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں لیکن ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے ہمیں اس امر کا شدید احساس ہے کہ ہمارے ملک میں خاص کر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ نفرت و تعصب کا اصل سبب عہد وسطیٰ کی تاریخ کی وہ مسخ شدہ تصویر ہے جسے برطانوی سامراجیوں نے ہمارے درمیان پھوٹ ڈالنے کے مقصد سے ایک منصوبہ بند سازش کے تحت تیار کروا کر ہماری درسی کتابوں میں شامل کر دیا تھا اور آزادی کے بعد بھی ملک کی تاریخ کو صحیح صورت میں پیش کرنے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا گیا اور ہم نو گرفتار مغربی مورخوں کے پڑھائے ہوئے سبق ہی کو آج تک طوطے کی طرح رٹے چلے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اسی احساس کے تحت ہم نے نصابی کتابوں کا جائزہ لینے والی خصوصی نشستوں میں شرکت کی اور ان پر ہوئی بحثوں پر آج اپنا خیال ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

اصل میں انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں ہندوؤں کے دلوں کے اندر مسلمانوں کی طرف سے بدظنی پیدا

کرنے کے لیے مسلم حکمرانوں کے مذہبی جبر اور ظلم و ستم کی کچھ ایسی من گھڑت داستانیں تاریخ کی کتابوں میں بھر دیں جنہیں پڑھ کر عہد وسطیٰ کی تاریخ کا بڑا ہی بھیانک اور ڈراؤنا تصور ہندوؤں کے ذہن میں قائم ہو گیا اور وہ اپنی تمام گراوٹ کا سبب مسلمانوں کو ماننے لگے۔ گرچہ تاریخ کی اس مسخ شدہ تصویر کو درست کرنے کی کوشش کچھ مسلمان فضلا کی طرف سے کی بھی گئی، خاص کر مولانا شبلی نعمانی اور ان کے قائم کردہ ادارے دارالمصنفین (اعظم گڑھ) نے اس سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں، لیکن ان کا کام ایک رخا اور صرف اردو تک محدود رہا اس لیے اس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہو سکا۔ قومی تحریک کے شباب کے دور میں پنڈت سندر لال اور کچھ دوسرے ہندو بزرگوں نے بھی اس طرف توجہ دی تھی لیکن ہماری قومی تحریک کی احیاء پرستانہ جبلی کمزوریوں کے سبب اس کا بھی کوئی خاص اثر نہیں ہو سکا اور لوگ عام طور پر نصابی اور دوسری طرح کی تاریخی کتابوں کے ذریعہ پھیلائے گئے نفرت و تعصب کے زہر ہی سے متاثر رہے۔ اس دوران غلامی کے دور سے لے کر آزادی کے زمانے تک درسی کتابوں میں درج دل آزار تحریروں اور ان کے ذریعہ مذہبی منافرت اور تعصب کے پھیلائے جانے کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے وقت وقت پر ایجی ٹیشن بھی ہوتے رہے۔ لیکن قومی یکجہتی کے تناظر میں اس مسئلے کو علمی انداز سے حل کرنے کی منصوبہ بند اجتماعی کوشش کا فقدان رہا۔ ہمارے خیال میں اس سمینار کے موقع پر پہلی بار اس جانب کامیاب قدم بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے جہاں عہد وسطیٰ کی تاریخ کے اساتذہ کے ملک گیر اجتماع میں اس مسئلہ پر معروضی ڈھنگ سے ٹھوس حوالوں کی روشنی میں کھل کر اجتماعی بحث ہوئی اور متفقہ طور پر کچھ سفارشات پیش کی گئیں۔

اس سمینار کے اندر نصابی کتابوں سے متعلق ہوئی مخصوص نشستوں میں بہار، مہاراشٹر، دہلی، یوپی، گجرات، آندھرا اور مدھیہ پردیش کی درسی کتابوں کے جائزے پر مشتمل الگ الگ خصوصی مقالات کے علاوہ سارے ملک کے اندر رائج نصابی کتابوں کا عمومی جائزہ بھی قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے اس سبجکٹ کے ماہر اساتذہ نے پیش کیا اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے فضلا کی ایک بڑی جماعت نے اس پر کھلے دل سے بحث کی۔ بحث میں حصہ لینے والوں میں سے ایک ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو چھوڑ کر جن کا خیال تھا کہ اس طرح کی دل آزاری باتیں ادھر چالیس برسوں کے اندر لکھی جانے لگی ہیں۔ باقی بھی لوگ اس امر پر متفق تھے کہ نصابی کتابوں میں مذہبی نفرت و تعصب کا زہر انگریزوں نے اپنی حکمرانی کے دور میں بھرنا شروع کیا تھا مگر نوآبادیاتی غلامی کے اس دور کی لعنت کا سلسلہ آزادی کے بعد بھی اب تک جاری ہے بلکہ مسٹر سوشیل سریواستو کا تو مقالہ ہی اس موضوع پر تھا کہ ہندوستانیوں کی نظروں میں انگریزی حکومت کو رحمت کا سایہ ثابت کرنے کے لیے اس نے مسلم حکمرانوں اور ان کی حکومت کی کتنی غلط اور مسخ شدہ

تصویر اپنی مرتب کردہ تاریخ ہند میں پیش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی حکومت کے دور میں پڑھائی جانے والی تاریخ کی تمام درسی کتابیں جو اِس ایل کے مسخ کردہ واقعات اور زہریلے خیالات سے بھری پڑی ہیں اور اس کے منحوس اثرات آج بھی ہماری تمام نصابی کتابوں پر قائم ہیں۔

نصابی کتابوں کا جائزہ لینے والے بھی مقالہ نگاروں کو عام طور پر یہ شکایت تھی کہ محمود غزنوی، فیروز تغلق، علاؤالدین خلجی اور اورنگ زیب وغیرہ کے مظالم کو بیان کرنے میں انتہائی مبالغے سے کام لیا گیا ہے اور ان کی برائیوں کو ان کی اسلامیت سے منسوب کر کے اور ان کی ساری زبردستی اور زیادتیوں کو ہندو دشمنی سے تعبیر کر کے خواہ مخواہ مذہبی منافرت پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذہبی رواداری پر مبنی ان کے کیے کاموں کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ گورنمنٹ کالج رامپور کے پروفیسر اوم پرکاش گپتا نے جماعت اسلامی کی نصابی کتابوں میں اکبر کے عقائد و کردار پر جس نا روا ڈھنگ سے حملہ کیا گیا تھا اس کا حوالہ پیش کرتے ہوئے اس متعصبانہ انداز تحریر کی شکایت کی۔

بحث میں حصہ لیتے ہوئے غلام سرور صاحب نے فرمایا کہ ہم بادشاہوں کی وکالت کیوں کریں؟ ان کی بادشاہت ہی سرے سے اسلامی حکم کے خلاف تھی۔ پیغمبر اسلام کی عزت و حرمت پر اپنی جانیں قربان کر دینے کو ہمیں تیار رہنا چاہئے، یہ فرض ہم پر عاید ہوتا ہے اب دیکھئے ہمارے ہاتھ میں مدھیہ کا سین بھارت ہے اس میں حضورؐ کی ذات مبارک پر ناروا حملے کئے ہیں، بھاگلپور کے ایک پروفیسر نے اسے کورس کیلئے لکھا تھا اس پر ایجی ٹیشن ہوا تو بہار سرکار نے اسے ضبط کر لیا مگر مصنف نے اسے پھر شائع کر دیا ہے۔ ہو بہو علاوہ اس بار اسے شریمتی اندرا گاندھی کے نام ارپت (معنون) کیا ہے۔ اب کس کی مجال ہے اس کتاب کو ضبط کرنے کی دھڑلے سے بک رہی ہے ستیہ رتھو پرکاش بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اس میں جو کچھ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف لکھا گیا ہے آپ اسے سن کر برداشت نہیں کر سکتے اس کتاب کی اشاعت پہلے ممنوع تھی اب بینڈ ہٹا دیا گیا ہے اور نہایت ہی سستے داموں فروخت ہو رہی ہے اصل میں اس طرح کے سوالات کو اٹھانا چاہئے۔

ڈاکٹر رضی احمد نے میکالے کے تعلیمی سسٹم پر چوٹ کرتے ہوئے کہا کہ جب تک تعلیم کا یہ طریقہ جاری رہے گا ہماری غلامانہ ذہنیت نہیں بدلے گی اور ہم آپس میں لڑتے رہیں گے۔ رشاہد رام نگری صاحب نے کہا کہ تاریخ میں صرف بادشاہوں کے قصے درج ہیں ضرورت ہے کہ مذہبی بزرگوں کے واقعات زندگی بھی پڑھائے جائیں اس سے اسلام کی صحیح صورت سامنے آئے گی اور لوگوں کو اسلام کو سمجھنے میں مدد ملے گی جس میں قومی یکجہتی پیدا ہوگی۔ کیونکہ مذہبی بزرگوں نے زور زبردستی کے بجائے محبت اور بھائی چارہ کا پیغام دیا ہے۔

دوسرے دن کی نشست میں ہم نے یہ کہتے ہوئے کہ ہم کسی ٹکسٹ بک کا حوالہ پیش نہیں کریں گے بلکہ ایک ایسی شخصیت

کی تحریر کا حوالہ پیش کر رہے ہیں جس کا اثر کمسن ٹم یک تیار کرنے والے سبھی لوگوں کے ذہن اور دماغ پر ہے ۔ وشوا تیہاس کی جھلکیاں سے حسب ذیل حوالہ پیش کیے :۔

(۱) اکبر کے وقت کی مذہبی رواداری اس کے لڑکے جہانگیر کے راج میں بھی جاری رہی ۔ لیکن پھر یہ دھیرے دھیرے مٹتی گئی اور عیسائیوں اور ہندوؤں پر کچھ مظالم ہونے لگے ۔ بعد میں اورنگ زیب کے راج میں مندروں کو توڑ کر اور بدنام جزیہ ٹیکس دوبارہ جاری کر کے ہندوؤں کو جان بوجھ کر ستانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ ۴۳۲

(۲) اس کے بعد آخری عظیم مغل اورنگ زیب آیا ۔ وہ بڑی سادگی سے رہنے والا عابد تھا اور کٹر مذہبی تھا اور اپنے مذہب کے سوا کسی دوسرے مذہب کو برداشت نہیں کرتا تھا ۔ اپنی ذاتی زندگی میں اورنگ زیب سادہ مزاج اور سنیاسی جیسا تھا ۔ اس نے ارادہ کر کے ہندوؤں کو ستانے کی پالیسی چلائی ۔ اس نے ہندوؤں پر جزیہ ٹیکس پھر لگا دیا جہاں تک ہو سکا ہندوؤں سے سب عہدے چھین لیے ۔ اس نے ہزاروں ہندو مندروں کو توڑ ڈالا اور اس طرح سے بہت سی پرانی حسین عمارتوں کو دھول میں ملا دیا ۔ ۴۲۹

یہ حوالے پیش کرنے کے بعد ہم نے بتایا کہ یہ پنڈت جواہر لال نہرو کی تحریر ہے جنھیں ہم کسی طرح بھی فرقہ پرست نہیں کہہ سکتے ہیں پھر بھی اورنگ زیب کے متعلق نصابی کتابوں سے جتنے حوالے بھی یہاں پر پیش کیے گئے ان میں سے کسی سے بھی ان کی یہ تحریر کم سخت نہیں ہے ۔ اس لیے جب انھیں فرقہ پرست نہیں کہا جا سکتا تو اسی طرح کی تحریر کے لیے دوسروں کو کیسے فرقہ پرست قرار دیا جا سکتا ہے اسی طرح سے اوم پرکاش گپتا نے جماعت اسلامی کی درسی کتابوں سے جو حوالے پیش کیے ہیں اس سے کہیں زیادہ تفصیل کے ساتھ اور سخت الفاظ میں اکبر پر مولانا محمد میاں کی کتاب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" میں حملہ کیا گیا ہے ۔ واضح رہے کہ یہ کتاب مولانا حسین احمد مدنی کی سرپرستی میں مرتب کی گئی اور شائع ہوئی تھی ۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا حسین احمد مدنی دونوں قومی تحریک کے مانے ہوئے سالار اور کانگرس کے لیڈر رہتے پھر بھی تاریخ کو دیکھنے اور سمجھنے کے معاملے میں دونوں کا رویہ اتنا متضاد اور متخالف ہے کہ ایک کا ہیرو دوسرے کا ویلن ہے ۔

یہ معاملہ کسی بادشاہ یا اس کی حکومت کی وکالت کا نہیں بلکہ اپنی تاریخ کو ٹھیک سے جاننے اور سمجھنے کا ہے ۔

اصل میں اس الجھاوے کو بڑھانے میں انگریزوں کی تفرقہ ساز سامراجی پالیسی کے سوا خود ہماری قومی تحریک آزادی کی قیادت کی کمزوریوں کا بھی کافی حصہ رہا ہے ۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد قومی تحریک میں حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگاتے ہوئے شامل ہوئے تھے اور گاندھی جی نے رام راجیہ کی الاپتے ہوئے اس کی قیادت سنبھالی تھی ۔ یہاں پر دوسرے مسلم رہنماؤں خاص کر علی برادران کا ذکر اس لیے ہم نے ضروری نہیں سمجھا کیوں کہ گاندھی جی کے ساتھ ویسا مستقبل اور شاندار

سیاسی اتحاد ان میں سے کسی کا بھی نہیں رہا جیسا مولانا آزاد کا۔ بہر کیف مولانا آزاد کے ذہن میں حکومت الٰہیہ کا اور گاندھی جی کے ذہن میں رام راجیہ کا چاہے جتنا بھی بلند جمہوری اور سیکولر مفہوم رہا ہو مگر ان کے عام پیروؤں کا ان مذہبی اصطلاحات کی بھول بھلیوں میں گمراہ ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ مولانا آزاد کے حکومت الٰہیہ کے نعروں سے متاثر مسلمانوں کے دلوں میں اکبر کے لیے کوئی گنجائش کا پیدا ہونا ممکن نہیں تھا۔ ان کے سامنے تو زاہد مرتاض اورنگ زیب عالمگیر تاریخی طور پر آدرش حکمراں بنا رہا۔ اسی طرح سے گاندھی جی کے رام راجیہ کے نعرے کا اثر قبول کرنے والے ہندو اورنگ زیب کو کبھی بھی اچھا حکمراں تسلیم نہیں کر سکے ان کے دلوں میں تو اکبر کے لیے بھی مشکل ہی سے گنجائش نکل سکے گی وہ اپنا اصل ہیرو تو یقیناً رانا پرتاپ ہی کو مانیں گے۔ اس طرح سے تحریک آزادی کے دوران ذمہ دار قائدین کی طرف سے لگائے گئے احیاپرستانہ نعروں کی وجہ سے عہد وسطیٰ کی تاریخ اور اس دور کے حکمرانوں اور حکومت کے متعلق وطن دوست ہندوؤں اور مسلمانوں میں الگ الگ دو متضاد اور مختلف تصور قائم ہو گئے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ کا بیج انگریزوں نے بویا اور انھیں کی پرورش و پرداخت سے اس کا زہریلا پودا برگ و بار بھی لایا لیکن ملک کی عوامی زندگی کو اس کے زہر سے پوری طرح شرابور کر دیا ہماری قومی قیادت کی سیاسی حماقتوں نے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ برطانوی سامراجیوں کی ساری فتنہ انگیزیوں اور تفرقہ سازیوں اور ہمارے تمام تر سماجی نقائص کے باوجود اس صدی کی دوسری دہائی میں مذہبی اور سماجی جکڑ بندیوں سے بلند ایک ایسی آزاد خیال اور ترقی پسند قومی قیادت اس ملک میں ابھر چکی تھی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کے بل پر دستوری اصلاحات کے ذریعہ مکمل خود اختیاری حکومت حاصل کرنے پر یقین رکھتی تھی اور اپنے طور پر عوام کو گرد و بند کرنے میں کافی حد تک کامیاب بھی تھی ۱۹۱۶ء کا لیگ کانگرس لکھنؤ پیکٹ، ہوم رول تحریک اور رولٹ ایکٹ کے خلاف ملک گیر ایجی ٹیشن اس کے کھلے ثبوت ہیں۔ یہ بھی ایک تسلیم شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ جلیان والا باغ کے مظالم اور خلافت کے سوال کو لے کر ۱۹۱۹ء اور ۲۰ء میں ہندو مسلم اتحاد کا جیسا روح پرور نظارہ دیکھنے میں آیا ویسا سیاسی اتحاد ہندوستان کی عوام کے درمیان تاریخ کے کسی دور میں بھی نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن بعد میں عدم تعاون کی تحریک کو جس طرح سے مذہبی رنگ میں رنگ دیا گیا اس سے عوامی زندگی میں احیاپرستی کا زور بہت بڑھ گیا اور اس کا نتیجہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی سیاسی نااتفاقی کی صورت میں ظاہر ہوا جس نے متحدہ ہندوستان اور متحدہ قومیت کے تصور ہی کو پارہ پارہ کر دیا۔

تاریخی مباحثہ میں اس بات پر ضرور دھیان رکھنا چاہیے کہ کوئی بھی آدمی چاہے وہ جتنا بھی عظیم اور بزرگ کیوں نہ ہو دیوتا نہیں بن سکتا۔ اس کی انسانی کمزوریاں اس کے ساتھ لگی رہیں گی اور وہ غلطیاں کرتا رہے گا۔ چنانچہ اگر اکبر

اور اورنگ زیب نے غلطیاں کیں تو گاندھی جی اور جواہر لال نے بھی کیں۔ مولانا آزاد، مولانا محمد علی اور مسٹر جناح نے بھی کیں۔ اگر سوامی دیانند سرسوتی نے غلطی کی تو سر سید نے بھی کی۔ ہمیں ان کی اچھی باتوں اور اچھے کاموں کو یاد رکھنا اور صالح روایات کو آگے بڑھانا ہے۔ لیکن ان کی غلطیوں کی کوئی تاویل کیے بغیر غلطی مان کر نظر انداز کر دینا ہے۔ اپنے رہنماؤں کی غلطیوں کا خمیازہ ہم لوگ بہت کافی بھگت چکے ہیں۔ اب ان سے سبق لے کر اس منقسم ہندستان کے شہری کی حیثیت سے ہمیں سارے مسائل کو نئے انداز اور نئے حوصلے کے ساتھ دیکھنا چاہیے۔ اکبر اور اورنگ زیب کی حکومت نہ اسلامی حکومت تھی اور نہ مسلمانوں کی حکومت تھی۔ وہ اسی طرح محض ایک شاہی خاندان کی حکومت تھی جس طرح سے اس ملک کے اندر کبھی موریہ اور گپتا ونش کی حکومتیں قائم تھیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار کرنا اپنی تاریخ کی عظمت سے انکار کرنا ہوگا کہ مغلیہ سلطنت کے دور میں ہندستان کی ایسی ہمہ طرفہ ترقی ہوئی اور اسے اتنا فروغ حاصل ہوا تھا کہ اس وقت اس کا شمار دنیا کے مضبوط ترین اور خوشحال ترین ملکوں میں ہوتا تھا اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اکبر کے مقابلے میں اورنگ زیب نے سلطنت کے حدود کو بہت بڑھایا۔ اور اس کے دور میں صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت غرضکہ قومی معیشت کو ہر پہلو سے زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ کیونکہ یورپین تجارتی کمپنیوں کی بدولت ہندستانی مال دنیا کی سبھی منڈیوں پر چھا گیا تھا۔ اور عالمی بازار میں اس کی مانگ بہت بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ ساری دنیا کا سونا چاندی مختلف راستوں سے ہندستان میں کھنچا چلا آ رہا تھا۔

مغلیہ سلاطین یا ہندستان کے دوسرے مسلم حکمرانوں کے جبر و دباؤ، ظلم و زیادتی اور قتل و خون کے ذکر کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ اس زمانے میں تخت و تاج کا فیصلہ تلوار کے بل پر ہوتا تھا۔ اس لیے کشت و خون کا بازار ہرا بر ہی گرم رہا کرتا تھا۔ اقتدار کے لیے یہ لڑائیاں ہندو اور مسلم حکمرانوں کے درمیان بھی ہوتی تھیں اور بسا اوقات دونوں ہی فریق ہم مذہب بھی ہوا کرتے تھے۔ لیکن ہر حالت میں لڑنے والے دونوں فریقوں کی طرف سے ہندو اور مسلمان دونوں ہی جانبازی کے لیے موجود رہتے تھے اس زمانے میں سیاسی وفاداری شخصی، خاندانی، نسلی، قبائلی یا علاقائی ہوتی تھی، مذہبی قطعی نہیں ہوتی تھی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محمود غزنوی سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک جتنی لڑائیاں بھی اس ملک میں ہوئیں، ان میں سے کوئی بھی لڑائی ایسی نہیں جس میں مسلمان حکمرانوں کے ساتھ ان کے ہندو سردار سر کاٹنے اور کٹانے کو موجود نہیں رہتے ہوں۔

غرضکہ عہد وسطیٰ کی تاریخ کو اس دور کے خصوصی حالات اور ان سے پیدا اس زمانے کے سیاسی اخلاق و اقدار کی روشنی میں دیکھنے سے یہ حقیقت بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اورنگ زیب، اکبر، شیر شاہ اور علاءالدین خلجی جیسے اولوالعزم

اور بلند حوصلہ مسلمان حکمرانوں نے اپنی شمشیر زنی کی قوت اور حکمت و تدبر کے جوہر و ملک گیری کی صلاحیت کی بدولت ہندستان کی عظمت کو اسی طرح سے چار چاند لگایا اور اس کے اقبال کے ستارہ کو آسمانوں تک بلند کیا جس طرح سے اس کے پہلے چندر گپت، اشوک، سمندر گپت اور وکرمادتیہ جیسے باتدبیر اور تلوار کے دھنی ہندو حکمرانوں نے اپنی ہمت و شجاعت کی بدولت کبھی اس کی عظمت کو چار چاند لگائے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ ذاتی اقتدار اور خاندانی حکومت کے لیے ہندو اور مسلم حکمرانوں کے درمیان ہوئی اس عہد کی لڑائیوں کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی جنگ قرار دینا فرقہ پرستوں کے دماغ کا فتور اور ویسی ہی خطرناک شرارت ہے جیسے اس زمانے میں ہندو اور مسلمان امیدواروں کے درمیان ہوئے کسی انتخابی مقابلہ کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مذہبی لڑائی کہنا!

یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانے کے سماجی حالات اور سیاسی اخلاقی اقدار کو دیکھتے ہوئے پرتھوی راج، رانا پرتاپ اور شیواجی کو بھی ہندستان کی تاریخ میں ایک عزت کا مقام ملنا چاہیے۔ پر انہیں چندر گپت ثانی کے ہم پلہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔ تو پھر انہیں شیر شاہ، اکبر اور اورنگ زیب کی صف میں کیسے جگہ دی جا سکتی ہے جن کی عظمت و شوکت اور ہیبت و قوت کا دبدبہ ساری مہذب دنیا میں تھا ان کی ہمت و مردانگی اور عزم و ارادے کی مضبوطی میں کوئی کلام نہیں، لیکن ایسا سمجھنا کہ وہ لوگ کسی بلند قومی یا مذہبی آدرش کے لیے لڑ رہے تھے، سراسر سادہ لوحی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کے سامنے خاندانی اقتدار اور ذاتی افتخار کے سوا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

اور سب سے اہم بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ علاؤالدین خلجی، شیر شاہ، اکبر اور اورنگ زیب یا اس دور کے دلی کے دوسرے مسلم حکمراں ہندستان کے اتحاد اور اس کی عظمت و شوکت اور قوت و جبروت کی علامت تھے جبکہ رانا پرتاپ اور شیواجی وغیرہ علاقائی خود مختاری کے علم بردار تھے۔ ہندستان کے تمام وطن دوست مدبروں اور دانشوروں کو سر جوڑ کر غور کرنا چاہیے کہ موجودہ حالات میں ان دونوں رجحانوں میں سے کس رجحان پر زور دے کر ہم ہندستان کے اتحاد کو مضبوط اور اس کی سالمیت کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ ہندستان کی تاریخ کے ہر دور میں یہ دونوں رجحان کام کرتے رہے ہیں۔ کبھی ایک رجحان کا غلبہ رہا ہے اور کبھی دوسرے کا، لیکن ہندستان کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس ملک کو عظمت اور شوکت اسی وقت حاصل ہوئی جب علاقائی خود مختاری کے بے جا انتشار پھیلانے والے رجحان پر قابو پا کر اس سے متحد کیا گیا۔ اور دوسری صورت میں یعنی مرکزی قوت کے کمزور کرنے پر سارے ملک میں کمزوری آئی اور پورا ملک انتشار و زوال کا شکار ہوا۔

گرچہ اقتدار کے نشہ میں بدمست حکمرانوں کا دھیان ابھی تک اس طرف نہیں گیا ہے لیکن عام پڑھے لکھے لوگ اب نئے انداز میں سوچنے لگے ہیں، اس کا احساس تو ہمیں پہلے ہی سے تھا پر اس سمینار سے ہمارے اس احساس میں

اور بھی مقبولیت ملی آئی۔ چنانچہ بحث میں حصہ لیتے ہوئے ڈاکٹر برج راج دیو نے کہا کہ اگر مسلمانوں کے راج میں اسی طرح زبردستی مسلمان بنایا گیا ہوتا تو دلی اور اس کے ارد گرد اتنی بڑی تعداد میں ہندو باقی کیسے رہ جاتے ؟ اور پھر اس بڑی تبدیلی مذہب کے خلاف مذہبی بغاوت کیوں نہیں ہوئی ؟ سب سے بڑے پیمانے پر اور بڑی تعداد میں بنگال کے لوگوں نے مذہب تبدیل کیا جہاں سب سے کم زور زبردستی کرنے کا موقع تھا۔ اسی طرح سے بابو شیو پرساد سنہا نے کہا کہ محمود غزنوی حملہ آور تھا اور اسے حملہ کہنا چاہیے۔ آج بھی انگلینڈ میں ولیم کو حملہ آور ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن غور کرنے کی اصل بات یہ ہے کہ محمود غزنوی اپنے حملہ میں کامیاب کیوں اور کیسے ہوا ؟ بات یہ ہے کہ غزنوی پرتھوی راج کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر فوجی افسر اور باصلاحیت انتظام کار تھا۔ اور بات صرف پرتھوی راج کی نہیں۔ اسوقت ہندستان میں بے شمار خود مختار راجے تھے تو آپس میں لگاتار لڑتے رہتے تھے۔ ایسی حالت میں محمود غزنوی کا کامیاب ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور سومناتھ کے مندر کی مورتی محمود غزنوی نے نہیں توڑی تھی۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ آزاد ہندستان کے مسائل خود لوگوں کو نئے ڈھنگ سے سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ تاریخی تحقیق کا ذوق اور رجحان بڑھا ہے اور اب ایسی کتابیں اور مضامین ہندی اور انگریزی میں بھی چھپنے لگی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے اپنے دور میں ہندستان کی معیشت و نظام مملکت اور تہذیب و ثقافت کو کتنا فروغ دیا۔ اور اورنگ زیب اور اس کے جیسے دوسرے مسلمان بادشاہوں کو ہندو کش ظالم اور ستمگر کہنا کتنا غلط ہے۔ کیونکہ انھوں نے اگر اپنی سیاسی اور انتظامی مصلحتوں سے کچھ مندروں اور مٹھوں کو ڈھایا تو ان ہی مصلحتوں سے کچھ مندر اور مٹھ تعمیر بھی کرائے اور انہیں بڑی بڑی جاگیریں اور عطیات بھی دیئے چنانچہ اس سمینار میں اس طرح کے بہت سارے فرمانوں اور دستاویز کا مستند حوالوں سے چرچا ہوا۔ سچائی یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے تاریخ عالم کی جھلکیاں ۱۹۳۰ء میں لکھی تھی۔ اس وقت تک بہت ساری تاریخی صداقتیں اس طرح سے منظر عام پر نہیں آئی تھیں جس طرح سے آج ہمارے سامنے ہیں۔ اس لیے اسی پرانی لکیر کا فقیر بنا رہنا غلط ہوگا۔ ہمیں نئی تحقیقات کی روشنی میں سیاسی شخصیتوں کا نئے سرے سے جائزہ لینا اور اپنی تاریخ کو نئے انداز سے سمجھنا اور سمجھانا چاہیے ۱۹۳۰ء کے مقابلے میں تاریخی حقائق ہمارے سامنے زیادہ واضح صورت میں ابھر کر آگئے ہیں اس لیے تاریخی شخصیتوں کے مقام و مرتبہ کے تعین میں ہمیں زیادہ آسانی ہے۔ تاریخی تحقیق کا ذوق اور رجحان جس طرح بڑھتا جا رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ امید کرنا غلط نہیں کہ آنے والے دنوں میں نہ صرف اورنگ زیب اور اس کے جیسے دوسرے بادشاہوں بلکہ مولانا محمد علی اور مسٹر جناح جیسے سیاسی رہنماؤں کو بھی ہندستان کی تاریخ میں ان کے صحیح مقام اور مرتبہ کے مطابق جگہ دی جائے گی۔

ڈاکٹر کنور رفاقت علی خاں

پروفیسر شعبۂ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ،
جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

فرقہ وارانہ تاریخ نویسی

ہندوستانی تاریخ کے سنجیدہ عالم بغیر کسی جھجک کے اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ اس صدی کی فرقہ پرستی جو ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں دیکھی جاتی ہے اس کی کوئی نظیر برّ عظیم کی عہد وسطیٰ یا عہد قدیم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بہت سارے عوامل جیسے درس و تدریس، حصول تعلیم، تاریخ نویسی بطور خاص عہد وسطیٰ اور عہد قدیم کا ایک موثر حربہ ہے۔ جس کے ذریعہ یہ فرقہ پرست سیاست میں نیز سماج میں فرقہ پرستی کو پھیلاتے ہیں اور اسے دائمی قدر بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ فرقہ پرست مورّخ تاریخ کو مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا مرکزی خیال یہ ہوتا ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک ساتھ نہ رہ سکتے ہیں اور نہ کبھی رہے تھے۔ ایک سوچ سمجھ کر کام کرنے والے سیاسی اور سماجی نظام کے ماتحت۔ اور اگر انھیں ایک ساتھ رکھا گیا تو وہ آگ اور پانی کی طرح رہیں گے۔ آگ پانی کو اڑا دیتی ہے یا پھر پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ان کے الفاظ کے ذخیرے اور ان کا انتخاب مختلف ہے، لیکن ہندو اور مسلم فرقہ پرست ایک ہی زبان میں بولتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ یوروپین، جنھیں ہم میں سے بیشتر لوگ سامراجی مدرسہ کہتے ہیں، ان سے مختلف نہیں ہیں۔ سیاست میں تینوں گروہ آپس میں ایک دوسرے کے ہم نوا ہیں۔

یہ تینوں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی جانب ایک مخاصمانہ رویہ رکھتے تھے کچھ مسلمان رہنماؤں نے یہ سوچا کہ کانگریس اس موقف کو طے کر چکی ہے کہ اونچی ذات کے ہندوؤں کی حکومت ہندوستان میں قائم کرے۔ ہندو فرقہ پرست رہنماؤں نے کانگریس کی ہندو دشمنی کا نقشہ پیش کیا۔ رائے بہادر لال چند پنجاب ہندو سبھا کے بانی (۱۹۰۹ء) نے کانگریس پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ ہندوؤں کی خود عائد کردہ بدقسمتی ہے اور یہ کہ خاص ہندو مفاد کے لیے وہ کمزوری کا سرچشمہ ہے۔ ان کی کانگریس کے متعلق وہی رائے تھی جو آج کے ہندو فرقہ پرستوں کی ہے۔ یعنی یہ کہ یہ تنظیم مسلمانوں کو خوش کرتی ہے۔ اور ہندوؤں کے مفاد کی حفاظت کرنے سے انکار کرتی ہے۔ ساورکر سوچتا تھا کہ کانگریس کے رہنما (۱۹۳۸ء) ہر بار ہندوؤں کے مفاد سے غداری کرتے ہیں۔ لیکن مسلم لیگ کے تلوے چاٹتے رہتے ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ کانگریس ایک ہندو دشمن اور وطن دشمن تنظیم ہے۔ اس قسم کی سیاست نے دو قسم کے تاریخ دانوں کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ ایک جانب تو سامراجی اور ہندو مسلم فرقہ پرست تھے اور دوسری جانب نام نہاد فرقہ پرست

تاریخ داں تھے۔ ایک گروہ یہ سوچتا تھا کہ اسلام کی آمد نے پہلی بار عظیم ہندستانی قومیت کی عمارت میں دراڑ ڈال دی اور تب سے دو مختلف وجود کی شکل میں آئی۔ جادو ناتھ سرکار ایک مسلمان کو پردیسی دانشور سمجھتے ہیں، جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ بغیر ہند تعلق بنے ہندستان میں رہتا ہے۔ آر سی مجمدار نے یہ بتایا کہ یہ دونوں فرقے ہر چند کہ ساتھ ساتھ رہتے تھے لیکن پھر بھی وہ اپنے اپنے محور کے گرد گھومتے تھے۔ کے ایم پانیکر تک کا یہ حال ہے کہ جہاں انھوں نے اکبر کے عہد میں قوم پرستی کے عناصر تلاش کیے ہیں، وہاں وہ عہد وسطیٰ کے عہد کو مستقل طور پر ہندو مسلم تنازعہ کا عہد کہتے ہیں۔" ان کے خیال میں شیواجی اور رانا پرتاپ "ہندو نام کے حامی تھے اور یہ گویا علامت تھے ہندو انڈیا کے نئے جنم کی۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے ہندستانی سماج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اوپر سے نیچے اور یہ جو آج کی زبان میں دو الگ قومیں تصور کی جاتی ہیں ان کا وجود ابتدا ہی میں عمل میں آگیا تھا۔ ایک ہی سر زمین پر متوازی خطوط پر چلنے والے سماج وجود میں آئے۔ ہر مرحلے پر وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے اور شاید ہی کوئی رابطہ یا سماجی خلط ملط ان کے یہاں رہا ہو۔ بہت سے مسلم تاریخ داں بھی ہندوستانی عوام کے ماضی کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں۔ ہندستانی عوام جو پاکستان کے قیام کے بعد بھی ساتھ ساتھ رہتے ہیں باوجود اس کے کہ دو قومی نظریہ بنگلہ دیش کے قائم ہونے کے بعد تین قومی نظریے میں بدل گیا۔ مسلم مورخ اپنے ہندو مقابل سے پوری طور پر اتفاق کرتے ہیں۔ شیخ محمد اکرام جو کہ ایک ممتاز پاکستانی مورخ ہیں پانیکر کی مندرجہ بالا تحریر کو عظیم کارنامہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے ایک اور عظیم المرتبت پاکستانی مورخ کہتا ہے کہ عہد وسطیٰ اور عہد حاضر کی ہندستانی تاریخ بہت حد تک ہندو مسلم مذہبی و تہذیبی تناؤ کی تاریخ ہے۔ ہندستان میں اسلام نے صدیوں تک اپنے بیرونی کردار کو قائم رکھا اور ہندستان کے مسلمان آج بھی انہیں خطوط پر سوچتے ہیں۔

تقسیم شدہ عوام کی تاریخ بھی برطانوی حکومت کی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کا ثمرہ ہے جو کہ تاریخ دانوں کے درمیان آج بھی ورثے کی حیثیت سے ثابت و سالم ہے۔ دو قومی نظریے کی شاخیں برطانوی راج کی زبردست حامی تھیں جناح برطانیہ کی حمایت کو سیاسی کھیل تصور کرتے تھے ۱۸۔ بھائی پرمانند نے یہ اعتراف کیا کہ برطانیہ کی حمایت پر وہ یوں زور دے رہے ہیں کہ برطانیہ سے جو مسلمان کا اشتراک ہے اس پر سبقت لے جا سکیں۔ ۱۵ یہ مثلث جن کا میں نے اوپر کی سطروں میں حوالہ دیا ہے۔ یعنی برطانوی سرکار، لیگ جس کی قیادت جناح کر رہے تھے اور ہندو مہا سبھا جس کی قیادت بھائی پرمانند جیسے لوگوں کے ہاتھ میں بلا مقابلہ ان کی پیش رفت نہیں ہو سکی۔ کانگریس نے مہاتما گاندھی کی قیادت میں ایک عوامی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ یہ تحریک برطانوی سامراج کے خلاف تھی۔ انھوں نے اس بات کی حتی المقدور کوشش کی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکجہتی قائم

ہو۔ ہندو اور مسلمان دانشوروں کی ایک جماعت نے دو قومی نظریے کو چیلنج کیا اور اس بنیادی اتحاد پر زور دیا جو عہد وسطیٰ کے ہندستان کے مختلف طبقوں میں پایا جاتا ہے۔ برعظیم ہند کے تاریخ دانوں کو واضح طور پر مندرجہ ذیل چار گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا تھا۔

(۱) اہل مغرب/سامراجی　　(۲) مسلم فرقہ پرست تاریخ داں

(۳) ہندو فرقہ پرست تاریخ داں　　(۴) قوم پرست تاریخ داں

اب نئے تاریخ دانوں کا ایک پانچواں گروہ بھی آگیا ہے جو کسی مذہبی گروہ کو یک ... ایسی کہ اس کے اندر اندرونی تناؤ نہ ہو ... نہیں کرتی۔ فرقے کی بنیاد وہ پیشے اور کاروبار پر رکھتے ہیں نہ کہ مذہب پر۔ ایک تفصیلی بحث اس مختصر سے مقالے میں ان سبھی قسم کی تاریخ نویسی پر ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ میں خود کو ایک مختصر سے تبصرے میں محدود کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تبصرہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے کچھ بنیادی مشاہدوں پر مبنی ہوگا۔

بپن چندر نے پورے طور پر فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے تاریخی متن کو جانچا ہے جو کہ میرے خیال میں بہترین تجزیہ ہے۔ فرقہ پرست نظریے کو غذا ملتی ہے فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی سے اور قوم پرستانہ نظریے کو غذا ملتی ہے قوم پرستانہ تاریخ نویسی سے۔ فرقہ پرستانہ اور قوم پرستانہ تحریک کو بھی متعلقہ تاریخ نویسی سے غذا ملتی ہے اس طرح کی پیداوار کی ہمت افزائی کرتی ہے۔ زہر یا امرت آپ جو بھی کہنا مناسب سمجھیں دونوں طرح سے کام کرتا ہے۔ قوم پرست تاریخ داں بھی وہی اصول اور وہی طریقے استعمال کرتے ہیں۔ حقائق کے انتخاب خاص احتیاط سے امتیاز برت کر تاکہ اس سے دوسرے نتائج برآمد ہوں۔ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے اثرات اتنے زبردست تھے کہ قوم پرور رہنما بشمول عوامی رہنما گاندھی جی نے یہ تسلیم کیا کہ تاریخی ادوار میں بھی علیحدہ فرقے موجود تھے اور اس بات پر زور دیا کہ ان کے درمیان ایک کام چلاؤ اتحاد ہونا چاہیے جس طرح کہ عہد وسطیٰ میں ہوا تھا۔ قوم پرست تاریخ دانوں نے اکبر کو بحیثیت صلح کل پیش کیا ہے۔ برخلاف ان کے فرقہ پرست ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنے زاویہ نگاہ کی پیشکش کے لیے اورنگ زیب کا انتخاب کیا۔ ہر چند کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عہد وسطیٰ کی سوجھ بوجھ مذہبی اور نسلی بنیادوں پر قائم نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ بیشتر موقع پرستانہ ہوا کرتی تھی۔ ہر فرقے میں افقی اور عمودی تقسیم تھی جیسی کہ آج ہے۔

اہل برطانیہ اپنے تاریخ دانوں کے ذریعے کہ جن میں ایلیٹ کا نام بھی آتا ہے، ہندوؤں پر یہ تاثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ سفید فام قوم نے انھیں ظالمانہ، پریشان کن اور ایذا رساں غلامی سے جو ان پر وحشی اور غیر متمدن مسلمانوں نے لاد دی تھی، آزاد کرایا۔ قوم پرست اور مارکسی اسکالروں نے ایلیٹ کے پیش لفظ کے کافی اقتباسات لیے ہیں یہ ثابت

کرنے کے لیے کہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کے بیج برطانیہ نے بوئے۔ اس میں فرقہ پرست مصنفین نے کھاد ڈالی اور دونوں فرقے کے غریب عوام کی قسمت پر اس کی فصل کاٹی۔ ان لوگوں نے جن کے معاشی مفادات ان باتوں سے وابستہ تھے۔ مجھے انھیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہندوستان کی ایک تاریخ ہے۔ اس کا ارتقا موجودہ سماجی و اقتصادی مقام تک ہموار نہیں ہے اور نہ یہ ہے کہ وہ اہم واقعات سے خالی ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کا کوئی بھی عہد ایسا نہیں ہے جو کہ کسی نہ کسی طرح کے تنازعے سے آزاد رہا ہو۔ لیکن اس قسم کے تصادم اور لڑائی کا سبب سماجی و معاشی یا سیاسی ہوتا ہے مذہبی نہیں ہوتا۔ بالعموم لوگ یا تو اسی کے مذہب سے بیگانہ رہا کرتے تھے یا پھر اس کی عزت کرتے تھے اور اس کا مذہب ایک مخالفانہ رویہ بھی رکھتا ہو تو اسی کے ساتھ رواداری برتتے۔ اور یہ رواداری عالمگیر حیثیت رکھتی تھی۔ ایک حکمراں کی غیر رواداری، یا ایک مذہبی رہنما کا تعصب کبھی کبھی ناخوش گوار حالات پیدا کر دیتا لیکن ایسے مواقع شاذ و نادر ہی پیش آئے۔ ممتاز اسکالر، مثلاً بپن چندر، رومیلا تھاپر، عرفان حبیب اور جے سید اور ستیش چندر کے علاوہ بہت سے لوگوں نے فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی یا تو مخصوص طور پر یا پھر اپنی عام تصنیفات میں لکھ کر بہت کام کیا ہے۔ انھوں نے فرقہ پرست اور سامراجی تاریخ نویسی کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک بار پھر ان کتابوں کی جانچ پڑتال کی جائے جیسے وہ کتاب ہے جسے بھارتی ودیا بھون بمبئی نے شائع کیا ہے تاکہ عام طور پر عوام اور طلبا بطور خاص یہ جانیں کہ محمود غزنوی کے ہاتھوں سومناتھ کے مندر کا انہدام اور دیوتاؤں کے بت کو کشمیر کے حیر شاہ کے حکم سے پوت دینا اور جنوب کے ایک ہندو مہاراجہ کے ہاتھوں جینیوں کا قتل اور شمال میں ایک مسلمان بادشاہ کے حکم سے ہندوؤں کا قتل عام، یہ باتیں اتنی ہی سچ اور مستند ہیں جیسے آگ کی ایجاد یا فولاد کا انکشاف۔ لیکن ساری باتیں تاریخ کی تشکیل نہیں کرتیں۔ ہندوستانی تاریخ میں کچھ فرضی حصے ہیں جنھیں فرقہ پرست تاریخ دانوں نے مسخ کر کے فروغ دیا ہے ان میں سے کچھ پر میں بحث کرنا چاہتا ہوں۔

ہندو فرقہ پرست اور ہندو قوم پرست مورخوں نے ماضی قدیم کے ہندوستان کی عظمت کا گہرا اثر لیا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ فرقہ پرست عہد قدیم سے متاثر ہیں۔ عہد وسطیٰ کے مہاراجوں اور فوجی سرداروں جیسے رانا پرتاپ اور شیواجی سے بھی متاثر ہیں۔ برخلاف اس کے قوم پرستوں کو اکبر پر اتنا ہی ناز ہے جتنا اشوک پر۔ ہندو فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کی کچھ نمایاں خصوصیتیں ہیں۔

(۱) ہندوستانی تاریخ کا عہد قدیم نہایت شاندار ہے۔ حد تو یہ ہے کہ منفی پہلوؤں کی بھی تعریف کی جاتی ہے یا انھیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

(۲) ریاضی کے فارمولوں کی طرح انھوں نے ہندستانی تہذیب کے بھی مختلف نام دیئے ہیں، قدیم ہندستانی تہذیب، ہندو تہذیب، گپتا تہذیب جو کہ ہندوستانی تاریخ کا سنہرا دور ہے۔

(۳) عہد وسطیٰ سیاسی اور مذہبی ایذا رسانی کے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ برخلاف اس کے قدیم ہندستان میں مکمل رواداری اور امن تھا۔

جی۔ ڈی۔ برلا نے جو کہ عظیم صنعتی اور تجارتی اقلیم کے شہنشاہ ہیں۔ اپنے مالدار امدادی کرشنا میں وقفہ کے ذریعے اس دور کے طاقتور مرکزی وزیر کے۔ ایم منشی کی بہترین دعاؤں کے ساتھ اور بدترین فرقہ پرست مؤرخ آر۔ سی مجمدار کے دانشورانہ اشتراک میں ایک عظیم الشان سلسلے کی اشاعت میں مدد کی۔ یہ سلسلہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا نام [illegible] ہے اور یہ عام طور پر "ودیا بھون سیریز" کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کا عجیب و غریب کا نام ہے۔ بھارتی بھون کے صدر کے۔ ایم منشی اور اس سلسلے کے جنرل ایڈیٹر آر۔ سی مجمدار کو کہ جنھوں نے بڑی نفرت سے نام نہاد مسلم عہد کے نظام تسمیہ کو خارج کر دیا ہے۔ یہ بات یاد نہیں رہی کہ ان کے اپنے نام منشی اور مجمدار عربی الفاظ ہیں۔ جیسے انعام دار، جاگیر دار اور فرد نویس اور دوسرے بہت سارے پیشہ وارانہ نام اور مسلمانوں کے درمیان ذات کی بنیاد پر رکھے گئے نام جیسے پاٹل، پٹیل، چودھری زندہ علامتیں ہیں، عہد وسطیٰ میں مختلف مذہبی لسانی اور قومی فرقوں کے آپس کے ملنے جلنے اور باہمی اختلاط کی۔

قدیم ہندستانی عہد، ہندستان کی تاریخ کا بہت بڑا عہد ہے۔ جدید ہندستان کی تاریخ کا عہد رگ وید کے عہد سے چھوٹا ہے اور نام نہاد مسلم عہد او وید کے عہد سے زیادہ بڑا نہیں ہے۔ ایک جادوئی منتر سے ہندستانی مورخوں نے جن میں آر۔ سی مجمدار قابل ذکر ہیں، تہذیب کے تعلق سے اس پورے عہد کی شناخت گپتا کلچر کی ہے۔ الہامی کتاب رگ وید کو . . . تیرکر جن کے دیوتاؤں کو ہندستانی بشمول آریا صدیوں پہلے بھول چکے تھے۔ رگ وید میں تقریباً ایک ہزار پچیس اشلوک تھے۔ ان میں ڈھائی سو کے قریب یعنی تقریباً ایک چوتھائی اشلوک عظیم اندرا کی شان میں ملتے ہیں۔ دوسرا اہم خدا ورن ہے جو کہ آسمانوں کا حکمراں ہے اور جو کہ طوفانوں کا بھگوان ہے۔ اگنی ہے جو مقدس آگ ہے۔ اور سب سے بڑھ کر سوم ہے جو بھگوان کے لیے نشہ آور مشروب ہے۔ تنہا سوم کے لیے ایک سو پچیس اشلوک ملتے ہیں اور باقی اشلوک کی تقسیم دوسرے دیوتاؤں کے بیان ہو جاتی ہے۔ یہ سارے دیوتا ہندو مذہب اور مذہبی رسوم کے آئے ہیں اور ان کا اساطیر میں قابل ذکر مقام نہیں ہے۔ سنہرے عہد کے عام ہندوؤں کے مذہب میں بھی ان کا کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ وہ لوگ یا تو وشنو یا شیو یا عام دیویوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور یہ دیوی دیوتا ابتدائی دور کے آریاؤں کے لیے بالکل اجنبی تھے۔ آریا جن کی کوئی ذات

نہیں تھی، لیکن جو بعد میں ایک کٹر قسم کے ذات پات کے ماننے والے ہو گئے۔ مویشی پالنے والے مساوات پسند آریہ، اس کے بعد زراعت پیشہ آریہ جن کے ساتھ نصف غلام داسیاں ہوا کرتیں، اور اس کے بعد سامنتی آریہ۔ یہ سبھی لوگ کبھی بھی ایک تہذیبی گروہ میں نہیں رکھے جا سکتے ہیں۔ بے محل نہیں ہوگا اگر میں ڈی ڈی کوسمبی کے وِدیا بھون کی جلد اول، دوم، سوم کے ایک حصے کا ترجمہ پیش کردوں۔

"یوروپی تاریخ نویسی سائنسی طور پر صحیح ہے کیوں کہ اس کی بنیاد ان دستاویزات پر ہے جس کا تجزیہ بڑی ہوشیاری سے کیا گیا ہے۔ نیز آثار قدیمہ کی باقی ماندہ نشانیوں سے، کتبوں اور سکوں سے ان کا موازنہ کیا گیا ہے۔ عہد جدید کے ہندستانی مورخ نے ... اس کی کوشش کی ہے۔ تعصب کے سطحی فرق کے ساتھ۔ یہ مضحکہ خیز ہندستانی تاریخ نہیں ہے، جو آج بھی لکھی جارہی ہے۔ جس میں پورانوں کو مذہبی عقائد بنادیا گیا ہے۔ ویدوں کو لاکھوں سال پرانا قرار دیا گیا ہے؛ اور آج کی سبھی سائنسی ایجادات ایکرمون اور جراثیم کش کی ایجادات کو تارک الدنیا جوگیوں سے منسوب کردیا گیا ہے... شہادتوں کے یوروپی معیاروں کو مستعار کیا گیا ہے۔ منطق اور ... کی پیوند کاری کی گئی ہے۔ مقدس ہندو مت کی تمام تر بے وزن مابعد الطبیعات ہیں؟"

ہڑپا عہد، ویدک عہد، گپتا عہد اور راجپوت عہد، یہ سب نمائندگی کرتے ہیں مختلف صفوں اور مختلف تہذیبوں کی۔ ان میں سے ہندستانی تہذیب کونسی ہے؟ گپتا۔؟

گپتا عہد برہمن عہد کے احیاء کے ہی لیے مشہور ہے۔ ... اس واسطے کہ اس دور میں سنسکرت بہت ہمہ جہتی اور ترقی یافتہ شکل میں سامنے آئی اور سماجی اور طبیعاتی سائنسوں کو فروغ حاصل ہوا۔ یہ ترقی اس سے پہلے کے کرشنا عہد کے ترقی یافتہ مواد کی بنیاد پر ہوئی۔ اس دور میں ہندوستان کی اقتصادیات بہت اچھی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زوال کا دور گپتا خاندان سے شروع ہوا۔ اس پر بھی گپتا عہد ہندستانی تاریخ کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ کشن خاندان جس نے ایک دولتمند ترقی یافتہ اور مضبوط ملک پر حکومت کی۔ شاید ہی کبھی وہ اس طرح قدر و منزلت اور عزت و محبت سے یاد کیے جاتے ہوں، جس طرح عظیم المرتبت گپتا یاد کیے جاتے ہیں۔ بدھ مت کے ماننے والے کشن کی ہندو گپتا کے مقابلے میں بے توجہی تاریخ کی جانب ایک فرقہ پرستانہ رویہ ہے۔

صدیاں گذرنے کے بعد کشن ستی واہن کے دور کی بیش قیمت تجارت کافی کم ہوگئی۔ ہر چند کہ شاہی خزانے اور مندروں میں سونے اور چاندی کا ڈھیر جمع تھا۔ زوال کا بیج نام نہاد کسنہرے دور ہی میں ڈال گیا تھا۔ پروفیسر آر ایس شرما

نے انڈین ہسٹری کانگریس میں اپنا صدارتی خطبہ سناتے ہوئے کہا۔ کچھ اب میں شہروں کے عروج و زوال کے متعلق بھی کہنا چاہتا ہوں۔ اگر ہم ہڑپا زمانے کو ایک ۔ ۔ ۔ تو علم آثار قدیمہ اس بات کی شہادت بہم پہنچاتا ہے کہ کشن کے دور کے ہندستان میں ۔ ۔ ۔ کامل عروج پر پہنچ چکا تھا۔ سونکھ (متھرا) کی کھدائی میں سات تہیں توکشن عمارت کی تھیں اور ایک تہہ گپتا عمارت کی تھی۔ گپتا عہد کی عمارتوں کی غربت کشان عہد کے مقابلے میں اسے ۔۔ رو در کہنے والوں کے لیے رنج و غم کا سبب ہوگی۔ اور یہ شمالی ہند میں علم آثار قدیمہ کی ایک حقیقت ہے۔

اس امر سے کوسامبی بھی اتفاق کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ "گپتا عہد کے سونے کے سکے تاثر ڈالتے ہیں، لیکن عام خرید و فروخت کیلئے مشکل ہی سے کام آتے ہیں۔ ان کے چاندی کے سکے تو بدنامی کی حد تک کم تر درجے کے تھے۔ موریہ عہد کے پہلے کے سوراخ کیے ہوئے سکے اور ۔۔۔ کے نایاب اندوختہ میں صرف ایک سکہ مشہور رہوا۔ اور اس کے متعلق بھی شبہ ہے کہ وہ چاندی کا تھا۔ چینی سیاح فاہیان اور ہون سیانگ اپنے بیان پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ بیشتر لین دین بغیر پیسے کی تھی۔ اور کوڑی بھی استعمال کی جاتی تھی لیکن سکے بہت کم استعمال ہوتے تھے۔ مندروں، مٹھوں اور جاگیرداروں کے یہاں کی دولت یا اجناس کا ذخیرہ ترسیل کے کام نہیں آتا تھا۔ ڈی۔ ڈی کوسامبی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ ابتدائی گپتا عہد میں پھیلتی ہوئی گاؤں کی آبادی نے ایک مضبوط مرکز کے لیے دولت جمع کی۔۔۔ تجارت بھی ترقی پر تھی۔ لیکن اجناس کی فی کس پیداوار اور نقد تجارت کم تھی۔ باوجود اس کے کہ ڈھیر سارا سونا چاندی اور ہیرے جواہرات پوشیدہ تہہ خانوں میں بند تھے ۔ ۔ ۔ جو بیشتر بڑے پیمانے پر اجناس کی پیداوار کرتے تھے، زوال پذیر تھے۔ کبھی کے عظیم الشان شہر جیسے پٹنہ جو اب پیداوار کے لیے ضروری نہیں تھا۔ گاؤں میں بدل گیا جس میں کھنڈر بکھرے ہوئے تھے اور جسے لوگ مافوق الفطرت عناصر کی کارروائی تصور کرتے تھے۔

دوسرا اہم رویہ ہندو فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کا یہ ہے کہ اونچے طبقے کے ہندوستانی کلچر کی شناخت ہندومت سے کی جاتی ہے حتیٰ کہ دوسرے ممالک کے بیانات میں بھی۔ چینی اور ہندستانی تہذیب کے آپسی تال میل کا حوالہ دیتے ہوئے بھارتی ودیا بھون سیریز جلد پنجم کے مصنف کہتے ہیں کہ چینی ہندو کلچر کے اثر میں آیا اور ہندو نوآبادیات سیام میں قائم ہوئی۔ مصنف نے اس امر کے لیے معذرت مانگے بغیر کہ اس نے بدھشٹ یا ہندستانی کی بجائے ہندو لکھا ہے۔ چین اور جنوبی مشرقی ایشیا میں بودھ مت کے فروغ کے متعلق تحریر کیا ہے۔ مزید برآں ال گوپال ____________ ____________ ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہندوستان میں غربت مسلمانوں کی آمد سے شروع ہوئی۔ اسی طرح یہ سیریز جنوبی مشرقی ایشیا میں ایک اعلیٰ تہذیب کے زوال کے متعلق بتاتی ہے اور ساتھ ساتھ یہ

بھی اطلاع دیتی ہے کہ چشمے کا وہ منبع کہ جس نے ہندستانی نوآبادیات کی تہذیب کو دور دراز علاقے میں تیار کیا تھا خشک ہوچکا تھا۔ اسے براہ راست شمالی ہندستان میں مسلمانوں کی فتح سے ہم رشتہ کیے بغیر مصنف اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ ہندستان سے کوئی . . . نہیں اٹھایا گیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ سابق ہندچین ممالک کے مورخ اپنے قومی فن اور تہذیب کے متعلق کیا سوچتے ہیں لیکن اس سیریز کے مصنف یہ بتاتے ہیں کہ دیسی زبان و فن کے پھیلاؤ نے ان ممالک میں تیزی سے تہذیب کے زوال کا سفر کیا۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہندستانی ثقافت، روایت اور اساطیر بشمول بدھ ازم نے جنوبی مشرقی ایشیا کے بہت بڑے حصے پر نیز مرکزی اور مشرقی ایشیا پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ لیکن اس اثر کی ماہیت ہر جگہ یکساں نہیں تھی۔ مقامی تہذیب اور روایتوں کو بہت زبردست رول ادا کرنا تھا۔ ہندوستانی بودھوں کی رسومات اور ان کے طور طریقے سے مختلف طور پر وہ لوگ ہزاروں دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے پجاری مچھلی اور گوشت کھاتے ہیں۔ اور بڑے چاؤ سے مندروں میں بودھ پر چڑھاتے ہیں۔ مزید یہ کہ مصنف کا سنسکرت پر اندھا غرور انھیں پالی کو مقدس زبان اور مقدس عبارتوں کی زبان تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اور یہ کہ پالی کو پجاریوں کی زبان تسلیم کرتے ہوئے وہ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ دیسی زبانوں نے سنسکرت کی جگہ لے لی۔

فرقہ پرستوں کا جذبہ صرف مذہبی اعتقادات تک محدود نہیں ہے۔ زبان و ادب کے معاملے میں بھی وہ لوگ کافی ذاتی ہوتے جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے تصنیف و تالیف کے لیے عربی کو ترجیح دی جو کہ حیثیت اور مرتبے میں برطانوی دور میں لاطینی کو حاصل تھی۔ بہت سے لکھنے والوں نے وہی مقام سنسکرت کو دیا۔

سنسکرت ہندستان میں نہیں پیدا ہوئی۔ آریہ اپنے ساتھ ایک ترقی یافتہ زبان لائے اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا وہ انتہائی خوبصورت ادب کے سبب ترقی یافتہ اور مالا مال ہوتی گئی۔ تاہم وہ آخر ارباب اقتدار پجاریوں کی زبان ہو کر رہ گئی۔ رگ وید کے عظیم اشلوک ان لوگوں کے لیے جنھیں ہم مشکل سے تعلیم یافتہ کہہ سکتے ہیں بچوں کے گیت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ معدودے چند پڑھے لکھے لوگوں کے لیے وجہ اثر پذیری بھی ہوتے۔ اپنشد اور دوسرے مذہبی ادب جو سنسکرت میں ہیں صرف کچھ عالموں کے لیے ہیں یا ان لوگوں کے لیے ہیں جو عالم ہونے والے ہیں ان کے علاوہ پجاریوں کے لیے ہیں۔ عنقریب پجاری منتر پڑھیں گے بچے کی پیدائش پر اور شادی بیاہ میں بالکل ہی اجنبی زبان میں۔

فارسی اور انگریزی کی طرح سنسکرت جو کہ دیوتاؤں کی زبان کہلاتی تھی حملہ آوروں کی زبان بھی تھی۔ سنسکرت

بولنے والے آریوں کی تعداد نے جنوب میں ہندستان کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔ ممکن ہے فارسی بولنے والے وسطی ایشیائی لوگوں سے کہ انھوں نے بھی ہندستان کو اپنا گھر بنا لیا تھا کہیں زیادہ ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی زبان کبھی عوام کی زبان نہیں ہوئی۔ تاہم بہت سارے ہندوستانی اہل قلم ہر زبان کے لیے مختلف طریقے سے بولتے ہیں۔ وِدیا بھوشن سیریز کا معاملہ عجیب و غریب ہے جبکہ یوروپی اسکالر اس بات کا ذکر فخر سے کرتا ہے کہ لاطینی کو تیاگ دینے سے جدید یوروپی زبانوں کو فروغ حاصل ہوا۔ ہندستانی اہل قلم جنوب مشرقی ایشیا میں سنسکرت کے بجائے دیسی زبان کے رائج کیے جانے پر افسوس کا اظہار کرتا ہے اور ورناکلر زبانوں کے عروج کو زبردست انحطاط سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ اسکالر اس بات کی طرف دھیان نہیں دیتے ہیں کہ تامل الفاظ گریک اور مشرقی ایشیائی زبانوں میں داخل ہو رہے ہیں جس کے صاف صاف یہ معنی ہیں کہ دور دراز کے علاقوں میں ہندستان کے اثرات مرتسم ہو رہے ہیں۔ یقیناً ... دور میں سنسکرت کا احیا ہوا پھر بھی غریب دہقان اپنی مادری زبان نہیں بھولتے تھے۔

کالی داس نے اپنے ناٹک سنسکرت میں لکھے، لیکن ان کے کردار شودر، عورتیں اور وہ دوسرے لوگ جو سماج کے پچھڑے ہوئے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں پراکرت میں بولتے ہیں۔

ماقبل تقسیم کی فرقہ وارانہ تاریخ نویسی نیم پختہ تاریخ تھی، لیکن مابعد تقسیم کی تاریخ نویسی بشمول سیکولر تاریخ نویسی کی بلوغت سے اور وہ پورے طور پر پختہ ہیں۔ ہر چہار جانب بہت سے تحقیقی کام کیے گئے ہیں۔ ذیل کے پیراگرافوں میں میں سوچتا ہوں کہ رواداری کے مسئلے کی جانچ پڑتال کروں جس کی جانچ پڑتال مجھ سے پہلے رومیلا تھاپر، ہربنس مکھیا اور بپن چندر کر چکے ہیں۔ تسلسل کے خیال سے ممکن ہے کہ کچھ نکتوں کو دہرانے کی ضرورت محسوس ہو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اذیت رسانی اور ناروا داری کی مثالیں گو کہ اکثر دیکھنے میں آجاتی تھیں پھر بھی مستثنیات میں تھیں اور ایک وسیع دیہی سوسائٹی میں ... تھیں۔ اور برداشت عالمگیر تھی سوائے ان حالات میں جبکہ ایک گروہ، ذات اور طبقے کا ذریعہ معاش خطرے میں پڑ جاتے۔ لاکھوں آدمی شہر سے میلوں دور رہتے ہیں اور جہاں شہر نہیں ہوتے وہاں سیاسی صدر مقام سے بہت دور رہتے ہیں۔ وہاں انھیں یہ جاننے کا بھی موقع نہیں ملتا کہ سیاسی اقتدار کس کے ہاتھ میں ہے۔ اور حکمراں جو بھی ہو حکمراں رہے گا۔ اور غلام غلام رہے گا۔ کسان کا جو بھی مذہب ہو انھیں اپنی زائد پیداوار سرکاری عملے زمیندار یا مہاجن کو دینی پڑتی ہے۔ سماجی تصادم رام راجیہ کے دور میں بھی ہوئے تھے۔ کہیں تو یہ خالصتاً معاشی ہوتے ہیں لیکن بیشتر حالات میں یہ نسل اور مذہب کا لبادہ اوڑھ کر آئے ہیں۔ محمود غزنوی کے حملے جو آج بھی ہندستانیوں کے احساس کو مجروح کر رہے ہیں بالآخر حملے ہی تھے۔ اس نے ہر اس شے کو جو اس کی راہ میں آتی تھیں تباہ و برباد کر دیا۔ دوسرے حملے آور بھی

کچھ مختلف نہیں تھے۔ فرقہ پرست جہاں عربوں اور ترکوں کے حملے سے بیزار ہیں وہاں وہ ساکاس، ہنس اور گریک کے حملوں کے سلسلے میں غیر جانبدار ہیں لیکن آریوں کے حملے جو طوفانوں کی طرح یکے بعد دیگرے ہوتے تھے اور جو تقریباً ستر بار ہوئے ہیں۔ ان کے لیے مسرور کن ہوتے ہیں۔ آریوں کے حملے ان کے لیے باعث افتخار ہیں کیوں کہ انھوں نے ہندستان کو دیوتاؤں کے سماج میں پہنچا دیا اور اسے دھرم کی پوتر دھرتی بنا دیا۔ اور جنت کے لیے نیز نجات کیلیے ایک راہ بنادی چتور ورن کی حفاظت کی جو کہ دیوتاؤں کا نافذ کردہ سماج کا چار گنا نظم ہے۔ اور سنسکرت کو دیوتاؤں کی زبان بنا دیا اور اس ملک کو ایک ترقی یافتہ شہری سماج بنا دیا جو کہ آریوں کے حملے کے وقت موجود تھا۔ ان کے شہروں میں مندر ہوا کرتے تھے۔ جیسے ہڑپا کے کھنڈروں میں دیکھ سکتے تھے۔ اسکول کی درسی کتابیں نیز دوسری کتابیں یہ باتیں بتانے سے قاصر ہیں کہ آریوں نے ہمارے وطن میں کون کونسی تباہیاں مچائیں۔ کتنے شہروں کو انکے مندروں کے . . . . . . نے تباہ و برباد کیا۔ داس کون تھے؟ ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا۔ اس نوع کے مطالعہ کے لیے ہمیں کوئی مآخذ نہیں ملتا؛ بجز آثار قدیمہ اور ہر دور کی مقبول الہامی کتاب رگ وید کے۔ ڈی ڈی کوسامبی نے رگ وید سے معلومات حاصل کیں اور انھیں مختصراً ایک جملے میں بیان کیا: "آریوں نے ہندستان کی تہذیب کی مکمل بیخ کنی کی۔ رگ وید بتاتا ہے کہ اندر نے شہروں کو تباہ کر دیا۔ داسوں کے بنائے ہوئے بندھ کو توڑ دیا لیکن انھوں نے تعمیر نہیں کی اور نہ زراعت کے لیے نہریں کھودیں۔"

مختلف مسلم خاندانوں نے عظیم ہند کے مختلف علاقوں پر حکومت کی۔ ان میں سے کچھ حکمراں یقیناً متعصب تھے۔ وقتاً فوقتاً عہد کے مارے گئے اور ان کے مندروں کو تباہ کر دیا گیا لیکن وہی متعصب مسلم حکمراں تھے جنھوں نے مسلمانوں کو بھی بے دریغ مروایا۔ شبلی اور فاروقی نے اورنگ زیب کو فقیر منش لکھا ہے جبکہ ہند و مصنفین نے انھیں سنگدل اور متعصب شیطان لکھا ہے۔ بہر حال ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب یہ "فقیر صفت" بادشاہ اپنی عظمتوں کے ساتھ شاہجہاں آباد دہلی کے لال قلعے میں ہزاروں روپے کے تخت وطاؤس پر جلوہ افروز ہوا تو اس وقت اس کے باپ قلعہ اور تخت کے معمار نہایت ہی ذلت سے اپنے بیٹے کے قیدی کی حیثیت سے آگرہ کے قلعے میں زندگی گذار رہے تھے اور مزید یہ کہ اورنگ زیب کا بڑا لڑکا جو اس کے لڑکوں میں سب سے زیادہ (قابل) تھا۔ اسی طرح ذلت آمیز طریقے سے گوالیار کے قلعے میں قید تھا۔ اورنگ زیب کی لالچ کا یہ حال تھا کہ اس نے بار بار اس بات کا مطالبہ کیا کہ بیش بہا ہیرے جواہر جو اس وقت تک شاہجہاں کے ہاتھ میں تھے اس کے حوالے کیے جائیں۔ اپنے دور حکومت کے دوسرے حصے میں بلاشبہ اس نے ہندوؤں کے خلاف امتیازی قانون نافذ کیے لیکن اس کا ایک دوسرا رخ بھی تھا۔ اس نے بڑی فیاضی سے ہندوؤں کے مندروں کے لیے عطیات دیے اور بڑی تعداد میں ہر عہدے پر ہندو افسروں کو بحال کیا اور یہ تعداد مشہور زمانہ اکبر کے عہد سے بہت زیادہ تھیں۔ انسانی جذبات کے سلسلے میں اس

کی تشویش کی بڑی شہرت تھی اور اس نوع کی مراعات اپنے ان قیدیوں کے ساتھ بھی روا رکھتا تھا جن سے وہ سخت نفرت کرتا تھا۔ مثال کے طور پر ہم شیواجی کے پوتے اور اس کی ماں کا نام لے سکتے ہیں جو اورنگ زیب کے قید میں تھے۔ اس نے انہیں قید میں ضرور رکھا لیکن برسوں تک اس بات پر خاص توجہ دی کہ ہندوؤں کے رسم و رواج اور کھانے پینے میں ممنوعات کا خیال رکھا جائے۔

راسخ العقیدہ متعصب کٹر سنی مسلمان حکمراں مسلمانوں سے بھی تعصب برتتے تھے۔ فیروز شاہ اور اورنگ زیب نے بارہا صوفی فقیروں کی گردن مروا دی۔ اورنگ زیب کی یہ پالیسی کہ اس نے مندروں کو ــــــــ منہدم کرایا اور پھر دوسری طرف سب نے مندروں کو بیش بہا عطیات سے نوازا۔ اس قدر آپس میں متضاد ہیں کہ انہیں نہ تو فرقہ پرست تاریخدانوں کی زبانیں متعصبانہ کہیں گی اور نہ قوم پرور دانشوروں کی زبانیں روادارانہ کہیں گی۔ اورنگ ایلورا کے گپھاؤں والے مندر کے حسن اور اس کی عظمت سے اس درجہ مشہور ہوا تھا کہ اس نے حیرت زدگی کے عالم میں اسے صنعت صناع حقیقی قرار دیا ہیں اورنگ زیب کی طرف سے معذرت خواہ نہیں ہوں لیکن میں مخالف ہوں ان باتوں کا جو دونوں جانب کے فرقہ پرست اہل قلم لوگ کہتے ہیں۔ جادوناتھ سرکار جیسے اعلے مرتبت سوانح نگار نے مندر کے انہدام کے سلسلے میں کتاب کے اصل متن میں تحریر کیا ہے۔ لیکن کیلاش مندر کے لیے جو اس کے دل میں عقیدت تھی اسے ایک جگہ حاشیے میں شامل کیا ہے۔ (سرکار - - - - - - - -) مسلمان فرقہ پرست اہل قلم اس کے برعکس لکھتے ہیں۔

قتل اور غارتگری عہد وسطی میں بالعموم جنگوں میں ہوا کرتی۔ یا پھر کسی حملہ آور فوج کے ہاتھوں۔ لیکن حملہ آور یا جن پر حملہ کیا گیا ہو یا جنگ کے دونوں فریق کلی طور پر نہ ہندو ہوتے اور نہ کلی طور پر مسلمان ہوتے اور نہ جنگ میں قتل یکطرفہ ہوتے ہیں۔ فاتح فوج میں بھی کافی جانیں تلف ہوئیں۔ شہروں کی آبادی اور فوج کی تشکیل بالعموم ملی جلی ہوتی۔ حتیٰ کہ ہندو مسلم سپہ سالاروں کے مابین یعنی محمد بن قاسم اور راجہ داہر کے مابین جو جنگ ہوئی اس میں دونوں طرف کی فوج میں ہندو اور مسلمان ملے جلے تھے۔ داہر کی فوج میں مسلمان بھی تھے اور اسی طرح محمد بن قاسم کی فوج میں بھی ہندو فوجی شامل تھے۔ ان حالات میں دو یا چون سیریز میں تحریر شدہ یہ عبارت مناسب نہیں دکھائی دیتی کہ ان جنگوں میں ہندو مارے گئے اور انہیں غلام بنایا گیا۔ شہروں کو مسمار کر دیا گیا اور مندروں کو برباد کر دیا گیا۔ ہمارے پاس کوئی ایسی شہادت نہیں کہ قتل کرتے وقت یا غلام بناتے وقت سپہ سالاروں نے یا فوجیوں نے (اور یہ بات ممکن بھی نہیں تھی) مذہب کی بنیاد پر تفتیش کی ہو۔ قتل کرنا اور غلام بنانا ہندوستان میں مسلمانوں کی فتح سے بھی عام تھا اور ان لوگوں کے درمیان جو پورے طور پر مسلمان تھے جنگ اور لڑائی کے طور طریقے یکساں تھے۔

ہوس پرستی بادشاہت کی خمیر میں ہوتی ہے۔ اقتدار کی ہوس نیز مال ومتاع کی لالچ اور سلطنت کی توسیع کا سودا دماغ میں ایسا بھرا تھا کہ اس کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ یہی اسباب ہیں جن کی بناپر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سبھی بادشاہوں نے ایک ہی طریقے سے حکومت کی۔ اگر ضرورت ہوئی تو انھوں نے مذہب کا استعمال کیا ورنہ اسے نظرانداز کیا اور اکثر جب انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کی حکمت عملیوں کو بروئے کار لانے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مذہب کی مخالفت کی جائے تو انھوں نے اس کی مخالفت بھی کی۔ ہندو اور مسلمان حکمرانوں کو جب دولت کی ضرورت ہوتی تو وہ مندروں کو لوٹ لیتے چونکہ مندروں میں دولت کا انبار لگا رہتا۔ دوسری طرف مندروں میں سوائے اینٹ اور پتھروں کی دیواروں کے کچھ نہ ہوتا۔ اسلیے حملہ آوروں کی نگاہ کبھی مسجد کی طرف نہیں اٹھتی البتہ اس وقت وہ مسجدوں پر بھی حملہ کرتے جب انھیں یہ معلوم ہوتا کہ وہاں دشمن پناہ گزیں ہیں اور یہی سبب ہے کہ کعبہ جو خانہ خدا ہے اسے بھی نہیں چھوڑا گیا۔ رسول اللہ کی وفات کے کوئی پچاس سال بعد امیوں نے جو رسول اللہ کے رشتہ مندوں میں تھے، کعبہ کو ڈھادیا۔

حد تو یہ ہے کہ کعبہ میں نصب شدہ سنگ اسود جسے لاکھوں مسلمان ہر سال چومتے ہیں، وہ اب سالم سیاہ اور بھورا پتھر نہیں ہے اس حملے میں یہ بھی چکنا چور ہو گیا تھا متعصب مسلمانوں نے اپنے تعصبات میں کچھ مندروں کو مسمار کیا ہوگا لیکن یہ مثالیں مستثنیات میں ہیں۔ مقدس سنگ اسود کی جو کہ واحد پتھر ہے جسے مسلمان بوسہ دیتے ہیں اور قابل احترام گردانتے ہیں کی لوٹ بھی مستثنیات میں ہے۔ ایک بار جب طاقتور دشمن ۔ ۔ ۔ مسلمان ایسے کسی دور افتادہ مقام پر سے بھاگئے تو بیس برسوں سے زیادہ عرصے تک نہ۔ وہ مسلمانوں نے دنیا پر خدا کے اس عظیم شے کو بوسہ دیے بغیر حج کے فرائض انجام دیئے۔ اگر مسلمان حملہ آور کعبہ پر حملہ کرتے ہیں تو اپنے مفادات کو بارآور بنانے کے لیے وہ دنیا میں کسی بھی عمارت کو منہدم کر سکتے ہیں۔

عہد وسطیٰ یا قدیم ہندستان کے حکمراں آزاد خیال، جمہوریت پسند اور سیکولر نہیں ہوتے تھے۔ آج کے دور کی ان خوبیوں کو ان کے نام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے دور کی قدروں کے زیر تحت حکمرانی کرتے تھے۔ وہ استبداد پسند تھے۔ دینی حکومت جس نے اس کے اختیارات کی حدیں باندھ دی تھیں، ان کے مفاد کے خلاف تھی۔ اقتدار ان کا دین تھا۔ قصر کرسی کا ان کی ساری سیاست تھی۔ اقتدار کے لیے رسہ کشی، مذہبی معاملات میں وہ روادار ہو سکتے تھے متعصب ہو سکتے تھے یا غیر متعلق رہ سکتے تھے۔ فرقہ پرستانہ عمل ایک ترقی پذیر اور مضبوط عمل سلطنت کے لیے سود مند ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس پر کاربند نہیں ہوتے لیکن اگر ضرورت پڑی تو بادشاہ اپنے فرقے کو بھی خواہ وہ نسلی ہو یا مذہبی دبانے سے باز نہیں آتا۔ تعصب، استبداد بالجبر اور مظالم مسلمان پادشاہوں کے بالخصوص ان کا تعصب اور تشدد ان کی ہندو رعایا کے لیے اتنے وسیع پیمانہ پر اور پرجوش طریقے سے مشہور کیا گیا کہ گویا اکبر کو اس میں کوئی عار نہیں تھا کہ وہ ساری مسلم قوم کو بشمول دستکار مزدور اور کسان،

خون چرگ، خون جبھا، لٹیرا، بحری قزاق، دشمن، تباہ کار طاقت، پرانے حملہ آور، بدخواہ اور ہمارے پرانے دشمن اور ہمارے کٹر دشمن کہیں، اسی طرح کی دشنام طرازیاں عام ہیں۔ یہ شعور اس لیے بیدار ہوا کہ تاریخ کی جگہ ایسی تاریخ رواج پاگئی جو نیم صداقت پر مبنی تھی۔ یہ سچ ہے کہ چتوڑ کے قلعے سے مغل اقتدار کے خلاف دفاعی جنگ کی گئی۔ یہ صحیح ہے کہ رانا سنگرام سنگھ نے بابر کی مخالفت کی اور اس سے نبرد آزما ہوا۔ ان کے لڑکے اودے سنگھ نے اکبر سے شکست نہیں مانی اور ان کے پوتے رانا پرتاپ سنگھ نے ساری زندگی اکبر سے جنگ کی۔ یہ سچائی غلط بیانی میں بدل کر فرقہ پرستانہ ہو جاتی ہے۔ اگر آپ وہی کہیں جو پانیکر اور دوسروں نے کہا۔ جب ہم انھیں "ہندو مزاحمت کا مردِ میدان" کہیں۔ یہ امر نیم صداقت بن جاتا ہے اور مہمل تاریخ کہلانے لگتا ہے۔ اگر آپ اس بات کو نظر انداز کریں کہ سنگرام کی تقریباً نصف فوج مسلمانوں کی تھی جس کی کمان محمود لودی اور حسن خاں میواتی کے ہاتھوں میں تھی۔ چتوڑ کے محاصرے میں ٹوڈرمل اور بھگوان داس اکبر کے ساتھ تھے۔ اور اسمٰعیل خاں پیدل فوج کا سپہ سالار اودے سنگھ کی طرف تھا۔ ہلدی گھاٹ کی مشہور لڑائی میں حکیم سور رانا پرتاپ کی طرف سے لڑا۔ اور مان سنگھ اور دوسرے بہت سارے لوگ اکبر کی طرف سے۔ یہی بات خسرو شاہ اور غیاث الدین تغلق کی لڑائی کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے جو کہ دلی میں لڑی گئی تھی۔ دونوں طرف فوج ملی جلی تھی۔

ہندو فرقہ پرست اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ سیاست سیاست تھی لیکن مذہبی تنگ نظری اور ظلم و استبداد ذاتی وجوہ کی بنا پر نہیں تھی بلکہ بنائے مذہب تھا۔ وہ کہتے ہیں۔

> "مذہب اسلام ایک قاتل کو قابلِ احترام سمجھتا ہے اور اسے ایک ... کی طرف قابلِ پرستش گردانتا ہے۔ یہ مذہب اپنے اہلِ مذہب کو دوسرے مذہب کے لوگوں کو مارنے کی ترغیب دیتا ہے اسلام کے عقیدے کے مطابق کافر کو قتل کرنا یا دوسرے مذہب والوں کے قتل کرنے سے اپنے ہم مذہبوں کی نظر میں بلند مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔ بصورت دیگر وہ شہید ہو جاتا ہے اور اس پر جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔"

مندرجہ بالا سطریں تحریر کرتے وقت فرقہ پرست یہ بھول جاتے ہیں کہ بھگوان کرشن نے اپنے عقیدتمندوں سے کہا تھا کہ وہ ان کے لیے لڑیں اور اس بات کا یقین دلایا کہ "اگر تم قتل کر دیئے گئے تو تمہیں جنت (شہید) ملے گی اور اگر جیت (غازی) گئے تو دنیا تمہاری ہوگی۔ تاریخ مذہبی اعتقادات اور مذہبی قانون کی کسوٹی پر نہیں پرکھی جا سکتی ہے۔ دھرم شاستر کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے کہ جسے رامائن اور مہابھارت کی کہانی میں نہ توڑا گیا ہو اور شریعت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے نام نہاد اسلامی دنیا نے چیلنج نہ کیا ہو۔ اگر عہدِ وسطیٰ میں مسلمانوں کے دور میں عصبیت تھی تو قدیم ہندوستان میں ہندوؤں کے

دور میں معاملہ مختلف نہیں تھا، لیکن جیسا کہ بیشتر کہا جا چکا ہے کہ یہ باتیں مستثنیات میں تھیں۔ رواداری قدیم ہندستان میں اور عصبیت عہد وسطیٰ کے ہندستان میں، یہ فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی ہے۔ ہم لوگ بالعموم اسی نوع کی تاریخ نویسی کے مارے ہوئے ہیں اسلیے ضرورت اس کی ہے کہ قدیم ہندستان میں جو ادھر ادھر تاریخ کی مثالیں ملتی ہیں ان پر روشنی ڈالی جائے۔

رواداری اشوک کے ریاستی پالیسی کی روح تھی جسے انھوں نے آخری دم تک برتا۔ تاہم اپنی حکومت کے آخری زمانہ میں بودھ مت دوستی کی پالیسی میں اتنا متشدد ہو گیا کہ اجیوکار اور جین جنھیں اس کی سرپرستی اور آزادی حاصل تھی پریشانیوں میں گرفتار ہو گئے۔ آخر کار اس نے منحرف بودھ راہبوں اور راہباؤں کو اس طرح دبانا شروع کیا کہ حکومت کی حمایت واپس لے لی اور سنگھ سے ان کے اخراج کا حکم دیدیا۔

نریندر گپت نے جو کہ گپتا خاندان کے آخری حکمرانوں میں تھے مگدھ پر حملہ کیا اور بودھوں کے مقدس بودھی درخت کو گیا میں کٹوا دیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا بودھ مت کی بیخ کنی کی۔ تامل پرانوں کی رو سے سیوا دھرم کو جینیوں پر مظالم ڈھا کر مضبوطی سے قائم کیا گیا۔ آٹھ ہزار جینیوں کو ستونوں کے سہارے کھڑا کر کے ان کے جسم پر میخیں ٹھونک دی گئیں، حتیٰ کہ ان کو بھی جولاؤں کے ہاتھوں اذیت اٹھانی پڑی۔

جے سنہانے (۱۱۲۸ ـ ۱۱۵۵) جو کہ کلہانا کا ہم عصر تھا (مصنف راجہ ترنگنی) اور جو کشمیر کی خوبصورت وادی پر راج کرتا تھا بتوں کو تڑوایا اور سرینگر کے نزدیک ان لوگوں میں د ر کو جلوا دیا۔ اس سے بھی مورتیوں کو توڑنا اور مندروں کی جائیداد میں مداخلت بے جا کرنا روپے کے لیے نہ کہ مذہب کے لیے عام تھا۔ کشمیر میں آٹھویں صدی میں جے پدا کے دور میں یہ واقعہ پیش آیا۔ حتیٰ کہ اگرہارا کی زمین جو پجاریوں کے قبضے میں تھی حکمراں نے لے لی۔ دوسرے حکمراں سمکرا اور من (۸۳۸ ـ ۹۲) نے مندروں سے وہ منافع لے لیا جو ـــــ صندل کی لکڑی اور دوسری چیزیں جو پوجا میں کام آتی ہیں کو بیچ کر ہوا تھا۔ (کلہانا)۔ اس نے چوسٹھ مندروں کو لوٹا اور مندر سے متعلق گاؤں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ ہندستانی تاریخ کا سب سے بڑا بت شکن ڈی۔ ڈی کوسامبی کے قول کے مطابق مہرشی (۱۰۸۹ ـ ۱۱۰۱) تھا جس نے کشمیر میں سوائے چار مورتیوں کے سب کو توڑ ڈالا۔ یہ کام بڑے بے ضابطہ طور پر ایک مستقل راج منتری دیوت پرتنانک کی نگرانی میں کیا گیا۔ کوسامبی مزید تحریر کرتے ہیں کہ مہرشی نے یہ کام اسی طرح شروع کیا کہ سب سے پہلے اس نے ایک غیر آباد بھیمک سیدا مندر (نزد منتظر) کہ جسے بھیم ساہی نے قائم کیا تھا کے خزانے کو ہنگامی طور پر ضبط کر لیا۔ اس کے بعد راجہ مہرشی نے دوسرے مندروں کے خلاف راست عمل شروع کر دیا۔ کوسامبی نے کشمیر کے سلسلے میں کلہانا کے بیان کو تسلیم کیا ہے۔ کلہانا لکھتا ہے کہ لالچی راجہ نے مندروں سے تمام نادر خزانے لوٹ لیے جنھیں اس کے پیشرو راجاؤں نے عطیہ کیا تھا۔ جب خزانے لوٹ لیے گئے تو بھگوان کی مورتیوں

پر قبضہ کرنے کے لیے اس نے اودے راج کو مقرر کیا۔ (جو کہ دیوتاؤں کی مورتیوں کو تہ و بالا کرنے میں بڑی مشاقی رکھتا تھا) مورتیوں کی بے حرمتی کرنے کے لیے ننگے گداگروں سے کہ جن کی ناک اور دست و بازو گل چکے ہوتے دیوتاؤں پر بول و براز پھکوایا کرتا۔ کلہانا مزید اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ کوئی گاؤں کوئی قصبہ اور کوئی شہر ایسا نہیں تھا جہاں کے مندروں کی مورتیاں اس ترو سکا راج مہرشی کے ہاتھوں لوٹی نہیں گئی ہوں۔

بت شکنی کی ایک طویل روایت ہے۔ رگ وید کے زمانے میں آریاؤں نے شہروں کو بغیر بسے تباہ و برباد کرایا۔ ہڑپا تہذیب میں بھی مندر رہوں گے جنھیں یقینی حملہ آوروں نے برباد کر دیا جیسا کہ بعد کے حملوں میں ہوا۔ موریوں کے عہد میں جو مورتیاں بنائی گئی تھیں وہ بعد کے موریہ راجاؤں نے حصول زر کے لیے پگھلا دیں۔

مذہبی تعصب تو بہت کم تھا لیکن کسی خاص مذہب کی سرپرستی قدیم عہد میں بھی اسی طرح عام تھی جس طرح عہد وسطیٰ میں عام تھی۔ موریہ خاندان کے جلوکا نے بودھ مت کے ماننے والوں پر مظالم ڈھائے۔ اور سائیوزم کا پرچار کیا اشوک راہبوں کو تحفے دیا کرتا۔ اپے وکاس کو تحفے میں پھیق نہیں ملی۔ دشرتھ کی تاجپوشی کے فوراً بعد۔ سلوسو کا نے جین مت کی طرفداری کی۔ کوٹلیہ نے اس بات کی وکالت کی کہ ریاست کو بھٹکتے ہوئے جوگیوں پر روک لگانے کے لیے طاقت کا استعمال کرنا چاہیے۔ برابر بھوچکا نے جینیوں کو ذلیل کیا۔ تعصب کی مثالیں اور مندروں کو مسمار کرنے کی مثالیں قدیم ہندستانی تاریخ میں کم ملتی ہیں کیوں کہ ایسے واقعات تعصب کے جو کشمیر میں مہرشی کے دور میں وقوع پذیر ہوئے بہت ہی مستثنیٰ ہیں۔ عہد وسطیٰ کی تاریخ میں تعصب کے ایسے واقعات کچھ زیادہ ہی ہیں۔ بہر کیف ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ قدیم ہندستانی تاریخ کے سلسلے میں ہمارے علم کی بنیاد صرف ایک مستند تاریخی تصنیف پر ہے اور وہ ہے "راج ترنگنی" برخلاف اس کے عہد وسطیٰ کے ہر بادشاہ پر کئی کتابیں ملتی ہیں۔ مورخین کو اس امر پر غور و خوض کرنا چاہیے کہ کیا واقعی قدیم ہندستان میں عصبیت کے واقعات اور مندر شکنی کے واقعات کم ہوئے ہیں یا یہ کہ ہم ایسے واقعات سے بے خبر ہیں۔ یوں کہ ہمارے پاس کوئی تاریخی ماخذ نہیں ہے۔ سچائی جو بھی ہو فرق مزاج کا نہیں بہ درجے کا ہے۔ کیفیت کا نہیں بہ کیت کا ہے۔ عام طور پر وہ عصبیت اور فرقہ وارانہ جنون جو آج دیکھنے کو ملتا ہے۔ قدیم ہندوستان یا عہد وسطیٰ کے ہندستان میں نہیں ملتا۔

عصبیت ان دنوں مذہبی فرقوں میں یوں نہیں تھی کہ وہ شیئ کرنے والی جماعتیں اس دور میں ناپید تھیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس دور میں سماجی تصادم ضرور تھا۔ شودر اور دوسرے نچلے طبقے جن کی ہندستان میں اکثریت تھی دائمی محکومی کی زندگی گذار رہے تھے جن میں شاذ ہی کبھی اوپر جانے کی سماجی حرکت پذیری ہوئی۔

عہد وسطیٰ یا عہد قدیم میں وہ لوگ دائمی طور پر محکومی اور ذلت کا شکار تھے۔ چار وانوں کی تقسیم جن کا

دعویٰ کرشن کرتے ہیں خود ان کی تخلیق کردہ ہے۔ وہ عورتوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ دیش اور شدر کی ناجائز اولادیں برہمن کسانوں کو جنگجو طبقے کی غذا تصور کرتے ہیں۔ یہی وہ اعتقادات تھے جن کا برسراقتدار جماعت نے پرچار کیا بہت کچھ قدیم ہندوستان میں نچلے طبقے میں سنگدلانہ استحصال کے متعلق لکھا جاچکا ہے۔ اور یہ ایسا موضوع ہے جسے فرقہ پرست مورخوں اور ماہر عمرانیات نے فراموش کیا ہے۔ چنانچہ میں اس بات کو سوامی دویکانند کی تحریر کے اقتباس کے ساتھ ختم کرتا ہوں جو یہ سمجھتے تھے کہ اس ملک کی تاریخ برسراقتدار جماعت کی اس کوشش سے عبارت ہے کہ وہ مزدور پیشہ عوام پر اپنی برتری کو لازم قرار دیتے ہیں جن کے پسینے سے ان کی زندگی خوشگوار بنی اور اس میں آسودگی اور فراوانی آئی۔

تب کبھی برہمنوں نے دستاویزات تحریر کی انھوں نے دوسروں کی آزادی اظہار کو سلب کرلیا۔ دیاکی (مہابھارت کے مصنف) نے ویدوں کی غلط تشریح پیش کی تاکہ وہ اس طرح غریبوں اور رشتہ داروں کی حق تلفی کریں۔

.... اور وہ لوگ کہاں ہیں جن کی کرتوز جسمانی محنت نے تنہا برہمنوں کے اخلاقی مرتبے کو ممکن بنایا نیز چھتریوں کی فوجی طاقت اور ویشوں کی دوست کے قیام میں مدد کی۔ انسانوں کے اس طبقے کی تاریخ کہاں ہے جو نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ ہندوستانی سماج کا بہت بڑا سہارا ہیں اور پھر بھی ان کا ذکر ملک کی زندگی کے کسی عہد میں نہیں ملتا۔ جب کبھی شدروں نے اوپری طبقے سے چھوٹی سے چھوٹی مانگ کی ہے اپنے حصے کے سلسلے میں۔ تو اس وقت اوپری طبقے نے جس کی علم پر اجارہ داری ہے۔ ان کی زبان کاٹ دی اور ان کے جسم پر کوڑے برسائے"

فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی دو دونوں کام کرتی ہے۔ وہ فرقہ پرستی کی پیداوار بھی ہے اور اسے پیدا کرتی ہے۔ ہندو سماج اور مسلمان سماج کا ذکر بغیر ذات پات طبقے اور اور نسلی امتیازات کے فرقہ پرستی پیدا کرتا ہے۔ ہندو اور مسلمان فرقہ پرست مورخوں کے خیال کی نیز برطانوی سامراجی اسکول کے خیال کی یکسانیت پاکستان کے قیام میں آنے کے بعد ختم نہیں ہوئی، وہ اب تک فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی پر کاربند ہیں۔ مورخوں کا ایک طبقہ یہ دعویٰ کریگا کہ ہندوستان میں اسلام عربوں اور ترکوں کی خون کی پیاسی تلوار کے سبب پھیلا۔ دوسرا طبقہ اس قول کو چیلنج کرے گا وہ کہے گا کہ اسلام نے ملک میں امن وامان پھیلایا۔ مسلمان صوفیا جنگ کے کشتوں کو اپنی محبت اور اپنی پاکیزہ زندگی سے قابو میں رکھتے اور اس طرح وہ اسلام کو فروغ دینے میں مدد و معاون ثابت ہوئے۔ یہ دونوں طبقے یہ بھول جاتے ہیں کہ تمام فوجی، سیاسی اور روحانی سرگرمیوں کے بڑے مراکز میں ہندوؤں کی بالادستی تھی۔ شاہی دارالخلافہ، دہلی آگرہ، اورنگ آباد اور گلبرگہ علاقائی

ریاستوں کے دار الخلافہ یا صوبے مثلاً احمد آباد، احمد نگر، بیجاپور، حیدر آباد، الہ آباد، لکھنؤ، پٹنہ وغیرہ اور ان کے ساتھ صوفیوں کے مراکز جیسے اجمیر، کلیر، گوالیار اور فتح پور سیکری زندہ مثالیں ہیں اس بات کو پیش کرنے کے لیے کہ مذہب کی تبدیلی سے نہ حکمرانوں کا کوئی واسطہ تھا اور نہ صوفیوں کو۔ برخلاف اس کے اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے مخالف نہیں تھے، وہ نہ صرف یہ کہ ساتھ رہے، بلکہ آج بھی ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں ساتھ رہ رہے ہیں ہرچند کہ فسادات کا سلسلہ جاری ہے۔ مزید یہ کہ فسادات فرقہ وارانہ نہیں ہوتے ہیں، دوسری نوعیت کے فسادات بھی ہوتے رہتے ہیں مثلاً مسلم ریاست میں مسلمانوں کے درمیان مہاجروں اور پٹھانوں کے فسادات ہوتے ہیں اور ایک سیکولر ریاستوں میں ہندوؤں کے درمیان دلتوں اور غیر دلتوں کے فسادات ہوتے ہیں۔ سوسائٹی کبھی بھی انتشار سے آزاد نہیں ہوئی۔ لیکن تنہا مذہب اس کی ترغیب بہم نہیں پہنچاتا ہے۔

عہد وسطیٰ کے سماج کی حدوں میں رہ کر اکبر نے ایک ایسی قدم کی بنیاد ڈالی جو کسی خاص فرقے کی جاگیر نہیں تھی۔ سارے تعلیم یافتہ مسلمان پر زور احتجاج نہیں کرتے اگر وہ یہ سوچتے ہیں کہ انھیں وہ مقام نہیں ملا جس کی وہ پہلے کے دور میں تمنا رکھتے تھے۔ لیکن اکبر کے معاملے میں انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کی صحیح وجہ اکبر کا صلح کل ہے۔ ایسے دانشوروں نے جن کے ساتھ غفلت برتی گئی اور جو ہزار کوششوں کے باوجود کسی بڑے سرکاری عہدے پر نہیں پہنچ سکے جیسے عبد القادر بدایونی اور شیخ احمد سرہندی نے اکبر کی حکومت کی بے جا تنقید شروع کر دی۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے فرقہ پرست مورخوں کی روحانی رہنمائی کی۔ اشتیاق احمد قریشی یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ احمد سرہندی نے اسلامی تعلیمات سے گندگی نکال باہر کی اور اصلی عقیدے کی تبلیغ و اشاعت کی۔ مزید وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ راسخ العقیدہ لوگوں کے لیے رہنما ہیں۔ اور ان کے اس مرتبے کو لوگوں نے بالاتفاق مان لیا ہے۔ شیخ احمد سرہندی کے خیالات کی اشاعت سے نیز ان جیسے اور دوسرے فلسفیوں کے خیالات کو عام کرنے سے لوگوں نے یہ عقیدہ استوار کر لیا کہ اسلام ہی تنہا صحیح مذہب تھا، اپنے اور اس کے پیروکار رہے ہیں انہیں رہنا چاہیے آقاؤں کی طرح اور دوسرے لوگوں کو ذلت و رسوائی میں رہنا چاہیے۔ ایسے دانشور نہ اپنے دور میں مقبول تھے، اور نہ آج مقبول ہیں۔ اور یہ وہ بات ہے جسے فرقہ پرست نہیں ماننے کو کہتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ مقبول تھے۔ سماج میں مقبول وہ تھے۔ جو امن و آشتی کا پیغام سناتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے اور شیخ احمد سرہندی کے مزار سے کہیں زیادہ لوگ اس پر حاضری دیتے ہیں۔

شیخ احمد سرہندی اس بات سے مطمئن نہیں تھے کہ انھوں نے اکبر کی غلط کاریوں کی نشاندہی اکبر کے عہد میں کر دی بلکہ وہ اس سے بھی کہیں زیادہ شدت سے ہندوؤں سے اور ان مسلمانوں سے بھی نفرت کرتے جو ان کے تصور اسلام کو نہیں مانتے۔

تھے۔ ایسے مفکر کو مثالی بنا کر پیش کرنے کے معنی یہ تھے کہ آپ ہٹلر اور . . . کو مثال بنا رہے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے دیوتاؤں کی کوئی عزت نہیں کرتے تھے اور ہندوؤں کے سب سے زیادہ پوجا کیے جانے والے بھگوان رام اور کرشن کی بھی بے عزتی کرتے اور انھیں اس دور کے نام نہاد ادنیٰ اور نیچی ذات کے مرتبے تک پہنچا دیتے، ادنیٰ ترین جنگیوں کے مرتبے تک۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ سب ہی انسان آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ لیکن سرہندی ایک بڑی تعداد میں آدم کی اولاد سے نفرت کرتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اسلام کی عظمت اس بات میں ہے کہ بے دینوں اور بے دین کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انھیں (ہندو) ایک مقام دنیا اپنی سوسائٹی میں (ہندوؤں کو) اور (مسلمانوں) کو ان کی سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے سے اسلام کو رسوائی ہوتی ہے۔ ہندوؤں کو اتنے ہی فاصلے پر بیٹھانا چاہیے جتنے فاصلے پر کتوں کو بٹھاتے ہیں۔ ہندوؤں سے اس کے نفرت کا جذبہ ساری حدوں کو توڑ پھوڑ کر نکل جاتا ہے۔ جب وہ یا اعلان کرتے ہیں کہ جزیہ عائد کرنے کا صحیح مقصد یہ ہے کہ انھیں ذلیل کیا جائے اور ان کی ذلت و خواری اس مقام پر پہنچ جائے کہ نہ تو وہ اچھے ملبوسات پہن سکیں اور نہ انھیں ساری زندگی ذہنی سکون مل سکے۔ ہندوؤں کو جو مسلمانوں کی طرح آدم کے بچے ہیں، مستقل ظلم اور خوف میں رکھنا ایک مسلمان بادشاہ کا فرض ہے۔ سرہندی کو ان مسلمانوں سے بے پناہ غصہ اور دشمنی ہے جنھیں وہ غیر مقلد اور رافضی سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر شیعوں سے جن کے یہاں رسول اللہ کے بعد سے امامت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سائنس (قرآن کے باہر) بیکار بھی ہے اور نقصان دہ بھی۔ سرہندی مسلمانوں کے ذہن کو مذہبی رسومات کی قید میں بند کرنا چاہتے ہیں اور ان ساری چیزوں پر زہر چھڑک دیتے ہیں جو ان کے فہم و ادراک سے باہر تھی۔ ان کی اسکیم میں سیکولر اور سائنس علم طلبا کو نہیں دینا چاہیے۔ مزید یہ کہ خود ان کی سماجی علوم کی واقفیت بے حد محدود تھی۔

شاہ ولی اللہ جو شاید ہندستان میں سب سے بڑے مذہبی مفکر ہیں وہ بھی شیخ احمد سرہندی کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ انھیں المجاہد الف ثانی کے خطاب سے یاد کرتے ہیں کچھ مذہبی معاملات میں انھیں اختلاف ہے وہ وحدۃ الوجود کے معاملے ہیں لیکن ہندوؤں کے سلسلے میں ان کا بھی رویہ وہی ہے۔ "امام (شاہ یا قائد) ان سے (ہندوؤں سے) محکوموں اور پسماندہ لوگوں کی طرح فصل کٹوائی، غلہ پھنکوائیں اور دوسرے محنت کا کام لیں۔ اسی طرح جس طرح . . . کے جانوروں سے لیتے ہیں۔ ان نوع کے خیالات حاکموں اور محکوموں دونوں نے نظر انداز کیے لیکن ہمارے دور کے فرقہ پرست مورخوں کے لیے یہ نمونہ بن جاتے ہیں۔

فرقہ پرستانہ تاریخ نویس کا جوہر یہ ہے کہ ہندو عہد امن اور رواداری کا عہد تھا۔ برخلاف اس کے مسلم عہد تباہیوں اور بربادیوں کا عہد تھا، مکمل طور پر مسلمانوں کی حکمراں طبقے کے ساتھ شناخت قائم کر کے مسلمانوں کے فرقہ پرست مورخ مسلمان

بادشاہوں کا دفاع کرتے ہیں۔ دونوں قسم کے دانشوران لوگوں کو نظرانداز کرتے ہیں جو مال و متاع کی افزائش میں بہت مستعد تھے اور جن کی دولت نے حملہ آوروں اور سیاحوں کو اس ملک کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ اوپری طبقے پر سوامی وویکانند کی سخت تنقیدوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ہندو عوام کی بڑی تعداد . . . . دنیش اور ایسے لوگ جن کا تعلق کسی بھی طبقے سے نہیں تھا، یکساں ذلت اور غربت کی زندگی ہندو عہد اور مسلم عہد میں کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی اکثریت کے ساتھ بھی جو اسی طبقے سے ابھری تھی، کم و بیش مسلم عہد میں وہی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ غریب مسلمان بھی غربت اور ذلت کی زندگی گذارا کرتے تھے۔ بہت سارے ایسے لوگ جو ہندوستان میں اسلام کے مشعل بردار تھے، ہندوؤں کے لیے زہر بھری زبان رکھتے تھے اور کم ذات مسلمانوں کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔ ضیاء الدین برنی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انھیں ہر حال میں تعلیم سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ ان کی نصیحت ۱۱ میں کہ جس میں انھوں نے مرکز میں سچائی کے قیام کی بات کی ہے، برنی کہتے ہیں: ہر نوع کے مدرسین کو سنجیدگی سے یہ حکم سنانا چاہیے کہ وہ کتوں کے گلے سے قیمتی پتھر نہ نکالیں اور نہ یہ کہ سور اور ریچھ کی گردن میں سونے کا پٹہ ڈالیں۔ مطلب یہ کہ کمینوں، رذیلوں، اور نا کاروں کو دوکانداروں اور کم ذاتوں کو نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے قاعدے کے علاوہ قرآن کی کچھ سورتیں اور مذہبی احکام سکھا دینے چاہئیں اور کہ ان کے بغیر ان کا مذہب درست نہیں ہوگا اور صحیح نمازیں پڑھنے کے اہل نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن ان چیزوں کے علاوہ انھیں اور کچھ نہ پڑھایا جائے ورنہ ان رذیلوں کی روح تفاخر محسوس کرے گی۔ ان لوگوں کو لکھنا پڑھنا نہیں سکھانا چاہیے، کیوں کہ کم ذاتوں کے علم میں دسترس حاصل کرنے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مذہبی معاملات اور حکومت کے معاملات میں جو ابتری پھیلی ہے، وہ ان میں کم ذاتوں کے سبب ہے جو اب ہنرمند ہو چکے ہیں، کیوں کہ علم کے سبب وہ گورنر (ولی) بن گئے ہیں۔ دیوبند کے تحصیل دار (عامل) بنے بیٹھے ہیں۔ اگر مدرس نافرمان ہے اور چھان بین کے وقت یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے علم کی تعلیم کی ہے۔ اور کم ذاتوں کو لکھنا پڑھنا سکھلایا ہے تو یہ بات ناگزیر ہوگی کہ انھیں حکم عدولی کی سزا نہ دی جائے۔ شیخ احمد سرہندی نے علم کی اجازت دی لیکن صرف مذہبی علوم کی لیکن شاہ ولی اللہ اس بات کیلئے بھی تیار نہیں ہیں کہ عام مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ مذہبی تعلیم دی جائے۔ انھوں نے یہ اعلان کیا کہ اہل اقتدار سختی سے ہدایت کردہ تجویزوں کو نافذ کریں اور اپنا مقصد نہ بنائیں اور انھیں یہ حق نہ دیں کہ کسی شرعی آئین کی طرف دیکھیں۔ انھیں (بادشاہ، قائد، اقتدار) چاہیے کہ وہ شریعت کے رازکے علم کو جو کہ تفصیلی آئین کا ایک ذریعہ ہے۔ عوام کے لیے راز بنائے رکھیں . . . ورنہ ان کے فکر کا دائرہ وسیع ہو جائے گا اور وہ لوگ تنازعہ میں پھنس جائیں گے۔ وہ اندھی تقلید کا حکم دیتے تھے۔ سید احمد خاں البتہ ایک جدید اصلاح پسند تھے۔ وہ اس بات کے لیے کوشاں تھے کہ کم ذات مسلمانوں کو بھی مغربی تعلیم بہم پہنچائی جائے۔ تاکہ وہ برطانوی نوکریوں کے حصول میں دوسرے ہندوستانیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ لیکن نوکریاں

ایک عام مسلمان کی جو اعلےٰ تعلیمیافتہ ہو، ذہین اور طباع ہو، معراج تھیں۔ اقتدار کے مدارج اور فیصلہ لینے والے عہدے سرسید احمد کے بقول انھیں اس وقت تک نہیں سونپے گئے تھے یا استحقاق اونچے گھرانے کے اشرافیہ کے لڑکوں کو حاصل ہے۔ عمومی طور پر رہنمایان قوم ضیاء الدین برنی تا سید احمد خان جنھیں خاص سرپرستی حاصل تھی اور جو کہ تعلق تھے ایک خاص قسم کے مورخوں کے جو کہ مسلم اشرافیہ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ مسلم اکثریت یا مسلم عوام کی نہیں۔ اور یوں مسلمانوں کی فرقہ وارانہ تاریخ نویسی بھی مسلم اقلیت کے مفاد کی نمائندگی کرتی ہے مسلم عوام کی نہیں۔

پاکستان کی تقسیم اور بنگلہ دیش کا وجود میں آنا، کراچی میں نسلی فسادات، افغانی مجاہدین کے درمیان شیعہ سنی تنازعہ اور ہندستان اور پاکستان میں غیر مذہبی مسائل کا ہجوم۔ یہ سارے امور اس بات کی متقاضی ہیں کہ دونوں جانب کے دانشوروں کو ہمارے شاندار ماضی کی پر تجسس چھان بین کرنی چاہیے۔ یہ باشعور اور محتاط چھان بین اسلیے اور بھی ضروری ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے سیکولر اہل قلم، سوویت یونین کے مارکس اہل قلم اور مغرب کے ــــ مصنفین بالواسطہ یا بلا واسطہ برعظیم میں فرقہ پرستی کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔ - - - - - - - - - - - - نیویارک میں ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ ایک عجیب مثال ہے مغربی ــــ تاریخ نویسی کو فرقہ وارانہ تاریخ نویسی کی محکوم بنانے کی۔ یہ ایسی حیات ہے جس میں ہندستان نیز سوویت کے مارکسی مصنفین پیچھے نہیں رہتے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں برنی، بدایونی، شیخ احمد سرہندی اور علی ہمدانی مسلمانوں کے ہیرو، اور ہندو تاریخ نویسی کے شیطان کافی جگہ پاتے ہیں جبکہ ابو الفضل اور دارا شکوہ ہندوستان کے اتحاد کے نمائندوں کو معمولی سا مقام دیا جاتا ہے اور عبد الرحیم خانخاناں، امیر خسرو، ملک محمد جائسی اور نور الدین رشی کو جو کہ مخلوط تہذیب کے شرا ہیں، کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

بہت سی تصنیفات میں فرقہ پرستی اور پاکستان کے قیام کی مکمل طور پر مسلمانوں کی سامنت کی جاتی ہے۔ فرقہ پرستی اور علیحدگی پسندی سید احمد خاں سے شروع ہوتی ہے۔ اور محمد علی جناح پر ختم ہوتی ہے۔ عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کا ایک سوویٹ ٹکسٹ بک میں مذہب کی بنیاد پر مطالعہ کرایا جاتا اور جدید ہندوستانی تاریخ خاص طور پر مابعد ۱۸۵۷ء کی تاریخ بھی اسی طرح نقصان اٹھاتی ہے۔ فرقہ وارانہ تاریخ نویسی کے نمونے کے لیے دیکھیں ضمیمہ

سر سید نے تقسیم کا بیج ڈالا ■

از: بی۔ آر۔ نندا

ایک ایسے بیان سے جو کہ تین سو صفحوں کا احاطہ کرتا ہے اور احاطہ کرنے والا ایک بہت بڑا دانشور اور بزرگ مدبر ہے قاری یہ توقع رکھتا ہے کہ اس میں تقسیم ہندستان کے اسباب کا گہرا تجزیہ کیا جائے گا۔ لیکن مولانا آزاد خود کو کچھ واقعہ تک محدود کرتے ہیں اور کچھ تہمتیں تقسیم کرتے ہیں۔ ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم اس بات پر یقین کریں کہ اتنا بڑا انقلابی واقعہ جیسے تقسیم ہند اسلیے ہوا کہ جواہر لال نہرو نے ۱۹۳۷ء میں یوپی کی کانگریس وزارت میں مسلم لیگ کو دو سیٹ دینے سے انکار کیا تھا۔ یا ۱۹۴۶ء میں نہرو کے کیبنٹ مشن پلان پر غیر محتاط بیان، یا ولبھ بھائی پٹیل کا عبوری حکومت میں وزارت داخلہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنا۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلم علیحدگی پسندی جس کی انتہا تقسیم وطن پر ہوئی۔ اس کی جڑیں اس عشرے میں پیوست نہیں ہیں جس کا ذکر مولانا نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کی تلاش ہمیں شملہ وفد، علیحدہ حق رائے دہندگی اور ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قیام میں ڈھونڈنی ہوگی۔ بلکہ اس سے بھی پہلے ہمیں سر سید احمد خاں تک جانا ہوگا۔ جنھوں نے اس بات کے لیے زبردست دباؤ ڈالا کہ ان کی قوم قومی تحریک سے الگ ہو جائے۔ تحریک اس وقت رفتار میں آگئی کہ۔ سر سید احمد نے بہت بڑا سوالیہ نشان کھڑا کر دیا جس نے ہندستانی سیاست پر اگلے ساٹھ برسوں کے لیے سایہ ڈال دیا۔ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی کیا پوزیشن ہوگی؟ برطانوی استبداد کی جگہ ہندستان جمہوریت لے لیتی ہے۔ تو کیا وہ ہندوؤں کے لیے کوئی دائمی منفعت کی صورت پیدا کرے گی چونکہ وہ اپنی بھاری اکثریت کے سبب مسلمانوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔

برطانیہ دشمن جذبہ: پہلی جنگ عظیم کے کچھ ہی دنوں بعد جنگ بلقان اور ترکی کے مصائب نے ہندستانی مسلمانوں میں برطانیہ دشمنی کا جذبہ پیدا کر دیا اور کچھ برسوں تک مسلم لیگ لکھنؤ کے ایک گٹھ کے قبضے میں رہی جو کہ قوم پرستانہ رجحان رکھتا تھا ہندو مسلم اتحاد کو جنگ کے بعد ایک بڑھاوا ملا جب گاندھی نے ہندستانی مسلمانوں کے اس مطالبے کی حمایت کی کہ ترکی کی سلطانی سالمیت کی حفاظت کی جائے۔ فرقہ وارانہ تناؤ اگلے عشرے میں طوفانوں کی طرح اٹھ کھڑا ہوا جبکہ مسلم علیحدہ پسندی منظر پر چھاگئی اور اس نے ہندستان کی سالمیت کی راہ کو مسخ کر دیا۔ اس ڈرامے کا جو اگلے عشرے میں کھیلا جانے والا تھا ایک مرکزی کردار جناح تھے۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے جناح کو ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں زبردست شکست ہوئی تھی۔ نہ صرف یہ کہ مسلمان ووٹروں نے ان کی پارٹی کو مسلم اکثریت کے صوبوں میں باہر اکر ان پر حکومت کے دروازے بند کر دیے، بلکہ مسلم اقلیتی صوبے میں بھی

ان کی پارٹی ہار گئی۔ بہر حال وہ ایسے آدمی نہیں تھے کہ وہ تاریخ کو اپنے سر سے گزرنے کا موقع دیتے۔

وہ پروپیگنڈے اور نشر و اشاعت سے وہ چیز حاصل کرنا چاہتے تھے جو انھیں بیلٹ بکس سے نہیں ملی۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ مذہبی جذبات کی بارود کو استعمال کریں تاکہ سیاسی اثرات اور اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔

کانگریس حکومتیں چند ہفتے کی بھی نہیں تھیں جبکہ انھوں نے ان پر یہ الزام عائد کرنا شروع کیا کہ وہ مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ ان کے الزامات مولانا آزاد کے قول کے مطابق بے بنیاد تھے۔ لیکن انھوں نے بے انتہا شر پھیلایا اسلام خطرے میں ہے کی پکار کانگریس کے مظالم کی داستانیں اور ہندو راج کا خیال لے کر ان باتوں نے ایسی فضا قائم کر دی کہ جناح اپنا دو قومی نظریہ نیز تقسیم ہند کی تیاری کرلی۔

آزاد مسلم ہند کا تصور برعظیم میں گویا یادگار تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت پارینہ کا۔ یہ دل بہلانے والے امکانات ایسے نہیں تھے کہ عام انسانوں کی نظر میں نہ آتے۔ مسلمانوں کا متوسط طبقہ جو کہ تاریخی اسباب کی بنا پر سرکاری نوکریوں تجارت اور صنعت کی دوڑ میں کچھ علاقوں میں پیچھے رہ گیا تھا اسے اس مسلم ریاست کا خیال بڑا ہی کشش انگیز محسوس ہوا بنگال اور پنجاب کے زمینداروں نے دیکھا کہ جواہر لال نہرو جیسے ترقی پسند سیاست دانوں سے نجات ملے گی جو کہ زمینداری ختم کرنے کی خطرناک بات کر رہے ہیں۔ مسلمان افسر اس بات پر خوش تھے کہ کچھ ریاستوں میں وہ ہندو خلافت کے بغیر کھوئے ارمن و سماء سے دوچار ہوں گے۔ ۲۰-۱۹۱۹ء میں ہندو مسلم اتحاد کا پانی بلند ترین نشان پر پہنچ گیا تھا۔

بہرحال یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ قومی جد وجہد نے نہیں بلکہ ترکی اور اسلام کے چند مقامات مقدسہ کی فکر نے خاص تحریک پیدا کی اور اس نے دونوں فرقوں کو ایک دوسرے کے قریب بھی کیا تھا۔ یہ مذہبی جذبہ عمیق بھی تھا اور اس میں خلوص بھی تھا لیکن یہ سوہانی مقصد سے جڑا ہوا تھا جسے ترکوں نے خود ہی سلطان خلیفہ کے ادارے کو منسوخ کر کے ایک شرمناک انجام تک پہنچا دیا۔ چنانچہ مسلم فرقے کو قوم پرور تحریک کے قلب میں پہنچانے کا جو تجربہ تھا وہ اپنی نفسیاتی علیحدگی کو ختم کرنے میں ناکام رہا۔ اور اس نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ اس کے اندر ایک رجحان یہ ہے کہ وہ سیاسی مسائل کو مذہبی زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کے تانے بانے، جس پر گاندھی نے بہت محنت کی تھی۔ تحریک عدم تعاون اور خلافت تحریک کے زوال کے بعد تار تار بکھر گئے۔ ان کی آواز جس میں کبھی بڑی طاقت تھی، دونوں جانب کے متعصب لوگوں کی فرقہ پرستانہ الزام تراشیوں کے شور میں گم ہو گئی تھی۔ ایک مناسب نسخہ مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد، جو ۱۹۲۰ء کے عشرے میں تھا وہ ایک آل پارٹیز کانفرنس کا منظور شدہ فرقہ وارانہ معاہدہ تھا۔ بہت ساری سیاسی پارٹیوں کے رہنما اور مذہبی تنظیموں نے

سرکاری نوکریوں کی تقسیم کی کوششیں کی۔ نیز مجلس قانون ساز میں سیٹوں کی۔ یہ سوراج کا مال غنیمت تھا۔ انھیں یہ بات بہت مشکل دکھائی دی کہ وہ اپنے معاندانہ دعووں پر کوئی تصفیہ کر سکیں۔

ادنیٰ سیاستیں: گاندھی یہ فریب کاری کی سیاست کو ناپسند کرتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ہندو ایسی فراخ دلی دکھائیں کہ مسلمانوں کے دل سے خوف نکل جائے۔ ان کی مسلمانوں کو بلینک چیک کی پیش کش کا مسلمانوں نے مذاق اڑایا۔ اور ہندوؤں نے اس پر احتجاج کیا۔ بدقسمتی سے ہندو سیاستدانوں میں فراخدلی کی اتنی ہی کمی تھی جتنی مسلمانوں میں بھری تھی۔

وہی ایک بیکار نمونہ اتحاد کانفرنس کا گول میز کانفرنس لندن میں دہرایا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں حکومت برطانیہ نے کمیونل ایوارڈ کی صورت میں ایک حل نافذ کیا جس نے مجلس قانون ساز کی تعداد اور طریقہ نمائندگی طے کر دیا۔ کمیونل ایوارڈ میں علیحدہ حق رائے دہندگی کی استواری کانگریس کی پالیسی کے منافی تھی۔ لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے نامنظور نہیں کریگی تاکہ کوئی ایسا حل نکل آئے جس پر سبھی فرقے اتفاق کر سکیں۔

گرچہ کمیونل ایوارڈ نے مسلم لیگ کے سبھی سیاسی مطالبات کو مان لیا تھا، ہندوؤں کے بالمقابل، مسلم سیاست پرانی ڈگر پر چلتی رہی۔ مسلمانوں تاجروں اور صنعت کاروں نے خالی میدانوں کے خواب دیکھنے شروع کیے۔ ایسے میدان جہاں وہ ہندوؤں کے مقابلے سے آزاد ہو کر شاندار بزنس کریں گے۔

علیحدگی پسند نظریہ: ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ چھڑ جانے سے علیحدہ پسندی کے نظریے کا خوب پرچار کیا گیا۔ لارڈ لنلیتھگو وائسرائے ہند اور ان کے مشیر جو کانگریس کی پسپائی کی پیش بندی کر رہے تھے، دوستوں کی تلاش میں تھے۔ جنگ کے زمانے میں جناح نے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ وہ کافی محتاط تھے اس بات میں کہ انگریزوں سے ناچاقی نہ پیدا کی جائے۔ اور انھوں نے داؤں پیچ میں فضل الحق اور سکندر حیات جیسے جہاں دیدہ صوبائی سیاستدانوں کو پنچاڑ کھایا تھا اور انھیں قابو میں لے آئے تھے۔ جب کانگریس ۱۹۴۲ء میں ہندستان چھوڑو، تحریک کے لیے خود سیاسی جلاوطنی میں چلی گئی تو جناح برطانوی گورنروں کی مدد سے اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ مسلم لیگ کی وزارت آسام، سرحد، سندھ اور پنجاب میں قائم کر دی جائے۔ اس کوشش میں کہ آئین تعطل کا (۱۹۳۹ء — ۱۹۴۶ء) کوئی حل نکالا جائے انھوں نے کوئی نہ کوئی سیاسی فائدہ اپنے لیے یا اپنی پارٹی کے لیے حاصل کیا ہے۔ کرپس مشن ۱۹۴۲ء میں انھیں اہمیت یوں دی تھی کہ صوبوں کے عدم الحاق کی گنجائش کے معنی تھے بالواسطہ طور پر تقسیم کے اصول کی تصدیق کرنا۔ بدانجام بھولا بھائی لیاقت علی پیکٹ کو انھوں نے رد کر دیا تھا۔ لیکن انھوں نے کانگریس اور لیگ کے درمیان ایک عبوری حکومت میں مساوات کا خیال پیش کیا۔ گاندھی جناح مذاکرات جو ۱۹۴۴ء میں ہوئے لیگ لیڈر کے لیے اسلیے سودمند تھے کہ انھوں نے ان کے حلقہ والوں میں ان کا رتبہ بلند کر دیا۔

ان کے حق نامنظوری کے استعمال نے ۱۹۴۵ء کی شملہ کانفرنس کو ناکام بنا دیا۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں آزادی کی طویل جنگ میں جو کانگریس اور حکومت برطانیہ کی جنگ تھی۔ برطانیہ نے مسلم لیگ کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا کر لیا تھا۔ وہ خوش تھے کہ اب وہ مسلم علیحدہ پسندی کو استعمال کر سکتے تھے جس طرح انھوں نے راجواڑوں کو استعمال کیا۔ تاکہ قوم پرور ہندوؤں کو بند کر دیں۔ جیسا کہ برطانوی مورخ ہیڑیا ہارڈی اپنے عالمانہ خطبے میں سیاست کے متعلق بتاتے ہیں۔ ان سے (برٹش) یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ غیر فرقہ وارانہ قوم پرستی کے مقاصد کی ہمت افزائی کریں گے اور اس طرح خود بحیثیت فرمانروائے ہندستان اپنی موت کی جلدی کریں گے۔ یہ معنی رکھتا ہے کہ یہ دنیا میں برطانوی سیاسی اور اقتصادی مرتبے کا ایثار ہی نہیں ہوگا، بلکہ حکومتوں کی تاریخ کی دنیا میں ایک پیغمبرانہ بصیرت بھی ہوگی۔

دو قومی نظریہ اور اُس کی ابتدار

رفیق زکریا

میں بی۔ آر۔ نندا کی بڑی عزت کرتا ہوں۔ میں ان کی عالمانہ بصیرت اور تحقیق کاموں میں ان کی انتھک محنت کا بڑا قائل ہوں۔ اسلیے مجھے ان کے اس الزام پر کہ سر سید نے مسلم علیحدہ پسندی کا بیج ڈالا تھا۔ سخت حیرت ہوئی۔ یہاں بیشک وہ ہندوستان اور پاکستان کے بہت سارے مورخوں کے نقش قدم پر چلے ہیں جو علی گڑھ تحریک کے بانی کو 'دو قومی نظریہ' کا بانی سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر اپنے تحقیق کام

میں یہ نتیجہ برآمد کیا ہے کہ سید ہندستان میں فرقہ پرستی کے پیشرو تھے۔

اور سر سی ڈائی چنتا منی کا خیال ہے کہ سید نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اپنے افعال اور کارناموں سے اپنے ہم مذہبوں کو اس بات سے باز رکھا کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ ملک کے عوامی کاموں میں مشترکہ پروگرام بنائیں۔

ہندوؤں کے دشمن: اسی طرح ڈاکٹر کے۔ بی۔ کرشنا نے اپنے مقالے میں یہ تحریر کیا ہے کہ یہ سر سید تھے جنھوں نے سب سے پہلے ہندستان میں ایک مسلم قوم کی بات کی تھی۔ ہندو دانشور اپنے سارے معاملات میں برطانیہ کے پیچھے صف بندی کر لیتے ہیں، جو سر سید کو ہندو دشمن کی حیثیت سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ حیرت تو یہ ہے جو ایک ممتاز مورخ ہیں۔ یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ سر سید کا مجموعی رویہ نظریہ پاکستان

کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پاکستانی کچھ زیادہ ہی خوش ہیں کہ سرسید کو وہ تصور پاکستان کا بانی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ پاکستان کے بانی بھی آخر آخر تک اس کی بالکل صحیح تعریف نہیں کر سکتے تھے۔ اور جب اس کا قیام عمل میں آ گیا تو انھوں نے دو قومی نظریے کو خیر باد کر کے نئی مملکت کو سیکولر مملکت قرار دیا۔ لیکن اس نے پاکستان کی سرکاری اشاعت

پر روک نہیں لگائی جو پر مسرت انداز میں یہ دعوی کرتا ہے کہ "سرسید پہلے مسلمان تھے جنھیں یہ احساس ہوا اور جنھوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں تھیں جن کے علیحدہ اور بسا اوقات متصادم معاشی، سیاسی اور تہذیبی مفادات تھے۔ وہ پہلے آدمی تھے جنھوں نے اپنی قوم کے لیے ایک علیحدہ ریاست کا دھندلا دھندلا سا خواب دیکھا تھا، یوں وہ پہلے پاکستانی تھے۔

سرسید اس پیش رفت کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن انھوں نے اسے تسلیم کر لیا۔ جلد ہی وہ راجہ شیو پرشاد کی حکمت عملی سے بدظن ہو گئے، جو کانگریس کی نفرت میں مرکزی تنظیم سے یہ چاہتے تھے کہ وہ حکومت سے یہ مطالبہ کرتے کہ جلد سے جلد کانگریسی رہنماؤں پر بحیثیت مجرم کے مقدمہ دائر کرے اور اگر ضرورت پڑے تو تعزیرات ہند میں مزید کچھ دفعات کا اضافہ کر دے۔ سرسید نے اپنے ہندو رفقا سے اتفاق نہیں کیا اور پرانی مجلس کی از سر نو ایک نئے نام سے تنظیم کی۔

اسی اثنا میں پریس میں ایک متنازعہ فیہ مسئلہ زور و شور سے چل پڑا کہ قوم کی تشکیل کس طرح ہوتی ہے۔ (یہ دو لفظ کا بڑی آزادہ روی سے تبادلہ ہوا۔) سرسید اپنے موقف کی صفائی میں ایک خط مورخہ ۱۰ نومبر ۱۸۸۸ء کے "پانیر" میں شائع کر دیا۔

"لفظ قوم اور نیشن سے میں ہندو اور مسلمان دونوں لیتا ہوں اور لفظ قوم کے بھی یہی معنی میں سمجھتا ہوں میرے نزدیک یہ بات بالکل ہی غیر اہم ہے کہ لوگوں کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔ کیوں کہ مجھے یہ چیز بہت کم نظر آتی ہے۔ لیکن جو بات ہمارے مشاہدے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم سبھی لوگ، خواہ اس میں ہندو ہوں یا مسلمان ایک ہی سرزمین پر رہتے ہیں اور ایک ہی حاکم کی رعایا ہیں۔ ہم سبھوں کے لیے گذر اوقات کے ذرائع بھی ایک ہی ہیں۔ اور قحط کے مصائب سے بھی ہم یکساں پریشان ہوتے ہیں یہی کچھ اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم ان دو فرقوں کو جو ہندوستان میں بستے ہیں ہندو کہتے ہیں۔ یعنی کہ ہندوستان کے بسنے والے، اور اس زمانے میں جبکہ لیجسلیٹو کانفرنس کا ممبر تھا میں ان کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہا۔"[۹]

سرسید کا کردار: جواہر لال نہرو نے سرسید کے کردار کے متعلق بہت صحیح لکھا ہے: "سرسید اس امر میں حق بجانب تھے

کہ انھوں نے سارا زور مغربی تعلیم پر صرف کیا اور مسلمانوں کو اس راہ سے ہٹنے کی اجازت نہیں دی اور نہ اس بات کی
اجازت دی کہ وہ سیاست میں حصہ لیں کیوں کہ وہ اس نئے قسم کی ہندستانی قومیت کی تشکیل میں کوئی موثر رول ادا
کر سکتے ہیں اور وہ ہندوؤں کے ہاتھوں میں کہ جن کے پاس اعلیٰ تعلیم ہے اور جن کی معاشی حالت بھی نہیں اچھی ہے، کھیلنے
سے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

سچائی کیا ہے؟ اس میں شبہے کی گنجائش نہیں کہ سرسید مسلمان نوجوانوں کو جو اپنے ہندو ہم مقابل سے انگریزی تعلیم
اور مغربی خیالات کے حصول میں بہت پیچھے تھے، اس بات کے لیے منع کرتے تھے کہ وہ نئی تشکیل شدہ انڈین نیشنل کانگریس میں
شریک ہو، اور ایسا کرتے ہوئے وہ یہ کہتے تھے کہ ہندو اور مسلم تو علیحدہ قوم یا نیشنز ہیں۔ وہ نمائندہ اداروں کی مخالفت کرتے
لیکن ان کی مخالفت فرقہ وارانہ نہیں تھی بلکہ انگریزوں کی دوستی اور وفاداری کے سبب تھی۔ لکھنؤ میں ۲۸ دسمبر ۱۸۸۷ء
میں اپنی تقریر میں، جو کہ کانگریس کے تیسرے سیشن منعقدہ مدراس کے موقع پر کی گئی تھی کہ جس کی صدارت بدرالدین طیب جی
نے کی تھی۔ سرسید نے بڑے تلخ لہجے میں اس کی مخالفت کی تھی۔ اور یہ کہا تھا کہ اس سے چند بنگالیوں کے علاوہ کسی کا بھلا
نہیں ہوگا۔ جن کا یہ حال ہے کہ کھانے کی میز پر چھری دیکھ کر اپنی کرسی تلے دبک جائیں گے۔ جس کا نتیجہ بے مقصد شور شرابے
کے کچھ اور نہیں نکلے گا۔ اور اس سے حکومت کے ایوانوں میں شک و شبہے کی فضا پیدا ہوگی۔

طویل جواب دعویٰ:

کے ممتاز مصنف
کو اس بات کی فکر تھی کہ مسلمان مخصوص طور پر انگریزوں کی نگاہ میں مشتبہ نہ قرار دیے جائیں۔ بہت ساری اخباروں نے
سرسید کی مذمت کی۔ نے ان کی تقریر کو مشتبہ، حماقت آمیز، بچکانہ اور خوشامدانہ کہا اور
نے ان کی سال خوردہ، ذہانت پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔ ان حملوں کا سرسید نے ایک
ایک طویل جواب دعویٰ دیا تھا اور اس بات کی وضاحت کی تھی کہ وہ ہندو مسلم دشمنی کے نقیب نہیں ہیں، برخلاف اس کے وہ
اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہندوستان ایک ایسی دلہن ہے جس کی ایک آنکھ ہندو ہے دوسری مسلمان؛ اور نہ کہ یہ وہ
بنگالیوں کے مخالف ہیں کہ جن کی ترقی اور جن کی عالی مرتبتی پر دراصل انھیں فخر ہے۔

بہرکیف وہ ہنگامہ و اشتعال کی سیاست کے مخالف تھے، اور انھوں نے ایک سرکلر ایسے سبھی ہندوؤں اور مسلمانوں
کے نام جاری کیا تھا جو کانگریس کے مخالف تھے اور ان سے اپیل کی تھی وہ یکجا ہو کر برطانیہ کو یہ دکھا دیں کہ نہ صرف مسلمان بلکہ
بہت سارے ذی اثر اور طاقتور ہندو بھی اس تحریک کے ساتھ نہیں ہیں۔ انھوں نے
کی بنا اسلیے ڈالی کہ برطانیہ کو اس بات کا پمفلٹوں اور دوسرے طریقوں سے یقین دلایا جائے کہ سبھی

فرقے اور سبھی طبقے کے ہندوستان ملک کے وفادار ہیں۔ ان ساری سرگرمیوں میں سرسید کو بنارس کے نامور تعلقدار راجہ شیو پرشاد سے بڑی مدد ملی۔

ابتدا میں ایسوی ایشن نے متحدہ طور پر کام کیا لیکن بعد میں، سرسید کی کوششوں کے باوجود راجہ نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ہندو اور دوسرا مسلمان اور ان میں ربط پیدا کرنے کے لیے ایک تنظیم قائم کی گئی جس کا نام
تھا جس کے صدر مہاراجہ بنارس تھے اور جس کے دو سکریٹری تھے سرسید اور راجہ بھنگا۔

نہرو نے کہا تھا کہ ان کا پیغام صحیح تھا اور اپنے وقت کے لحاظ سے ضروری تھا لیکن ایک ترقی پذیر گروہ کے لیے کوئی آخری فکر کی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ بین ممکن ہے کہ اگر وہ ایک نسل تک اور زندہ رہ جاتے تو وہ از سر نو اپنی سمت کا تعین کرتے۔

بنیادی طور پر سرسید اپنے مطمح نظر میں ترقی پسند تھے۔ وہ کٹرپن اور بنیاد پرستی سے بہت دور تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ملاؤں نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ ان کی تفسیر قرآن مولانا آزاد کی تفسیر سے بہت پہلے کی چیز ہے۔ قرآنی نزاؤں کی انھوں نے بے حد آزادانہ تاویل کی ہے، سود لینے کو جائز قرار دیا ہے، بے لگام کثیر الزوجیت پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ شریعت کا ایک قومی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

ملا حضرات ان سے اس قدر برہم تھے کہ انھوں نے امام مکہ سے ایک معتبر فتویٰ حاصل کیا جنھوں نے اپنے فرمان میں یہ کہا تھا کہ یہ شخص غلطیوں کا ارتکاب کر رہا ہے اور لوگوں کو غلط کاموں پر آمادہ کر رہا ہے بلکہ یہ شیطان کا دلال ہے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اور مزید یہ کہ اس کے کالج کی حمایت کرنا گناہ ہے۔ بانی پر خدا کی لعنت۔ اور اگر یہ کالج ختم کر دیا جاتا ہے تو اس کو تہ و بالا کر دیا جائے اور اس کے بانی اور اس کے حامیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا جائے۔ بانی اسلام ازم کے بانی جمال الدین افغانی کے نزدیک مردود تھے۔ علیگڑھ کے حالیہ سفر میں جہاں مجھے سرسید میموریل لکچر دینے کے لیے بلایا گیا تھا، میں نے یونیورسٹی کے وائس چانسلر سید ہاشم علی اور سرسید اکیڈمی کے ڈائریکٹر پروفیسر عتیق احمد کے ساتھ یہ تجویز پیش کی کہ سرسید کی تفسیر قرآن کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیے لیکن پھر دیکھا کہ وہ پس و پیش میں مبتلا ہیں یوں کہ انھیں اس بات کا خوف ہے کہ بین ممکن ہے کہ وہ بنیاد پرستوں کو اس بات کیلیے مشتعل کر دے کہ وہ پیچھے کی طرف لوٹے ہوں۔

پنڈت گووند بلبھ پنت نے مسلم یونیورسٹی میں کنووکیشن ایڈریس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ سرسید نہ تو علیحدگی پسند تھے اور نہ تو فرقہ پرست تھے۔ ہندستانی آزادی اور وسیع تر انسانیت کیلیے کوشاں تھے۔

ہم آج اتنے زمانے بعد بھی تقسیم کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے بہت سے جالوں کو صاف نہیں کر سکے ہیں۔ تاریخ

صداقت کے حق میں نہیں اس بات کے لیے تیار ہونا چاہیے کہ بار بار دہرائے ہوئے اساطیری قصوں کو بارود کی نذر کر دیں جس طرح سرسید کے متعلق کہا جاتا ہے اسی طرح یہ خیال بھی عام ہے کہ یا تو چودھری رحمت علی یا پھر شاعر فلسفی اقبال پاکستان کے بانیوں میں تھے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ان دو حضرات کی وکالت سے بہت پہلے لالہ لاجپت رائے نے تیرہ مضامین کی قسطوں میں جو کہ The Tribune (ٹریبون) میں نومبر ۲۶ سے دسمبر ۱۷، ۱۹۲۴ء تک شائع ہوئیں۔ بڑے پر جوش انداز میں فرقہ وارانہ طور پر تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کی وکالت کی ہے۔

ضمیمہ - B

شعبہ تاریخ و ثقافت

فیکلٹی آف Humanities & languages

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

M.A. (Previous/Final) Syllabus w.e.f. 1982-83

PAPER VIII (C)

Communalism in Indian Politics 1857-1947

(۱) ہندوستان میں مسلم فرقہ، تقسیم آبادی (۱۹۲۱ء) سماجی ڈھانچہ؛ تعلیمی نظام۔ مسلمانوں پر برطانوی اقتدار کے اثرات اور ان کا رد عمل۔ فرائض اور بریلوی تحریکات۔ دار العلوم دیوبند، احمدیہ اور علیگڑھ تحریک۔

(۲) مسلم لیگ کی بنیاد اور فرقہ وارانہ سیاست کا ظہور، برطانیہ کا کردار ہندستانی قومی تحریک کا مزاج اور اس کے خد وخال، ہندو احیا پرست تحریکات کے ساتھ کانگریس کی راہ و رسم۔

(۳) پہلی جنگ عظیم کے اثرات اور ہندو مسلم اتحاد کی نشو ونما، لکھنؤ پیکٹ، ہوم رول تحریک، رولٹ ستیہ گرہ،

(۴) پان اسلامک تحریکات اور اس کے تاریخی گذشتہ واقعات۔ عوامی ترتیب و تنظیم کی اہمیت، پریس کا رول، خلافت کمیٹیاں، صوفیوں کی درگاہیں۔ علماء ہندستان سیاست میں بطور خاص خلافت تحریک، خلافت اور عدم تعاون کی تحریکات، محمد علی کا رول۔

(۵) فرقہ وارانہ کشمکش کی افزائش، کانگریس خلافت معاہدہ کا خاتمہ۔ فرقہ پرست تنظیموں کا احیاء۔ شدھی سنگٹھن، تبلیغ تنظیم، فرقہ وارانہ تشدد خاص طور پر بنگال، پنجاب اور یوپی کے مشاورت۔

(۶) کانگریس لیگ گفت و شنید (۱۹۲۲ء – ۱۹۳۰ء) مصالحتی کانفرنس، دہلی تجویزات، نہرو رپورٹ، گول میز کانفرنس۔

(۷) مسلم لیگ کا عروج اور پاکستان کا مطالبہ، مسلم لیگ کی قیادت کا مطالبہ، پارٹی کی طبقاتی تشکیل... ان کی سیاست اور اثرات، پاکستان کے مطالبے پر مختلف مسلم گروہوں کا رد عمل، دو قومی نظریے کا تنقیدی جائزہ۔

(۸) برطانوی حکمت عملی اور کانگریس مسلم لیگ تعطل کو ختم کرنے کی کوششیں، شملہ کانفرنس، کرپس تجویزات اور کیبنٹ مشن پلان۔

(۹) فرقہ وارانہ تناظر میں۔ سماجی اور اقتصادی عوامل، مذہبی نظریات کا رول اور فرقہ وارانہ شعور کو فروغ دینے میں برطانیہ کا رول۔

(۱۰) تنقیدی جائزہ، فرقہ وارانہ مسائل کے مطالعہ کے مختلف طریقوں کا۔ ثانوی ادب پر تبصرہ اور متبادل طریقہ کار۔

قابل مطالعہ کتب:

(۱) پیٹر ہارڈی	The Muslim of British India
(۲) ڈبلو سی اسمتھ	Modern Islam in India
(۳) مشیر الحسن	Nationalism & Communal Politics in India - 1916-1928
(۴) ایضاً	Mohamed Ali : Ideology & Politics
(۵) ایضاً	Communal & Pan-Islamic Trends in Colonial India
(۶) ایف۔ رابنسن	Separatism among Indian Muslims
(۷) آر احمد	The Bengal Muslims, 1871-1906 A Quest for Identity.
(۸) پال براس	Language, Religion and Politics in North India
(۹) ڈی لیلیولڈ	Aligarh's First Generation
(۱۰) سی ڈبلو ٹرال	Sayyid Ahmad Khan: A Reinterpretation of Muslim Theology
(۱۱) ایس۔ آر۔ واسطی	Lord Minto &TheIndian Nationalist Movement
(۱۲) گیل مینالٹ	Rise of Muslims in Indian Politics 1885-1906
(۱۳) آر زکریا	Hindu Muslim Relations in British India

(۱۴) جی. آر. تھرسبے — The Khilafat Movement

(۱۵) ایچ وی. ہینڈسن — The Great Divide

(۱۶) پی. مدن — Muslims and Indian Nationalism

(۱۷) یو. کورا — The Emergence of the demand for India's Partition, 1928-1940.

(۱۸) پی. مدن — Divide and Quit

(۱۹) زیڈ. ایچ. فاروقی — The Deoband School and the Demand for Pakistan

(۲۰) آئی. ایچ. قریشی — Ulema in Politics - 1556-1947

مضامین

این. جی. بیریر — 'Muslim Politics in the Punjab 1810-1890' the Punjab Past and Present, April 1971

بپن چندر — 'Indian National Movement and the Communal Problem' in, Nationalism and Colonialism in Modern India

اپرنا باسو — Articles in B.R.Nanda(ed.) Essays in Modern Indian History

پرتا چٹرجی — Agrarian Relations and Communalism in Bengal, 1925-1935 in R. Guha (ed). Subaltern Studies I.

آر. اے. گورڈن — The Hindu Mahasabha and the Indian National Congress, 1915-1926, Modern Asian Studies, July 1973.

ایم. حسین — The Delhi Proposals: A study in Communal Politics Ieshr, Vol.17, No.4, 1981.

جنرل

ایم. مجیب — The Indian Muslims

ایم. ٹی. ٹائٹس — Indian Islam: The Religious Quest of India.

جے. ایچ. فارگوہر — Modern Religious Movements in India.

این. احمد — Islamic Modernism in India and Pakistan, 1857-1964.

تجزیہ

قابل مطالعہ کتابوں کی مجموعی تعداد	۱۹	فرقہ پرستی پر کتابیں (جنرل)	۰۶
مسلم مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	۱۳	ہندو مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	NIL

جنرل کتابوں کی مجموعی تعداد،

فرقہ پرستی پر کتابیں (جنرل)	۰۴	مسلم مذہبی سیاسی تحریکات۔ رہنما	۰۱

ہندو مذہبی سیاسی تحریکات، رہنما NIL

مضامین کی مجموعی تعداد	۰۶	فرقہ پرستی پر مضامین (جنرل)	۰۴
مسلم مذہبی سیاسی تحریکات، رہنما	۰۱	ہندو مذہبی سیاسی تحریکات، رہنما	۰۱

قابل مطالعہ کتابوں اور مضامین اور عام پڑھنے والی کتابوں کی مجموعی تعداد ۲۹

فرقہ پرستی پر (جنرل)	۱۱	مسلم مذہبی سیاسی رہنماؤں اور تحریکات پر	۱۷

ہندو مذہبی سیاسی رہنماؤں اور تحریکات پر ۱۔

ضمیمہ ــ c

ایک سوویت مورخ عہد وسطیٰ کے ہندستان پر

ذیل میں کچھ منتخب جملے درج کئے گئے ہیں جن کی خاصیت فرقہ وارانہ ہے اور جہاں تک سیاسی تجزیوں میں مذہب کو خاص مقام دیا گیا ہے۔ ذیل مطالعہ کتاب درسی نوعیت کی تصنیف ہے جسے بائیں بازو کے طلباء (ایس ایف آئی) کے امتحانوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس کا عہد وسطیٰ کا حصہ کے۔ انٹونووا کی تصنیف ہے اور اسے شائع کیا ہے Progressive Publishers اسکو نے سنہ اشاعت ۱۹۷۹ء ہے اور کتاب کا نام ہے A History of India, Vol.I

شمالی ہندوستان میں ترکیوں کی فتح کو مذہب سے منسوب کیا گیا ہے۔ جہاں یہ دیکھنے میں آیا کہ ابتدائی حملوں کا عہد قدیم کے مصنفوں نے ملک یا نسل سے رشتہ قائم کیا ہے۔

"ہندو قبائل کا حملہ": "مشرقی ہندوستان میں یونانی فوج کی پیش قدمی": "شاکا ز کے ایران قبائل وسط ایشیا سے شمال مغربی ہندستان میں داخل ہوئے": "منگول طاقتیں": ۱۱۹۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔

"ترک نژاد مسلم فاتح کے حملے": "شمالی ہندستان میں آہستہ آہستہ مسلم فاتحین کی حکمرانی میں ایک بڑی ریاست کا قیام عمل میں آیا... اور وہ نام نہاد مسلم دہلی کے دا... ے میں داخل ہو گئی": "منگولوں کے خطرے نے مسلم اشرافیہ کو چنگیز خاں کے ہندستان سے جانے کے بعد بھی تخت کے ارد گرد جمع کر رکھا تھا": "التمش کے عہد میں مسلم کمانڈر مشرقی ہندستان پر غالب تھے۔ سنی اسلام کو حکومت کا مذہب قرار دیا گیا"

"ہندستان میں مسلمانوں کی فتح سے پہلے ہندستان میں وقائع نگاری کا سلسلہ بس شروع ہوا تھا":
صفحہ ۲۲۳، ۲۲۶

مصنف کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی ایک مذہبی ریاست قائم ہو گئی تھی اور ہندو محکوموں کی طرح رہتے تھے، اس قسم کے نتائج مندرجہ بالا جملوں کی بنیاد پر نکالے گئے یا پھر مندرجہ ذیل جملوں کی بنیاد پر۔

"علاء الدین کے عہد میں ہندوؤں کے لیے ہتھیار لگا کر چلنا، عمدہ پوشاک استعمال کرنا اور رتھ سواری کرنا ممنوع تھا۔ یہ اقدامات اسلیے اٹھائے گئے تھے تاکہ پرجوش مسلمان خوش ہو جائیں علاء الدین کی ہندؤں کو پریشان کرنے کی پالیسی سے۔ بڑے پیمانے پر بے اطمینانی پھیلی، مسلمان فوجی افسروں کو بہت سی رعایتیں دی گئیں لیکن اس سے صرف یہ ہوا کہ علیحدگی پسندی کا رجحان بڑھا۔" فیروز نے "ہندوؤں اور شیعہ مسلمانوں کو عقوبت کا شکار بنایا۔ ہندو علاقوں کے خلاف کارروائی میں اس نے مقامی آبادی کو غلامی بنایا۔" ص ۲۰۶، ص ۲۰۵۔

یہ بات قابل غور ہے کہ مصنف نے علاء الدین پر تعصب اور جانبداری کا الزام عائد کیا ہے جہاں کہ جماعت اسلامی کا ایک ممتاز رہنما جناب افضل حسین نے اسے مذہبی معاملات میں اکبر جیسا احمق قرار دیا ہے۔ "آئینہ تاریخ ذیل ۱۹۸۶ء - ص ۱۰۲۔ اسی طرح کچھ حکمرانوں پر فیروز کے حملے مصنف "ہندو رجواڑے" لکھتا ہے، لیکن ایسا شخص شیواجی کے حملوں سے متاثر ہونے والوں کیلیے نہیں قائم کیا گیا ہے۔

اقتصادی تاریخ میں بھی مصنف اکثر ہندو اور مسلم استعمال کرتا ہے۔ زمین کو بھی ہندو قرار دیا گیا ہے۔ ذیل کے جملے خود وضاحتی ہیں: " دہلی سلطانوں کے پورے عہد میں ہندوؤں کی زمین ثابت و سالم رہیں۔۔۔ علاء الدین کے اصطلاحات۔۔۔ جس میں یہ بھی شامل تھا کہ عوام پر بڑے سے بڑا ٹیکس لادا جائے اور ہندو جاگیرداروں پر زائد ٹیکس کا بوجھ ڈال دیا جائے" ص ۲۱۱۔

"وسط ایشیا اور ایران سے جو مغتوصین جنوب کو ہانک دیے جاتے تھے وہ بیچ دیے جاتے اور ہندو ریاستوں میں رہنے والے لوگ جن کے خلاف جہاں یا مقدس جنگ کا اعلان کر دیا جاتا تھا انھیں بھی غلام بنا دیا جاتا تھا۔"

یہ جملہ ہندوستان کے فرقہ پرست مورخوں کی ذہنی افتاد کی عکاسی کرتا ہے۔ ایسے ممالک جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے وہاں کے غلام ایرانی اور وسط ایشیائی کہلاتے ہیں اور برخلاف اس کے ہندستانی علاقوں کو ہندو ریاست کے باشندے کہا جاتا ہے۔

بہمنی امراء کے گروہی تنازعات جو کہ دیسی اور بدیسی اور مقامی اور بیرونی کے درمیان ہوا کرتے تھے۔ اس شیعہ سنی دشمنی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ بہمنی کا تنازعہ مسلم مالوہ کے ساتھ دو مملکتوں کا تنازعہ قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن وہ مملکتیں جن پر ہندو حکمرانوں کی حکمرانی تھی وہ مختلف انداز سے دیکھی جاتی ہیں۔ ذیل کے جملے ملاحظہ ہوں،

"بعض بادشاہوں نے مالوہ پر فتح پائی۔ نیز کوکن کے بہت سے ہندو شہزادوں پر بھی فتح پائی"۔ ص ۲۱۵

دکن کی پانچ مملکتوں کے متعلق مصنف لکھتا ہے: "گرچہ ان ریاستوں کے حکمراں کٹر مسلمان تھے جو زیرنگیں علاقوں کی ہندو آبادی کو ستم کا نشانہ بناتے، پھر بھی جنگ سیاسی بنیادوں پر لڑی جاتی ... جب اس دور کی ریاستوں کو مسلم ریاستوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بات ریاست کے مذہب کے حوالے سے کی جا رہی ہے جسے عوام پر تھوپا جاتا تھا اور جس کی حمایت حکمراں اور امرا کرتے" مصنف دوسری مسلم مملکتوں پر جانبداری اور تعصب کا الزام عائد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ گولکنڈہ میں رہنے والے ہندو قاعدے کے مطابق اسی طرح کے مظالم کا نشانہ نہیں بنائے جاتے تھے، جس طرح کے مظالم دکن کی دوسری ریاستوں میں ہندوؤں پر روا رکھے جاتے تھے۔ ص ۲۱۶، ص ۲۱۷۔

مصنف صاف صاف آر سی مجمدار اور اشتیاق حسین قریشی کے تیار کردہ فرقہ وارانہ خطوط پر چلا ہے۔ شاید کسی حد تک ان سے زیادہ فرقہ پرست ہو گیا ہے۔

"دہلی سلطانوں کے عہد میں اسلام کو ریاست کا مذہب قرار دیدیا گیا تھا اور اسے مقامی آبادی پر زبردستی تھوپا گیا تھا۔ ہندوؤں کے کچھ طبقے نے نیا مذہب قبول کیا تھا۔ ایک چھوٹے گروہ نے توبہ بہ اسلام قبول کیا۔ اور کچھ لوگوں نے اس خیال سے اسلام قبول کیا کہ انھیں اس طرح بہت سارے حقوق اور بہت ساری رعایتیں مل جائیں۔ ایسے بھی کہ بڑے عہدوں پر صرف مسلمان ہی فائز ہو سکتے تھے ... ملک کے بیشتر حصوں میں مسلمان حکمراں طبقے کی تشکیل کرتے تھے ... قاعدے کے مطابق کسان بھی ہندو رہ گئے"۔ ص ۲۳۴۔

"اس میں شک ہے کہ اسلام واقعتاً ریاست کا مذہب تھا۔ مسلمانوں کے درمیان امرا اور غریب اور آقا اور غلام تھے۔ مزید یہ کہ ہندو صرف چند بڑے عہدوں کے لیے اپنا مذہب نہیں بدلتے تھے کیوں کہ ایسی بڑی آسامیاں بہت ہی کم تھیں۔ زمیندار جو بیشتر راجپوت تھے وہ دیہی علاقوں پر اپنا اقتدار قائم رکھتے تھے اور ہندو تاجر شاید امیر تر تھے۔ کسانوں میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ سندھ اور بنگال میں مسلمان کسان مضبوط تھے۔ دربار میں سنیوں کی جانب سے مطلقاً مزاحمت بھی ہے، یوں کہ بیرم خاں شیعہ تھا اور یہ لوگ بڑے عہدے اور عطیات سے نوازنا چاہتے اس کے ہم مذہب ہوتے"۔ ص ۱۰۸

"راجپوتوں کی وفاداری کی تبدیلی اور ان کا مسلمان حکمراں کی طرف جانا یہ وہ عمل تھا جس کے سبب شدت پسند راجپوت حلقوں میں احتجاج بلند کیا گیا۔ جہاں یہ بات کہی گئی ہندوؤں نے دربار میں پہنچ کر خود کو ذلیل کیا ... ان لوگوں نے مسلم امرا نے اکبر کی مختلف ہندو شہزادوں کے دربار میں شمولیت

کی مخالفت کی تھی۔" (ص۲۳۲، ص۲۳۳)۔

"اکبر نے جو اگلا قدم اٹھایا وہ تھا اپنے خاندان کے اقتدار کو مضبوط کرنا اور ہندوستان میں مسلمان جاگیرداروں کی بالادستی قائم کرنا۔ ساتھ میں اس نے ہندو آبادی کی حمایت اس طرح حاصل کی کہ ان پر جو مظالم ڈھائے جاتے تھے ان میں کمی کر دی۔ اس کی اس پالیسی سے مسلمان جاگیرداروں اور شیخوں کے درمیان انتشار پیدا ہوا... (یاتری ٹیکس اور جزیہ) مسلمان جاگیرداروں کے زیر پردہ دوبارہ نافذ ہوا لیکن ایک بار پھر اسے ۱۵۸۰ء کی ابتدا میں ختم کر دیا گیا" (ص۲۴۰۔ ص۲۴۱)۔

"جہانگیر کی تخت نشینی سے مذہبی رواداری کی اس پالیسی میں تھوڑی سی تبدیلی آئی جس کا اعلان اکبر نے کیا تھا۔ اس سے ہندو جاگیرداروں کی اکثریت اور مسلمانوں کے کچھ حلقے میں بے اطمینانی پھیلی"۔ ص۲۴۴

مصنف نے یہ قیاس آرائی کی ہے کہ مذہبی جبر و تشدد جاری تھا جسے اکبر نے اپنے عہد میں کم کیا تھا۔ جہاں مسلمانوں کو غلام بنایا گیا وہاں مصنف نے اس کی مذہبی شناخت سے دامن بچایا ہے۔ لیکن ایسے سارے مواقع پر جب ظلم کا نشانہ کوئی ہندو بنا تھا مصنف نے نام کا اعلان کر دیا ہے۔ اس طرح عہد وسطیٰ میں غلام بنانے کے تاریخی عمل کو ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کے دور کا فرقہ وارانہ جبر و ستم بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ بات جب ایک مارکسی مورخ کے قلم سے لکھی جاتی ہے تو بے حد تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔

"اورنگ زیب کے تخت نشین ہونے کے یہ معنی تھے کہ جاگیرداروں کے رجعت پسند حلقے کو اب دربار میں فیصلہ کن اقتدار حاصل ہو گیا ہے۔ یہ سرد طبع، خود غرض سیاست داں بڑا کٹر مسلمان تھا... وہ اس پالیسی کو اہم جانتا تھا جس کی رو سے ہندوؤں کے حقوق سلب کر لیے گئے تھے۔ اور شیعہ مسلمانوں پر مظالم روا رکھے گئے تھے۔ اس خیال سے کہ قومی زندگی کو اسلامی شعار میں ڈھال دیا ہے۔ اورنگ زیب نے شراب خواری پر پابندی لگا دی اس کے علاوہ اس نے موسیقی، رقص و سرود اور بھنگ کی کاشت پر بھی پابندی عائد کر دی۔ ۱۶۶۵ء تا ۱۶۶۹ء کے زمانے میں اس نے یہ حکم صادر کر دیا کہ مندروں کو مسمار کر دیا جائے اور ان کے ملبے مسجدوں کی تعمیر عمل میں لائی جائے۔ ہندوؤں کو کسی قسم کے امتیازی نشان کے استعمال کی اجازت نہیں تھی اور نہ ہاتھی پر سوار ہونے کی اجازت تھی۔ یہ باتیں کبھی پورے طور پر نافذ نہیں ہوئیں۔" ص۲۵۵۔

مصنف نے صرف ایسے مواد کو پیش کیا ہے جو سامراجی مورخوں کے لیے سودمند ہے۔ جو لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر گامزن رہے ہیں۔ یا پھر ہندو فرقہ پرستوں کیلئے مراٹھا ریکارڈ کے غیر تحقیق شدہ مواد کو قبولیت کا درجہ دینے سے یہ ہوا کہ انھوں نے یہ تحریر کیا کہ بیجاپور کے سالار افضل خاں شیواجی کو دھوکے سے مارنا چاہتا تھا۔ لیکن خود ہی مارا گیا۔ لیکن مصنف صورت میں دھوکے

ے شیواجی کے داخلے کا اور اسی کے ہاتھوں ایسے ترقی یافتہ شہر کی لوٹ کا کوئی ذکر نہیں کرتا ہے۔ آگے اس کے بعد کے حالات کے بیان میں مصنف نے مستقل طور پر ہندو فرقہ پرستوں کے طریقہ کار کو اپنائے رکھا ہے۔ سوویت تاریخ داں فرقہ پرست نہیں ہیں لیکن فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کی ہندوستانی تاریخ نویسی پر اتنی گہری چھاپ ہے کہ صرف ایک باشعور مصنف ہی ان کے اثر سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ سوویت اسکالر کا دوسرا کام بھی ان ہی خطوط پر چلتا ہے۔ دیکھیے۔

Kalara Z. Ashrafyan

The Historical Significance of the Turkish Conquest of Northern India in Horst Kruger (ed.) Kunwar Mohammad Ashraf, Delhi, 1969, pp. 67-83.

1. S.S.Pirzada (ed.) Foundation of Pakistan Karachi, 1970, Vol.II, pp. 557-558, see also p.560, see also M.A.Jinnah, Speeches and writings, (ed.) Jamiluddin Ahmed, Lahore, 1960, vol.1, pp.72-73, 77-88, 91-92, 122-123, 139, 141, 152-153, 185-186, 204-205, Passim, Z.A.Suleri, My Leader, pp. 12, 38, 42, 52-53, 55-56, 193, S. Gopal, Jawahar Lal Nehru A Biography, Vol.I, pp.238, Ram Gopal, Indian Muslims, A Political History 1858-1947, Bombay 1959, pp. 257-258, W.C.Smith, Modern Islam in India, Lahore, 1963 Reprint of 1946, pp 282, 285-286.

Bipan Chandra, Communalism in Modern India, Delhi 1984. یہ حوالے ملاحظہ ہو۔

ٹائمز آف انڈیا مورخہ مئی ۱۹۸۹ء نے بالا صاحب دیورس کی ایک تقریر شائع کی جو انھوں نے وشال ہندو سمیلن میں دی تھی۔ آر ایس ایس کے سربراہ نے کہا کہ کانگریس سرکار نے اپنے عطا کردہ مفادات کے لیے اقلیتوں کو خوش کرنے کی وہی پالیسی اختیار کی جو برطانیہ نے اپنائی تھی۔ اگلا صفحہ۔

2. Lal Chand, Self Ab egation in Politics, Lahore, 1938 pp. II, V, VI etc.

3. V.D.Savarkar, Hindu Rashtra Darshan, Bombay, 1949, pp.71. Also 28, 125, 260, 280, for detail see M.S. Golwalker, We or Our Nationhood Defined, Nagpur, 1947, pp. 20, 52, 68, 70-73; V.D. Savarkar, Hindu Sangathan, Bombay, 1940, pp. 205, 212; Bhai Parmanand, The Tribune June 27, 1936; Mushirul Hasan, Communal and Pan-Islamic Trend in Colonial India, 1916-28, New Delhi, 1979, p.209.

Bipan Chandra - op.cit. یہ حوالہ ملاحظہ ہو۔

4. U.N.Ghoshal, Bhartiya Vidya Bhawan, History and Culture of the Indian People, Vol.V, p.498 hereafter R.C.Ma umdar, op.cit.

5. J.N.Sarkar, History of Aurangzeb, Calcutta, 1912, 1924, Vol.V, pp.487-488.

6. R.C.Ma umdar, op.cit Vol.VI. pp.616-617.

7. K. M. Panikar, A Survey of Indian History, Bombay, 1966, pp.125,164,167-168

8. S. M. Ikram, History of Muslim Civilization in India and Pakistan, Lahore, 1982, P.xxxiii. See also Ishtiaq Hussain Qureshi, The Muslim Community in India-Pakistan sub-continent, New York.

مصنف کا خیال ہے کہ مسلمانوں نے اپنا امتیازی کردار برقرار رکھنے کی شعوری کوشش کی۔

9. Aziz Ahmad, Studies in Islamic Culture in the Environment, Karachi, 1970, pp.73-74

10. Percival Spear, India, Pakistan and the West, London, 1958.

11. W.W.Hunter, Indian Musalman, Delhi, 1969.

12. Murry Titus, Indian Islam, London, 1930.

13. F.W.Thoman, Mutual Influences of Muhammadan and Hindus in India.

14. M.A.Jinnah, Speeches and Writings, Vol.1, p.78

15. Indian Annual Register 1924-46, Calcutta, 1937, Vol.II, pp.204-206

16. Bipin Chandra, op.cit, pp.209-236.

ہندو فرقہ پرستوں نے مسلمان بادشاہوں کی حکومت کو غیر ملکی حکومت اور مسلمانوں کو ہندوستانی سوسائٹی میں غیر ملکی عناصر قرار دیا۔ ہندو اور مسلم فرقہ پرست صاحب قلم نے بھی، یہ سمجھ رکھا ہے کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مسلمان حکمراں تھے اور ہندوؤں کا تعلق محکوم نسل یا غلاموں سے تھا۔ مسلمانوں کے سارے طبقے اور طبقے حتیٰ کہ غریب دہقانی بھی حکمراں تھے اور ہندو راجہ زمیندار اور امرا محکوم تھے کچھ مسلمان رہنماؤں نے یہ تک کہا کہ ہندوستان ہندوؤں کا نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ ایک ہزار سال تک دبے ہوئے رہے ہیں۔

ہندو اور مسلمان دو مختلف سماجی اکائیاں تھیں جو آپس میں ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو سکتی تھیں۔ مسلمانوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ دونوں مختلف قوم تھے۔ (دو قومی نظریہ) انھوں نے ہندوؤں کو ایک قوم کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ دوسری طرف فرقہ پرست ہندو مسلمانوں کو اتنا بھی مرتبہ دینے کو تیار نہیں تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ ہندوستانی، ہندو ایک قوم ہیں، اور مسلمان جو کہ انگریزوں کی طرح رہتے ہیں، غیر ملکی ہیں۔ حکمرانوں نے ریاستوں کے مرتبے کا تعین کیا تھا۔ اگر حکمراں یا سردار ہندو ہے تو وہ ریاست ہندو ریاست کہلائے گی۔ اور اگر سربراہ مسلمان یا سکھ ہے تو ریاست مسلم ریاست یا سکھ ریاست کہلائے گی۔ مختصر یہ کہ اونچی ذات/طبقاتی تہذیب ہندوؤں اور مسلمانوں کی ہندو یا مسلم بن گئی۔

ہندو تہذیب ہندو فرقہ پرستوں کے قول کے مطابق گپتا سمراٹ کے عہد میں چوٹی پر پہنچ گئی۔ مسلم عہد میں یہ بتدریج گرتی گئی۔ یورپی نوآبادکاروں یا شہنشاہیت کے معماروں کے تہذیبی سے متاثر ہو کر ہندوؤں نے یہ سوچا کہ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے پہلی بار ایک عظیم تہذیب و ثقافت کو فروغ دیا اور اسے دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلایا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اندر پرکاش۔

A review of the History and work on the Hindu Mohammadan and Hindu Sanghatan Movment, New Delhi.

17. A. J. Syed, State, Religon and Society in Medieval India. op.cit.

صدارتی خطبہ، عہد وسطی کا ہندستان سکشن

M. Habib, Politics and Society during the Early Medieval period, Vol.I, pp.1096-98 Passim.

Tara Chand, History of Freedom Movement in India, Vol.II, pp. 484-85

۱۸۵۷ء کے غدر سے تقریباً دس سال پہلے ۱۸۴۹ء میں کتاب The History of India as told by its own Historian, ایلیٹ نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا کہ اس کتاب میں ان ہندوؤں کا بیان ہے جنہیں قتل کیا گیا۔ کے عام پابندی کی پوجا اور ممانعتوں کے متعلق دوسرے متعصبانہ اقدامات، کے متعلق بتوں کی بے حرمتی، مندروں کو تہہ و بالا کرنا، جبری تبدیلی مذہب اور شادی، جلاوطنیاں اور ضبطیاں، قتل اور قتل عام، ہوس رانیاں اور بلانوشیاں ان غداروں کی جوانی سے منظر اٹھاتے ہیں۔

J. Syed, op.cit.

18. Satish Chandra, Communal Interpretation of Indian History, New Delhi.

Irfan Habib, The Contribution of Historians to the Process of National Integration in India Medieval Period, Proc. Indian History Congress, 1961.

Harbans Mukhia, Communalism a study in its Socio-Historical Perspective, Social Scientist, Vol.I, Aug.1972.

N. Barrier and N. Gerald, Roots of Communal Politics Romila Thapar, Harbans, Harbans Mukhia, Bipan chandr, Communalism and the writing of Indian History. New Delhi, 1978.

A. N. Vidyalankar

C. G. Shah, Marxism, Gandhism, Stalinism, Bombay, 1973.

Romlia Thapar, Past and Prejudice, Insterpretations of Ancient Indian History.

Kanpur Riots Enquiry Report, 1931.

Tara Chand, Society and state in Mughal Period.

19. History in annals of the Bhandarkar oriental Research Institute, Vol. xxxv, Poona- 1954,55, PP.194-201 or A.J. Syed D.D. Kosambi on History and Society, Bombay, 1985 PP. 65-71, Here after A.J. Syed, Kosambi, op.cit.

K.M. Munshi's Ideas of Aryavarta consiousness Sacred land of Dharma the high road to heaven and to salvation the Chatur Varnya, The divinely Ordained four fold order of Society, Sanskrit the language of the Gods, In his forwards in the series of History & Culture of Indian people (R.C. Mazumdar, op.cit.)

20. A.J. Syed Kosambi, op.cit, p.68.

20(A) R.S. Sharma, Problems of Social formations proc. Indian History Congress, 1975, Address, p.7.

20(B) A.J. Syed, Kosambi, op.cit, pp.179,80,25.
20(C) R.C.Mazumdar, opp. cit, Vol.V. P.759,
20(D) Ibid, pp. 764,
20(E) Ibid, p.265

21. A.J.Syed, Kosambi op.cit, p.82

22. For Shaho, See H.N. Sinha, Rise of Pehwas, pp.12,13, also Bipan Chandra, op.cit, p.199

23. Idira Prakashan, op.cit, p.4.

24. Geeta, ii,37, Kosambi quotes from the divine scripture "Kill your brother if duty calls, without passion" see for details A.J. Syed, Kosambi, op.cit, p.173.

25. Kantondva, G. Bongard levin and Kotousky, History of India, Vol. I, Moscow, 1979, see chapter on Asoka.

26. A.J. Syed, Kosambi, op.cit, p.179

نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ بات قابل غور ہے کہ ہندوستانی کردار ہمیشہ اس قدر روادار
نہیں تھا۔ ایسے بھی زمانے آئے ہیں کہ لوگ عقیدوں، رسوم و رواج اور طرز عبادت پر کے بازی شروع کر دیتے تھے۔

27. R.C. Manzumdar, op.cit, Vol.V, p.404

جنوب میں مشرقی شیو کے ماننے والوں اور وشنو کے ماننے والوں کے مابین تعصب کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ یہ نہیں
کہا جا سکتا کہ ابتدائی عہد میں آریاؤں نے مندر نہیں بنوائے۔ بہر حال بدھوں نے مندر بنوائے اور ان میں پوجا کی، وہ سارے
بودھ مندر کہاں ہیں۔؟

28. S.N.Das Gupta, in R.C.Mazumdar, op.cit, Vol.V, p.149.

29. A.J. Syed, Kosambi op.cit, p.124.

30/31 Ibid, p.179. Kalhana 5,168-70, 1089,1090-1092, pp.631-633, 638-39, 1080-1098, vide Ibid R.S. Sharma, Qadeem Hindustan (Urdu) NCERT, New Delhi, p.124.

قدیم عہد میں بھی ایسی بے شمار مثالیں مل جاتی ہیں جہاں راجاؤں نے ہر ذات کی عورتوں کی عصمت دری کی۔ راجہ چکر ورمن نے ایک برہمن کی بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کیا تھا۔

A.J.Syed Kosambi, op.cit. p.116.

32. Geeta, 2.37; 4.13

33. A.J.Syed Kosambi, op.cit., p.83.

34. Binoy Kumar Roy, Socio-Economic Thoughts of Swami Vivekanand vide The Sunday observer December 6, 1987. See also D.D.Kosambi, Myth and Reality, V. Khandekar, Agarkar, his personality and thought: Dhanjay Keer 'Collected Works of Mahatma Phule'.

اس میں ودیا بھون سیریز کی پہلی دوسری اور تیسری جلدوں پر R.C. Mazumdar op.cit. تبصرہ کرتے ہوئے D.D. Kosambi کہتے ہیں: ہندوستانی تاریخ کی خصوصیت ہے۔ مزدوروں کا ترقی پذیر استحصال ذات اور طبقے کے دوہرے بوجھ تلے، زیادہ دنوں تک ہندوستان کی عظیم ثقافت اور اس کے عظیم الشان ماضی کے فلسفے کے بے سود ذکر میں خود کو غرق نہیں کر سکتا۔

35. A.J.Syed, Kosambi, op.cit, D.71

D.D. Kosambi مابعد کشن ستاوا اپنی مذہبی خلفشار کو اقتصادیات کی زبوں حالی سے منسوب کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

"ایسے بھگوں کے لیے کافی ہونے کا زمانہ نہیں رہا تھا کسی نہ کسی گروہ کو دیوار سے لگ جانا تھا۔ اسی طرح کی ایک مثال مشترکہ ہر ہر اسلک کی ہے (جو نصف شیو اور نصف وشنو کی مورتی ہے)، جس کا زمانہ بہت مختصر رہا لیکن گیارہویں صدی کے بہت بعد تک اس کا رواج قائم نہیں رہا۔ ہو سکے یا انہوں نے دیکھا کہ ان کے مفادات بہت زیادہ الگ الگ ہیں۔ اور اس کی بجائے وشنو کی جد و جہد ہے۔ جب مغلوں کا اقبال بلندیوں پر تھا تو اکبر ایک ملے جلے مذہب دین الٰہی کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اورنگ زیب اپنے گرتے ہوئے کو منزلی جبر و ستم اور ہندوؤں پر جزیہ نافذ کرکے بڑھا رہا تھا۔"

36. A.J.Syed, Kosambi, op.cit., p.180

عہد وسطیٰ یا عہد قدیم کی سوسائٹی یقینی طور آج کے معنوں میں سیکولر سوسائٹی نہیں تھی۔ عام طور پر بادشاہ اپنے ہم مذہبوں اور ہم نسلوں کی سرپرستی کرتا تھا۔ جب حکمراں مسلمان ہو تو یقینی طور پر مسلمان بہت زیادہ فائدے میں رہے۔ یہی معاملہ ہندوؤں اور سکھوں کا بھی تھا۔ تاہم بھی حالات میں لے کر نہیں بنا سکتے تھے۔ فائدہ اٹھانے والے کچھ منتخب لوگ ہوتے درمیانے اور چھوٹ

لوگ جن کا تعلق حکمراں کے مذہب سے ہوتا حسب دستور غریب اور اچھوت رہ جاتے۔ اشوک بالعموم بدھوں کی حمایت کرتا تھا۔ دشرتھ موریہ نے اشوک کی پالیسی بدل دی اور اپنی تاجپوشی کے دن ناگارجن پہاڑیوں کی کھوہ اجیویکاس کو دیدیا۔ سمپرتی نے جینیوں کی سرپرستی کی۔ جلوکا نے شیومت کو پھیلایا اور بدھوں پر مظالم ڈھائے۔ سلیسوکا جو کہ ایک ظالم راجہ تھا۔ بدھوں کا سرپرست تھا۔ ملاحظہ کیجئے مابعد۔

K.A. Nilakanta and G. Srinivasachar, Advanced History of India, Bombay, Calcutta, Madras, New Delhi and Bangalore, 1970, pp.106-109.

37. Ishtiaq Husain Qureshi, Barr-i-Azim Pak o Hind ki Millat-i-Islamia, Karachi, 1987, p.194. See also pp. 97, 190, 192-195, 201, 203.

38. Maktubat-i-Imam Rabban, Vol.1, Letter no.69.
39. Ibid. Letter no.163.
40. Ibid. Letter No.56.
41. Ibid. Letter nos. 65 and 195

42. Irfan Habib, Political role of Shaikh Ahmad Sirhindi and Shah Waliullah - Proceeding of Indian History, 1959, pp.210-11.

43. Sibte Hasan, Pakistan mein Tahzeb ka Irtiqa (Urdu), Karachi, 1981, p.324 etc.

شیخ سمجھتے تھے کہ افلاطون مسیح کا ہم عصر تھا۔

44. Shah Waliullah, Hajjatulla il Baligha, Vol.1, 259, vide Irfan Habib, op.cit. p.222.

شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی جیسے پائے کے مفکر نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ان ممالک میں بھی جہاں مسلمانوں کی آبادی سو فیصد ہے اور جہاں غلام تک مسلمان ہیں۔ ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو فصل کاٹیں غلے کی پھٹکی کریں۔ اور اسی سلسلے کے دوسرے کام کریں۔ مسلم مزدوروں اور غلاموں سے اسی طرح کام لیا جاتا ہے۔ جیسے باربرداری کے جانوروں اور بوجھ ڈھونے والے جانوروں سے لیا جاتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت عمر کی لونڈی زاہدہ جب جنگل سے لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھر اپنے آقا کے گھر لے جا رہی تھی تو خدا نے اس کی مدد کی تھی۔ ظاہر ہے کہ غلاموں (مسلمانوں) سے ان کی طاقت کہیں زیادہ کام لیا جاتا تھا۔ داراشکوہ سفینۃ الاولیاء (اردو)، کراچی ۱۹۸۶ء ص ۲۵۷۔

۴۵۔ ایس پی گوپال کا خیال ہے کہ ہندستانی مسلمانوں کے اقتدار میں آنے کے بعد زیادہ غریب ہو گیا۔ نئے حکمراں بمقابلہ راجپوت، لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا بڑے ہولناک طریقے سے بازار گرم رکھتے تھے اور نتیجہ یہ کہ ایک اقبال مند ملک غموں میں ڈوب گیا۔ دوسرے ذرائع میں گوپال نے نکتین (پندرہویں صدی کا ایک یورپی سیاح) کے خیالوں سے استفادہ کیا ہے۔ نکتین کہتا ہے۔

"زمین (بہمنی سلطنت) عوام سے بھری پڑی ہے۔ لیکن دیہاتوں کی آبادی بدقسمت آبادی سمجھی جاتی ہے۔ جہاں کہ امرا بے حد دولتمند ہیں اور عیش و آرام میں مست ہیں۔"

R.H. Major, India in the Fifteenth century, London, 1857, p.14.

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ مسلم عہد میں غربت تھی۔ گوپال نکتین کی اس شہادت کو نظر انداز کرتا ہے کہ امرا انتہائی مالدار ہیں اور عیش و عشرت میں مست ہیں۔ برخلاف اس کے اس بات پر زور دیتا ہے کہ زمین پر عوام کی بھری پڑی آبادی ہے لیکن جو دیہاتوں میں ہیں وہ بدقسمت ہیں۔" نکتین کے اس تبصرے پر جو اس نے دہلی سلطنت کی غربت اور افلاس کی تصویر کشی کے سلسلے میں کیا ہے۔ گوپال بے حد حظ اٹھاتا ہے لیکن ہندو عہد میں ان میں حالات کی پیشکش ہوتی ہے تو وہ لفظ اقبال مندیم استعمال کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ ہندستان ابھی تک بھرا پڑا ملک تھا لیکن اس کی خوش حالی پر حکمرانوں بشمول بڑے جاگیرداروں، تاجروں اور منڈیوں کی اجارہ داری تھی۔ عام دیہاتی ہمارے عہد کا (راجپوت) بدحالی کی زندگی گذارتا تھا۔

Economic Life of Northern India, 700-1200, p.25).

ہندو عہد کی خوشحالی، مسلم عہد میں بدحالی، فرقہ پرستانہ تاریخ نویسی کی مثال ہے۔ اسی طرح K.S.LAL کا خیال ہے کہ مسلم عہد علامت ہے آبادی میں تخفیف کی لیکن وہ نکتین کی اس رائے کو نظر انداز کرتا ہے کہ زمین بے پناہ آباد ہے۔ گھٹتی ہوئی آبادی اور غربت (دہلی سلطنت میں) کے مسئلے پر تفصیلی بحث کیلئے عرفان حبیب کو ملاحظہ فرمائیے۔

Economic History of Delhi Sultanate, An Essay in Interpretation, Indian Historical Review, 1980.

46. Mohd. Habib's Political History of Delhi Sultanate, p.49.

47. Shah Waliullah, op.cit., Vol.I, p.225.

جمہوریت کی مخالفت کرتے ہوئے سید احمد نے یہ عذر پیش کیا۔

"یہ اشد ضروری ہے کہ وائسرائے کاؤنسل کے ممبر اونچا سماجی مرتبہ رکھتے ہوں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہماری اشرافیہ اس بات کو پسند کرے گی کہ ایک نچلے طبقے کا فرد یا گمنام خاندان کا فرد، خواہ وہ بی۔ اے یا ایم۔ اے۔ ہی کیوں نہ ہو اور یوں ضروری صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ کیا ان سے اونچے عہدے پر رہ سکتا ہے اور کیا وہ یہ اختیار حاصل کر سکتا ہے کہ قانون بنائے اور ایسے قانون بنائے جس سے ان کی زندگی اور ان کی ترقی متاثر ہوتی ہو؟ ہرگز نہیں کوئی بھی اسے پسند نہیں کریگا۔ وائسرائے کے کاؤنسل کی کرسی انتہائی عزت و مرتبت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ وائسرائے اپنے شریک کار کی حیثیت سے کسی

۲۰
۴۲

اعلیٰ نسب فرد ہی کو لے سکتے ہیں۔ جس کے ساتھ وہ اپنے بھائی جیسا سلوک کریں۔ تقریبات میں اسے مدعو کریں۔ جہاں ڈیوک اور اول کے ساتھ وہ شریک طعام ہو۔"

Saiyed Ahmad Khan, edited by Shan Mohd. Writings and Speeches, Bombay, 1972, p.204.

48. See Mohibbul Hasan, 'Lacunae in the Study of Indian History' in Horst Kruger, Kunwar Mohammad Ashraf, Delhi, 1969, pp. 119-120.

49. See Appendix A1, B.R.Nanda article published in Times of India, November 23, 1988. To be read with the thirty pages of Azad. As Dr.Rafiq Zakaria's comments on A1 Appendix-B M.A. Final Course on Communalism in Modern India, 1857-1947, p.56-58, 1982-83.

50. Appendix C - Extracts from K.A.Anjonova's and others, History of India.

51. See N.G.Barrier (ed.) Rocts of Communal Politics, New Delhi, 1976. Refer therein report of the Kanpur Riots Enquiry Committee, 1931, and Bipan Chandra, Communalism in Modern India, Delhi, 1984, pp.11 No.10, 209-236.

مصنف کا نام ـــــ اداراتی بورڈ بشمول پرمانند دھن لکھانڈی، عبدالمالک، اجگوہن سنگھ، گپتا یادو، راسک بہاری دکشت اور دھریندر ناتھ چترویدی (یوپی گورنمنٹ کے لیے جملہ حقوق محفوظ)

کتاب کا نام ـــــ اتہاس اور ناگرک جیون بھاگ ۲۔ درجہ کے لیے پاٹھ پشتک۔

ابواب ـــــ ۲۴ ابواب تاریخ کے حصے میں (۱۸۴ صفحات) ۱۲ ابواب علم سماجیات کے حصے میں (۱۲۰ صفحات)

صفحات ـــــ ۳۰۰۔ ناشر ـــــ لکشمی پرنٹنگ پریس، متھرا، ۱۹۸۶ء۔

تاریخ کی یہ درسی کتاب جو جامع ہے عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ کو ۱۸۴ صفحات میں سمیٹ لیتی ہے۔ ان کا سائز ۸/۱۲×۱۸ کا ہے۔ بیانیہ کا کچھ حصہ تو غیر تاریخی دکھائی دیتا ہے۔ کچھ بیانات تو ایسے ہیں جو دیومالائی نظر آتے ہیں (مثلاً شیواجی کی افضل خاں سے لڑائی، یا شیواجی کی اورنگ زیب کے دربار میں باریابی راجہ جے سنگھ کے ذریعے ہوئی، تب دربار میں ان کی تذلیل اور ان کی گرفتاری کی غداری)۔ نہ صرف یہ کہ ایسے نازک موضوع کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے، لیکن جو ایک خاص مقصد کے تحت اور تعصب کے تحت اس عہد کی تاویل درجہ ششم کے طلبا کے آگے پیش کی جاتی ہے وہ اپنی نسل کی طرف جھکاؤ کے رجحان کی پشت پناہی کا جذبہ پیدا کرے گی اور وہ طلبا جن کا تعلق مسلم اقلیتی فرقے سے ہے وہ اپنی تاریخ اور تہذیب کے سلسلے میں خود کو مجرم گردانیں گے۔ اس کتاب کی ایسے لوگوں سے جانچ پڑتال کرانی چاہیے جو عہد وسطیٰ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ واقعاتی غلط بیانیوں کی نشاندہی کر سکیں۔

چونکہ صوبائی تعلیمی انتظامیہ سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ اپنے نصاب میں ترمیم کرے یا غلطیوں کو خارج کرے۔ یہاں یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ یوپی گورنمنٹ پر یہ زور دیا جائے کہ ساتویں درجے کے عہد وسطیٰ کی تاریخ کی درسی کتاب جسے نے نئی درسی کتابوں کے اس سلسلے میں شائع کیا ہے۔ جو قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۸۳ء کے زیر بحث آتا ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ کی درسی کتاب جس کے متعلق سفارش کی جائے گی اسے کل ہند پیمانے پر بحال کیا جائے۔ وہ عصبیتوں، تنگ نظریوں اور واقعاتی غلطیوں سے پاک ہوگی جو کہ صوبائی درسی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

۲۴۴

تفصیلی جانچ پڑتال : ایک نمایاں خرابی جو عام طور پر درسی کتابوں میں ملتی ہیں کہ دیوناگری حروف کو عربی حروف ف ز ظ ع غ خ ق کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناموں اور مقاموں کے تلفظ میں صحیح ادا نہیں ہو پاتی ہیں اور ان کے استعمال میں مکمل عامیانہ پن جھلکنے لگتا ہے۔ یہ خرابی   کی درسی کتابوں میں نظر نہیں آتی ہیں جہاں امتیازی نشانات اور نقطے سختی سے استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ صحیح تلفظ ادا ہو سکے۔ مثالیں :۔

(محمود گجنوی، محمود گوری۔ گجن۔ گدر۔ اجھل کھان۔ کرآن۔ شریپھ وغیرہ)۔

(۲) عہد وسطیٰ کے بادشاہوں اور سلاطین کے مرقعے جعلی اور بے محل ہوتے ہیں۔

(۳) تاریخ کو مسخ کرنے کی مثالیں اور عہد وسطیٰ کی حکومت کو ہندو عوام کے ساتھ ناروا سلوک کرتی ہے۔ ص۵۵ ص۶۵، ص۷۶، ص۱۰۲، ص۱۵۲، ص۱۵۳، ص۱۵۴۔

(۴) تاریخی طور پر غیر مصدقہ اور متنازعہ فیہ واقعات کی پیشکش ص۱۵۵، ص۱۶۷، ص۱۶۹، (کیا یہ تاریخی طور پر صحیح ہے کہ شیواجی راجہ جے سنگھ کے تعارف کرانے پر اورنگ زیب کے دربار میں مدعو کیا گیا تھا وہاں اس کی تذلیل کی گئی اور دھوکے سے گرفتار کیا گیا؟)

(۵) عہد وسطیٰ کے ہندستان میں ثقافتی ترقیوں کے لیے جو کچھ کیا گیا، اور جو کارہائے نمایاں اس سمت میں انجام دیئے گئے انھیں چھوٹا کر کے پیش کرنا۔ مثلاً ص۲۱۰۲ میں یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ سندھ میں عربوں نے جملہ سائنسی علوم اور فنون لطیفہ کو   لے لیا اور بعد ازیں وہ یورپیوں کو منتقل کر دیئے گئے۔ سندھ میں ثقافتی فروغ کے لیے جو کچھ عربوں نے کارنامے انجام دیئے انھیں یکسر نظر انداز کیا گیا۔

اسی طرح عام روش ان درسی کتابوں کی یہ ہے کہ ان میں عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کو غیر ملکی اور وطن دشمن کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ سیاسی اتحاد اور ہندوستان کی علاقائی یکجہتی کے قیام کے سلسلے میں ان کی خدمات نیز قیام عدل اور انصاف کی عملداری کے لیے جو کچھ انھوں نے کیا اسے قطعی طور پر بھلا دیا گیا ہے۔ ص۱۵۲ پر یہ درج ہے کہ اورنگ زیب نے ایک شاہی فرمان کی مدد سے کچھ زمین برہمنوں کو دی اس طرح پر جیسے یہ کہنا چاہ رہے ہوں کہ یہ تنہا مثال مستثنیات میں سے ہے یہ کوئی ہمیشہ کا اصل نہیں تھا۔ اسی طرح شیواجی کو ایک مثالی انسان بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ص۱۶۸ وہ ایک بڑے قوم پرور اور عظیم معمار قوم تھے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ قوم پرستی کا نظریہ ان دونوں وجود میں آچکا تھا۔ وہ مرکزی حکومت کا باغی نہیں تھا بلکہ ایک قومی ہیرو تھا جو کہ ایک خیالی قوم کے مقصد کے لیے جنگ کرتا تھا۔

مصنف   ادارتی بورڈ۔ ستر کار، دسیدانند، دھن لاکھانڈی، وشنودت لکھرا، اندرا کھنہ، اونکار دت اپادھیائے

گرو پرشاد ترپاٹھی اور سریندر سنگھ پنڈیر (جملہ حقوق محفوظ اتر پردیش گورنمنٹ)

تصنیف:— ہمارا اتہاس اور ناگرک جیون، بھاگ ۲۔ کچھا ۸ کے لیے پاٹھ پستک۔

پبلیشرز:— ستیش بک انٹرپرائز، آگرہ، ۱۹۸۶ء۔

ابواب:— تاریخ۔ ۱۳ ابواب (۱۰۰ صفحے) سیوکیس ۱۲ ابواب (۳۸ صفحے)۔

یہ درسی کتاب موجودہ ہندوستان کی تاریخ برائے درجہ ہشتم کو ۱۰۰ صفحوں میں سمیٹتی ہے۔ اس کا سائز ۸/۲۲×۱۸ ہے۔ یہ کتاب موضوع کا ایک سطحی نقشہ پیش کرتی ہے اور موضوع کے ساتھ پورا انصاف نہیں کرتی ہے۔ یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ جدید ہندوستان کی تاریخ برائے درجہ ہشتم کی کتاب کے سلسلے میں یوپی گورنمنٹ پر زور دیا جائے کہ وہ اسے اپنے نصاب میں شامل کرے جو کہ نئی تعلیمی پالیسی کے زیر تحت تیاری کے مراحل میں ہے۔ مزید یہ کہ نصاب کی صوبائی کتابیں مستقبل قریب میں کی درسی کتابوں سے سبقت لے جائیں گی ایسی کوئی امید نہیں ہے نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ مشمولات کے حساب سے اور نہ صحت کے لحاظ سے۔

تفصیلی چھان بین: کچھ مثالیں تاریخی غلط بیانیوں کی درج ذیل ہیں۔ ص۱۱ پر سر سید احمد خاں کو برطانوی وفادار کے طور پر پیش کیا گیا ہے نہ کہ قوم پرست اور قومی اتحاد کا مجاہد۔ ان کی اسباب بغاوت ہند کو اور کاز آف دی انڈین ریوولٹ میں ہندوستانیوں کی نمائندگی کے لیے ان کی زبردست وکالت کو سرے سے نظر انداز کیا گیا۔ اسی طرح انھیں ہندو دشمن قرار دیا گیا ہے کیوں کہ انھوں نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس میں شامل نہ ہوں۔ اس طرح مکمل طور پر اس کی سیاق و سباق کو چھوڑ دیا گیا ہے جس میں انھوں نے مسلمانوں کو یہ سمجھایا تھا کہ وہ شورش پسند سیاست میں شرکت سے احتراز کریں۔

ص۱۸ تقسیم بنگال کو پورے طور پر وطن دشمن قرار دیا ہے اور بنگالی مسلمانوں نے بھی اس کی مخالفت کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قابل ذکر بنگالی اور غیر بنگالی مسلم کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ انھی نے اس کی مخالفت کی تھی۔ برعکس اس کے ہندو متوسط درجے کی پر تشدد جد و جہد نے تقسیم کی مخالفت میں، دونوں فرقوں کے درمیان نا اتفاقی کا بیج بو دیا۔

ص۲۰ آل انڈیا مسلم کو برطانوی حکومت کی ایجاد قرار دیا گیا ہے۔ یہ بات بھی غیر مصدقہ ہے اور اس کے لکھنے کے پیچھے کوئی مقصد ہے۔

ص۱۴ پر جہاں یہ لکھا گیا ہے کہ یوپی مسلم لیگ حکومت کی بھوکی تھی وہاں اس حقیقت کو نظر انداز کیا گیا ہے کہ ۱۹۳۷ء میں کانگریس نے لیگ کے ساتھ الیکشن معاہدے پر دستخط کیا تھا۔

ہمارا اتہاس حصہ دو، ص۲۰ آخری پیراگراف میں اس بات کو نمایاں کیا گیا ہے کہ ہندوؤں نے علم ہیئت، ریاضیات،

فن موسیقی اور فن طب کے میدانوں میں ہندستانیوں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ بعد ازیں، یہ ان میں عربوں کے ذریعے یورپ کو منتقل کر دی گئیں۔ (سندھ کے سماج اور سندھ کی ثقافت پر عربوں کے اثرات کو بالکل ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔)

مسلمانوں کے ناموں کے تلفظ کے سلسلے میں ایک عامیانہ پن اختیار کیا گیا ہے وہ یوں کہ خاص امتیازی نشانوں کو جو عربی حروف کی نشاندہی کرتے ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔

محمود گجنوی، محمود گوری، الجبن، گدر۔ (یہ خرابی   کی کتابوں میں نہیں ملتی ہے)

ص۲۳، ص۲۶ فرضی مرقعے جو بے محل ہیں، محمود گجنوی اور محمود گوری کی تشبیہیں۔ ص۴۳۔ غلط نقل الفاظ۔ کیقباد ص۴۵ غلط نقل الفاظ، خلجی کی بجائے خلزی، ص۵۰ ممکن نقل الفاظ   ص۵۵   ص۵۷ عدم رواداری علماء،   ص۶۰ سمرقند۔ کیجر کھان ص۶۰ عدم رواداری ص۶۷ عدم رواداری ص۶۷ سرکشیجھک چاری اور سرکشن ص۷۲ ص۷۳   ص۹۳ مالک الشرق (لفظ کے نقل کی غلطی) ص۹۸ برابر؟ ص۱۰۲ ردھ ایش۔ ص۱۰۵، ۱۰۶ ہندؤں کے جزیہ پر جزیہ لگا دیا۔ مغل حکام نے اس ٹیکس کی وصولی میں ظلم کیے۔ ص۱۲۶ منیم کہاں؟ اورنگ زیب نے ایک فرمان کی مدد سے کچھ برہمنوں کو زمین پردان کی۔ ص۱۵۰ کیا افضل خاں کا واقعہ صحیح ہے۔؟ ص۱۵۲ کیا راجہ جے سنگھ کی سفارش پر شیواجی کا اورنگ زیب کے دربار میں آنا اور وہاں اس کی تذلیل اور پھر قید صحیح واقعہ ہے۔ ص۱۶۱ شیواجی کو ایک عظیم قوم پرست اور قوم کا معمار کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

ہمارا اتہاس۔ حصہ تین

: ص۱۰۱۲ ؟۔ ص۱۳ کتاب کے دوسرے حصے میں اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ ص۲۶ ؟۔ ص۳۸ ؟ برطانیہ پرست اور صرف وفادار۔ ص۱۱۱ سید احمد خاں اس واسطے قابل اعتماد ہوئے کہ وہ کمپنی، ۱۸۵۷ء میں اسباب بغاوت ہند اور کونسلوں میں ہندستانیوں کی نمائندگی کے سلسلے میں ان کی کد و کاوش کو یکسر نظر انداز کیا گیا۔ ص۱۱۱ سر سید نے مسلمانوں کو خبردار کیا تھا کہ وہ کانگریس میں شریک ہوں۔ زیادہ تر اس کی شورپسند سیاست کے سبب نہیں منع کیا تھا چونکہ ان کے اس وقت کے حالات میں وہ ان کے لیے نقصاندہ ثابت ہوئی۔ یوں کہ ان کی پالیسی یہ تھی کہ انگریزوں کے ساتھ ایک مشترکہ مقصد کھڑا کیا جائے ہندوؤں کے خلاف۔ ص۱۱۹ اصلی واقعات اس کے برعکس ہیں۔ کوئی قابل ذکر مسلمان تقسیم کے خلاف نہیں بولا۔ بلکہ سخت ترین مخالفت ہندوؤں کے اوپر کلاس کے لوگوں کی طرف سے کچھ ایسی ہوئی کہ بنگالی مسلمان مستقبل میں اپنی پوزیشن کے سلسلے میں خاصے خائف ہو گئے۔ ص۱۲۰ مسلم لیگ کا قیام یہ نظریہ کہ مسلم لیگ برطانیہ کی رہنمائی میں قائم ہوئی اسے دلائل سے ثابت نہیں کیا۔ زیادہ معقول بات یہ نظر آتی ہے کہ یہ برطانیہ عہد میں مسلمانوں کے سربرآوردہ طبقے کی سیاسی بیداری کے عروج کا دور تھا۔ ص۱۲۲ ترکی کی بجائے ترکستان۔ ص۱۲۷ ۱۹۱۹ کی بجائے ۱۹۰۹ء ہونا چاہیے۔ ص۱۳۰ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ۱۹۲۷ء میں انتخابی معاہدے کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مسلم لیگ کو طاقت کے بھوکے قرار دیا گیا ہے۔

پروفیسر اکبر رحمانی
جلگاؤں

قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے

ابتدائی اور ثانوی جماعتوں کی تاریخ کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ

تاریخ ماضی کے دلچسپ اور یادگار واقعات کی جستجو ہی کا نام نہیں جیسا کہ ہیروڈوٹس نے کہا تھا بلکہ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہم انسانی تہذیب کے عہد بہ عہد کے ارتقا کی تصویریں بھی دیکھتے ہیں۔ یہ انسانی جد و جہد کی داستان پیش کرتی ہے۔ تاریخ اسلاف کے بیش بہا اور لازوال کارناموں کا ایسا خزینہ ہے جو آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرتا ہے، ان میں جوش اور ولولہ پیدا کرتا ہے۔ انھیں حرکت و عمل پر ابھارتا ہے اور ان میں اولوالعزمی، بلند ہمتی، بہادری، اخوت رواداری اور اعلیٰ مقاصد کے لئے تن من دھن لٹانے کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ اس لئے جو قوم اپنی تاریخ کو محفوظ کرلیتی ہے وہ گویا بقائے دوام کا سامان مہیا کرتی ہے۔ تاریخ کے اسی کردار کے پیش نظر حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا تھا۔

قوم روشن از سوادِ سرگذشت — خود شناس آمد زیادِ سرگذشت
ضبط کن تاریخ را پایندہ شو — از نفس ہائے رمیدہ زندہ شو

مولانا سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ "تاریخ کے فن کو قوموں کے بگاڑ اور میل میں بہت کچھ دخل ہے"۔ یہ تاریخ کی درسی کتابیں ہی تھیں جس نے جرمن قوم میں نسلی تفاخر کے جذبے کو پروان چڑھا کر ان میں جارحانہ قوم پرستی کو فروغ دیا تھا۔ اس جارحانہ قوم پرستی کے جو تباہ کن نتائج برآمد ہوئے تاریخ کا ہر طالب علم ان سے اچھی طرح واقف ہے۔ دوسری طرف ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے۔ آزادی کے بعد اہل امریکہ نے تاریخ کے ذریعے ایسا قومی جذبہ اور اتحاد پیدا کیا جس نے امریکی قوم کو آج دنیا کی سب سے زیادہ قابل رشک قوم بنا دیا ہے۔ اگر تاریخ سے قومی اتحاد اور حب الوطنی کا جذبہ نہ ابھارا جاتا تو آج اس قوم کا بھی شیرازہ منتشر ہو جاتا۔

ویویز (۱۵۰۸ء تا ۱۵۷۸ء) جو اسپین کا باشندہ تھا اور ایک اعلیٰ درجے کا ادیب تھا اس نے سولہویں صدی میں

؎ تاریخ کیسے پڑھائیں از خالد یار خاں ص ۱۱۔

تاریخ کو اسکول کے نصاب میں شامل کرنے پر بہت زور دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ جو قوم تاریخ سے بے بہرہ ہے اس کے بوڑھے بھی بچے ہیں۔ تاریخ ہمیں انسانی جذبات اور ان کے اتار چڑھاؤ کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے[1]۔ اس کے بعد سترہویں صدی میں کومینئس (Comenius) نے تاریخ کو اتنی اہمیت دی کہ یہ علم ابتدائی درجات سے لے کر یونیورسٹی کے اعلیٰ درجوں تک پڑھایا جانے لگا[2]۔

مقاصد تاریخ:۔ انگریزوں کے عہد میں تاریخ نویسی اور اسکولوں میں تاریخ پڑھانے کا بنیادی مقصد مختلف فرقوں کے درمیان نفرت پیدا کرنا، خاص طور سے مسلمانوں اور ہندوؤں کو آپس میں لڑانا اور ان میں دشمنی کے جذبات پیدا کرنا تھا۔ اس طرح اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا تھا۔ اس کے جو مضر اثرات ہوئے وہ آج تک باقی ہیں۔ ان مضر اثرات کو مٹانے کے لئے آزادی کے بعد کوٹھاری تعلیمی کمیشن (۱۹۶۶) کی سفارشات کی روشنی میں تمام ریاستوں میں مختلف مضامین کے نصابات کی از سر نو تدوین عمل میں آئی۔ چنانچہ تاریخ کے جو مقاصد مقرر ہوئے وہ تھے:

[3]

1) To help pupils to realise that they are heirs to a rich common social heritage.

یعنی طلبہ میں اپنے ملک کی شاندار مشترکہ ثقافتی ورثے کے وارث ہونے کا احساس پیدا کرنا۔

2) To help pupils in understanting the present against the background of the past.

یعنی ماضی کے پس منظر میں حال کو سمجھنے میں طلبہ کی مدد کرنا۔

3) To develop patriotism, a spirit of national unity and to bring emotional integration among pupils.

یعنی طلبہ میں حب الوطنی اور قومی اتحاد کے جذبے کو فروغ دینا اور ان میں جذباتی ہم آہنگی و یکجہتی پیدا کرنا۔

جب ہم اپنے ملک کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ انگریزوں کو اس ملک سے رخصت ہوئے چالیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے مگر محبت و امن کی فردوس گاہ بننے کی بجائے ہمارا ملک آپسی لڑائیوں اور نفرتوں کا جہنم کدہ بنا ہوا ہے۔ پھر وہی تقسیم سے قبل کا ماحول بنتا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں اکیسویں صدی کی باتیں کرنا اپنا مضحکہ آپ اڑانا ہے، جگ ہنسائی ہے۔ آخر یہ بگاڑ کیسے پیدا ہوا؟ کون اس کے لئے ذمہ دار

۱؎ تاریخ کیسے پڑھائیں از خالد یار خاں ص ۳۳ ۲؎ ایضاً ص ۳۲-۳۳ ۳؎ syllabus for stds. I to Vii (Govt. of Maharashtra) Ed. 1972 page 147

ہے! یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر غیر جانبداری اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملک میں منصف مزاج اور غیر متعصب اشخاص کی کمی نہیں۔ ان میں سے ایک گوا کے گورنر ڈاکٹر گوپال سنگھ ہیں۔ گزشتہ سال (۱۹۸۰ء) گوا میں منعقدہ انڈین ہسٹری کانگریس کا افتتاح کرتے ہوئے انھوں نے ان الفاظ میں کہا تھا کہ :۔

"آج ملک میں جو فرقہ وارانہ کشیدگی پائی جاتی ہے اس کی ذمہ داری تاریخ کی ان کتابوں پر ہے جو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ تاریخی کتابیں تاریخ کے نام پر نفرت پھیلا رہی ہیں۔ یہ ہماری پھوٹ، شکست اور تذلیل کی تاریخ ہے۔ ہمیں پانی پت کی جنگوں میں اپنی شکستوں کی تاریخ کا تو علم ہے لیکن اس کا علم نہیں کہ اس ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف متحد ہو کر مزاحمت کی تھی۔"[1]

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ملک کے موجودہ بگاڑ کے جو اسباب ہیں ان میں سے ایک بڑا سبب تاریخ کی وہ درسی کتابیں ہیں جو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جا رہی ہیں۔ یہ مبالغہ آرائی نہیں بلکہ سورج کی طرح روشن حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں تاریخ سے تعمیر کے بجائے تخریب کا، دلوں کو جوڑنے کی بجائے توڑنے کا، مختلف فرقوں میں محبت و دوستی کی بجائے نفرت و دشمنی کے جذبات پیدا کرنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ آپ کسی بھی ریاست کی تاریخ کی درسی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجیے چاہے وہ ابتدائی درجے کی ہو یا ثانوی درجے کی، آپ کو اس میں فرقہ وارانہ جذبات کو مشتعل کرنے والے، بالخصوص مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے والے واقعات اور بیانات ملیں گے۔

اتر پردیش کے اسکولوں کی نصابی کتابوں کی جائزہ کمیٹی کے صدر شری این سی سکسینہ نے اپنی رپورٹ تاریخ کی درسی کتابوں کے بارے میں لکھا ہے کہ :۔

"تعلیمی اداروں کے ابتدائی اور ثانوی درجوں میں تاریخ کی جو کتابیں پڑھائی جائیں ان کے ذریعے سے مختلف فرقوں میں مشترکہ ماضی کا شعور پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ۔ ۔ بدقسمتی سے اب تک ہندوستان کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان پر فرقہ وارانہ رنگ چھایا رہا ہے۔ اسکولوں میں تاریخ کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ۔ ۔ وہ نسلی اور فرقہ وارانہ تعصب سے بھری ہوئی ہیں۔ ایک ہی فرقہ سے ہیرو کا

---

[1] بحوالہ ماہنامہ آموزگار، قومی یکجہتی نمبر، نومبر ۱۹۸۰ء۔

انتخاب کیا جاتا ہے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہی مسلمان حکمران اچھے تھے جو ہندوؤں پر مہربان تھے"

اس رپورٹ میں انھوں نے تاریخ کی درسی کتابوں سے مثالیں بھی دی ہیں جن کا آئندہ ذکر کیا جائے گا۔ لیکن اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ملک کی مختلف ریاستوں میں تاریخ کی جو درسی کتابیں رائج ہیں وہ تعصب اور فرقہ وارانہ زہر سے بھری ہوئی ہیں۔

عہد وسطیٰ کی تاریخ کا مسخ کرنا۔ ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ جماعتوں کی تاریخ کی درسی کتابوں میں ہندوستانی تاریخ کے جس عہد کو ہدفِ تنقید و ملامت بنایا گیا، سب سے زیادہ مسخ کیا گیا اور جسے فرقہ وارانہ منافرت بالخصوص مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کا موثر ذریعہ بنایا گیا وہ عہد وسطیٰ کی تاریخ ہے۔ بالفاظِ دیگر اس ملک میں مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ تاریخ کو خاص مقصد کے تحت منصوبہ بند طریقے سے مسخ کیا گیا۔ مسلم بادشاہوں کو ظالم، جابر، غیر منصف اور ناروادار بنا کر پیش کیا گیا اور یہ سوچنے کی کسی نے زحمت نہ اٹھائی کہ ایسے ظالم بادشاہوں نے یہاں ایک ہزار سال تک کیسے حکومت کی — عبدالمجید سالک کہتے ہیں کہ:

"حقائق کے اعتبار سے یہ مسئلہ بالکل خارج از بحث ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلم فاتحین سلاطین امرا اور حکام روادار تھے یا نہ تھے کیونکہ کالے کوسوں سے چل کر آئے ہوئے جن مٹھی بھر مسلمانوں نے اس ملک پر اپنی حکومتیں قائم کیں اور ہزار سال تک ان کو کامیابی سے چلاتے رہے ان کے لئے رواداری کے سوا اور کوئی طریقہ کار ہی نہ تھا اور ناروا داری ان کے لئے ممکن نہ تھی۔ ۔ ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا طویل استحکام ہی اس امر کا روشن ثبوت ہے کہ مسلمان اربابِ حکومت اپنی رعایا کی نظروں میں قدر و عزت رکھتے تھے[۱]"

اصل میں ہندوستان کی عہد وسطیٰ کی تاریخ کو مسخ کرنے کا کام انگریز مورخوں نے انجام دیا۔ انھوں نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے 'پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو' کی پالیسی اپنائی اور اسی کے ماتحت ہندوستان کی تاریخ اس طرح مرتب کی کہ وہ 'خونیں داستان' بن گئی اور انگریز 'فرشتۂ رحمت'! انگریز مورخین نے واقعات کو توڑ مروڑ کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب کے دھارے ایک دوسرے سے ٹکراتے رہتے تھے اور ان دونوں فرقوں کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی زندگی میں کسی قسم کی

---

[۱] ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، جلد سوم ص ۲۰۲ [۲] مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص ۲۰، ۲۱ مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۵۷ء

مشترکہ قدریں نہیں تھیں۔

انگریز مورخین نے جس مقصد کے لئے تاریخ کی کتابیں مرتب کیا اسکا کہیں بالذات اور کہیں بالواسطہ طریقے اظہار کیا ہے۔ مشہور انگریز مورخ ایلیٹ نے اپنی کتاب " History of india as told by its own historians " میں مقصدِ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" اس کے پیش نظر صرف یہ مقصد ہے کہ وہ اپنے پیشرو حاکموں (یعنی مسلمان بادشاہوں) کے غیر منصفانہ عہد کی تاریکیوں کو دکھا کر اپنی قوم کے عہد حکومت کی روشنی دکھائے تاکہ ہندوستان کے رہنے والے اس کو (یعنی انگریزی حکومت کو) سایہ رحمت سمجھ کر اسے اطاعت مندانہ اخلاص کا خراج ہمیشہ پیش کریں۔"[1]

یعنی اس کا مقصد مسلمان حکمرانوں کو بدترین حکمراں ثابت کرنا اور ان کے عہد کے ایسے کارنامے بیان کرنا جنھیں پڑھ کر ان کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں۔ چنانچہ ایلیٹ نے مسلم بادشاہوں کے عہد کے جو حالات اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں اس کے بارے میں وہ اپنی کتاب کی پہلی جلد کے عمومی پیش لفظ میں لکھتا ہے:

" . . . ایسے بادشاہوں کے حالات میں اگر ہم یہ پڑھیں تو تعجب نہ کریں کہ ان کے یہاں انصاف کا سرچشمہ بالکل ہی پراگندہ تھا۔ ریاست کے محصولات تشدد اور ظلم سے وصول کئے جاتے، گاؤں میں آگ لگادی جاتی، لوگوں کے جسمانی حصے کاٹ دیئے جاتے . . . ہندو اگر مسلمان سے جھگڑا کرتے تو وہ قتل کر دیئے جاتے۔ ان کے لئے مذہبی جلوس نکالنا، اشنان کرنا ممنوع تھا۔ ان کے خلاف طرح طرح کے غیر روادارانہ اقدام کئے جاتے۔ ان کی مورتیوں کو مسخ اور ان کے مندروں کو منہدم کر دیا جاتا۔ ان کو زبردستی مسلمان بنا لیا جاتا۔ ان کی لڑکیوں سے زور و ظلم سے شادی کرلی جاتی۔ انکی جائداد اعلیٰ ضبط ہوجاتیں۔ قتل عام ہوتا رہتا۔ ایسے عالم اپنی عیاشی اور شراب نوشی میں مست رہتے۔" اور پھر آخر میں وہ لکھتا ہے کہ " ان کی یہ مرقع آرائی مبالغہ سے نہیں کی گئی ہے۔"

ایلیٹ کی اس بد دیانتی پر مولانا سید سلیمان ندوی نے آل انڈیا ہسٹری کانگریس منعقدہ مدراس (دسمبر ۱۹۴۴) میں دیئے گئے صدارتی خطبہ میں سخت تنقید کرتے ہوئے کہا تھا:

" یہ کہنا پڑے گا کہ ایلیٹ نے ان ترجموں میں دیانت سے کام نہیں لیا۔ جن کتابوں کے ترجمے اور

---

۱ دیباچہ ص ۲۰ بحوالہ روزنامہ اردو ٹائمز بمبئی ۱۰ فروری ۱۹۸۸ء ۲ ۲۹ جولائی ۱۹۲۷ء کو راجیہ سبھا میں پروفیسر ... کی تقریر بحوالہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد ۲ - ص ۳۱۴ -

اقتباسات اس نے اپنی کتاب میں شامل کیے ہیں ان میں جابجا علمی، تمدنی، عمرانی اور غیر سیاسی تفصیلات کچھ نہ کچھ ضرور ہیں۔ لیکن اس نے انھیں قصداً حذف کر دیا۔ اب فارسی سے ناآشنا اور ایلیٹ کی کتاب کو اپنا گائیڈ بنانے والا محقق مسلمان سلاطین کے عہد کو صرف خون آلود اور خون آشام پاتا ہے جس کے ذہنی اثرات مدتوں کی تحقیقات کے بعد مٹ سکیں گے۔"

ایلیٹ کی مرتبہ تاریخ کو ماخذ بنا کر درسی کتابیں ترتیب دی گئیں اور انھیں اسکولوں میں رائج کیا گیا جس کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پیدا کرنا اور آپس میں لڑانا تھا۔ اس کی تصدیق برطانوی حکومت کے مراسلات اور دستاویزات سے بھی ہوتی ہے۔ ۲۶ مارچ ۱۸۸۶ء کو سیکریٹری آف اسٹیٹ جارج فرانسس ہملٹن نے لارڈ کرزن کو لکھا تھا کہ:

"... میرے خیال میں ہندوستان میں ہماری حکومت کو ابھی خطرہ نہیں ہے لیکن پچاس برس بعد یہ خطرہ ضرور سامنے آئے گا جب مغربی طرز کی شورش پسندی اور تنظیم کی قوت ابھرے گی لیکن ہم ہندوستانیوں میں تفرقہ پیدا کرتے رہیں تو اس سے ہماری حکومت مضبوط رہے گی۔ اس لیے ہم تعلیمی اداروں میں نصاب کی کتابیں ایسی پڑھائیں کہ یہاں کے مختلف فرقوں کے درمیان تفرقہ کی مضبوطی پیدا ہوتی رہے۔[1]"

۱۴ جنوری ۱۸۸۷ء کو کراس نے گورنر جنرل ڈفرن کو لکھا کہ:

"یہاں کے لوگوں میں مذہبی اختلافات پیدا کرنا ہمارے فائدے کے لیے ہے۔ اور آپ نے جو ہندوستانی تعلیم اور اس کے نصاب کے بننے کی تحقیقاتی کمیٹی بنائی ہے اس سے ہم اچھے نتائج کے متوقع ہیں۔[2]"

اس طرح ایک خاص پالیسی کے ماتحت ہندوستان کی تاریخ سے متعلق نصاب کی کتابیں تیار کی گئیں۔ انگریزوں کی تاریخ نویسی سیاست کے تابع تھی۔ انگریز مورخین نے اپنی کتابوں میں مسلمانوں کے خلاف جس شدید نفرت کا اظہار کیا اس کا سراغ اس دور میں ملے گا جسے صلیبی لڑائیوں یا جہاد کی لڑائیوں کا دور کہتے ہیں جس میں عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شرمناک شکستیں اٹھانی پڑیں۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۷ء کے غدر نے مسلمانوں کو انگریزوں کا سیاسی رقیب بنا دیا تھا۔

انگریزوں سے پہلے ہندوستان میں کسی حکمراں نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے یہاں کے باشندوں کو آپس میں لڑایا نہ تھا۔ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" یہ مذموم اصول انھوں نے قدیم ناخدا شناس رومی حکومت سے اخذ کیا تھا۔" اور اس کا واحد مقصد انگریزی حکومت کو مستحکم کرنا تھا جس کی تصدیق بمبئی کے گورنر سر جان مالکم

۱؎ ۲۹ جولائی ۱۹۲۰ء کو ادبیہ سبھا میں پروفیسر بانٹس کی تقریر بحوالہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد ۳ ص ۲۱۵ ۲؎ ایضاً

کے ایک مراسلے سے بھی ہوتی ہے:

"اس قدر وسیع ملک میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی بڑی جماعتیں ہیں ان کی عام تقسیم ہو اور پھر ایک جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں، فرقوں اور قوموں میں ہوں۔ جب تک یہ لوگ اس طریقے سے جدا رہیں گے، اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری قوم کے استحکام کو متزلزل نہیں کرے گی۔"[۱]

سر سید احمد خاں کی مصالحانہ کوششوں سے پہلے تک انگریز حکمراں اور افسران مسلم دشمنی اور ہندو نوازی کی پالیسی پر عمل کرتے رہے۔ مسلم دشمنی کا یہ رجحان اس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ گیا جب لارڈ ایلن برو (Lord Ellen Boroush) نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔ اس نے ۱۸ جنوری ۱۸۴۳ء کو لارڈ ویلنگٹن کے نام جو خط لکھا ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ:

"میں اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا کہ یہ نسل (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے۔ اس لئے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کو خوش کیا جائے۔"[۲]

مسلم دشمنی میں یہ انگریز گورنر اس قدر آگے بڑھ گیا کہ اس نے حکومت کی پوری مشنری ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے میں صرف کر دی۔ اس کی مثال سومنات کے جعلی دروازوں کی واپسی سے ملتی ہے۔

سومنات کے دروازوں کا واقعہ: پہلی افغان جنگ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں کو شکست ہوئی تھی اور انہیں بھاری جانی اور مالی نقصان کرنا پڑا تھا۔ فوراً ہی ایک دوسری فوج انتقام لینے کے لئے کابل روانہ کی گئی۔ فوج قندھار اور غزنی پر قبضہ کر کے کابل کی جانب بڑھی۔ جنرل ناٹ نے قلعہ غزنین کے دروازے کو اکھڑوا کر ہندوستان روانہ کیا تھا۔ عینی شاہد مرزا عطا محمد شکارپوری رقم طراز ہے کہ یہ اقدام اس لئے کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے لوگوں کو یقین آ جائے کہ خراسان دوبارہ فتح کر لیا گیا ہے۔ جب یہ دروازے ہندوستان پہنچے تو لارڈ ایلن برو نے اس کو ہندو مسلمان نفرت بڑھانے اور ہندو قوم پر عظیم احسان جتانے کا ایک سنہری موقع سمجھا۔ وہ شملہ سے فیروز پور پہنچا۔ دریائے ستلج کے پل کے پاس ایک عظیم الشان جشن منعقد کر کے اس نے کابل کے فاتح لشکر کا اور قلعہ غزنی کے ان دروازوں کا استقبال کیا۔ ان دروازوں کو اس نے سومنات کے مندر کے دروازے قرار دیا[۳]۔ اس موقع پر اس نے ہندو راجاؤں اور سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "آج بالآخر آٹھ سو سالہ پرانی بے عزتی کا بدلہ لے لیا گیا۔"[۴]

---

۱ تاریخ تعلیم کمپنی کے عہد میں، از میو پاسو ص ۱۰۰ بحوالہ مسلمان اور مغربی تعلیم از سید محمد سلیم ص ۷۰ ۲ مسلمان اور مغربی تعلیم ص ۸۸
۳ ایضاً ص ۹۲ ۴ ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج از رفیق ذکریا ص ۱۱ —

پھر اس نے ہندو راجاؤں سے مخاطب ہو کر کہا، "اے سرہند، راجستھان، مالوہ، گجرات کے سردارو! میں یہ تحفہ اب آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ ان دروازوں کو جو صندل کے بنے ہوئے ہیں آپ بصد احترام بے کار سومنات کے مندر میں نصب کر دیں۔"

اس تقریب کے عینی شاہد کلارک مارشمین نے لکھا ہے کہ:

"یہ دروازے جنرل ناٹ کی تحویل میں تھے۔ ان کو ایک بیل گاڑی پر لادا گیا۔ ان پر قیمتی شال دوشالے ڈالے گئے پھر گورنر جنرل کی قیادت میں ایک جلوس کی شکل میں سرہند سے ان کو آگرہ لایا گیا۔ راستے بھر دیہات کے ہزاروں ہندو ان کی پوجا کرتے تھے۔ ان کے آگے سجدہ کرتے تھے اور دیوتا سمجھ کر ان پر نذرانے چڑھاتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ دروازے آگرہ سے آگے نہیں گئے۔ وہاں ایک گودام میں ڈال دیئے گئے۔"[۱]

بعد میں ماہر تعمیرات جیمس فرگوسن نے یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ دروازے دیوار کی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں جب کہ سومنات کے مندر کے دروازے صندل کی لکڑی کے تھے[۲] مگر گورنر جنرل نے جلوس نکال کر سارے ملک میں مسلمانوں کے خلاف نفرت ضرور پھیلا دی۔ آج بھی ہمارے ملک میں اس منافرت انگیز طریقہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ 'مذہبی جلوس' کے جو تباہ کن نتائج احمد آباد اور دیگر مقامات پر برآمد ہوئے ہیں وہ آپ سب پر عیاں ہیں۔ شاید اسی لئے مذہبی جلوس کی ممانعت کے مسئلہ پر ایوان حکومت میں سنجیدگی سے غور ہو رہا ہے۔

تاریخ نگاری کا موجودہ رجحان:۔ انگریزوں کی اس کھلی منافرت انگیز پالیسی سے ہندوستانی مورخوں کو چوکنا ہو کر اس کا سد باب کرنا چاہیئے تھا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو انگریز ۱۹۴۷ء سے کئی سال پہلے ہی ملک سے اپنا بوریا بستر لے کر چلے گئے ہوتے اور تقسیم کا زخم بھی سہنا نہ پڑتا۔ لیکن ہمارے مورخوں نے اپنے "مجازی استاد ازل" کے کہے ہوئے کو نہ صرف طوطی صفت دہرایا بلکہ مسلم دشمنی اور اسلام دشمنی میں وہ انگریزوں سے بھی آگے بڑھ جانے کی کوشش کرتے رہے۔ انھوں نے دور وسطی کی تاریخ کو تنگ نظری اور تعصبات کے پھیلانے کا ذریعہ بنایا۔ ان ہندوستانی مورخین میں سر جدو ناتھ سرکار اور پی۔ این۔ اوک کے نام سر فہرست ہیں۔

جدو ناتھ سرکار نے اورنگ زیب پر پانچ جلدیں، شیواجی پر تین جلدیں اور سلطنت مغلیہ کے زوال پر چار جلدیں لکھ کر مغل سلاطین اور خاص طور پر اورنگ زیب اور اس کے پس پردہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کام کے لئے برطانوی حکومت نے انھیں بہت سے اعزازات سے بھی نوازا۔[۳] اس وقت بظاہر یہ معلوم ہوا کہ یہ ایک لائق مورخ کی مورخانہ تحقیقی کاوشوں کا محض خراج عقیدت ہے۔

---

[۱] مسلمان اور مغربی تعلیم، ص ۹۲ [۲] ایضاً ۹۲-۱۲۰ [۳] ایضاً

مگر دراصل یہ انگریز حکمرانوں کی دلی خواہش کی تکمیل کا معاوضہ تھا"[۱]

جدوناتھ سرکار نے اورنگ زیب اور اس کے جانشینوں کی تاریخ کو کچھ ایسے متعصبانہ رنگ میں پیش کیا کہ ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا ہو گئے۔ پھر انہوں نے راجپوت اور مراٹھا ذات کے ان سرداروں اور امیروں کو جنھوں نے مغل سلاطین کے خلاف جنگ کی، ان کی بہادری اور شجاعت کے گن گائے اور انہیں 'قومی ہیرو' کا درجہ دے کر مسلم دور حکومت کو غیر ملکی قرار دے دیا۔ پھر انہوں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ مالوہ، راجپوتانہ اور مہاراشٹر کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی جو تاریخ مرتب ہو ان میں ایسے واقعات ضرور شامل کئے جائیں جن سے مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلے۔ چنانچہ اپنے شاگرد اور راجپوت ریاست ستیامئو کے راجہ ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ کو ۱۰ اپریل ۱۹۳۰ء کے خط میں تاریخ مالوہ شائع کرنے کے بارے میں مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تم اپنے تحقیقی مقالے کو ہندی میں شائع کرنے کا جو خیال پیش کیا ہے وہ اچھا خیال ہے لیکن اس بارے میں چند مشورے دینا چاہتا ہوں: "....also add the reaction against Jaziya and temple destruction in the Malwa from my Volumes 3 & 5" یعنی تاریخ اورنگ زیب جلد ۳ اور ۵ میں درج اس مواد کو بھی کتاب میں شامل کر لیں جس میں صوبہ مالوہ میں جزیہ کے اور مندروں کے انہدام کے خلاف ہندوؤں کے رد عمل کا تذکرہ ہے"[۲]

"برطانوی حکومت کے زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں جو ناخوشگواری بلکہ ایک دوسرے سے جو بیزاری پیدا ہوئی اس کی آگ میں جدوناتھ سرکار کی (تاریخ اورنگ زیب) کی جلدیں تیل چھڑکتی رہیں"[۳]

لیکن برطانوی حکومت ختم ہو جانے کے بعد بھی یہ آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ اس دورِ آزادی میں تاریخ کو تفریقی سیاست کا آلۂ کار بنانے کا رجحان نہ صرف باقی ہے بلکہ خاصا قوی ہے بقول ڈاکٹر ذاکر حسین:

"آج بھی یہ دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم تہذیبوں میں کبھی میل نہ ہوا، ہمیشہ ٹکر ہوتی رہی اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی جب تک ایک تہذیب دوسری تہذیب میں جذب نہ ہو جائے"

۲۹ جولائی ۱۹۷۷ء کو راجیہ سبھا میں جب یہ مسئلہ پیش ہوا کہ ہندوستان کے ازمنہ وسطیٰ کی تاریخ کا نصاب کیسا ہو کہ جس سے ثقافتی اور جذباتی ہم آہنگی پیدا ہو تو اس وقت پروفیسر ایل۔ این پانڈے، جو فی الحال اڑیسہ کے گورنر ہیں، اپنے

---

(۱) ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی رواداری، جلد سوم ص ۱۰۲
(۲) Making of a princely Historian by V.G.Khobrekar & Tikekar (1975) Page 44
(۳) مذہبی رواداری، جلد ۳ ص ۳۔

جو تقریر کی اس سے بھی تاریخ نگاری کے موجودہ رجحان پر روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے کہا تھا:

"بدقسمتی سے ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں گذشتہ کئی نسلوں سے جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں وہ وہی ہیں جو یورپی مصنفوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ یورپی اساتذہ نے جو کچھ پڑھایا ہے اس کے اثرات کو ہندوستانی اب تک دور نہیں کر سکے ہیں۔ ایسی لکھی ہوئی تاریخوں سے جو تاثرات پیدا ہوتے ہیں وہ ہماری قومی زندگی کے سرچشمے کو آلودہ کئے ہوئے ہیں۔ ان کتابوں میں ایسے اختلافات پر زور دیا گیا ہے کہ ہندو مسلمان کس طرح ایک دوسرے کے خلاف تشدد آمیز رویہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے علاقے کو فتح کر کے لوٹ مار کرتے اور مذہبی تعصب دکھاتے۔ ان تاریخوں میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے کلچر اور روایات کو تہس نہس کرنے میں مشغول رہے۔ ان کے مندروں اور محلوں کا انہدام کیا، ان کی مورتیاں توڑیں اور ان کے سامنے یہ خوفناک شرط پیش کرتے رہے کہ اسلام قبول کرو ورنہ تلوار استعمال کی جائے گی۔"

پروفیسر پانڈے نے مزید کہا کہ "پھر یہ چیزیں زندگی کے اس زمانے میں پڑھائی جاتی ہیں جب ذہن پر کسی چیز کا گہرا اثر پڑ جاتا ہے تو اس کا دور ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھنے کی عادی ہو گئے اور ان میں باہمی بد اعتمادی پیدا ہو گئی۔ ہندو یہ یقین کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومتیں محض ہوا تھیں۔ وہ مسلمانوں کی تاریخ پر کوئی فخر محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کو نظر انداز کر کے اپنی قدیم تاریخ ہی سے سب کچھ سیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔ اسی طرح مسلمانوں سے جب مغرب کی ایک عیسائی قوم نے ان کی قوت و اقتدار کو چھینا اور ہندو ان کو حملہ آور سمجھنے کے عادی ہو گئے تو وہ اپنی خودداری اسی میں تصور کرنے لگے کہ یہاں کی تاریخ میں ان کے ہم مذہبوں نے جو شاندار کام انجام دیئے ہیں ان پر فخر کرتے رہیں اور اس سے پہلے کی تاریخ نظر انداز کر دیں جس کے سہارے ان کے تمدنی کارنامے ظہور پذیر ہوئے۔"[1]

پروفیسر پانڈے کی ان باتوں میں کافی سچائی ہے۔ آج اسکولوں میں پڑھائی جانے والی تاریخ کی درسی کتابوں سے یہی احساس ہوتا ہے کہ:

• ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر ۱۷۵۷ء تک غیر ملکیوں کی حکمرانی رہی۔ مسلم دور حکومت میں ہندوستان

---

[1] مذہبی رواداری جلد ۳، ص ۲۱۳-۲۱۲۔

ایک غلام ملک تھا۔ مسلمان بادشاہ ظالم و جابر تھے اور ہندوؤں کے دشمن تھے۔ مسلمان بادشاہوں کا کام مورتیاں توڑنا، مندروں کو برباد کرنا اور ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانا تھا۔ پھر مغلوں کے ساتھ راجپوتوں اور مراٹھوں کی لڑائیوں کو اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ قومی لڑائیاں (National Wars) اور ہندو مذہب کے رکھشا کی لڑائیاں بن گئیں۔ ان جنگوں میں مارے جانے والے شہید آزادی کہلائے۔

تاریخ کی درسی کتابوں سے مثالیں :۔ اب تک میں نے آپ کے سامنے دورِ وسطیٰ کی تاریخ نگاری کا عمومی جائزہ پیش کیا اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ دورِ محکومی سے دورِ آزادی تک اسکولوں کی درسی کتابوں میں تاریخ نگاری کے کیا رجحانات رہے ہیں۔ تاریخ کی درسی کتابوں سے اب تک کوئی مثال نہیں دی۔ آئیے اب ہم دیکھیں کہ ابتدائی اور ثانوی درجوں میں مروجہ تاریخ کی درسی کتابوں میں ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کو کس طرح بحرِ طوفان خیز بنا کر پیش کیا گیا ہے تاکہ آپ میری باتوں کو بے دلیل نہ سمجھیں۔ ان مثالوں سے آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا یہ کتابیں قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی راہ میں رکاوٹ ہیں یا نہیں؟

دہلی کی تاریخی کتابیں :۔ ۳۰ جنوری ۱۹۸۴ کو نصابی کتابوں سے متعلق، ویں سالانہ کانفرنس ہوئی میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں دہلی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر مونس رضا نے جو کلیدی خطبہ پڑھا تھا اس میں انہوں نے سنٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن دہلی کی شائع کردہ تاریخ کی درسی کتابوں میں پائے جانے والے مخالف قومی یکجہتی مواد کی نشاندہی کی تھی۔ ایک کتاب میں عنوان تھا "مسلمانوں کے حملے" ڈاکٹر صاحب نے کہا "اسے تاریخ نہیں کہا جا سکتا۔ اس قسم کی تاریخ نویسی قومی یکجہتی کے لئے بے حد خطرناک ہے۔ اس سے ہندو طلبہ کے دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ اپنے ہم جماعت مسلم طلبہ کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں کہ ارے یہ تو حملہ آوروں کی اولاد ہیں جنھوں نے عورتوں کی عزت لوٹیں اور طرح طرح کے ظلم کئے۔ اور جب کہیں فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑتا ہے اور مسلمان مارے جاتے ہیں تو آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی تاریخ پڑھنے والے ہندو ایسے واقعات کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

"After all what they have done, now they are getting something in return good." - "اچھا ہوا کہ جو کچھ انہوں نے (ہندوؤں کے ساتھ) کیا تھا اس کا کچھ بدلہ تو ملا۔"

آپ نے ایک اور مثال دی۔ تاریخ کی ایک کتاب میں درج تھا:

"فیروز شاہ تغلق مسلمان تھا پر تو بڑا دیالو تھا۔"

Key-Note Address by Dr.Moonis Raza Page 7.

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ "اس جملے میں فیروز شاہ تغلق مسلمان تھا اور وہ دیالو تھا، یہ دو جملے تو درست ہیں لیکن لفظ 'پرنتو' لائق تحقیق ہے۔" واقعی اس ایک لفظ نے متعصبانہ ذہنیت کو پوری طرح آشکارا کر کے رکھ دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اس قسم کی قابلِ اعتراض مثالوں سے یو۔پی کی تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

اتر پردیش کی تاریخ کی درسی کتابیں:- اب ذرا ہندوستان کے سب سے بڑے صوبے اتر پردیش کی درسی کتابوں سے چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔ یہ مثالیں اس رپورٹ سے ماخوذ ہیں جو تعلیمی کمیشن کے جوائنٹ سیکرٹری شری این۔ سی سکسینہ نے حکومت کو پیش کی تھی جس میں اتر پردیش کی تمام درسی کتابوں کا جائزہ لیا گیا تھا۔ یو پی کے اسکولوں میں چھٹے، ساتویں اور آٹھویں درجے کے لئے نو بھارت حصہ اول، دوم اور سوم اور ہمارا اتہاس اور ناگرک شاستر حصہ اول، دوم اور سوم یہ کتابیں حکومت کی جانب سے منظور شدہ ہیں۔

کتاب نو بھارت میں رانی درگاوتی اور اکبر، کرشن دیو دھن اور ہلدی گھاٹی کی لڑائی کا جس انداز میں ذکر کیا گیا ہے نہ صرف قابل اعتراض ہے بلکہ اس سے ایڈیٹر اور شاعر کا فرقہ وارانہ تعصب ظاہر ہوتا ہے۔ اس رپورٹ میں شری سکسینہ نے ایک اہم سوال کی طرف حکومت کی توجہ دلائی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"... کیا ہماری حکومت ایسی کتابیں پڑھا کر نوجوانوں کے ذہن کو مسموم کرنے کی عظیم غلطی نہیں کر رہی ہے۔ اگر ہندو یہ پڑھ کر جوان ہوں کہ ایک ہزار برس تک مسلمانوں کی حکومت بربریت اور ظلم سے بھری رہی۔ تو کیا ان کے دماغ میں انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا ہوگا۔ اور ان کو یہ احساس نہ ہوگا کہ ماضی میں ان کی زندگی شرمناک اور ذلت سے بھری رہی۔ اس جذبہ اور احساس کو پیدا کرنے کی ذمہ داری کس پر ہوگی، کسی پر نہیں بلکہ خود ہم پر ہوگی کہ ہم نے اپنے ملک میں فرقہ واریت کو پنپنے کا موقع دیا۔ ... اب جب ہم آزاد ہو چکے ہیں اور ہمارا ملک سیکولر بن گیا ہے تو مسلمانوں کے خلاف جو ہندو لشکری لڑے ان کو اچھالنا ہمارے قومی مفاد کے سراسر خلاف ہے۔"[1]

تاریخ کی نصابی کتاب کے حصہ دوم میں شیواجی کے باب میں لکھا ہے کہ:

"بھارت کے اتہاس میں راشٹری اندولن کرتاؤں اور مغل سامراج سے لوہا لینے والے ویروں میں شیواجی کا نام اگر یہ ہے جس پر کار سمراٹ اکبر کے شاسن کال میں میواڑ نریش رانا پرتاپ نے سوتنترتا کے یدھ کو جاری رکھا۔ اسی پر کار موغل سمراٹ اورنگ زیب کو مہاراشٹر یہ دبھوتی

[1] ماہنامہ مسلم انڈیا دہلی، شمارہ دسمبر ۱۹۸۰ء بحوالہ ہندوستان مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد سوم ص ۳۲۵ -

شیواجی نے ناگوں چنے چبوائے اور اپنا سوتنتر راجیہ استھاپت کیا ۔"

سکسینہ جی کہتے ہیں کہ "اس میں زیادہ تر اس پر زور دیا گیا ہے کہ رانا پرتاپ اور شیواجی نے اپنے مادرِ وطن کی آزادی کے لئے مغلوں کے خلاف کیسی جد وجہد کی ۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان میں مغلوں کی حکومت غیر ملکی حکومت تھی ؟ اگر موجودہ ہندوستان کے مسلمان یہ تصور کریں کہ وہ ایک غیر ملکی حکومت میں رہ رہے ہیں تو اس لئے کہ یہاں کا وزیر اعظم اور راشٹرپتی دونوں ہندو ہیں تو کیا ان کا یہ سمجھنا صحیح ہوگا ؟ شیواجی ایک قومی ہیرو کیسے ہو سکتا ہے جب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ ایک فرقہ پرست مرہٹہ تھا ۔ اپنے مذہب میں بہت کٹر تھا ۔ تاریخ لکھنے والے اور ہماری حکومت کے ذمہ دار لوگ اس کا جواب دیں [۲] ۔"

شری سکسینہ نے مزید کہا کہ "ایسی کتابیں لکھنے میں مخصوص اظہارِ بیان اور اصطلاحات کے ذریعے سے بھی تعصب کا اظہار کیا جاتا ہے اور یہ کوشش ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے کارناموں کو کمتر دکھایا جائے اور ہندو حکمرانوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے ۔ ۔ ۔ ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے اساتذہ ابھی ایسی ہی تاریخ کی فرقہ وارانہ کتابیں پڑھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔ پھر ظاہر ہے کہ وہ بھی فرقہ واریت سے خالی نہیں ہوتے ہیں ۔ اس لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ نصاب کی کتابیں ایسی لکھی جائیں کہ ان کو پڑھ کر ہمارے لڑکوں میں مشترکہ جذبات اور مشترکہ خیالات پیدا ہوتے رہیں [۳] ۔"

شری سکسینہ کے پیش کردہ خیالات کی روشنی میں اگر تاریخ کی درسی کتابیں مرتب کی جائیں تو مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کو زبردست تقویت پہنچے گی ۔ اس لئے ہمیں ایسے واقعات سے پرہیز کرنا ہوگا جن سے فرقہ وارانہ جذبات میں اشتعال پیدا ہوتا ہو ۔ تاریخ میں ایسے واقعات کی بھی کمی نہیں جن کے پڑھنے سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں میل جول بڑھے اور اخوت کے جذبات پیدا ہوں ۔ موجودہ حالات میں ہندوستان کی تاریخ کو ازسرِ نو لکھنے کی ضرورت ہے ۔ "ہندوستان کی جو تاریخ لکھی جائے اس کا مقصد بقول مولانا سید سلیمان ندوی "ہندوستان کے متفرق اجزاء کو جوڑنا ہو ، توڑنا نہ ہو ۔ حال کو ماضی کی ناگواری کی تلخی سے بڑھا کر کیوں برباد کیا جائے اور کیوں مستقبل کے لئے یہ کوشش جاری رہے کہ وہ کبھی خوش آئندہ نہ ہو سکے [۳] ۔"

مہاراشٹر میں مروجہ تاریخ کی نصابی کتابیں : ۔ ریاست مہاراشٹر میں مروجہ تاریخ کی درسی کتابیں

---

۱ ماہنامہ مسلم انڈیا دہلی شمارہ دسمبر ۱۹۸۳ء بحوالہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد سوم ص ۳۲۶ ، ۳۲۷ ۲ ایضاً ص ۳۲۷ ۳ ایضاً ص ۳۲۸ ۔

سب سے زیادہ فرقہ وارانہ رنگ لئے ہوئے ہیں۔ یہ کتابیں پرائمری اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ جو کہ ناپختہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پیدا کر رہی ہیں۔ ریاست میں بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ منافرت میں یہ نصابی کتابیں موثر رول ادا کر رہی ہیں۔ ان کتابوں میں تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ بعض واقعات اور بیانات ایسے تحریر کئے گئے ہیں کہ جن کی صحت مشکوک ہیں اور بعض صرف زیب داستان کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ دکھ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ مرکزی حکومت کے تعلیمی و تحقیقی ادارے N.C.E.R.T (نیشنل کونسل آف ایجوکیشن ریسرچ اینڈ ٹریننگ) کی ریویو کمیٹی نے بھی ان درسی کتابوں کو قومی یکجہتی کے منافی قرار دیتے ہوئے انہیں فوری طور پر بدلنے کی سفارش کی ہے۔ مگر اسٹیٹ بیورو آف ٹیکسٹ بکس کی ہسٹری کمیٹی نے یہ عذر پیش کیا کہ مستقبل قریب میں نصاب تبدیل ہونے جا رہا ہے اس وقت تاریخ کی یہ کتابیں لازماً بدل دی جائیں گی لیکن NCERT نے اس عذر کو تسلیم نہیں کیا اور سختی سے ہدایت کی کہ وہ نصاب کی تبدیلی کا انتظار کئے بغیر قابل اعتراض مواد کو فوری طور پر کتابوں سے خارج کر دے ورنہ قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی پر اس کے مضر اثرات مرتب ہوں گے۔ ہسٹری کمیٹی نے این سی ای آر ٹی کی ہدایتوں کو قابل اعتنا نہ سمجھا اور ان کتابوں کو بدلنا تو دور رہا، مخالف قومی یکجہتی مواد کو خارج کرنا تک گوارا نہ کیا۔

ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ واریت اور قومی یکجہتی کونسل میں تاریخ کی کتابوں کے بارے میں کی گئیں شکایتوں کے پیش نظر حکومت مہاراشٹر نے تاریخ اور مختلف زبانوں کی نصابی کتابوں کا جائزہ لینے کے لئے ۱۹۸۲ء میں مختلف ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ اس کمیٹی نے بھی تاریخ کی کتابوں کو سرودھرم سمبھاؤ اور قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے قابل اعتراض پایا اور ایسے تمام مخالف قومی یکجہتی مواد کی نشاندہی کر کے انہیں خارج کرنے کی پرزور سفارش کی لیکن ہسٹری کمیٹی کا سکریٹری اور اس کے اراکین ٹس سے مس نہ ہوئے۔ کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ ہسٹری کمیٹی کی سربراہ اور اس کے اراکین مسئلہ کی نزاکت کو سمجھنے کے نا اہل ہیں؟ کیا ان کا یہ منشا ہے کہ ریاست میں تشدد آمیز احتجاج ہو اور فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھے؟ بیورو کے اس رویے سے ریاستی حکومت اور NCERT دونوں کے وقار کو شدید مجروح کیا ہے۔ اگر اس معاملے کی پوری تحقیقات نہیں کی گئی تو آئندہ ان سیاسی اور تعلیمی اداروں پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ حکومت مہاراشٹر کی اسٹیئرنگ کمیٹی کو اس ضمن میں بیورو سے باز پرس کرنی چاہیئے تھی۔ قومی کونسل برائے تعلیمی تحقیق و تربیت (NCERT) کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا جائزہ لیتی رہے کہ اس کی ہدایتوں اور سفارشوں پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ ایسا محسوس

ہوتا ہے کہ اس معاملے میں قومی کونسل کا کام صرف ناصح کا رہ گیا ہے یا پھر اسے قومی یکجہتی سے دلچسپی نہیں رہی یا وہ خود فریبی کا شکار ہے۔ نصابی ادارے کس طرح فریب دے رہے ہیں اس کی مثال ملاحظہ کیجئے۔

۳۰ اور ۳۱ جنوری ۱۹۸۴ کو ٹیکسٹ بکس بیورو و بورڈز میں نصابی کتابوں سے متعلق ساتویں سالانہ کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کا اہتمام قومی کونسل کرتی ہے۔ مختلف ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے نصابی کتب کی اشاعت کے سرکاری اداروں کے نمائندے اس میں شرکت کرتے ہیں۔ مذکورہ کانفرنس میں قومی یکجہتی اور نصابی کتابوں کے موضوع پر بھی تبادلۂ خیال ہوا۔ اس کانفرنس میں کل ۱۷ سفارشات منظور ہوئیں لیکن تاریخ کی درسی کتابوں کے تعلق سے مندرجہ ذیل سفارشات بڑی اہمیت رکھتی ہیں:

The Conference recognised the role of text books in inculcating the ideals of national integration among the students. It was felt that textbooks may be continuously improved from the national integration point of view .... It was agreed that elimination of the passages from the textbooks that are prejudicial to the stand point of national integration was the first step. The conference felt that it is high time now that positive steps may be taken up to incorporate materials in the textbooks that promote national integration."

یعنی طلبہ میں قومی یکجہتی کے اصولوں کو ذہن نشین کرانے میں نصابی کتابیں جو کردار ادا کر رہی ہیں اسے یہ کانفرنس تسلیم کرتی ہے۔ کانفرنس نے یہ بات بھی محسوس کی کہ قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے نصابی کتابوں میں مسلسل اصلاح ہوتی رہنی چاہیئے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم جس پر میں نے اتفاق کیا درسی کتابوں سے مخالف قومی یکجہتی مواد کا اخراج ہے۔ کانفرنس محسوس کرتی ہے کہ اب کافی وقت گزر چکا ہے اس لئے نصابی کتابوں میں موافق قومی یکجہتی مواد شامل کرنے کے لئے مثبت اقدامات کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔

کیا ریاست کی ٹیکسٹ بکس ایجنسیوں نے اس سفارش کی تعمیل کی؟ اگرچہ اس کانفرنس میں اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا گیا کہ اکثر ریاستوں نے قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے نصابی کتابوں کا جائزہ لے کر اصلاح کی۔ مگر یہ اطمینان، خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ اکثر ریاستوں کی تاریخ کی درسی کتابوں میں آج بھی مخالف قومی یکجہتی

اسباق موجود ہیں جس مقام پر یہ ساتویں سالانہ کانفرنس ہوئی تھی وہاں کی تاریخ اور دیگر زبانوں کی درسی کتابوں میں گذشتہ ۱۱ سال میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ مہاراشٹر اسٹیٹ ٹکسٹ بکس بیورو نے یہ کہہ کر کانفرنس اور کونسل کو گمراہ کیا کہ:

The Bureau has already taken a positive step in this direction. The Bureau has adopted a continuous process of evaluating its textbooks. In the programme of this current year, all Geography textbooks from std. III to VII are being evaluated from national integration point of view using the guidelines provided by NCERT. (from Compliance Report)

یہ سچ ہے کہ جغرافیہ کی نصابی کتابوں میں اصلاح ہوئی ہے مگر تاریخ کی کتابیں جو تعصب اور فرقہ وارانہ منافرت کے زہر سے بھری ہوئی ہیں، نہ انھیں بدلا گیا اور نہ [illegible] کے طور پر (جیسا کہ سفارش کی گئی تھی) مخالف قومی یکجہتی مواد کو خارج کیا گیا۔

اس کانفرنس میں تاریخ کی نصابی کتابوں سے متعلق مندرجہ ذیل سفارشات منظور کی گئی تھیں:

The Conference felt that history textbooks should give a balanced picture of historical developments of the whole country. Wherever regional histories are included, they may be presented in the context of the whole national history of the country.

"The Conference was of the opinion that historical facts are not to be concealed but judicious selection of facts has to be made according to mental maturity of the students. The facts selected have to be presented in a manner that children could appreciated historical developments in proper perspective."

ان سفارشات کی روشنی میں جب مہاراشٹر اور دیگر ریاستوں کی نصابی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو سخت مایوسی ہوتی ہے۔ ہر ریاست کی نصابی کتابوں میں عدم توازن ملتا ہے کہیں مسلمانوں کے کارناموں سے صرف نظر کیا گیا یا انھیں کمتر دکھایا گیا اور ہندو حکمرانوں کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے کہیں

ہر علاقے کی غالب لسانی جماعت نے اپنی گزشتہ کامرانیوں کا ذکر مبالغہ آمیزی سے کیا جنھیں پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہی چھوٹا سا علاقہ پورا ہندوستان ہے۔ اس طرح وطن پرستی کی بجائے علاقہ پرستی (Provincialism) کو ترجیح دی گئی۔ یہ تو عام شکایت ہے کہ ان کتابوں میں حقائق مسخ کئے گئے۔ تاریخی حقائق کے انتخاب انصاف سے کام نہیں لیا گیا اور مواد اس انداز سے پیش کیا گیا کہ فرقہ وارانہ رنجش اور تناؤ پیدا ہو۔

میرا پختہ خیال ہے کہ تاریخ کی نصابی کتابوں کی اصلاح کے لئے اب تک جتنی بھی سفارشات پیش کی گئی ہیں وہ سب کاغذ کی زینت بن کر رہ گئی ہیں۔ اور ریاستوں کا تو علم نہیں مگر ریاست مہاراشٹر میں (یہی حال دوسری ریاستوں میں بھی ہو) یہ بہانہ تراشا گیا کہ آئندہ جب نصابی کتابیں تبدیل ہوں گی تو ان سفارشات کو عمل میں لایا جائے گا اور ان کی روشنی میں تاریخ کی درسی کتابیں ترتیب دی جائیں گی۔ جیسا کہ بیورو کی کمپلائنس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

" A programme of giving a balanced picture of historical development in the history textbooks has been worked outby the History Subject Committee of the Bureau. The same will be implemented while preparing new series of text books which will replace the exisiting series. While preparing the new series of textbooks all the recommendations of 7th National Conference will be taken into considera tion ".(Compliance Report page 10)

میرے خیال میں موجودہ صورت حال حوصلہ شکن اور مایوس کن ہے اور یہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک نصابی کمیٹیوں اور بیورو کی کمیٹیوں میں ایسے افراد اور ماہرین نہ لئے جائیں جو دل سے ہندو مسلم اتحاد کے خواہاں ہوں، جو غیر متعصب، وسیع النظر، انصاف پسند اور سیکولر نقطۂ نظر رکھتے ہوں۔

ایسے وقت جب کہ ملک معاشی اور سیاسی انتشار کی حد سے دوچار ہے۔ مذہب، تہذیب، زبان، علاقے اور نسل کے نام پر علاحدگی پسندی کے رجحانات فروغ پا رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات، دہشت گردی، قتل و غارت گری میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے قومی اتحاد اور ملک کی سالمیت کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ موجودہ حالات ان تمام ہندوستانیوں کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے جو اپنے وطن سے دلی محبت رکھتے ہیں، اس کے اتحاد و یکجہتی کو چاہتے ہیں اور یہاں مختلف فرقوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارگی کو دیکھنا پسند کرتے ہیں۔

قومی یکجہتی کے لئے پہلا اور نہایت ضروری اقدام یہ ہے کہ تاریخ کی موجودہ درسی کتابوں سے مخالف قومی یکجہتی

اسباق اور عبارتوں کو فوری طور پر خارج کر کے انھیں اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ان کتابوں کو پڑھ کر طلبہ کے دلوں سے کدورت دور ہو، ایک دوسرے سے محبت و ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں، ہندوستان کے مشترک ثقافتی ورثے کا احساس پیدا ہو۔ اور ان میں رواداری، انصاف، صداقت اور اخوت کے جذبات پیدا ہوں۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے طلبہ میں مختلف تہذیبوں کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے کی قابلیت پیدا ہو۔ دورِ وسطیٰ کی تاریخ کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ وہ اپنی انفرادیت کی شان برقرار رکھتے ہوئے بھی وسیع تر قومی تہذیب کا ایک جزو لاینفک معلوم ہو۔

آخر میں سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی تقریر کا ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تقریر انھوں نے دارالمصنفین اعظم گڑھ کے جشن طلائی کے موقع پر کی تھی۔ انھوں نے مورخین سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

" میرا یہ پختہ خیال ہے جسے تاریخی نظریہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن ذہنی عقیدہ کہہ سکتا ہوں کہ صرف ہندستان میں ہندو مسلم تہذیبوں ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں کہیں بھی دو تہذیبوں میں ٹکراؤ نہیں ہوا۔ تہذیبیں ٹکرایا نہیں کرتیں، وحشتیں ٹکرایا کرتی ہیں۔ انسان کا وجود اس دنیا میں اربوں سال سے ہے۔ اس میں تہذیب کے چند ہزار سال نکال لیجیے تو باقی سارا زمانہ وحشت کا زمانہ تھا۔ اس لیے آج بھی ان افراد اور قوموں میں جنھیں ہم مہذب کہتے ہیں، تہذیب کی ایک ہلکی سی پرت کے نیچے نہ جانے کتنی پرتیں وحشت کی دبی ہوئی ہیں جو موقع ملنے پر ابھر آتی ہیں۔ دو قوموں کی تہذیبیں جب تک اپنی وحشتوں کو دبائے ہوئے ہیں آپس میں لڑتی نہیں بلکہ گلے ملتی ہیں اور تہذیبی قدروں کا لین دین کرتی ہیں لیکن جب ان کی وحشتیں ان کی تہذیبوں پر غالب آجاتی ہیں تو ایک تہذیب دوسری تہذیب سے بھڑ جاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کو نوچنے، کاٹنے اور بھنبھوڑنے لگتی ہیں۔ آپ سے میری یہ التجا ہے کہ وحشتوں کی روداد دوسروں کے لئے چھوڑ دیجیے۔ آپ تہذیبوں کی کہانی لکھیے اور نئے ہندستان کو ماضی کی روشنی میں حال کا یہ اہم ترین مسئلہ حل کرنے میں مدد دیجیے کہ کس طرح مختلف تہذیبوں کے الگ الگ رنگ و آہنگ کو ضروری حد تک قائم رکھتے ہوئے ان میں وہ ہم رنگی اور ہم آہنگی پیدا کرے جو ایک متحد اور مضبوط قوم بنانے کے لئے درکار ہے۔[۱] "



---

۱ یہ مقالہ جنوبی ایشیائی ملاقاتی سمینار مورخہ ۲-۳ مارچ ۱۹۸۸ء منعقدہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا۔

ڈاکٹر نور جہاں صدیقی
جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

تاریخ کے پنوں سے

کوٹھاری کمیشن میں کہا گیا ہے: "ہندستان کا مستقبل اس کے اسکول کے کارخانوں میں ڈھل رہا ہے ان مراکز سے برآمد شدہ شخصیتوں پر ہی ملک کی فلاح و بہبودی کا انحصار ہے۔"

۱۹۶۶ء کی اس پیشین گوئی پر نظر رکھتے ہوئے آج ہم جب ۱۹۹۲ء کے ہندستان پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو اس قول کی صداقت کا ہمیں پورا پورا اعتراف ہو جاتا ہے۔ ایک نئی نسل جو آزادی کے بعد اسکول کے کارخانوں میں کچے مال کی شکل میں داخل ہوئی تھی، آج ڈھل کر تیار شدہ پکے مال کی شکل میں ملک کے تمدن و ثقافت پر آشکار ہو رہی ہے۔ یہی نہیں اس نو اُبھر شدہ شخصیات کے زیر سایہ ایک اور نیا ہندستان ننھے ننھے معصوم بچوں کی صورت میں ان کارخانوں میں زیر تجربہ ہے اور آنیوالے دنوں میں کون کہہ سکتا ہے کہ ہندستان کا مستقبل کیا کروٹ لے گا۔

تعلیم اگر انسان کی انفرادی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے میں معاون ہے تو یہ انسان کی اجتماعی حیثیت کو قبول کرتی ہوئی 'احترام آدمیت' کی جانب بھی راغب کرتی ہے اور انسان کی ذہنی، علمی، فکری کوشش و قوت کو تعمیری راہوں پر گامزن ہونے میں نہایت حساس کردار ادا کرتی ہے۔ اسی لیے شاید کوٹھاری کمیشن میں تعلیم کے مراکز کو کارخانوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسکول کے نصاب میں دیگر مضامین کے ساتھ سوشل اسٹیڈیز کی تاریخ یا اتہاس کا کردار بہت اہم ہے۔ کیونکہ گزرے ہوئے کل کو آج کے آئینے میں ان ہی اوراق سے دیکھا جاتا ہے۔ گو کہ تاریخ ملک و قوم کی ماضی کی داستان ہے مگر حال کی تعمیر و توثیق میں ہی اس کا کردار ہے (اگر ہے تو؟)، یہ کیا کہ مورخ اپنی نوک قلم سے اور زور بیان سے زیر تجربہ ذہنوں کو کوئی بھی تاثر دے سکتا ہے، بالکل بجا ہے۔ اسی اہمیت کی بابت اسحاق برمن کا خیال ہے:

"تاریخ کسی بھی قوم کی جد و جہد میں محرک قوت پیدا کرتی ہے۔ اور مورخ شعوری، نیم شعوری یہاں تک کہ غیر شعوری طور پر نئی نسل کو تعمیری یا تخریبی راہ پر گامزن کرتا ہے۔"

لیکن بد قسمتی تو یہ ہے کہ انسان بحیثیت مورخ محدود نقطۂ نظر و انداز بیان زیر رکھ کر اپنے نام و تمدن میں مقید ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس وجہ سے نہ صرف 'دور گزراں' کی بے لوث عکاسی میں فرق پڑتا ہے بلکہ ان کاغذی تلواروں

سے 'دورِ رواں' کی نسل کا بھی قتل عام کیا جاتا ہے۔

ہندستان کے اکثر مورخین نے برٹش مورخین کی مرتب کی گئی تاریخ کو ہی ماخذ مانا ہے جنکی صحت کو کبھی صداقت کی کسوٹی پر نہیں پرکھا گیا یا جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا Debates with Histories میں ایسے ہی دو برٹش مورخین میکاولے اور سل کی بابت کہا گیا ہے کہ گو کہ ان لوگوں نے ہندستان کی تاریخ مرتب کرنے میں وقت وصلاحیت کو صرف کیا مگر ان کا اپنا مغربی تمدن ہر جگہ حاوی رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہیں بھی تاریخ کی بے لوث عکاسی نہ کر سکے۔ دوسرے یہ کہ یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہندستان پر اپنا دبدبہ اور اثر قائم رکھنے کے لیے 'پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو' پر عمل کیا گیا۔ اسی زمانہ میں لکھی گئی تاریخ کی کتابوں سے پھر بھی کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس میں واقعات کو صحیح صحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہوگا۔ پھر یہ کہاں کی دانشمندی ہوئی کہ مورخ ان کتابوں سے خود بھی قنوطیت کا شکار ہوتے ہیں اور زیرِ تعلیم ذہنوں کو بھی اس راہ پر ڈالتے ہیں۔

آیئے اس ضمن میں کچھ اتہاس کی کتابوں پر تجزیاتی نظر ڈالیں۔

(۱) راشد نعمانی نے ۱۹۶۶ء میں اپنے ایم ایڈ ڈیزرٹیشن میں یوپی میں لاگو تاریخ کی کتابوں کا جائزہ لیا کہ وہ کس حد تک جمہوریت کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔ کتابیں ہیں:

(1) हमारा इतिहास Part-I, (2) हमारा इतिहास Part-II (3) हमारा इतिहास Part III by Ram Charan Vidyarthy.

مذکورہ مورخ رام چرن ودیارتھی نے اپنی کتاب میں مندرجہ ذیل باتوں کو تاریخ کے طالب علموں تک پہنچایا۔

۱- (i) میڈی ول پیریڈ (Medieval Period) 'ہندستانیوں کی غلامی کا پیریڈ' ہے۔ ص - ۱۸۲

(ii) مسلم حکمرانوں نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا۔ ص ۱۰، ۱۱۔ بلبن نے۔ ص ۱۸۔ فیروز شاہ تغلق۔ ص ۲۸۔ سلاطین۔ ص۔ ۱۰۷، ۱۱۲، ۱۱۵،

(iii) ہندوؤں کے مندروں کو مسمار کیا گیا۔ ص۔ ۴، ۵، ۳۳، ۳۵، ۴۰، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۰۸۔

(iv) شیعہ فرقہ پر ظلم و ستم کیا گیا۔ کچھ مسلم حکمرانوں کے ذریعہ (اگر موصوف کی نظر میں شیعہ مسلمان ہی نہیں) ص - ۱۸، ۳۳، ۱۰۱، ۲۸۔

भारत का इतिहास बलबीर बहादुर चौधरी (2)
Pub. महावीर बुक डिपो, 2603 नई सड़क, दिल्ली 6

کتاب کے سرورق پر تحریر ہے:

Approved by the Central Board of Secondary Education New Delhi for Class XI under the 10+2 pattern vide circular No. F-2-(4)ACAD II/ CC/HIST/79/25297. dated 18-7-1979.

ظاہر ہے اب یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ یہ کتاب سرکار سے تسلیم شدہ ہے اور دہلی کے اسکول میں گیارہویں جماعت کے طالب علموں کو اپنی معلومات پہنچا رہی ہے۔ بطور نمونہ چودھری صاحب کا انداز بیان ملاحظہ ہو:

ص ۲۸۰۔ محمود غزنوی۔

महमूद गज़नवी····· कहा जाता है कि उसने प्रारम्भ से ही निश्चय कर लिया था कि इस्लाम का प्रचार व मूर्ती पूजकों का विनाश उसके जीवन का लक्ष्य होगा।··· समृद्ध नगरों को लूटने व हिन्दुओं को कत्ल करने व मूर्तियों के भंग करने में एक ओर उसे अपार सम्पत्ति मिली तो दूसरी ओर वह स्वयं को बुत-शिकन कहलाने का गौरव प्राप्त कर सका।···

ص ۲۸۱ میں شیعوں کی بابت اظہار فرماتے ہیں: 'सभी मुसलमान शियाओं से घृणा करते हैं।'

(گو کہ ان کی نظر میں بھی شیعہ مسلمانوں سے الگ ہیں)

ص ۳۰۱ پیرا ۲۰۱

यद्यपि मुसलमान लेखकों ने ऐबक की उदारता व सहिष्णुता के लिए प्रशंसा की है। उसके चरित्र अध्ययन (؟ کہاں سے) से प्रतीत (?) होता है कि वह हिन्दुओं के प्रति उदारता व सहिष्णुता की नीति का अनुसरण न कर सका। युद्धकाल में उसने हिन्दुओं का वध करवाया तथा मन्दिरों व मूर्तियों को तुड़वाया।

اسی طرح التمش: ص ۳۰۵، غیاث الدین بلبن: ص ۳۱۲، ۳۱۸۔ علاالدین: ص ۳۳۴۔ فیروز شاہ تغلق: ص ۳۴۳، ۳۴۴۔ بابر: ص ۴۱۶۔ شیر شاہ سوری: ص ۴۳۰۔ جہانگیر: ص ۴۷۶۔ شاہ جہاں: ص ۵۰۲ اورنگ زیب: ص ۳۰۔ ۵۲۹

مذکورہ بالا صفحات میں ان حکمرانوں کو کٹر مسلمان بتایا گیا۔ جنکا اوّلین فرض ہندوؤں کو مسلمان بنانا،

مورتیاں تڑوانا، مندروں کو مسجدوں میں بدلنا وغیرہ وغیرہ شامل تھا۔

(۳)

"हमारी दिल्ली" तीसरी कक्षा के लिए NCERT-1987 बी० पी० सूरी

مذکورہ کتاب میں جہاں تیوہاروں کا تعارف کرایا گیا ہے، وہیں 'عید' کا تعارف بھی ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: صفحہ ۶۲، پیرا ۳

दिल्ली में ईद का त्यौहार भी बड़ी धूम धाम और खुशी से मनाया जाता है। <u>यह त्यौहार मुहम्मद साहब के जन्मदिन के रूप में मनाया जाता है।</u> (?) ईद से पूर्व रमज़ान के महीने में <u>मुस्लिम लोग रोज़े रखते हैं</u>। (?)

سوچنے کی بات ہے کہ ایک طالب علم 'عید' کی پہچان کیا ان ہی الفاظ کی روشنی میں کرے؟ کیا یہ ٹھیک ہے؟

(۴)

भारतीय मुसलमानों का राजनीतिक इतिहास

—— राम गोपाल मीनाक्षी प्रकाशन, मेरठ - 1970

مذکورہ کتاب میں آج کے مسلمانوں کا تعارف ان الفاظ سے کرایا گیا ہے: صفحہ ۱۰

"मुस्लिम शासन काल में ऊँची जातियों के बहुत से हिन्दू ऊँचे-2 पद और बड़ी-2 जागीरें प्राप्त करने के लोभ में मुसलमान बन गये... अधिकाँश छोटी जातियों के हिन्दू थे जिन्हें मुसलमान धर्म प्रचारकों ने समझा बुझा कर मुसलमान बनालिया।" صفحہ ۱۴

"सभी मुस्लिम हुकूमतों में मुल्लाओं का दबदबा रहा।" صفحہ ۲۸-۳۱

"इन पचास वर्षों में इतिहास का कुछ ऐसा ही क्रम चलता रहा कि मुसलमान हिन्दुओं से और हिन्दू मुसलमानों से ईर्ष्या करने लगे।"

مذکورہ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کارنامے کسی دودھ پیتے بچے کی شرارت نہیں بلکہ کوشش ہے کہ ہندو اور مسلم شہریوں کو ہندستان کی تعمیر و ترقی میں کبھی ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے نہیں آنے دیا جائے۔ ایک فرقے کے ہاتھوں دوسرے کا استحصال ہمیشہ ہوتا رہے۔ تاریخ کے نام پر اتہاس کے نام پر، آج کا ایک پڑوسی، اپنے دوسرے پڑوسی کے لیے کوئی صحت مند پہچان نہ لیکر صرف یہ جانے کہ اُس پر ظلم کیا گیا یا اُس نے ظلم کیا۔

تاریخ کی کتابوں کا یہ میٹھا زہر پچھلے پینتالیس سالوں سے کارفرما ہے۔ اس لیے سوال یہی باقی رہ جاتا ہے:

۱۔ کیا اس زہر کی روک تھام کے لیے فوری اور موثر کارروائی کی ضرورت ہے ؟

۲۔ کیا متاثر بیمار ذہنوں (زہرآلودہ) کو کسی صورت صحت مند افکار بھی دئے جا سکتے ہیں؟ (ملک کی سلامتی، امن کے فروغ کے لیے)

۳۔ اساتذہ، طلباء، دانشور، مورخین، مصنفین اس سلسلے میں کیا اپنی خدمات انجام دے سکتے ہیں؟ (کاش دے سکیں!)

۴۔ کیا ملک کی بقاء کے لیے ہندستان کے سارے شہری تاریخ کی ساری غلطیوں کو بھلا کر صرف ایک نظریے کے حامی بن کر ایک پلیٹ فارم پر آ کر کہہ سکتے ہیں (اگر کہہ سکے تو!)

"ہم انسان ہیں ۔ ہم سب انسان ہیں
ہم ہندستانی ہیں ۔ ہم سب ہندستانی ہیں"

••

ڈاکٹر مہرافشاں فاروقی
الہ آباد

تاریخ کی غلط بیانیاں

کچھ مشہور درسی کتابوں کا مطالعہ

سیموئیل بٹلر نے ایک بار کہا تھا: "خدا ماضی کو بدل نہیں سکتا، مورخ بدل سکتے ہیں"۔ بہرحال کچھ غلط بیانیاں ایسی ہیں جو اس فن کے لئے پیشہ ورانہ خطرہ ہیں۔ وہ چپکے سے داخل ہو جاتی ہیں باوجود اس کے کہ مورخ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے حالات کے محدود ادراک سے اوپر اٹھے اور واقعات کے سلسلے میں ایک گہری بصیرت مہیا کرے۔ مثال کے طور پر مورخ خواہ کتنا ہی ہوشمند ہو اس پر عصبیت کا غلبہ ہو ہی جائے گا کیوں کہ اس کی جڑیں حال میں پیوست ہیں جو اس کے ماضی کے ادراک کو زنگ لگا دیں گی۔ اس کے طبقاتی مفاد کے علاوہ، اس کی تہذیبی خصوصیتیں، اس کا عقیدہ ایک مستقبل کے بجائے دوسرے مستقبل میں اسکے فیصلوں حتیٰ کہ مقاصد اور حقائق کے انتخاب پر بھی اثرانداز ہوگا۔

ہندستان میں انسانی حالات نے ہندستانی مورخ کی ذمہ داریوں کو بے حد اہم لیکن نازک بنا دیا ہے کیا ہندستانی مورخ اس بات کی اجازت دے گا کہ اس کے فن کو نسلی، فرقہ وارانہ، طبقاتی اور ذات پات کی جنگوں میں ہتھیار کی طرح استعمال کیا جائے۔ کیا وہ حالات کا خاموش تماشائی بنا رہے گا، یا وہ سماجی انصاف کی کوشش کریگا۔

ہم جانتے ہیں کہ مستشرقین نے یہ خیال پھیلایا کہ ہندو عہد سنہری عہد تھا کہ جس کے بعد مسلمان کا تاریک عہد شروع ہوا۔ کچھ تو مستشرقین کا یہ وطیرہ کہ انہوں نے راجپوتوں، مرہٹوں اور سکھوں کی جانبازی کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جس کے سبب ہماری سیاست میں نسلی، احیاپرستانہ اور علاقائی لب ولہجہ در آیا۔ الہ آباد اور علیگڑھ کے مورخ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے مستشرقین کا زاویہ بدل دیا۔ تاہم کتنے ہندستانی یہ جانتے ہیں کہ مندر شکنی کبھی بھی مسلمانوں کی تفریح نہیں رہی تھی اور جزیہ اتنا معمولی ٹیکس تھا کہ دباؤ ڈال کر مذہب کی چیزیں تبدیل نہیں کیجا سکتی تھی۔

تاریخ کی کوئی خاص سماجی، اقتصادی یا سیاسی پابندی نہیں ہے۔ مورخ کا منصب یہ ہے کہ وہ ماضی کو سمجھے اور جہاں تک اسے قدرت حاصل ہو سچائی کو روشنی میں لائے۔ لیکن ہم صرف ایک دوسرے کے لئے نہ لکھیں؟ ہمیں عوام تک پہنچنا چاہئے۔ ہمیں ان نوجوانوں کو تعلیم دینا چاہئے جو حساس ہیں اور بہت جلد تاثر تبدیل کر لیتے ہیں۔

ہائی اسکول اتہاس | یوپی سرکار کی نصابی (داخل درسی کتاب) برائے تاریخ جو درجہ دہم میں پڑھائی جاتی ہے۔ دو جلدوں

میں ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۸۶۔ ۸۷ میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب مختلف مصنفین کے مضامین کو یکجا کر کے شائع کی گئی ہے۔

کتاب سندھ وادی کی تہذیب سے پانی پت کی پہلی جنگ ۱۵۲۶ء کے عرصے کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ مقابلتاً متوازن اور صحیح ہے۔ دہلی سلطنت کے قیام کے باب اور بعد ازیں ترک عہد کے باب کو نسبتاً غیر متعصبانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ ابواب جو اسلام کے عروج، سندھ پر غزنوی کے حملے اور ترکوں کے حملے سے متعلق ہیں، غیر متعصبانہ ہیں اور وہ غیر ہمدردانہ اور متعصبانہ نہیں ہیں، جیسا کہ ہم چند مشہور درسی کتابوں میں دیکھتے ہیں۔

مثلاً یہ کہ عربوں اور ترکوں کو عرب اور ترک حملہ آور کہا گیا ہے۔ نہ کہ پردے پردے میں انہیں مسلم حملہ آور کہا گیا ہے۔ (جو مذہبی جوش و خروش سے سرشار ہو اور جو ہندوستانیوں کے خون کا پیاسا ہو) ہماری بیشتر درسی کتابوں میں یہی زبان ملتی ہے۔ پھر یہ کہ محمود غزنی کے حملے کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ وہ لٹیرا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ وہ ایک عظیم فاتح کہلائے۔ وہ ہرگز کسی مذہبی جنون کے زیر اثر نہیں آیا تھا۔

غرضکہ اگر ایک سرسری نظر بھی ہم اس جلد پر ڈالیں تو ہمیں ان دونوں حصوں کا ذکر جن میں کتاب منقسم ہے) فرق صاف معلوم ہو جائے گا۔ پہلا ترکوں کے حملے سے پہلے کی ہندوستانی تاریخ کا بیان ہے اور دوسرا حصہ دہلی سلطنت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ فرق دراصل مسخ شدگی یا واقعات کی غلط بیانی سے نہیں ہوا ہے، (حالانکہ اس میں کچھ تو غلط بیانیاں ملتی ہیں) بلکہ دراصل موضوع تک رسائی کے درمیان ہوا ہے۔ یہ بات یوں پیدا ہوتی ہے کہ کچھ حقیقتوں کا اور واقعات کا انتخاب کر کے ان پر زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے اور کچھ پر بے حد کم۔

سلطنت عہد کے نظم و نسق کو بیان کرتے ہوئے ایک چھوٹی سرخی ملتی ہے "سلطنت کال کی دھارمک نیتی" یا یوں کہیے کہ "سلطنت عہد کی مذہبی پالیسی" یہاں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ سلطنت عہد مذہبی اور کلیتاً اسلامی مزاج رکھتا تھا۔ اس کے بعد یہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ دکھایا جائے کہ کس طرح ہر سلطان اپنے مذہب کی فضیلت کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنی اس رعایا کے حلق سے اسلام کو اتارنا چاہتا تھا جو اسے پسند نہیں کرتی تھی۔

"دلی سلطانوں کے پورے عہد میں اسلام دھرم پر سلطنت کی بنیاد قائم رہی۔ سبھی سلطانوں نے علماء کے طبقے کو اہمیت دی...... بعد میں اسلام دھرم کے قاضیوں کے فتوے پر پوجا ختم کرانے کے لئے ترک فاتحین نے مندروں کو توڑ کر مسجدیں بنائیں...... ایک نے اجمیر اور دلی میں ایسی ہی دو مسجدوں کی تعمیر کرا کر اپنی دھارمک خواہش کو پورا کیا...... علاء الدین خلجی نے بھی ہندو پرجا کو سلطنت کا غلام مانتے ہوئے ان پر ٹیکسوں کا اتنا بوجھ لاد دیا کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی...... ص ۲۵۱ تا ص ۲۵۳۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اسلام کی عملی سیاست کو قرآن کے نظریات سے الگ کر دیا گیا تھا جب مسلم سیاست کو فروغ ہوا تو اس نے بہت سے غیر اسلامی شعار کو اقتدار اور بادشاہت کے مزاج کے علاوہ اپنا لیا۔ مثال کے طور پر سلطنت کی بنیاد خالصتاً طاقت پر تھی۔ نظم ونسق چلانے کے لئے ظلم واستبداد کا استعمال ضروری تھا۔ سرکاری خزانہ بادشاہ کی ذاتی ملکیت تھی، اسراف بیجا اور فضول خرچی عام دستور تھا۔ دراصل سلطنت کے انتظام اسلامی قوانین سے بالاتر تھے۔ چند ایک انوکھی خصوصیتوں سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ شرعی احکامات سے مطابقت برتی جاتی تھی، اور سچ تو یہ ہے کہ علماء کے ہاتھ میں ایسی کوئی طاقت نہیں تھی جس سے وہ سلطان کو اس بات کے لئے مجبور کریں کہ وہ سیاسی مطمح نظر میں تبدیلی کرے۔

آگے اس قسم کے بیانات ملتے ہیں:۔ شاسک کی دوارا سنکوچت بھاوناؤں کا پردرشن تھا شوست کا ڈھانک سماجک اور آرتھک استحصال کیا گیا (صـ۲۷ صـ۲۷) اول تو یہ قاری کی نفسیات پر برا اثر ڈالتے ہیں اور پھر یہ کہ حقائق کو مسخ کرکے پیش کرنے کی مثال بھی ہے۔ کب تک ہم اس قسم کی شہنائی بجاتے رہیں گے کہ ہندستان میں مسلم ریاست ایک مذہبی ریاست تھی اور حکمرانوں کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ دارالحرب کو دارالاسلام میں تبدیل کریں۔

دوسری جلد میں غیر ضروری زور اور توجہ صرف کی گئی ہے مغل شہنشاہوں کی "مذہبی پالیسی" پر جس کی ابتدا بابر سے ہوتی ہے اور اسے عروج ملتا ہے اورنگ زیب کے عہد میں۔ مصنفین کو اب تک مذہبی پالیسیوں کے موضوع سے سیری نہیں ہوئی تھی اور ایک بار پھر سماجی اور تہذیبی حالات کے باب میں ہم دیکھتے ہیں کہ از سر نو مذہبی پالیسیوں پر بحث کی گئی ہے۔ (صـ۱۷۸ ـ صـ۱۸۰) ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ کیا فی الواقع ہمایوں، شیرشاہ وغیرہ کی کوئی خاص مذہبی پالیسی تھی؟ یقینی طور پر جو اطلاع بہم پہنچائی گئی ہے وہ اس سمت میں ہماری مدد نہیں کرتی ہے۔ بہر حال کامیابی سے فرقہ وارانہ تقسیم اور تشخص کو تیز کر دیتی ہے۔ اس طرح کے بیانات ــ "بابر نے اپنے سنسمرن میں ہندوؤں کو کافر کہا ہے اور ان کے ورودھ لڑی گئی یدھ کو جہاد..........

(الف) ہمایوں کی دھارمک نیتی اپنے پتا کی دھارمک نیتی سے بھن نہیں تھی۔

(ب) شاہزادہ کٹر پنتھی مسلمان تھا۔ اس نے ہندو مسلم ایکتا کو اگرسر کرنے والے انیک ریتی رواجوں کو پرتیاگ کر دیا ــ حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی مثالیں ہیں اور بے محل ہیں۔ بار بار اکبر کی مدح خوانیاں کی گئی ہیں کہ وہ روادار تھا، رعایا پرور حکمراں تھا اور اس نے اپنی مذہبی پالیسی میں آزاد روی کو راہ دی۔ باقی سارے مغل بادشاہوں کو بالخصوص اورنگ زیب کو تنگ نظر مذہب پرست کہا گیا ہے جو اپنی ہندو رعایا پر مظالم ڈھاتا تھا، ہندوؤں کے مندر کو

مار کرآتا تھا اور اسلام کو ان محکوموں کے حلق سے اتارنے کی کوشش کرتا تھا جنہیں اسلام پسند نہیں تھا۔ اس کے بعد دانستہ ندو رلجاؤں کو اور بالخصوص شیواجی کو اس طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے ساتھ حد درجہ رواداری نا تھا خاص طور پر اسلام کے ساتھ۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ شیواجی کے متعلق یہ تحریر کیا جائے کہ اس فوج میں مسلم جرنل تھے اور وہ قرآن کا احترام کرتا تھا۔

"شیواجی نے اپنے ادھین رہنے والے مسلمانوں کو پورن دھارمک سوتنترتا دی"۔

ایک نوجوان مشتبہ ذہن پر ایسے متعصبانہ رویے کا کیا اثر پڑے گا۔ اسکے متعلق کچھ زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔

مغل مراٹھا جنگ کے ذکر میں شیواجی کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے "تھے"۔ "ان کا"۔ اور اورنگ زیب پیچی ہوئی مگر نمایاں دشمنی کے انداز میں "ہے"، "اسی کا"۔ "تھا"۔ (ص۱۷۵)

مغل عہد میں عورتوں کی حالت افسوسناک بتائی گئی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ ان کے ر پر مسلم حکومت تھی، یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ اسلام میں عورتوں کا درجہ مردوں کے مقابلے میں بے حد کم ہے۔ ن کا سماج میں کوئی مقام نہیں تھا۔

"مسلمان شاسکوں اوم سرداروں کے دوراچار کے کارن بال وِواہ ادم پردہ پرتھا کا پرچلن سمپورن ماج میں ہو گیا تھا..... مغل کال میں استریوں کی شکھا کا کوئی پربندھ نہیں تھا...... پرنتو استریوں کا سماج میں کوئی وِشیش ستھان نہیں تھا وے پرجیوی اور پرمے وستو ہی سمجھی جاتی تھیں۔ پریوار میں کنیا کا جنم اپ شگون سمجھا جاتا تھا۔"

اس قسم کی اطلاع نہ صرف یہ کہ غلط اور مسخ شدہ بلکہ یقینی طور پر مزاجاً اشتعال انگیز ہے۔ ایسے بیانوں کی توقع نہیں رکھتے ہیں ان درسی کتابوں میں جو ریاستی حکومت کی منظور شدہ اور سفارش شدہ ہیں۔

حالیہ زمانے میں رہنما نوٹس کی کتابوں کا بازار میں سیلاب سا آگیا ہے۔ یہ گائیڈ بکس طلباء میں بے حد مقبول ہیں۔ میرٹھ کے ناشرین ایسی کتابوں کی اشاعت میں سب سے آگے ہیں۔ یہ کتابیں سوال جواب کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔ سوال جواب کا انداز تاریخ وار واقعات کا پابند ہے۔ کچھ خاص فارمولے سوالوں کے جواب میں استعمال کئے گئے ہیں۔ سی کتابوں کے مصنف غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ کسی ایک موضوع کے سلسلے میں جو سوالات اٹھائے جاتے ہیں ان کا ایک ہی اب ہوتا ہے۔ مثلاً۔

سندھو سبھیتا کے نواسیوں کی سماجک وِوستھا تتھا آرتھک پرگتی کا ورنن کیجئے"۔

سندھو گھاٹی کے لوگوں کے سماجک اور دھارمک جیون کے وِشے میں آپ کیا جانتے ہیں؟"

"سندھو گھاٹی کے لوگ شیو اور ماتر شکتیوں کے اپاسک تھے۔ کیا آپ اس مت کو سمجھتے ہیں ؟"

ان سوالوں کا جواب ایک عام سا بیان (اگر آپ اسے بیان کہہ سکیں تو) ہوتا ہے سندھ وادی تہذیب کے عوام کے سماجی، اقتصادی اور مذہبی زندگی کا۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسے طلباء جو ان گائیڈ بکس کے سہارے چلتے ہیں کس قسم کی تاریخ کا علم حاصل کرتے ہیں۔

بہرحال تعجب اس پر ہوتا ہے کہ یہ گائیڈ بکس، جو تاریخی اطلاعات بہم پہنچاتی ہیں وہ اس حد تک تنگ دلانہ، متعصبانہ اور غلط نہیں ہیں جس حد تک ان سے توقع کی جاتی ہے۔ متن کا لہجہ تعمیمی، مبہم اور بے ضابطہ ہے۔ شاید سوال جواب کی شکل اس بات کی ضرورت کا احساس دلاتی ہے کہ رسائی کس قدر متوازن ہونی چاہیے تھی۔

دوسرے فرقوں کے سلسلے میں ایک مقررشدہ اہانت آمیز عبارتیں ملتی ہیں۔ بیانات اس قسم کے ہیں۔

بدھ مت کے زوال کے اسباب میں ایک بڑا سبب مسلمانوں کا حملہ ہے۔

"مسلمانوں نے بھارت میں اپنے دھرم پرچار ہیتو بودھ مٹھوں ایوم وہاروں کو توڑ ڈالا۔ بھکشوؤں ایوم بھکشنوں کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا.........." ص ۴۵

ص ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۶۶، ۱۸۳، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۶۵، ۲۷۹، ۲۹۱ اور ۲۹۲ میں کچھ تراشے ہوئی تنقید ہیں، اور مسخ شدہ تاریخ ملتی ہے اور ضرورت اس کی ہے کہ اس پر نظر ثانی کی جائے۔

"A NEW TEXT BOOK OF INDIAN HISTORY"

ڈل ان کندرا اور اس ڈل کندرا کی تالیف عام طور پر نصاب میں داخل ہے اور دسویں اور بارہویں درجے کے انگلش میڈیم اسکولوں کے طلباء کے مطالعہ میں رہی ہے۔ یہ کتاب خاص طور پر اس کی جلد چہارم مسخ شدہ مواد اور غلط بیانیوں سے بھری پڑی ہے۔ یہ دانستہ طور پر دہلی سلطنت کی ایک غیر ہمدردانہ تصویر پیش کرتی ہے۔

مسلم، حملوں سے ابتدا کرکے یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے بدھوں کو بڑی تعداد میں مروا دیا، جنہوں نے اپنی موروثی کمزوریوں کے سبب ان کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ اس بیان سے مسلمانوں کے ہاتھوں بے یار و مددگار بدھوں کے قتل کی تصویر ابھرتی ہے۔ مسلم حملے کو بدھ مت کے زوال کی اہم ترین وجہ بتائی گئی ہے اس موضوع کی بے رحمانہ پیشکش کے ساتھ ایسی کوئی اس نہیں جیسی کہ رسول اکرمؐ کی تعلیمات اور اسلام کے عروج و فروغ کے موقع پر ہوئی ہے کتاب میں اسلام کی جو خاص تعلیمات پیش کی گئی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) بت پرستی ایک لعنت ہے اور ہر شخص کو اس سے دامن بچانا چاہیے (۲) محمدؐ نے اپنے پیروکاروں کو

اس بات کی اجازت دی کہ وہ غلام رکھیں لیکن ساتھ ہی ان سے یہ بھی کہا کہ وہ ان سے حسن سلوک برتیں (۳) وہ اس بات کے حق میں نہیں تھے کہ عورتوں کو سماج میں ایک بڑا درجہ دیتے۔ انہیں حرم میں رہنا چاہئے اور آزادانہ گھومنا پھرنا نہیں چاہئے۔ (۴) وہ شراب خوری کے مخالف تھے اور انہوں نے لحم خنزیر کے استعمال کو سختی سے منع کیا۔ (صہ ۲۶۵ صہ ۲۶۶)

یقینی طور پر یہ اسلامی عقائد کے نمایاں اصول نہیں ہیں اگر ہم ان تعلیمات کا بودھ کی تعلیمات سے مقابلہ کریں جو اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں تو بیان کا تعصب صاف صاف نظر آجائے گا۔ ہمیں اس قسم کے بیانات ملتے ہیں

"محمود ایک آتش مزاج تنگ دل مسلمان تھا" (صہ ۲۷۹)

"ابتدا میں ہندوؤں کی بالادستی تھی اور انہوں نے تین چار ہزار مسلمانوں کو قتل کر دیا" صہ ۲۸۰

"ہندو بڑی دلیری سے لڑے لیکن بالآخر وہ شکست کھا گئے اور بڑی تعداد میں ان کو قتل کیا گیا" صہ ۲۸۱

پروفیسر ام حبیب، ڈاکٹر ناظم اور جے ایم جعفر کی آواز کو کہ "محمود نے ہندوستانیوں کو لوٹ کر اور ان کی عبادت گاہوں کو توڑ کر اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی کیونکہ اسلام نہ تو تہذیب کی غارت گری کو پسند کرتا ہے اور نہ حملہ آور کے لوٹ مار کے شعار کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ جدید مسلم، مورخوں کی آراء ہیں۔ یہ مصنفین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اپنے ہم عصروں کی نظر میں محمود بہت بڑا غازی تھا نیز اپنے عہد کا عظیم ترین مسلم بادشاہ تھا۔ لیکن وہ یہ کہنا بھول جاتے ہیں کہ اس دور میں اس قسم کی لوٹ مار اور غارت گری عام بات تھی۔ اکثر عہد وسطی کی اقتصادیات ہمسایہ ریاست کی لوٹ مار کی بنیاد پر قائم ہوتی تھی۔

پھر بار بار یہ ٹیپ کا بند آتا ہے۔ بہت ساری مندریں مسمار کر دی گئیں، اور ان کی جگہ مسجدوں کی تعمیر ہوئی۔ دہلی سلطنت کے زوال کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف یہ سمجھتا ہے کہ مذہبی تنگ نظری کی پالیسی جسے دہلی سلطانوں نے اختیار کیا بے حد اہم تھی۔

دہلی سلطانوں نے ہندوؤں کے خلاف مذہبی تعصب کی پالیسی اختیار کی۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جیسے فیروز تغلق اور سکندر لودھی جنہیں ان پر مظالم ڈھانے میں بڑا لطف آتا تھا........ مال و متاع اور شمشیر دونوں بڑی آزادی کے ساتھ جبری مذہبی تبدیلی کے لئے استعمال کئے گئے۔ مختلف قسم کے تکلیف دہ ٹیکس ان پر لادے گئے جن میں خاص ٹیکس جزیہ تھا جسے ہر ہندو کو جبراً ادا کرنا تھا....... اقتصادی طور پر وہ لوگ بکھر بکھر کر رہ گئے ہو گئے۔ وہ قانون کی نظر میں بھی برابری کا درجہ نہیں رکھتے تھے....... (صہ ۳۹۵ صہ ۳۹۶)

اس عبارت کی غلط بیانیاں اور دانستہ طور پر تاریخ کی مسخ شدگیاں بہت عیاں ہیں۔ اس نوع کی تاریخ

کے جو اثرات طلبار کے ذہن پر مرتسم ہوں گے ان کے متعلق مزید اور کیا کہا جائے۔ کتاب اس قسم کی غلطیوں سے بھری پڑی ہے۔ ذیل کے پیراگرافوں پر نظرثانی ڈالنی چاہئے۔

PP. 8 , 76 , 191 , 192 , 196 , 265 , 266 , 267 , 268 , 269 , 271 , 272 , 273 , 279 , 280 , 281 , 288 , 299 , 307 , 309 , 318 , 346 , 385 , 391 , 395 , 413 , 414 , 423 .

دوسری جلد میں بھی وہی طریقہ اپنایا گیا ہے اکبر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا اور اورنگ زیب کو مطعون کرنے کا۔
تاریخ کی غلط بیانیوں کو جو درسی کتابوں میں ملتی ہیں انہیں ہم چھ بڑے حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(الف) تاریخ کی وہ توڑ مروڑ جو غیر حقیقی واقعات یا غلط واقعات کی پیشکش سے پیدا ہوتی ہے

(ب) تاریخ کو مسخ کرنے کی یہ کوشش کہ کچھ واقعات پر زیادہ زور دیا جائے اور ان پر زیادہ روشنی ڈالی جائے اور کچھ واقعات کا ذکر بس سرسری طور پر کیا جائے۔

(ج) وہ تاریخی غلط بیانیاں جو جان بوجھ کر کچھ صحیح واقعات کے انتخاب اور ان کی پیشکش اور دوسرے واقعات کو دبانے سے پیدا ہوتی ہیں۔

(د) غلط بیانیاں جو ہمدردانہ / غیر ہمدردانہ "موضوع کی پیشکش سے پیدا ہوتی ہیں۔

(ہ) غلط بیانیاں جو اپنے نقطۂ نظر کو سمجھانے کے لئے بے محل حوالوں کی پیشکش سے پیدا ہوتی ہیں۔

(و) غلط بیانیاں جو غیر ذمہ دارانہ تحریر، غلط اصطلاحات کے استعمال اور تعمیمیت سے پیدا ہوتی ہیں۔

اگر معیاری درسی کتابیں شائع ہوتی ہیں تو یہ سمجھیں کہ ہم نے نصف جنگ جیت لی۔ باقی نصف جنگ ہم اس وقت جیتیں گے جب ہم معلموں کو امتحان کے پرچوں کے سوالوں کے رجحان کے سلسلے میں تعلیم دیں گے۔

●●

جنابِ سید فاروق حسین شاہ
اسسٹنٹ ٹیچر
ایم۔ اے۔ تاریخ۔ ایل۔ ٹی
ایم۔ ٹی۔ کے۔ سی۔ الٰہ آباد

نئی تعلیمی پالیسی اور اخلاقی تعلیم

ایک ٹیچر کی ڈائری

• تعارف •

زیرِ نظر مضمون کو سید فاروق حسین شاہ ایم۔ اے (تاریخ) ایل۔ ٹی نے ڈائری کی شکل میں قلمبند کیا ہے جو نئی تعلیمی پالیسی کے سلسلہ میں گورنمنٹ کالج الٰہ آباد ٹیچرس کے اخلاقی تعلیمی سنٹر میں ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے شریک ہوئے تھے۔ جس کا مقصد تھا کہ طلبا کو اخلاقیات کا درس کس طرح دیا جائے اور ان میں موجود برائیوں کا سدھار کیسے کیا جائے؟ ٹریننگ میں جو باتیں بتائی گئیں سید فاروق حسین شاہ صاحب نے ان لکچرس کو نوٹ کرکے پیش کیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے مسلم بچوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ نئی تعلیمی پالیسی کی اس ٹریننگ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندی ہندو ہندوستانی کا پرانا نعرہ اب شرمندۂ تعبیر ہونے جا رہا ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی کے پس پردہ ہندوستان کی تمام اقلیتوں کو اکثریت کی مذہبی روایات، رہن سہن اور ان کے رسم و رواج میں رنگ دیا جائے گا تاکہ اقلیتوں کی اپنی الگ کوئی پہچان باقی نہ رہے۔ بالخصوص مسلمانوں کا اسلامی تشخص باقی نہ رہے۔ یہ پالیسی دستور کی صریح خلاف ورزی اور قومی یکجہتی کے خلاف ہے۔ اس کا فوراً نوٹس لیا جانا ضروری ہے۔

جون ۱۹۸۶ء

سکریٹری
دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش لکھنؤ

میں اپنے ادارہ سے انسپکٹر آف اسکولس کے خط نمبر ۸۹۵-۶۸۲/۱۶ مورخہ ۱۹/۴/۸۶ کے مطابق گورنمنٹ ٹریننگ کالج شیو کٹی الٰہ آباد ٹیچرس کے اخلاقی تعلیمی سنٹر پر جونیر کلاس کے طلبہ کو اخلاقیات کا درس دینے کے لیے ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ ٹریننگ کا پانچواں اور آخری دور تھا جو ۲۶/۴/۸۶ سے ۲/۵/۸۶ تک چلا۔

پہلے روز ۲۶ اپریل ۱۹۸۶ء

مسٹر آر۔ پی۔ سنگھ آئے اور انھوں نے ہم لوگوں کا نام رجسٹر پر لکھا اور جوائننگ رپورٹ لکھائی پھر بتایا کہ اس میں کئی ماتحت ٹیچرس نہیں آئے ہیں۔ ہمارے تحت صرف نگر پالیکا اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہی لوگ آتے ہیں۔ لیکن انسپکٹر صاحب

کا حکم ہے اس لیے آپ لوگوں کو ٹریننگ دی جا رہی ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی میں ہو سکتا ہے کہ جونیئر کلاس کی پڑھائی کا نظام نگر پالیکا اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے سپرد کر دیا جائے۔ اخلاقی تعلیم کی ٹریننگ کے سلسلے میں ایک نردیش پستیکا (GUIDE BOOK) بھی بنائی گئی ہے۔ جو آپ لوگوں کو ہدایت کے لیے دی جائے گی۔ پھر انھوں نے موجودہ تعلیمی شعبہ میں پھیلی برائیوں مثلاً رشوت خوری، حرام خوری، نقل کا عام ہونا، طلبہ کا بدکردار ہونا وغیرہ وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اخلاقی تعلیم ضروری بتایا اور کہا کہ یہ اخلاقی تعلیم نئی تعلیمی پالیسی کے ساتھ بہت جلد آ رہی ہے۔ ہندستانی تہذیب اور ہندستانی وراثت و ہندستانی آب و ہوا کو مدنظر رکھ کر تحقیق ہو رہی ہے اور اخلاقی تعلیم کی کتابیں تیار کی جا رہی ہیں کیونکہ پہلے ہم ہندستانی میں پچھڑا اور۔ اس تعلیم پر سرکار بہت روپیہ خرچ کر رہی ہے اور نئی تبدیلی ہو رہی ہے، چونکہ اس وقت تعلیم کا پرسار ہو رہا ہے۔ اس اخلاقی تعلیم اور نئی تعلیمی پالیسی کے لاگو ہوتے ہی ایک آندھی آئے گی۔ لیکن اس سے ہار نہیں ماننا چاہیے۔ یہ سب وقتی ہوگا بعد میں قابو پالیا جائے گا۔ ہم یقیناً کامیاب ہوں گے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم تیزی سے اپنے مقصد کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے بتایا کہ ماہ دسمبر ۱۹۸۵ء میں ہردوار رشی کیش شانتی کنج جو اخلاقی تعلیم کا مرکزی سینٹر ہے وہاں ان کے یہاں سے وہ پانڈے جی اور الٰہ آباد کے دیگر اداروں سے جس میں راج ماتا برہماری کماری ایشوری وشو ودیالیہ کے لوگ بھی شامل تھے اخلاقیات کا درس حاصل کرنے ہردوار مرکزی تعلیمی سینٹر گئے۔ اس جگہ کو اس لیے چنا گیا کہ یہ ہندو تہذیب کا ایک تاریخی مقام ہے جو نہایت دلکش اور تنہائی میں آباد ہے۔ وہاں اخلاقیات کا جو درس دیا جاتا ہے، اس سے ہم لوگ بہت متاثر ہوئے۔ نہایت ہی دلکش ماحول تھا۔ صبح سویرے ہی ماتا گائتری کی میٹھی آواز میں رام دھن کی پرارتھنا سے شروع ہوتا تھا۔ اس لیے میں بھی یہاں کلاس پرارتھنا سے شروع کروں گا۔ وہاں سارا کام وید منتر سے شروع ہوتا تھا، ہندو تہذیب کے مطابق کھانا کھلایا جاتا تھا۔ کھانے کا وقت مقرر تھا۔ ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے تنقید کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ ایک برتن میں کھاتے اور ایک ہی گلاس میں پانی پیتے ہیں بہت غلط ہے۔ کیونکہ اس سے بیماری ہو سکتی ہے۔ سائنس کے اصول کے بھی خلاف ہے۔ ہندو طریقہ کے مطابق ہی کھانا ٹھیک ہے کیونکہ پتّل دھو کر اور کھڈّے دھو کر دیا جاتا ہے جو کھانے کے فوراً بعد پھینک دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہندستان ایک گرم دیش ہے، یہاں گرد وغیرہ اڑا کرتی ہے۔ اس لیے کھانے سے پہلے ہاتھ اور پیروں کو دھویا جاتا ہے۔ اس لیے صرف ہندستانی آب و ہوا کے لحاظ سے ہندستانی طور پر ہی کھانا درست ہے۔ یہاں پر ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے بتایا کہ ہندستانی آب و ہوا اور ہندستانی تہذیب کو ہی مدنظر رکھ کر ہم لوگوں کو ٹریننگ دی گئی ہے۔ جو کھانا پکتا تھا اس میں لہسن، پیاز وغیرہ کا استعمال بالکل نہیں کیا جاتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں

پرانی تہذیب اور اصولوں کو پھر سے زندہ کرنا چاہیے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان چیزوں کو پھر سے لاگو کیا جائے۔ جو ہندستانی آب و ہوا کے حساب سے درست ہے بچے کمہار کی مٹی کے تو نمے کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کو شروع میں جیسا چاہیے بنایا جاسکتا ہے۔ اس لیے آج چھوٹے بچوں کے لیے اخلاقی تعلیم بہت ضروری ہے۔ شیروانی انٹر کالج صلاح پور الہ آباد سے ٹریننگ میں آئے ہوئے ماسٹر حیات اللہ صاحب نے کہا کہ سبھی مذاہب کے اصول (FUNDAMENTALS) ایک ہی ہیں اور جتنی بھی اعلیٰ شخصیتیں ہوئی ہیں مثال کے طور پر گاندھی جی ان کے چاروں طرف سبھی مذاہب کی کتابیں رکھی ہوتی تھیں۔ ایک طرف بائبل، ایک طرف قرآن، ایک طرف گیتا، گرو گرنتھ صاحب، رامائن وغیرہ جنھیں پڑھ کر گاندھی جی مہان پرش ہوئے۔ انھوں نے بہت ہی اچھی مثال شہد کی مکھی کی دی کہ جس طرح سے شہد کی مکھی بغیر کسی تفریق کے ہر پھول پر بیٹھتی ہے اور رس حاصل کرتی ہے، اور جب اپنے چھتے میں جاکر اسے نکالتی ہے تو اس سے شہد بنتا ہے جو بہت ہی میٹھا ہوتا ہے مگر آج تمام مذہبی کتابیں الماریوں میں بند ہیں اور انھیں دیمک چاٹ رہی ہے۔ اس پر ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے کہا کہ ہماری پرانی ہند و تہذیب کے لٹریچر جو ٹکسیلا اور نالندہ ۔۔۔ کی یونیورسٹی میں موجود تھا اختیار الدین بن بختیار خلجی نے اس پوری لائبریری کو نذر آتش کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ حیات اللہ صاحب نے تاریخ کا حوالہ دیکر کہا کہ آخر بختیار خلجی، محمد غوری اور بابر وغیرہ کو بلانے والا کون تھا؟ یہیں کے لوگ ہی تو تھے اس کو سب نے قبول کیا۔ آر۔ پی۔ سنگھ صاحب نے کہا کہ آج اسی لیے تو نیتک شکچھا (اخلاقی تعلیم) بچوں کو دینا بہت ضروری ہے۔ حیات اللہ صاحب نے بتایا کہ موجودہ اخلاقی تعلیم کی بنیاد محکمہ تعلیمات اتر پردیش میں سب سے پہلے شکچھا نردیشک (ڈائرکٹر آف ایجوکیشن) سچیدانند سنہا جی نے ۱۰/۱۰/۸۰ کو ڈالی تھی اس میں بھی شامل تھا ——— ریٹائرمنٹ کے بعد انھوں نے اسے محکمہ تعلیمات کو سپرد کرتے ہوئے کہا کہ اب آپ لوگ جس طرح سے چاہیں چلائیں، چنانچہ اب اس کا مرکزی سینٹر ہردوار رشی کیش شانتی کنج ہے۔

تاریخ ۲۷ اپریل ۱۹۸۶ء

اس روز کلاس میں ماسٹر سنگھ صاحب نے بتایا کہ ہردوار رشی کیش شانتی کنج میں تعلیم ڈرامنگ دید رامائن مہابھارت گیتا کے نصیحت والے واقعات کو بیان کر کے گیتوں، کہانیوں، ناٹک و کھیل کود کے ذریعہ دی جاتی تھی۔ وہاں سے اچھے لکچرس۔۔ گیتوں کے کیسٹ لائے گئے ہیں جو آپ لوگوں کو بھی سنائے جائیں گے۔

اخلاقی تعلیم کردار کو بنانے میں مدد کرتی ہے۔ ماسٹر آر۔ پی۔ سنگھ نے بتایا کہ گوشتے

کھانے سے جسم گندہ ہوجاتا ہے، اس میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔ انہوں نے کہا جو لوگ گوشت خور ہوتے ہیں وہ لڑاکو ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کبھی کسی ملک پر حملہ نہیں کیا۔ اس ملک پر دوسرے ملک والوں نے حملہ کیا کیونکہ وہ لوگ گوشت خور تھے۔

تاریخ ۲۹ اپریل ۱۹۸۶ء

اس روز ماسٹر سنگھ صاحب نے پچھلی باتوں کو دہراتے ہوئے بتایا کہ آئیڈیل لوگ (آدرش پرش) رام کرشن وغیرہ ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہندوؤں میں شادی ایک سنسکار ہے جبکہ مسلمانوں میں اور دوسروں میں ایک معاہدہ ہے جو کبھی بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ماسٹر سنگھ صاحب نے موجودہ شاہ بانو کیس کا ذکر کیا۔ بھارت میں عورت کو گرہ لکشمی اور شوہر کو دیوتا کہا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ غیر ملکی اثرات اور فلسفہ اپنانے سے ہم بھارتی نہیں رہ جائیں گے۔

اس روز ماسٹر لکشمی شنکر مشرا نے جو گیت سکھایا اس کو ایکشن کر کے بتایا۔ اس گیت کو بچوں کو ایکشن کے ساتھ سکھایا جائے گا۔ بھارت ماں کے سامنے بچوں کو آمنے سامنے ایک لائن میں کھڑا کیا جائے گا۔ سبھی لڑکے آمنے سامنے دو لائن میں کھڑے ہونگے داہنے ہاتھ سے بھارت ماں کی تصویر کی جانب اشارہ کر کے گیت شروع کیا جائے گا اور جہاں ہاتھ جوڑنا چاہیئے ادب سے زمین پر ایک گھٹنا ٹیک کر بھارت ماں کی تصویر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر جھکنا پڑے گا۔ اسی طرح گنگا جی کی ریت سے چندن لگانے کی لائن کو کہتے وقت اسی طرح زمین پر انگلی ٹیک کر اسے ماتھے پر لگانا ہوگا۔ (یہ دراصل بھارت ماں اور گنگا پوجا کرنے کی تعلیم کا درس دینا ہے) گیت یہ ہے:

اے پیاری بھارت ماں	تجھے ہم شیش جھکاتے ہیں
تیرے پر بلی بلی جاتے ہیں	تیرے پر بلی بلی جاتے ہیں
لا ساہس ہم کو ماں	تیرے اس ادبھ ہمالیہ سے

سبھی گیت پرانی ہندو تہذیب اور مذہبی عقائد کو مدنظر رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ چھوٹے بچے چونکہ معصوم ہوتے ہیں اور گیت ناچ رنگ کے شوقین ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پر گیتوں کے ذریعہ ہندو تہذیب دھیرے دھیرے خودبخود غالب آجائے گی۔

تاریخ پڑھاتے وقت اچھے اور برے نتائج کو بتانا اور اشوک، گوتم بدھ، شیواجی اور رانا پرتاپ کی

مثالیں پیش کرنا،

اعلیٰ شخصیتوں کی مثالیں پیش کرنا جیسے گردگل کانگڑی میں سوامی شردھانند جی نے دس طلبہ سے گردکل تعلیم شروع کی تھی۔

ماسٹر سنگھ صاحب نے کہا کہ روح زندہ جاوید ہے۔ وہ کبھی نہیں مرتی۔ انھوں نے کہا کہ پونر جنم (انسان کا بار بار مختلف شکل میں پیدا ہونا) میں یقین ، پھر کرم پھل (انسان دنیا میں جس طرح کے کام کرتا ہے دوسرے جنم میں اسی طرح اس کی شکل بن جاتی ہے ، جیسے سانپ ، چیونٹی وغیرہ) میں یقین کرنا۔

ماسٹر سنگھ صاحب نے کہا کہ یہ سب ایسے نکات ہیں جن سے پہلوان کو آسانی سے چت کیا جاسکتا ہے۔ اس جملے کو کہتے ہی ماسٹر سنگھ صاحب چونک کر پوچھ بیٹھے کہ کیا یہاں کچھ مسلمان بھی ہیں؟ میں بول اٹھا جی ہاں میں ہوں تب انھوں نے کہا کہ آپ کے مذہب میں ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو وہ قیامت کے روز اٹھتا ہے اور حساب کتاب ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے یہاں ایسا نہیں مانتے۔ ہمارے یہاں پونر جنم کے اصول کو مانا جاتا ہے، کیونکہ انسان سنسکار میں بندھا ہوا ہے اور جب اس سے نجات پاتا ہے ، تب ہی اسے نجات ملتی ہے ورنہ نہیں۔ میں نے اقبال کا شعر پڑھ کر سمجھانے کی کوشش کی :

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے ۔۔۔ کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

کرم کا پھل لازمی ہے اسی اصول سے ہم اچھے برے کی پہچان کر سکتے ہیں اس سلسلے میں ماسٹر سنگھ صاحب نے "بویا پیڑ ببول کا" کی مثال دی۔

اس روز ماسٹر پانڈے جی نے اپنے کلاس میں یہ باتیں بتائیں :

خدا نے انسان کو اپنی سبھی خصوصیات سے سنوارا ہے ، لیکن انسان دنیا کو سب کچھ سمجھ کر خدا کی طرف رجوع نہیں ہوتا۔ ماسٹر پانڈے جی نے اتم مولیہ (روح کی قیمت) کو ثابت کرنے کے لیے پران کی کہانی شرادر شاد ک کی مثال پیش کی اور رامائن کے کرم یوگی کی مثال پیش کی کہ پونر جنم (بار بار جنم لینا) سب سے بڑا دکھ ہے۔ مرنے سے کچھ لمحے پہلے پورے جنم کا نقشہ سامنے آتا ہے کیونکہ کال (جنم) کا پردا جو اس کے دماغ پر پڑا ہوتا ہے۔ وہ مرتے وقت ہٹ جاتا ہے۔

ہماری حالت کیا ہے ؟ اس سلسلے میں ماسٹر پانڈے جی نے ماسٹر سنگھ صاحب کی باتوں کو دہراتے ہوئے انسانوں کی چار قسمیں بتائیں :

شودر (۱) اس میں وہ لوگ آتے ہیں جو انسان نہیں ، اپنی خواہشات اور اپنے مقصد کو پورا کرنے میں ہی

لگے رہتے ہیں۔ پانجلی دیاس بہت ہی عقل مند تھے۔ انھوں نے اٹھارہ کتابیں لکھیں اور لوگوں کو سیگھاوان دیا (عقل بخش)
اس سلسلے میں ماسٹر پانڈے جی نے کہا کہ جیسا کھانا ہوگا، ویسی ہی عقل ہوگی۔ پیٹ ایک ھون کنڈ (ایک کڑاھا) ہے۔ اس میں اچھی چیزیں ڈالنا چاہیئے۔ جیسے ہون کنڈ میں اچھی چیزیں ہی ڈالی جاتی ہیں۔ اگر گوشت خور ہے تو اس کی موت بدقت ہوگی اور وہ ۴۰۰۰۰ یونی پیچھے ہو جائے گا جس میں اُسے تڑپنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں ماسٹر پانڈے جی نے گائے اور بکرا کاٹنا افسوسناک اور غلط بتاتے ہوئے کہا کہ جب کبھی میں بکرا کاٹتے لوگوں کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ لوگ کتنے پاپی ہیں۔ کیوں کہ گائے کی ہی یونی کے بعد خدا نے انسان کو بنایا ہے۔ جو لوگ گوشت کھاتے ہیں وہ جب پیٹ میں جا کر سڑتا ہے تو اس سے جسم گندہ ہو جاتا ہے۔

ویوہار (برتاؤ)

(۱) مسکان بھرے اخلاق کے ساتھ ملنا۔ آواز میں مٹھاس اور شرافت کا ہونا۔

(۲) اندری سنیم (اپنے جسم کے حصوں کو قابو میں رکھنا) یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہمارا کھانا ساتویک یا سادا ہو۔ اس سلسلے میں ماسٹر آر۔ پی سنگھ صاحب نے کہا کہ میں جب بنارس جاتا ہوں تو اس مندر میں ضرور جاتا ہوں جس میں رانی پدمنی کے جوہر کی مورتیاں بنی ہوئی ہیں۔ رانی پدمنی نے اپنی عزت و آبرو بچانے کے لئے تقریباً پانچ ہزار عورتوں کے ساتھ جوہر تا ڈکیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر میں سوچتا ہوں کہ کتنا بے رحم ہوگا علاءالدین کہ اس نے بے گناہوں کا خون بہایا اور اس کو دیا (رحم) تک نہ آیا۔ کسی کو تکلیف نہ پہونچانا چاہیئے۔

••

جناب ظفر احمد صدیقی
لکھنؤ

یوپی کی سرکاری نصابی کتابوں کا مختصر جائزہ

سرکاری نصاب تعلیم کے بارے میں بنیادی اعتراضات :

(۱) عقیدۂ توحید ذات باری تعالیٰ، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ حیات بعد الموت اسلام کے تین بنیادی عقائد ہیں۔ نصاب کی کسی کتاب میں کسی ایسے سبق کا شامل کرنا جو براہ راست یا بالواسطہ اسلام کے ان بنیادی عقائد کے خلاف ہو یقیناً مسلمان بچوں کو اپنے مذہب کے معتقدات سے گمراہ کرنا ہوگا۔ زبان و ادب اور تاریخ کی (سرکاری منظور شدہ) کتابوں کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو ان میں سے ہر ایک میں ایسے اسباق شامل کئے گئے ہیں جو ہمارے مذہب کے متذکرہ بنیادی عقائد کی جڑ کاٹنے والے ہیں۔ اور انھیں پڑھ کر مسلمان بچہ ہرگز مسلمان نہیں رہ سکتا۔ مثلاً شیڈول الف (اے) میں ان کتابوں کے چند اقتباسات درج ہیں جو مختلف درجات کے نصاب کے لیے مقرر کی گئی ہیں:

(۲) ان کتابوں کے اسباق کی وضاحت کے لئے جو تصاویر شامل کی گئی ہیں ان سے معاملہ بد سے بدتر ہو جاتا ہے۔ وہ مذہب اسلام کے بنیادی عقائد کے سراسر مخالف ہیں۔ شیڈول (بی) میں مختلف کتابوں سے چند حوالجات پیش کیے گئے ہیں جن سے ہمارے نقطۂ نظر کی وضاحت ہوجائے گی۔

(۳) نصاب کی کتابوں میں بکثرت ایسے قصے اور کہانیاں ہیں جو ہندو دیومالا سے اخذ کی گئی ہیں۔ یہ بت پرستی اور اوہام پرستی کی بالواسطہ تعلیم دیتی ہیں۔ اور اسلامی عقائد کے خلاف ہیں ان اسباق کو ذہن نشیں کرانے کے لیے سوالات اور ان کے قصے کہانیوں کو ڈرامائی شکل میں اسی طرح پیش کرنے کی ہدایات نے معاملے کو اور بھی سنگین بنا دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شیڈول۔ سی)

(۴) پرائمری اور جونیئر ہائی اسکول کی نصابی کتابوں میں دعائیں، بھجن اور دوہے وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر دیوتاؤں کا تذکرہ اور ان کی مدح سرائی ہے یا ان شخصیتوں کی تعظیم و تکریم ہے جنھیں اوتار بتایا گیا ہے اور انھیں خدائی کا منصب دیا گیا ہے۔ ہمارے بچوں کو یہ چیزیں زبانی یاد کرائی جاتی ہیں حالانکہ اوتار کا تصور اسلام کے نزدیک شرک ہے اور اس کے بنیادی عقائد توحید کے خلاف ہے یہ دعائیں اور بھجن ہمارے بچوں کے صاف اور سادہ ذہنوں پر مضر اثرات پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (ملاحظہ ہو شیڈول۔ ڈی)

(۵) جن کتابوں میں ہندستانی تہذیب اور اخلاقیات کے نام سے مضامین واسباق شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں بھی خالص ہندو تہذیب کی تبلیغ واشاعت کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو شیڈول۔ ای)

(۶) موجودہ درسی کتابوں نیز غیر درسی کتابوں میں جو سرسری طور پر پڑھنے کے لئے منظور کی گئی ہیں یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ ان میں مسلم بزرگانِ دین اور مصلحین کو قصداً نظر انداز کیا گیا ہے گویا کہ ہندستان میں مسلمانوں کے ہزار سالہ کارہائے نمایاں کو پسِ پشت ڈال کر یہ تاثر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے ملک کے کسی شعبۂ زندگی میں کوئی بہتر کام کیا ہی نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری نئی نسلوں میں احساسِ کمتری پیدا ہو جائے گا جو قوموں کے لیے پیغام موت ہے۔

(۷) تاریخ وزبان کی کتابوں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے کی بھی باقاعدہ کوشش کی گئی ہے ایک تو بالعموم ان کتابوں میں مسلمانوں کی ان عظیم المرتبت ہستیوں اور اولیائے کرام کا کوئی تذکرہ ہی نہیں جن کی زندگیاں بلاشبہ بغیر امتیاز مذہب وملت سب ہی ہندستانیوں کے لیے روحانی فیضان کا سرچشمہ مانی جاسکتی ہیں لیکن اگر کہیں کچھ مسلم شخصیتوں کا ذکر بھی ہے تو زیادہ تر ان کے کردار کی تصویر کشی کچھ اس انداز سے کی گئی ہے کہ جس سے نہ صرف ان شخصیتوں کے خلاف بلکہ ان کے مذہب کے خلاف بھی جذبات اُبھر آئیں۔ (ملاحظہ ہو شیڈول۔ الف)

(۸) یو۔پی میں سنسکرت کو بے جا طور پر سہ لسانی فارمولے میں شامل کرلیا گیا ہے اور اُردو کی تعلیم کا معقول بندوبست نہیں کیا گیا ہے۔ عملاً سنسکرت کی حیثیت لازمی زبان کی ہو گئی ہے۔ ہمارے لڑکوں اور بچوں کو سنسکرت کے بھیس میں خالص ہندو مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے جو نامذہبی پالیسی کے سراسر خلاف ہے۔

ملاحظہ ہو شیڈول (جی) جس میں سنسکرت کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

(۹) باوجود مرکزی حکومت کی ہدایات کے اور باوجود ان احکامات کے جو ریاستی حکومت کے نام جاری ہوئے ہیں تعلیمی اداروں میں اُردو کو اب تک اس کا جائز مقام نہیں ملا ہے۔ بہت سی تعلیم گاہوں میں اُردو کی تعلیم کی آسانیاں نہیں فراہم ہوئی ہیں۔ ہماری مذہبی کتابیں زیادہ تر اُردو میں ہیں اور ہماری تہذیب (کلچر) اُردو زبان سے وابستہ ہے اردو کے ساتھ نامنصفانہ برتاؤ ہماری ثقافت وتہذیب کے لیے سدِّ راہ بنا ہوا ہے۔

(۱۰) ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ہماری یہ منشا ہرگز نہیں کہ ہم ہندو مذہب اور اس کے فلسفے یا اس کی دیومالا پر کوئی اعتراض کریں اور نہ ہم اس بات کے مخالف ہیں کہ ان پرائیوٹ درس گاہوں میں جو مختلف مذہبی تنظیموں یا افراد کی طرف سے چلائے جا رہے ہیں، مذہبی تعلیم دی جائے۔ ہماری معروضات کا منشا صرف یہ ہے کہ جیسا کہ مسٹر چھاگلے نے اپنی مشہور

کتاب دستور اساسی ہند کے دوسرے ایڈیشن ۱۹۵۴ء کے صفحہ ۷۵، ۷۶ پر لکھا ہے کہ:

"جب کسی ملک میں کئی ایک مذاہب ہوں تو حکومت کے لیے اسکولوں اور کالجوں میں مذہبی تعلیم دینا بغیر ان اصولوں کی خلاف ورزی کیے ہوئے جو دستور ہند میں دیے گئے ہیں عملاً ناممکن ہے، وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں ان مذاہب میں سے کسی ایک ہی مذہب کی تعلیم دی جا سکتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ دیگر مذاہب کے پیرو حق مساوات سے محروم کر دیے جائیں نیز یہ کہ پبلک فنڈ کسی ایک مذہب کی ترقی و اشاعت کے لیے صرف کیا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بات دستور کی آرٹیکل ۲۸ (۱) کے بھی منافی ہے۔"

اسی طرح ہمارا منشا یہ بھی نہیں ہے کہ ہم ہندستان کی عظیم المرتبت شخصیتوں کی کوئی تنقیص یا توہین کریں۔ ہمارے دلوں میں ان کی بڑی عزت ہے۔ البتہ ہم یہ گوارہ نہیں کر سکتے کہ ہمارے بچوں کے ذہنوں میں ان کی زندگی کی تصویر اس طور پر پیش کی جائے جو انسان پرستی کی راہ پر لے جائے کیونکہ یہ چیز اسلام کے بنیادی عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔

کوئی انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اس کو خدا بنانا یا اس کی طرف خدائی صفات منسوب کرنا اسلام کے خلاف ہے۔

ظفر احمد صدیقی (وکیل)
کنوینر اصلاح نصاب کمیٹی دینی تعلیمی کونسل اترپردیش (لکھنؤ)

جون ــــ ۱۹۶۹ء

شڈول (۱۷)

میں اُن بھگوتی سرسوتی کی پناہ مانگتا ہوں جو سفید کمبل، چاند یا برف کی مانند سفید لباس پہننے والی ... سفید کمبل پر بیٹھی ہوئی، برہما، وشنو، مہیش وغیرہ دیوتا جن کی ہمیشہ بندنا کرتے ہیں جو ہر طرح کی جہالت اور تاریکی دور کرنے والی ہیں۔ (سنسکرت پرویش صفحہ ۱)

میں ایسے شیوجی جو قابل پرستش ہیں اور چاند جن کا زیور ہے اُن کے پوت (گنیش جی) کی بندنا کرتا ہوں۔

(سنسکرت پرویش صفحہ ۱)

کافور کے مانند گورے رنگ والے دریا کے مجسّمے، سنسار کے مالک، دل کے کمل میں رہنے والے پاربتی سہت شنکر بھگوان کی میں بندنا کرتا ہوں۔ (سنسکرت سوبودھنی۔ صفحہ ۱)

حوالہ جات سنسکرت سدھا (ترجمہ)

ہاتھی کی سونڈ کی طرح منہ والے، بھوت پریتوں سے گھرے ہوئے، کیتھے اور جامن کے پھلوں کو سندر مان کر کھانے والے پاروتی کے لڑکے، تکلیف کو مٹانے والے تکلیف و مصیبت پر فتح پانے والے (گنیش جی) کے پاک قدم (قدموں) کو میں سلام کرتا ہوں۔ (سنسکرت سدھا حصّہ اول۔ سبق تعلیم شروع کرنا)

گنگا جمنا، سرسوتی ندیوں کے کارن (سبب) ہی پریاگ کو تیرتھ راج کہا جاتا ہے گنگا ندی کو نمسکار (آداب) گنگا جمنا ندیوں کو پرنام (سلام) گنگا جمنا سرسوتی ندیوں کو پرنام (سلام) بنارس میں گنگا جمنا ندیوں کے کنارے پر اشنان کرنے سے بہت ثواب ہوتا ہے۔ (سنسکرت سدھا حصّہ اوّل سبق دریا بہتا ہے۔ صفحہ ۱۷)

"کھانے کی روز پوجا کرو۔" (سنسکرت سدھا حصّہ اوّل صفحہ ۲۲۔ ایڈیشن ۷۴ء)

تصویر کو دیکھو۔ یہ بھگوتی سرسوتی کی تصویر ہے، عقل دینے والی سرسوتی کو میں سلام کرتا ہوں جس کی مہربانی سے لوگ دیوتاؤں کے برابر ہو جاتے ہیں۔ "اس زبان کی مالکن سرسوتی دیوی کو میں سلام کرتا ہوں۔

(سنسکرت سدھا حصّہ اوّل صفحہ ۵۔ ایڈیشن ۷۴ء)

جو پیدائش، پرورش کرنے والی اور شادی دینے والی ہے، جو دکھ کو دور کرنے والی ہے، جو سب کا بھلا کرنے والی ہے، اس رام کی محبوب سیتا کو میں سلام کرتا ہوں۔ (سنسکرت سُدھا، حصہ اوّل، سبق گھومیش کے مالک رام کو میں سلام کرتا ہوں، صفحہ ۷۰، ایڈیشن ۶۴ء شروع ہوتا ہے)۔

ہمالیہ کے شوہر، نیکیوں کے مالک ... بھوانی کو بیوی بنانے والے پانچ منہ والے شیو جی کو میں باادب سلام کرتا ہوں۔

"اے بھوانی کے شوہر، اے امن، اے کام دیو کے دشمن، اے پوری طرح پورے آپ کے علاوہ دوسرا نہ تو بڑا ہے اور نہ میرے ماننے کے قابل ہے اور نہ پوجا کے قابل ہے۔"

(سنسکرت سُدھا حصہ دوم سبق بندنا (دُعا) صفحہ ا سے شروع ایڈیشن ۶۴ء)

دیوتاؤں کی پوجا دوپہر ہی سے کرنی چاہیئے۔ (سنسکرت سدھا حصہ دوم۔ سبق ہم سو سال زندہ رہیں) صفحہ ۴۰، ۹ء، ایڈیشن ۶۴ء)

"اے کروڑوں سورج کی طرح دمکتے ہوئے (چمکتے ہوئے) موٹے تازے جسم والے اور ٹیڑھے منہ والے بھگوان (گنیش جی) میرے سب کاموں میں ہمیشہ مختلف رکاوٹوں میں کمی کیجیے۔ (سنسکرت سدھا حصہ سوم سبق بندنا صفحہ ا)

"آدمی کی سب مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے سفید پوشاک پہننے والے چاند کی طرح صاف رنگ والے، چار ہاتھوں والے، خوش رہنے والے بھگوان وشنو کا دھیان رکھنا چاہیئے۔" (سنسکرت سدھا حصہ سوم سبق بندنا صفحہ ا سے شروع)

"میں مصیبتوں کا خاتمہ کرنے والے، بھرپور مال و دولت دینے والے اور دنیا میں سب سے خوبصورت رام جی کو بار بار سلام کرتا ہوں"۔ (سنسکرت سدھا حصہ ۲ صفحہ ۲)

خوش کرنے والے گنیش مجھے نیکی دیں، علم دینے والی دیوی سرسوتی میرا بھلا کریں بھلائی کرنے والے بھگوان شیو میرا بھلا کریں۔ (سنسکرت سدھا حصہ ۲ سبق دعا صفحہ ۲)

"پیپل کا درخت، برگد کا درخت ... گنگا، سندھ، سرسوتی، گوداوری یہ سب ندیاں ہمارا بھلا کریں۔ لچھمی ... شراب، چاندنی پھیلانے والے چاند ... کام دھینو گائے، امراوت ہاتھی .... یہ چودہ رتن دنیا میں روزانہ ہمارا بھلا کریں۔ (سنسکرت سدھا حصہ ۲ سبق دعا۔ صفحہ ۳ سے شروع)

کیا آپ نے دیوالی منائی: یمراج بھی اس دن اپنی بہن جمنا کے گھر کھانا کھانے جاتا ہے اس لیے اس دن جمنا میں اشنان کرنے سے موت کے وقت کی تکلیف میں نہیں پھنسنا پڑتا۔ (نیر بھات حصہ ۲ صفحہ ۱۳۲ ایڈیشن ۱۹۶۳ء)

ہماری کام دھینو گائے: یہ ہماری ماتا ہے، اس کی سیوا سے ہم پوتر ہوتے ہیں۔ رگ وید میں گائے کے

بچھڑے تھا بیل کو پتا (باپ) کہا گیا ہے۔ گائے دھرتی ماتا کی بھی ماں ہے، وہ ہماری کام دھینو ہے ہمارے پوجنے کے لائق ہے۔

(ساہتیہ جو تسنا حصہ دوم صفحہ ۸ تا ۱۱۔ ایڈیشن ۶۴ء)

جنم اشٹمی کے دن اگر ہم گائے کی پوجا کریں تو وہ ٹھیک ہی ہے... ندی کی پوجا، تلسی کی پوجا اگر اچھی طرح سوچ سمجھ کر کریں تو اس سے انتر کرنٹر (ضمیر) کو اچھی سے اچھی سکھشا (تعلیم) ملے گی۔

ساون کے مہینے میں بہت سی گائیں بیاتی ہیں۔ اگر گھر کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں کرتگیتا (احسان مندی) کے ساتھ گایوں کے اِدھر اُدھر اچھلنے کودنے اور چرنے والے چھوٹے چھوٹے بچھڑوں کی ہلدی اور روئی سے پوجا کریں تو کتنی محبت پیدا ہوگی۔" (اگریہ گورو برائے ہائی اسکول صفحہ ۴۶۔ ایڈیشن ۶۲ء)

ندی ایشور نہیں ہے، پر ایشور کا اسمیرنٹر (یاد کرانے والی) دیوی ضرور ہے اگر گورو کو سلام کرنا اُچت ہے تو ندی کی بھی بندنا کرنا انصاف ہے۔ (ہندی گدیہ بھارتی برائے ہائی اسکول صفحہ ۲۱-۲۲۔ ایڈیشن ۶۳ء)

شڈول (بی)

تصاویر و توضیحات:

- سورج کی طرف منہ کر کے اور ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا۔ (بیسک ریڈر حصہ ۵ اردو۔ ہندی صفحہ ۱پر)
- گنگا جی کا سورگ سے اتر کر شیو جی کی جٹا میں آنا۔ (بیسک ریڈر حصہ ۵۔ ایڈیشن ۶۳ء صفحہ ۴پر) اور (بیسک ریڈر ہندی حصہ سوم۔ ایڈیشن ۶۳ء صفحہ ۱۹ و ۲۰ پر)۔
- بھارت ماتا دیوی کے روپ میں دکھلائی گئی ہیں۔ (بیسک ریڈر اردو حصہ ۴۔ ایڈیشن ۶۲ء صفحہ ۱پر)
- بھگوان کے مجسمے کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کرتے ہوئے۔ (نو پربھات حصہ اول صفحہ ۱۔ ایڈیشن ۶۳ء)
- بھگوان کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کرتے ہوئے۔ (نو پربھات حصہ دوم۔ صفحہ ۱پر۔ ایڈیشن ۶۳ء)
- شیو جی اور پاربتی جی کی تصویر اور اس کے نیچے عبارت: " دنیا کے ماں باپ پاربتی اور پرمیشور کی میں بندنا کرتا ہوں۔" (نو پربھات۔ حصہ دوم۔ سنسکرت۔ صفحہ ۲)
- تری دیو کا رتیت دیو کے سامنے ظاہر ہونا۔ (نو پربھات۔ حصہ سوم۔ صفحہ ۱۰۔ ایڈیشن ۶۳ء)
- گنگا دیوی کی دیو مالائی شکل اسکے نیچے عبارت: " دیوتاؤں کی مالکہ بھگوتی گنگا۔" (نو پربھات حصہ سوم صفحہ ۲ سنسکرت۔ ایڈیشن ۶۳ء)۔

شڈول (سی)

ہندو دیومالا:

زبان کی تقریباً تمام کتب میں خواہ وہ پرائمری درجات میں ہوں یا جونیئر ہائی اسکول کے لیے حتیٰ کہ ہمارے پوروجوں کے سٹ میں بھی کہانیاں عموماً دیومالائی ہیں۔ تاریخی شخصیتوں کو بھی اس انداز سے پیش کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں ہندو دیومالا کے پرچار کے لیے لکھی گئی ہیں۔ یہ بحث نہیں ہے کہ قصے کہاں تک حقیقت پسندی پر مبنی ہیں یا کس حد تک غیر فطری ہیں۔ ہندو دیومالا کے خلاف کوئی تنقید مقصود نہیں۔ اس سے زیادہ دیومالا خاص ہندو بچوں کو نجی طور پر پڑھائی جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ان دیومالائی قصوں سے نہ تو قومی یکجہتی میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ ملکی ترقی میں۔ برخلاف بچے کی ذہنی ترقی رک جاتی ہے۔ رجعت پسندی اور اوہام پرستی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک طرف بچہ ان دیومالائی قصوں کو پڑھتا ہے۔ دوسری طرف اس کے سامنے سائنس کے تجربات تاریخی مثالیں جغرافیائی حالات اور تحقیق شدہ واقعات ہوتے ہیں تو بچے کا ذہن سخت کش مکش میں مبتلا ہو جاتا ہے یہ بڑی ناانصافی ہے کہ سرکاری اور نیم سرکاری مدد سے ایک مذہب کی دیومالا کی تبلیغ کا ذریعہ بنائے جائیں اور دوسرے مذاہب کے بچوں کے خام ذہنوں میں ان کا اثر سمویا جائے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس طرح کے دیومالائی اسباق کے سلسلے میں جو تصاویر بنی ہیں ان سے متاثر ہوئے بغیر کوئی بچہ رہ نہیں سکتا۔

شری کرشن کی وہ کہانی جس میں انھوں نے ہزار پھن والے ناگ کو ناتھ لیا۔ (بیسک ریڈر اوّل اردو صفحہ ۳۰ ایڈیشن ۷۲ء)

ایک غریب عورت بڑی عقیدت سے گنیش جی کی پوجا کرتی تھی۔ چترودسی کے دن کہیں سے مانگ جانچ کر تھوڑے تل لے آئی۔ اُن کا ہی ایک ٹوٹا پھوٹا سا لڈو بنا کر گنیش جی کو چڑھایا۔ اور بھوکی لیٹ رہی۔ گنیش جی بہت خوش ہوئے انھوں نے آن کر درشن دیئے کچھ دیر کے بعد وے اس سے بولے کہ میں نے آتنا کھا لیا ہے کہ پیٹ پھٹا جاتا ہے پاخانہ کے لیے جگہ بتا۔ اس نے کہا مہاراج! دوسری جگہ کہاں ہے اسی کو پاک کیجئے۔ سویرے اٹھ کر دیکھا گیا تو اس کی جھونپڑی سونے سے بھر گئی تھی۔ پھر اسے دولت کی کمی نہیں ہوئی۔ اور گنیش جی نے اسے مکتی (نجات) دی۔

(ساہتیہ دیپ۔ حصّہ اوّل صفحہ ۷، ایڈیشن ۷۴ء)

شڈول (ڈی)

بندنا، چوپائیاں اور دوہے:

سنسکرت کی عموماً تمام کتابوں کے شروع میں بندنا ہے ان سب میں خالص ہندو مذہب کے عقائد کی ترجمانی ہے کچھ شڈول (اے) میں دیئے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ہندی کتابوں میں زیادہ تر دوہے اور چوپائیاں ہیں جو تمام تر کھڑی بولی میں ہیں۔ دوہے اور چوپائیاں اور ہندی کی دیگر نظموں میں زیادہ تر ہندو مذہب کے بزرگوں کے تذکرے مذہبی و دیو مالائی انداز میں کئے گئے ہیں مختصراً حوالہ جات حسب ذیل ہیں۔

"میں لفظ اور معنی کے علم کے لیے لفظ اور معنی کی طرح ملے ہوئے دنیا کے ماں باپ پاربتی اور پرمیشور کو سلام کرتا ہوں"۔ ... بھوانی کو بیوی بنانے والے، پانچ منہ والے شیوجی کو میں باادب سلام کرتا ہوں"۔

(سنسکرت سدھا حصہ دوم سبق پہلا بندنا) ایڈیشن ۶۴ء منگل لیکھادھا (سنسکرت سبودھنی شروع میں)۔

شڈول (ای)

ہندو کلچر و مذہب:

یوں تو پرائمری درجات سے لے کر اونچے درجات کی کتابوں تک ہندو مذہب و کلچر کا پرچار ہے خصوصیت سے پرائمری اور جونیئر ہائی اسکول کے درجات میں پڑھائی جانے والی اُردو، ہندی اور سنسکرت وغیرہ کی کتابیں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ساری کتابیں ایک مخصوص مذہب کے عقائد کے پرچار کے لیے لکھی گئی ہیں۔ اسباق کے ساتھ جو توضیحی تصاویر دی گئی ہیں۔ نیز اسباق کے نیچے جو سوالات درج ہیں ان سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے سارے حوالہ جات دینا ممکن نہیں۔ چند حوالہ جات دیئے جا رہے ہیں۔

منیوں نے کہا کہ ناٹک تو دیوتاؤں کی آنکھوں کو شانتی عطا کرنے والا سُہاونا یگیہ ہے۔ بھگوان شنکر نے بھی پاربتی کے ساتھ بیاہ کر کے اس ناٹک کو اپنے جسم میں تانڈو لاسی دو حصوں میں بانٹ لیا ہے۔ (چت یوگ صفحہ ۹ ایڈیشن ۶۴ء)

سبق کا سو نمبر: طلبا کو ہدایت اس کہانی کا ناٹک کھیلو۔ (بیسک ریڈر اردو حصہ سوم صفحہ ۲۶ ایڈیشن ۶۴ء)

سبق رامائن کی کہانی: اس کہانی کا ناٹک کھیلو۔ (بیسک اردو ریڈر حصہ سوم صفحہ ۲۲ تا ۲۴، ۶۴ء)

بچو! تم میں سے ایک طالب علم سگریو، ایک ہنومان، ایک رام اور ایک لچھمن بنے پھر تم لوگ اس نظم کا ناٹک کھیلو۔

(بیسک ریڈر اردو چہارم صفحہ ۷۵، ایڈیشن ۶۴ء)

ایک طالب علم پرسرام، ایک رام، ایک لچھمن اور ایک وشوامتر بنے اور مندرجہ بالا گفتگو کا ناٹک کیا جائے۔

(بیسک ریڈر اردو پنجم صفحہ ۷۶، ایڈیشن ۶۴ء)

سبق گنگا کا سورگ سے اترنا (بیسک ریڈر ہندی سوم صفحہ ۱۹ ایڈیشن ۶۳ء)

گنگا اشنان کا پورا بیان (بیسک ریڈر ہندی دوم صفحہ ۱۴۰ ایڈیشن ۶۳ء)

شڈول اے، بی، سی، میں دی ہوئی مثالوں سے ظاہر ہوگا کہ کس طرح ہندو دھرم و تمدن کا پرچار کیا جارہا ہے۔ ہماری کام دھینو (گائے) یہ ہماری ماتا ہے ... اس کی سیوا سے ہم پوتر ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۸) رگ وید میں گئے کے بچھڑے تھا بیل کو پتا (باپ) کہا گیا ہے (صفحہ ۱۰) گلئے دھرتی ماتا کی ماں بھی ہے وہ ہماری کام دھینو ہے۔ ہمارے لیے پوجنے کے لائق ہے۔ (ساہتیہ جوتسنا حصہ دوم صفحہ ۸ تا ۱۱۔ ایڈیشن ۶۴ء)

کرشن سدا ما ملن (نظم) (ارُن مالا سوم صفحہ ۴۲ تا ۴۹۔ ایڈیشن ۶۴ء)

گوچارن، کرشن اور جسودا کے حالات نظم کیے گئے ہیں۔ (ارُن مالا سوم صفحہ ۴، ۱۰ و ۱۰۵، ایڈیشن ۶۴ء)

جب جب لوگوں کے من میں دھرم کی عزت (आस्था) اٹھ جاتی ہے تب تب اس (आस्था) کو قائم (स्थिर) کرنے کے لیے مکت انسان (मुक्त पुरुष) اس سنسار میں اوتار لیتے ہیں... اسی طرح گوپیوں کی شدھ بھگت ([illegible]-आस्था) کے بارے میں جب لوگوں میں غیر اعتمادی (अनास्था) پیدا ہوئی تب گوپیوں میں سے ایک نے شاید رادھا ہوں گی۔ میرا کا اوتار لے کر پریم دھرم کی پھر سے بنیاد ڈالی۔

(گہرپہ گورو برائے ہائی اسکول صفحہ ۴۵۔ ایڈیشن ۶۲ء)

کنیا شالاؤں (نسواں اداروں) میں مختلف طریقوں (अनेक प्रकार) سے کرشن جینتی منائی جاسکے گی۔ گھر کے اندر کی زمین اچھی طرح لیپ کر سفید پتھر کی کنی سے اور ابیر وغیرہ سے چوک پورنے کی ([illegible]) رکھی جاسکے گی۔ لڑکیاں گیت گائیں۔ رہس کھیلیں کرشن جیون کا بیان طرح طرح سے نظم و نثر میں کریں گھر میں کلیوا لا کر سب مل کر کھائیں۔ جنم اشٹمی کے دن ہنڈولہ بندھوا کر لوریاں گائیں اس میں لڑکیوں کی مائیں ضرور حصّہ لیں۔

(گہرپہ گورو برائے ہائی اسکول صفحہ ۴۰، ایڈیشن ۶۲ء)

سوال: ہوشنگ میں درشن اور پرشاد کا کیا طریقہ ہے؛ اس سلسلے میں پوری تفصیل دی گئی ہے کہ کس تیرتھ پر پہلے جانا چاہیے، اس کے بعد کس تیرتھ پر جانا چاہیے یاترا کے آداب بتائے گئے ہیں۔ پرشاد کی تقسیم کی تفصیل بتائی گئی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیو لنگ پر جو پرشاد چڑھایا جاتا ہے وہ محض تفریح سے قبول نہیں کیا جاسکتا۔

(ماڈل پروز سیکشن فلاسفی اسکو صفحہ ۴۲، ۴۳)

(نوٹ): ایسے سبق سے عام طالب علم کے علم و عقل میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا محض ہندو کلچر کا پرچار مقصود ہے۔

شنڈول (الف)

باہمی منافرت:

انگریز نے ہندستان میں اپنی سامراجیت قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے جہاں اور بہت سی تدابیر اختیار کی تھیں وہاں تاریخ کے واقعات کو اس طرح پیش کیا تھا جس سے ہندو اور مسلمان میں منافرت کا جذبہ پیدا ہو ملک میں . . . یک جہتی پیدا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آپس کی منافرت دور کی جاتی ۔ تاریخ کے وہ مضامین جن سے منافرت پیدا ہوتی ہے نہ لکھے جاتے مگر اس معاملہ میں سخت بد احتیاطی سے کام لیا گیا ہے ۔ تاریخ کی کتابوں نیز دیگر کتابوں (ہمارے پورو ج وغیرہ) میں مسلمانوں اور مسلمان حکمرانوں کے بارے میں جو واقعات لکھے گئے ہیں ان سے سخت منافرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے ۔ آج نوجوان طلبہ اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں میں منافرت کا جذبہ اتنا بڑھ گیا ہے جس سے پورے ملک کا امن و امان خطرے میں پڑ گیا ہے ۔ ملاحظہ کے لیے اقتباسات حسب ذیل ہیں:

"دلی کے سلطانوں میں کچھ باتیں ایسی ہیں جو عام طور پر برابر چلتی رہیں ۔ جیسے ہندوؤں کو اونچے عہدے نہ دینا، مندروں کو نشٹ بھرشٹ کرنا اور ہندوؤں سے جزیہ وصول کرنا۔" (ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۳۲ ، ایڈیشن ۶۷ء)

(مصنف رام چرن ودیارتھی)

نوٹ: دلی کے سلطانوں کی خوبیوں پر پردہ ڈالا گیا ہے اور برائیاں منسوب کی گئی ہیں: "مندروں کو نشٹ بھرشٹ کرکے محمود غزنوی نے سدا کے لیے تمام ہندوؤں کے دل میں اسلام کے لیے نفرت کے جذبات پیدا کر دیے۔"

(ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۵ ایڈیشن ۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

نوٹ: عبارت بالا پڑھنے کے بعد قومی یک جہتی کا کوئی امکان نہیں رہتا بلکہ نفرت اور عداوت کے جذبات ابھرتے ہیں۔

"قطب الدین ایبک اور التمش نے سینکڑوں مندروں کو تڑوا کر ان کے پتھروں سے مسجدیں بنوائیں۔"

(ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۳۵ ۔ ایڈیشن ۶۶ء) مصنف رام چرن ودیارتھی

…نے دوآبے کے ہندوؤں کو بڑی بے رحمی سے دبایا۔ آٹھ سال سے زیادہ عمر کے مردوں کو مروا ڈالا اور

عورتوں کو لونڈی بننے کے لیے مجبور کیا۔" (ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۱۰۱، ایڈیشن ۱۹۹۰ء) **مصنف رام چرن ودیارتھی**

"ہندوؤں کو مسلمان بنانے اور شیعہ مسلمانوں کو کچلنے کی پالیسی نے اس (فیروز تغلق) کو بدنام کیا۔"

(ہمارا اتہاس حصہ دوم صفحہ ۱۰۱، ایڈیشن ۱۹۶۶ء) **مصنف رام چرن ودیارتھی**

• اورنگ زیب نے ... ایک پکے سنی مسلمان کے روپ میں راج کرنا چاہا۔ جب اسے موقع ملا تو وہ غیر سنیوں جیسے ہندوؤں، شیعہ و صوفی مسلمانوں کے خلاف قدم اٹھانے میں نہ چوکا ۱۶۶۹ء میں اورنگ زیب نے حکم دیا کہ ہندوؤں کے مندروں کو گرا دیا جائے۔ ان کی تعلیمات ان کے رسم و رواجوں کو مٹایا جائے۔ ہندوؤں کو سرکاری نوکریوں سے محروم کرنا شروع کیا اور مسلمان بننے کے لیے انھیں اونچے عہدے دینے کے لالچ دیئے۔"

(ہمارا اتہاس دوم صفحہ ۱۰۱ ایڈیشن ۲۰۰۰ء) **مصنف رام چرن ودیارتھی**

• گرو تیغ بہادر نے اورنگ زیب کے مذہبی مظالم سے تنگ آکر بادشاہ کی مخالفت کی۔ ان سے مسلمان ہونے یا سر دینے کے لیے کہا گیا۔ گرو جی نے سر دے دیا مگر دھرم نہیں دیا۔

(ہمارا اتہاس دوم صفحہ ۱۰۴، ایڈیشن ۱۹۶۶ء) **مصنف رام چرن ودیارتھی**

• اس وقت دلی کے بادشاہ سے لڑائی (یدھ) کرنا نہیں چاہتے لیکن ایک راجپوت کماری کا ایک ہندو کنیا کی عزت ([illegible]) کی رکشا (حفاظت) کا سوال ہے۔ آج ہی صبح روپ نگر کی ... کا ایک پتر (خط) لے کر ایک روپ نگر سے دوت (نامہ بر) آیا ہے۔ راجکماری نے لکھا ہے ... دلی کا بادشاہ اورنگ زیب مجھ سے بیاہ کرنے آرہا ہے لیکن وہ میرا استھی مال (अभिमान) ہی پا سکیں گے۔ (نوبھارت سوم صفحہ ۵۳ ایڈیشن ۱۹۹۳ء)

نوٹ: اورنگ زیب کے خلاف اس سے بڑا بہتان نہیں ہو سکتا۔

سبق پرتھوی راج کی آنکھ، پرتھوی راج کے قید کی حالت میں طرح طرح کے مظالم کی داستان

پرتھوی راج کی آنکھیں نکالنا:

"دو گرم سوجے میری آنکھوں کے سامنے لائے گئے۔ مجھے ان کی گرمی دھیرے دھیرے پاس آتی ہوئی جان پڑی ... ایک لمحہ میں انھوں نے گرم سوجوں سے میری پلکوں کو چھید ڈالا۔ میری پتلیوں کو جلا کر ...

(دگدرشن بھارت صفحہ ۳۹ تا ۴۴ ایڈیشن ۱۹۹۳ء)

نوٹ: ایسے واقعات لکھنے کے بعد قومی ایکجہتی کی امید کرنا محض خام خیالی ہے۔ لکھنے والا مستند مورخ بھی نہیں ہے اور نہ کسی مستند تاریخی کتاب کا حوالہ ہے تو بھلا اس سے مغل لوگ یا کوئی بھی کیسے ڈرنے لگے۔ اس لیے ہم پر

آگھات پر آگھات (مظالم پر مظالم) ہوئے"۔ (اگنی پرکشا، صفحہ ۳۹ تا ۴۴۔ ایڈیشن ۶۴ء)

"پرتھوی راج کی آنکھوں میں محمد غوری نے نمک بھروادیا"۔ (اگنی پرکشا، صفحہ ۵۲)

شڈول (جی)

سنسکرت کے ذریعہ ہندو دیومالا، ہندو مذہب اور کلچر کی تعلیم :

گورنمنٹ آف انڈیا نے متعدد بار یہ بات واضح کردی ہے کہ سہ لسانی فارمولے میں سنسکرت نہیں آتی۔ سنسکرت کلاسیکل زبان ہے، اس کا شمار جدید زبان میں نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا سنسکرت سہ لسانی فارمولے میں شامل نہ کی جاوے۔ تیسری زبان میں اردو یا کوئی اور زبان پڑھائی جاوے۔ اس قسم کے اعلانات نیشنل ہیرالڈ اور دوسرے اخبارات میں بار بار شائع ہو چکے ہیں۔ قومی آواز مورخہ ۷ / اپریل ۶۲ء صفحہ ۱ پر یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ کلاسیکل زبان کو جدید زبان کا بدل نہ بنایا جاوے۔ آخری بار گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے جو ہدایات جاری ہوئی ہیں۔ وہ نیشنل ہیرالڈ مورخہ یکم جولائی ۶۴ء اور قومی آواز مورخہ ۲ / جولائی ۶۴ء میں شائع ہوئی ہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے یہ اعلان کیا ہے کہ مرکز نے ہندی بولنے والی ریاستوں کی یہ تجویز مسترد کردی ہے کہ سنسکرت کو سہ لسانی فارمولے میں تیسری زبان کی حیثیت دی جائے۔

ان سب اعلانات کے باوجود، یو پی گورنمنٹ سنسکرت زبان کو سہ لسانی فارمولے میں شامل رکھنے پر مصر ہے دنیا کو دکھانے کے لیے سہ لسانی فارمولے میں اردو کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ مگر سارے منظور شدہ اسکولوں اور کالجوں میں سنسکرت ہی پڑھائی جاتی ہے۔ چند گورنمنٹ اور اسلامیہ اسکولوں کو چھوڑ کر عام طور پر جونیر ہائی اسکولس اور ہائی اسکولس میں اردو پڑھائی جانے کا کوئی بھی بندوبست نہیں ہے۔ طلبا مجبور کیے جاتے ہیں کہ وہ سنسکرت پڑھیں۔ یو۔ پی گورنمنٹ اور شعبۂ تعلیم کی طرف سے رسمی ہدایات جاری ہوتی ہیں۔ مگر ان نام نہاد ہدایات پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ اس سلسلے کی ساری ہدایات ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جاتی ہیں۔ ان اسکولوں اور کالجوں سے کوئی بازپرس نہیں ہوتی جو اردو کی تعلیم کا بندوبست نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عملاً یو پی میں سنسکرت کی حیثیت اختیاری مضمون کی نہیں بلکہ لازمی مضمون کی ہوگئی ہے اس کے علاوہ ہندی مضمون کے ساتھ سنسکرت شامل کردی گئی ہے جو لازمی طور پر ہر طالب علم کو پڑھنا پڑتا ہے۔ سنسکرت کی جو کتابیں کورس میں داخل ہیں اور سنسکرت کے جو مضامین ہندی لٹریچر کی کتابوں میں شامل ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ سنسکرت کی آڑ لیکر خالص ہندو مذہب، ہندو کلچر، اور ہندو دیومالا کی تعلیم مقصود ہے جو

دستورِ ہند میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کے بالکل خلاف ہے۔ سنسکرت کی منظور شدہ کتابوں کے اقتباس شڈول اے، سی، ڈی میں دیئے جاچکے ہیں۔ صرف چند نمونے نیچے دیئے جاتے ہیں۔

سنسکرت کی کتابیں عموماً بندنا سے شروع ہوتی ہیں۔ مختلف مذاہب کی عبادت اور دعا کے طریقے الگ الگ ہیں۔ دعاؤں کا تعلق اکثر مذہب کے بنیادی عقائد سے ہوتا ہے۔ سنسکرت کی منظور شدہ کتابوں یعنی سنسکرت سدھا" سنسکرت پرویش اور سنسکرت سوبودھنی میں جو بندنائیں ہیں وہ سب ہندو مذہب کے عقائد کی ترجمانی کرتی ہیں مثالیں شڈول ڈی (D) میں دی جاچکی ہیں۔ نمونے کے طور پر کچھ کا ترجمہ مختصراً دیا جارہا ہے:

"پیپل کا درخت، برگد کا درخت، چندن کے درخت مادر اور کلپدرم نام کے درخت، جامن، نیم، کدم وغیرہ سیدھے بڑھنے والے درخت اور دودھ والے درخت اور سورگ (بہشت) میں خوبصورت سجے ہوئے چنت پرتھ ۔۔۔۔ اور نندن بن نام کے باغیچہ میں ہونے والے دیگر قسم کے دیو درخت، یہ سب درخت ہمارا کلیان (بھلا) کریں۔ گنگا، سندھ، سرسوتی گوداوری، نربدا، کاویری، سرجو، برہم پتر، چمبل، بیتوا، مہاندی وغیرہ پانی سے بھرے ہوئے سمندر وغیرہ یہ سب ندیاں ہمارا کلیان (بھلا) کریں۔ پدمی، جواہر، منتری، کلپ درخت، شراب، دھن ونتر، چاند، کام دھین گائے اراوت ہاتھی، اپسرا وغیرہ۔ سات منھ والا اُچے شرواگھوڑا، وشنو کا دھنش، سنگھ زہر اور امرت یہ چودہ رتن دنیا میں روزانہ ہمارا بھلا کریں۔" (سنسکرت شُبھ ابھیگ ۳ منگل دُعا صفحہ ۳ ایڈیشن ۶۴ء)

ایسی دعائیں پڑھنے کے بعد مسلمان بچہ صحیح اسلامی عقائد پر کیسے قائم رہ سکے گا۔ سنسکرت مخصوص ہندو مذہب کی قدیم زبان ہے۔ سنسکرت کی کتابوں میں زیادہ اسباق ہندو مذہب اور اس کے مخصوص کلچر سے بھرے ہوئے ہیں۔

سبق منی سندھیا کرتا ہے:

(ترجمہ) یہ جگہ پوجا کرنے کی جگہ ہے۔ یہاں سب طرف پوجا کرنے کے سامان کی خوشبو پھیل رہی ہے ایک منی سندھیا کر رہا ہے۔ دو منی پھول لاتے ہیں۔ تین منی شاستر کی چرچا کرتے ہیں۔"

(سنسکرت سدھا حصہ اول صفحہ ۱۳)

(ترجمہ) بنارس میں گنگا اور دوسری ندیوں کے کنارے غسل کرنے سے بہت ثواب ہوتا ہے۔"

(سنسکرت سدھا حصہ اوّل صفحہ ۱۷، ایڈیشن ۶۶ء)

(ترجمہ) کھانے کی روز پوجا کرو۔" (سنسکرت سدھا حصہ اوّل صفحہ ۲۴، ایڈیشن ۶۴ء)

(ترجمہ) بالوں کو سجانا۔ آنکھوں میں انجن ڈالنا، دانتوں کا دھونا اور دیوتاؤں کی پوجا دوپہری سے کرنا چاہیئے۔"
(سنسکرت سدھا حصہ دوم صفحہ ۳۰، ۲۹ ایڈیشن ۶۴ء)

بندنا: خلاصہ ترجمہ:

قابل ستائش دیوؤں میں کلپ درخت کے مانند شیوجی کو خوش کرنے والے گنیش جی کو میں پرنام کرتا ہوں جو سرسوتی دیوی کنڈ چاند برف (तुषार) جیسی صاف (स्वच्छ) عمدہ مالا کو پہنتی ہے جو سفید کپڑے پہنتی ہے جس کے ہاتھ میں خوبصورت بین باجہ رہتا ہے۔ جو شویت پدم (श्वेत पद्म) کے آسن پر بیٹھتی ہے جو برہما، بشنو، مہیش وغیرہ دیوتاؤں سے ہمیشہ بندنا کی جاتی ہے اور جو بیوقوفی کو دور کرتی ہے وہ میری رکھشا کریں۔" (سنسکرت پروشیکا درجہ ۹ اور ۱۰ کے لیے سبق ۱ بندنا صفحہ ۱ ایڈیشن ۶۴ء)

مطلب:

ایک ہاتھ میں باجہ بجانے والا ہوتا ہے اور دوسرے ہاتھ میں مالا جپتی ہوئی ہنس کی پیٹھ پر بیٹھی ہوئی اس سرسوتی کو سلام کرتا ہوں جس کی مہربانی سے گونگے بولنے لگتے ہیں، لنگڑے درست ہو جاتے ہیں جو پہاڑوں کو پار کر لیتے ہیں۔ اس بڑے معبود وشنو کو میں آداب بجا کر سر جھکاتا ہوں۔

(سنسکرت پرچے سبق بندنا برائے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ)

مطلب:

اس کھیت کے دیوتا کی میں نے کبھی پوجا نہیں کی اس وجہ سے میرا یہ کاشتکاری کا کام خراب ہو رہا ہے۔ اس لیے میں آج اس کی پوجا کروں گا۔ ایسا خیال کر کے کہیں سے دودھ منگا کر سکورے میں رکھ کر بانبی کے قریب جا کر بولا اے چھترپال میں نے آج تک نہیں سمجھا کہ آپ یہاں رہتے ہیں۔ اسلیے پوجا نہیں کی، آپ معاف کریں۔ ایسا کہہ کر اور دودھ چڑھا کر چلا گیا۔ صبح جب آیا تو ایک اشرفی سکورے میں رکھی دیکھی۔ (سنسکرت بودھ منجری سبق لوبھ ناسکا دن صفحہ ۸ ایڈیشن ۶۴ء)

"جن کے تمام جاندار خادم ہیں کیتھ اور جامن کے پھلوں کے کھانے والے، غم کو دور کرنے والے اور تمام آلام کو رفع کرنے والے اُما (پاربتی) کے لڑکے گنیش جی کے قدموں کے سامنے میں جھکتا ہوں۔" (سنسکرت سوربھم حصہ اوّل ۶۵ء ایڈیشن برائے درجہ ششم صفحہ ۱)

"سفید رنگ والی۔ برہما کو ہمیشہ دل میں رکھنے والی ابتدائے آفرینش سے ہی دنیا میں سموئی ہوئی بین (ایک باجا) اور کتاب لیے ہوئے۔ کمل کے پھول پر بیٹھی ہوئی۔ بے خوفی عطا کرنے والی۔ جہالت کی تاریکی (کم عقلی) کو دور کرنے والی، ہاتھ میں موتیوں کا مالا لینے والی اور عقل دینے والی

اس پرمیشوری دیوی کے آگے میں جھکتا ہوں: (سنسکرت سوربھ حصّہ اول ایڈیشن ۱۹۶۵ صفو ا برائے درجہ ششم)

• جن کا نازک جسم نیلے کمل کے مانند کالا ہے۔ جن کے بائیں حصّہ میں سیتا جی زینت بخش ہیں اور جن کے ہاتھ میں بڑا اور خوبصورت دھنش اور تیر ہے۔ ایسے رگھو کے خاندان کے مالک رام کے آگے میں جھکتا ہوں:

(دسرتھ کے صاحبزادے رام رگھو کے خاندان سے تھا۔) (سنسکرت سوربھ حصّہ اول ۶۵ ایڈیشن صفو ا برائے درجہ ششم)

• گنیش جی کے سامنے جھک کر تسلیم ہے۔ اور دیوی کا استقبال ہے:

(سنسکرت سوربھ حصّہ اوّل ایڈیشن ۶۵ صفو ۱۴ سبق ۹ برائے درجہ ششم)

• گائے دنیا کی ماں ہے۔ گائیں میرے آگے ہوں اور گائیں میرے پیچھے ہوں اور گائیں میرے بغل میں ہوں اور گایوں کے بیچ میں رہوں یہی میری خواہش ہے۔

(سنسکرت سوربھ حصّہ اوّل ایڈیشن ۶۵ صفو ۵ سبق ۴ برائے درجہ ششم)

• اس دن آدمی لکشمی (دولت) کی پوجا کرتے ہیں اور چراغوں کی قطاریں جلاتے ہیں:

(سنسکرت سوربھ حصّہ اوّل ایڈیشن ۶۵ صفو ۳۴ سبق ۲۲ برائے درجہ ششم)

• کافور کی مانند سفید جسم والے۔ مجسم رحم۔ عالم کے ماحصل۔ سانپوں کے راجہ۔ سانپ کا ہار پہنے والے۔ دل میں سکونت کرنے والے شیو اور ان کی بیوی پاربتی سمیت کے سامنے جھکتا ہوں:

(سنسکرت سوربھ حصّہ دوم ایڈیشن ۶۵ صفو ا سبق ا برائے درجہ ہفتم)

• کمل کے مانند ہاتھوں سے کمل کے مانند پیروں کو کمل کے مانند منھ میں ڈالنے والے نیز دنیا جو کہ برگد کے پتّے کے مانند ہے پر بیٹھنے والے بھگوان بال مکند کو دل سے یاد کرتا ہوں:

(سنسکرت سوربھ حصّہ دوم ایڈیشن ۶۵ صفو ا سبق ا درجہ ہفتم)

• یہ پاربتی اور لکشمی کا مکالمہ تم سب کی حفاظت کرے:

(سنسکرت سوربھ حصّہ دوم ایڈیشن ۶۵ صفو ۰ سبق ۰ برائے درجہ ہفتم)

• جو دیوی جانداروں میں طاقت کی صورت سے موجود ہے اسے بار بار جھک کر سلام ہے:

(سنسکرت سوربھ حصّہ دوم ایڈیشن ۶۵ صفو ۴۵ سبق ۱۵ برائے درجہ ہفتم)

• جیسے تینتس کروڑ دیوتا دنیا کے ذریعہ پوجے جاتے ہیں ویسے ہی یہ ان دونوں بدھوں (ماں، باپ)

کی پوجا کرتا ہوں"۔ (سنسکرت سورہم حصہ سوم اڈیشن ۸۵ء صفحہ ۶، برائے درجہ ہشتم)

"گرو برہم ہے۔ گرو وشنو ہے۔ گرو شنکر دیوتا ہے۔ گرو ساکھشت ویر برہم (साक्षात्परब्रह्म) ان گرووں کے لیے بندنا ہے۔

"کافور کی طرح سفید رنگ، گرونشرا کے اوتار۔ دنیا کے حسن کا خلاصہ (सार सम)، تمام سانپوں کے ہار کو پہننے والے۔ ہمیشہ کمل کے دل میں بسنے والے معہ پاربتی شنکر جی کی بندنا کرتا ہوں"۔ (نوبھارتی صفحہ ۱۹۳)

سنسکرت کی ابتدا بندنا سے ہوتی ہے بندنا کے دوسرے شعر کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"جو برہما، وشنو، شنکر وغیرہ کے ذریعہ قابل پرستش ہے وہ سرسوتی دیوی لاعلمی کو نشٹ کرنے والی میری حفاظت کرے"۔ (نوبھارتی بھاگ ۲ صفحہ ۲۲۹ اڈیشن ۶۷ء)

کتاب میں عموماً اکثریتی فرقہ کے افراد کی کہانیاں ان کی عظمت اور نیکی کے تذکرے ہیں لیکن اگر کہیں کسی مسلمان حکمراں یا اہم شخصیت کا تذکرہ کیا گیا ہے تو اس سے اس شخص کی بڑائی نہیں بلکہ منافرت کا جذبۂ عناد مقصود ہوتا ہے۔ جسکی مثال کتاب جلد ۲ کے سبق ۱۶ میں ابراہیم گاردی اور احمد شاہ ابدالی کی گفتگو کی تفصیل ہے۔ یہ گفتگو بالکل غیر مصدقہ ہے۔ کسی تاریخی کتاب سے ثابت نہیں کی جاسکتی۔ گفتگو کا طرز اور اس کے الفاظ سے ایک مسلم حکمراں کے خلاف نفرت انگیز جذبات پیدا کرنا مقصود ہیں۔

سنسکرت مثل دیگر ہندی زبان کی دوسری کتب کے اس کتاب کا بھی لازمی جزو ہے۔

سنسکرت کے حصہ کی ابتدا حسب معمول بندنا سے ہوتی ہے جس میں کرشن جی کو خداوندی صفات کا حامل دکھا کر سر جھکا کر ان کو تعظیم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

●●

جناب حبیب اللہ اعظمی
لکھنؤ ایم۔ اے۔ بی ٹی

یوپی کے اسکولوں کے نصاب میں داخل تاریخ و سماجیات کی کتابوں کا

قومی یکجہتی کے نقطۂ نظر سے جائزہ

آج ہندستان میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور غم و غصہ بھڑکانے کا کام جہاں ہندو فرقہ وارانہ سیاسی پارٹیاں زور و شور سے کر رہی ہیں، وہیں اسکول میں پڑھائی جانے والی نصابی کتابوں خاص کر سماجی مضامین اور تاریخ کی کتابوں میں تاریخی واقعات کو مسخ کر کے ہندو مسلم رنگ میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے۔ گویا مسلم بادشاہوں کی سلطنت کا قیام اور توسیع سلطنت اور راج پاٹ حاصل کرنے کی جد و جہد نہ تھی بلکہ ایک ہندو مسلم جنگ تھی۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ترک سلطانوں اور مغل بادشاہوں کے دور میں سپاہی سے لے کر بڑے عہدیداران، وزیر اور کمانڈر تک ہندو عہدیدار اسی طرح موجود تھے جس طرح رانا پرتاپ اور شیواجی کی فوج اور وزارت میں مسلم افسران۔ اس دور میں سلطنت کی توسیع میں مسلم بادشاہ کسی مسلم سلطنت کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے سے باز نہیں آتا تھا، اور نہ ہندو راجہ کسی ہندو راج پر قبضہ کرنے میں پیچھے رہتا تھا۔ اور ہندو مسلم عوام دونوں رعایا میں شمار ہوتے تھے۔ اور ان کا حال ایک جیسا تھا۔ اور کبھی بھی ان کے میل ملاپ اور بھائی چارگی میں بھید بھاؤ نہیں پیدا ہوا۔

مغل سلطنت کے کمزور پڑ جانے کے بعد انگریزوں کا اقتدار بڑھا اور آخر کار انھوں نے ہندستان پر اپنی سلطنت کا جھنڈا لہرا دیا۔ اور اس سلطنت کو قائم اور برقرار رکھنے کے لیے انھوں نے تاریخ کے واقعات کو اس طرح پیش کیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں منافرت کا جذبہ پیدا ہو، اور انگریزی دور حکومت میں جب بھی ہندو مسلم یکجہتی پیدا ہوئی، انھوں نے اس کو ختم کرنے کے لیے جہاں بہت سے ہتھکنڈے اپنائے وہاں تاریخی واقعات کو مسخ کر کے اس طرح نصابی کتابوں اور تاریخ میں پیش کر دیا گویا ہندو، مسلمان ایک قوم نہ ہو کر ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔

یہی نہیں انھوں نے تاریخ کو ہندو دور اور مسلم دور کا رنگ دے کر دونوں فرقوں میں دوری پیدا کی

اور اپنے دور کو انہوں نے عیسائی دور نہیں کہا بلکہ اسے اپنے قومی نام انگریزی دور کا نام دیا گویا اگر انگریز نہ ہوں تو ہندو اور مسلمان امن و چین سے رہ نہیں سکتے۔

۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد ہمارے رہنماؤں نے ہندوستان کو ایک جمہوری اور سیکولر دستور دیا کہ ملک میں یکجہتی اور اتحاد پیدا ہو مگر افسوس ہے کہ آزاد ہندوستان کے متعصب اور ہندوستان کو صرف ہندو راج بنانے کا خیال رکھنے والے تاریخ دانوں نے انگریز کے پھیلائے ہوئے اس زہر کو سماجی مضامین اور تاریخ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور ملک میں بجائے ہندو مسلم بھائی چارگی، محبت اور میل ملاپ کے نفرت و تعصب کی آگ کو روشن رکھا۔ کہتے ہیں کہ اگر نئی نسلوں کو نفرت اور تعصب کا سبق پڑھایا گیا تو وہ کسی ایک جگہ نہیں رکتا، اور آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مذہب ہونے کے باوجود پنجاب میں سکھ اور ہندو، تری پورہ میں قبائلی اور غیر قبائلی آسام میں آسامی اور غیر آسامی، دارجلنگ میں نیپالی اور غیر نیپالی کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ اب بھی اگر ہمارے مورخین کو ہوش آجائے اور نصابی کتابوں خاص کر تاریخ کی کتابوں سے ایسے واقعات نکال دیں جو صرف نفرت پیدا کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں اور صحیح سیاق و سباق میں نہیں تحریر کئے گئے ہیں تو ملک کو برباد ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔

یہاں اتر پردیش میں درجہ ۳ سے درجہ ۱۲ تک پڑھائی جانے والی تاریخ کی کتابوں کے اقتباسات ملاحظہ کے لیے پیش ہیں جن سے نوجوان طلباء اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں میں نفرت کا جذبہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ پورے ملک کا امن و امان خطرے میں ہے۔

کتاب کا نام :۔ "ہماری دنیا، ہمارا سماج"۔ حصہ اوّل۔ برائے درجہ چہارم۔ ناشر :۔ محکمۂ تعلیم اتر پردیش۔ ایڈیشن ۱۹۸۶ء۔ سبق :۱۲۔ "راماین کی کہانی" صفحہ ۶۵ سے ۷۱ تک۔

سبق ۱۲۔ صفحہ ۱۱۱ پیراگراف ۱ سطر ۳ تا ۷ : "سکھوں کے نویں گرو تیغ بہادر کو جب اورنگ زیب نے اسلام دھرم نہ اختیار کرنے پر قید کر لیا اور انھیں سزائے موت دی تب لڑائی اور بڑھ گئی۔"

یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے گرو تیغ بہادر نے پنجاب میں سکھ حکومت قائم کرنے کے لئے بغاوت کی تھی اور باغی کی سزا جو اس زمانہ میں رائج تھی وہ اورنگ زیب نے دی، اور اس نے کبھی بھی کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ اس غلط بیانی سے قومی یکجہتی کو نقصان پہنچے گا اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا ہوگی۔

کتاب کا نام :۔ "ہماری دنیا ہمارا سماج"۔ حصہ سوم۔ برائے درجہ پنجم، ایڈیشن ۱۹۸۶ء۔ باب ۶ سبق۔

آزادی کی پہلی جنگ۔ صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۶

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں مسلمانوں کے نام کو نظرانداز کیا گیا ہے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی، بیگم حضرت محل، مولوی احمد شاہ اور مولوی عظیم اللہ اور اس طرح کے بہت سے نام اس سبق میں جوڑنا چاہیئے۔

باب: ۸ : سوتنترتا پرابتی مہاتما گاندھی : "۱۹۲۲ء کے اسہیوگ آندولن (تحریک ترک موالات) میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی (علی برادرس) کے نام کے بغیر اس تحریک کا ذکر ادھورا اور ناکمل ہے۔ علی برادرس ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔ ان کا ذکر نہ کرنا بڑی تنگ نظری ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ علی برادرس ہندو مسلم اتحاد کا نشان (SYMBOL) تھے۔ اسی طرح بھگت سنگھ اور چندر شیکھر آزاد کے نام کے ساتھ شہید اشفاق اللہ کا نام بھی آنا چاہیئے۔ اس سے قومی یکجہتی کو فروغ حاصل ہوگا۔"

کتاب کا نام :- ہمارا اتہاس، حصہ دوم، برائے درجہ ۷۔ ناشر :- شعبہ تعلیم اترپردیش، ایڈیشن ۱۹۸۴ء

یہ کتاب بہت اچھی اسپرٹ میں لکھی گئی ہے۔ اس سے قومی اتحاد میں مدد ملے گی۔ اس کتاب میں تاریخ کو صحیح ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ صرف درج ذیل جملے اورنگ زیب پر الزام ہیں۔

باب ۱۷: ص ۱۵۳ تا ۱۵۴ دوسری سطر: "اس کے شاشن کال (اورنگ زیب کے دور حکومت) کی ایک خصوصیت (خاص خوبی) یہ ہے کہ جہاں ایک طرف مندروں کو دھوست (منہدم) کیا گیا، وہاں کچھ استھانوں (جگہوں) کے برہمنوں اور پروہتوں کو سمراٹ (بادشاہ) کے دوارا (ذریعہ) زمین دی گئی۔"

نوٹ: اورنگ زیب اسلام مذہب کا پکا ماننے والا تھا۔ وہ مندروں یا کسی بھی عبادت گاہ کو توڑنا اسلام مذہب کے خلاف سمجھتا تھا۔

ص ۱۲، پیراگراف ۲۔ سطر ۲ سے ۴: "ہندوؤں کو صرف چھوٹے عہدوں پر رکھا جاتا تھا۔"

نوٹ :- یہ قطعی غلط ہے۔ اس جملہ سے آپس میں نفرت بڑھے گی۔

باب ۱۲۔ ص ۱۳۹۔ پیراگراف ۲۔ سطر ۹، ۱۰ :- "اگرچہ کچھ مسلمان بھارت سے پاکستان چلے گئے مگر پاکستان سے بھارت آنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔" ———

نوٹ :- پاکستان سے ہندوستان آنے والوں اور ہندوستان سے پاکستان جانے والوں کا مقابلہ بے معنی ہے۔ اس سے منافرت کا جذبہ پیدا ہوگا جو قومی ایکتا کے خلاف ہے۔

کتاب کا نام :- ہائی اسکول اتیہاس۔ حصہ اوّل۔ برائے درجہ ۹ اور ۱۰۔ ناشر :- شعبۂ تعلیم اتر پردیش،
ایڈیشن :- ۸۷ - ۱۹۸۶ء

باب : ۱۲ : تیمور کا آکرمن (حملہ) ص ۲۵۶ آخری پیراگراف : "پندرہ دن تک دلی میں لوٹ پاٹ تھا (اور) قتل عام ہوتا رہا۔ جنتا میں ہاہا کار مچ گیا۔ ایک لاکھ ہندو قیدی مار دیے گئے۔"

نوٹ : تیمور نے دلی میں جو قتل عام کرایا تھا۔ اس میں ہندو مسلم میں اس نے کوئی فرق نہیں کیا۔

ص : ۲۵۷ پیراگراف - ۱ : "وہ (تیمور) بہت سے سامان اپنے ساتھ لے کر واپسی میں میرٹھ تھا (اور) ہردوار کے مندروں تھا مورتیوں کو توڑتا ہوا واپس لوٹ پڑا۔ جموں کے ہندو راجہ پر آکرمن (حملہ) کیا۔ راجہ پراجت ہوا اور اسکو مسلمان بنانے کے لیے وِوَش کیا۔"

نوٹ : کیا اس سے ہندو مسلمان کے درمیان نفرت نہیں پیدا ہوگی۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا یہ تاریخی اعتبار سے سچ ہے؟

باب : ۱۲ : ص : ۲۷۰ دھارمک اسہشنُتا کی نیتی (مذہبی تنگ نظری) : "ادھک تر (زیادہ) سلطانوں نے ہندوؤں پر اتیاچار (ظلم) کیے تھے۔ مورتیوں اور مندروں کو توڑا۔ اس سے ہندو سلطنت کے سامنے جھکتے گئے۔"

باب : ۱۳ : ص ۲۷۲ تیسرا پیراگراف : "اسلام دھرم او لمبی (اسلام مذہب کو ماننے والے) نے کفر کو مٹا کر بھارت کو دار الحرب سے دار الاسلام میں پریورتن کرنا اپنا لکچھ (مقصد) سمجھا۔ شاسک ورگ دوارا (حکمراں طبقہ کے ذریعے) سنکیرن (تنگ نظر) بھاؤناؤں کا پرورش تھا شاشوت (رعایا) کا دھرم۔ سماجک اور آرتھک اتپیڑن کیا گیا (سماجی و معاشی بربادی کی گئی)۔"

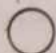
باب : ۱۲ : ص ۲۷۶ - ۲۷۷ ھندو سماج : "راج کی بہوسنکھیک (اکثریت) جنتا ہندو تھی لیکن مسلمان ورگ شاسکوں دوارا پوشت ورگ تھا۔ (تحفظ یافتہ طبقہ تھا) وِشیش روپ سے (خاص طور سے) فیروز تغلق اور سکندر لودی کے شاسن کال کا ورن (حال) السحاں السعاں پر دھرم سنکوِنتا (تنگ دلی) کا پریچے دیتا ہے۔ مسلمانوں کے ڈر سے الپ آیو (کم عمری) میں لڑکیوں کے وواہ، جوہر پردا، جادو ٹونا، اندھ وشواش آدی پرتھا پرچلت ہو گئیں۔"

باب : ۱۳ : ص ۲۷۷ - دوسرا پیراگراف : "دلی سلطنت کا شاسن ہندو جنتا کے پرتی اتیاچار پورن تھا۔ (دلی سلطانوں کا دور حکومت ہندو عوام کیلئے ظلم سے بھرا ہوا تھا)۔

باب : ۱۲ : ص ۲۸۳ - چوتھا پیراگراف : "بھارت میں اسلام دھرم کا پرچار اس کے سدھانتوں کی سرلتا کے کارن (اصولوں کے آسان ہونے کی وجہ سے) اتنا نہیں ہوا جتنا تلوار کے بھئے سے (ڈر سے) ہوا۔"

نوٹ :- اس سے بڑھ کر تاریخی جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں اسلام صوفیا کرام کے دم خم سے

پھیلا۔ یہ خالص منافرت پیدا کرنے والی ذہنیت ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔



کتاب کا نام :۔ بھارت ورش کا سمپورن اتہاس۔ بھاگ :۔ ۱۔ برائے (XI اور XII) ازنو ٹیڈوش پراچین کال سے ۱۵۲۵ء تک۔ مصنف :۔ شری نیتر پانڈے۔ ایڈیشن : ۱۹۸۷ء۔

ص : ۲۷۲۔ راجپوت یگ :۔ "ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے بھی راجپوتوں کی پرشنسا (تعریف) کرتے ہوئے لکھا ہے 'راجپوتوں میں آتم سمان (خودداری) کی بھاؤنا اونچ کوٹی کی تھی۔ وہ اپنے شتروؤں کے پرتی بھی ادار تھے (اپنے دشمنوں کے لیے بھی فراخ دل تھے) اور وجے (فتح) ہو جانے پر اس پر کار (اس طرح) بربرتا کے کاریہ (بربریت کے کام) نہیں کرتے تھے جن کا کیا جانا مسلم وجے کے پھلسوروپ شسبھاوی تھا۔ (مسلم فتح کے نتیجہ میں جن کا کیا جانا لازم تھا۔"

ص : ۲۷۸ :۔ "راجیہ پال نے بڑی کایرتا (بزدلی) دکھائی۔ وہ قنوج چھوڑ کر بھاگ گیا اور اپنے ایک سامنت (جاگیردار) کے یہاں شرن (پناہ) لی۔ محمود نے قنوج کو اور وہاں کے مندروں کو خوب لوٹا۔"

ص : ۲۸۴ : سین ونش۔ پہلی تین سطریں :۔ "لگ بھگ ۱۲۰۶ تک لکھمن سین کے ونشج بنگال میں شاسن کرتے رہے۔ انت (آخر) میں مسلمانوں نے اس ونش کا انت کر دیا۔"

ص : ۲۸۷ : (مسلمانوں کی سینک سپھلتا) آخری دو سطر :۔ "مسلمان اپنے دھرم کے پرچار تتھا لوٹ کے لیے لڑتے تھے۔ اتیو (اس لیے) انھیں اتساہ بھی ادھک رہتا تھا (حوصلہ بھی زیادہ رہتا تھا)۔"

ص : ۲۸۹ : پیراگراف۔ س : ۴ : ۵ :۔ "ویسے اتنے کشل (ماہر) تیر انداز نہیں ہوتے تھے جتنے کشل ان کے مسلمان شترو (دشمن) ہوتے تھے۔"

نوٹ :۔ بادشاہوں اور راجاؤں کی جنگ کو ہندو مسلم جنگ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے فرقہ وارانہ ذہنیت پیدا ہوگی جو قومی یکجہتی کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ باہر سے آنے والے مسلم بادشاہوں کا حملہ اپنی سلطنت کو بڑھانے اور دولت اکٹھا کرنے کے لیے تھا جو اس دور کا ہر حکمراں چاہے ہندو ہو یا مسلمان اسی مقصد سے دوسری سلطنتوں پر حملہ کرتا تھا۔

باب : ۲۲ : ص : ۳۱۲ : س : ۲ : دھرم کا راجنیتک سوروپ :۔ "جب ۶۲۲ء میں محمد صاحب مکے سے بھاگ کر مدینہ گئے تب انھوں نے وہاں پر اپنے انویائیوں (ماننے والوں) کی ایک سیناسنگٹھت کی اور مکہ پر آکرمن کر دیا۔ اس پرکار انھوں نے اپنے سینک بل (فوجی طاقت) سے مکہ میں سپھلتا پراپت کی (کامیابی حاصل کی)۔"

نوٹ : بھاگنا اور چیز ہے، اور کسی مقصد سے پہلو بدلنا بالکل دوسری چیز ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک مقصد کے لئے تھی۔ جب ان کی زندگی کو خطرہ اس حد تک پہنچا کہ ان کے ساتھ مقصد ہی ختم کر دیا جائے تو انھوں نے اس مقصد کو بچانے کے لیے نئے میدان اور نئی جگہ کا انتخاب کیا۔ بھاگنے کا لفظ اس جگہ غلط ہے اور اتنی بڑی شخصیت کے لئے اس کا استعمال نازیبا اور مکروہ بھی ہے۔

جو کام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کرنا چاہتے تھے اور نہ کر سکے وہ مدینہ میں آسان ہو گیا۔ ہمدردوں اور ساتھیوں اور مقصد سے محبت کرنے والوں کی ایک چھوٹی موٹی جماعت اکٹھا ہو سکی۔ جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد کو اپنایا۔ اس کے لیے جینے مرنے کی ٹھانی ہے۔

ہر سنجیدہ بات اپنے سے جانے کے لیے امن و امان چاہتی ہے مکہ میں یہ پہلی شرط بھی پوری نہیں ہو رہی تھی۔ اب مدینہ میں آپ کی بات سنی جا رہی تھی، اور آپ کی معمولی کوششوں سے مدینہ میں اس حد تک امن قائم ہو گیا تھا کہ ایک سٹی اسٹیٹ کی بنیاد رکھی جا سکے۔ اس سٹی اسٹیٹ میں مدینہ کے سارے رہنے والے شامل ہوئے اور انھوں نے آپ کے مقصد اور آپ کے کردار کے وزن کو محسوس کر کے آپؐ ہی کو پہلا امیر جماعت مقرر کیا۔

آپؐ کے ساتھ مدینہ والے تھے جو امن و امان کے مقصد سے آپؐ کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ الوبائیوں کی بھیڑ اور سینا نہ تھی۔

سچ یہ ہے کہ مدینہ پر سب سے پہلے مکہ والوں نے حملہ کیا۔ مدینہ کے امن کو بچانے میں آپؐ کی کوشش یہی رہی کہ اگر کوئی مقابلہ کرنا پڑے تو وہ مدینہ سے باہر ہو تاکہ امن و امان کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ان مقابلوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اتنی کم تعداد میں تھے کہ ان سے کسی پر چڑھائی کا اندیشہ ہو ہی نہیں سکتا تھا بلکہ اندیشہ تو یہ تھا کہ وہ اس مقابلہ میں پس کر کہیں ختم نہ ہو جائیں اور مقصد ہمیشہ کیلئے نیست و نابود نہ ہو جائے۔ جنگ بدر کی رات میں آپؐ کی دعا بھی یہی تھی کہ یہ مٹھی بھر کلمہ گو اگر آج مٹ گئے تو اے اللہ روئے زمین پر قیامت تک تیرا نام لیوا کوئی باقی نہ رہے گا۔ گویا مسلمان اپنی بے بساطی کے باوجود صرف اس لئے لڑ رہے تھے کہ اپنے پروردگار کے نام کو بچا لیں۔

ص: ۲۱۳ : آخری پیراگراف : آخری ۳ سطر :- "اس کا پریشام (نتیجہ) یہ ہوا کہ راجہ کا شاسن قرآن کے انوسار ہونے لگا اور راج میں قاضیوں مولویوں کا پربھاؤ بڑھا اور راج میں دھارک اسہشنوتا کی نیتی کا انسرن کیا (حکومت میں مذہبی تنگ نظری کے اصول کی پابندی کی گئی) انیہ (دوسرے) دھرم والوں کے ساتھ انیائے تتھا اتیاچار (ناانصافی اور ظلم) کیا جانے لگا۔"

ص: ۲۱۴ : س: ۴ سے آخر تک :- "یہ پر چار شانتی پورک سنتوں دوارا نہیں ورن راجنیتکوں دوارا لالسا

رنگروں کے ذریعہ) تلوار کے بل سے لیا گیا۔ پرنام یہ ہوا کہ جہاں کہیں اسلام کا پرچار ہوا وہاں کی دھرا رکت رنجیت کر دی گئی (وہاں کی سرزمین خون سے رنگ دی گئی) اور سیناادھیکچھ (فوجی کمانڈر) لوگ جہاد اتھوا دھرم یدھ کا نعرہ لگانے لگے۔ کبھی کبھی یہ دھرم یدھ ایسا بھینکر روپ دھارن کر لیتا کہ وہ اتونتا نشٹھورتا کرنے لگتی (یہ مذہبی جنگ ایسا خوفناک رخ اختیار کر لیتی تھی کہ شیطانیت ننگا ناچ ناچنے لگتی) اور دھرم کے نام پر امانوی (غیر انسانی) کاریہ کیے جانے لگے۔ شتابدیوں کے ویتیت ہو جانے کے اپرانت بھی اسلام دھرم کی کٹرتا کا سوروپ ابھی سماپت نہیں ہوا۔ (صدیاں بیت جانے کے باوجود اسلام مذہب کی انتہا پسندی کی یہ شکل ابھی ختم نہیں ہوئی۔)"

نوٹ :- اسلام مذہب اور جہاد سے مصنف اتنا ناواقف ہے۔ یہ ایک تاریخ کے مصنف کے لیے شرم کی بات ہے۔ یہ سب بہتان ہے حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیا اس تاریخ کو پڑھنے کے بعد کوئی بھی ہندوستان میں ہندو مسلم بھائی چارگی کا خیال کر سکتا ہے۔ مصنف کو دور رسولؐ کی عرب تاریخ کو پڑھ کر صحیح حقائق کو سامنے رکھنا چاہیے تھا۔ ضرورت ہے کہ "رحمت عالم" ہندی ایڈیشن مولانا سید سلیمان ندوی کی تصنیف کردہ اور راقم الحروف کی ترجمہ کردہ کی روشنی میں صحیح حقائق تاریخ میں لکھے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا جب مکہ میں رہنا دشوار کر دیا گیا طرح طرح کے مظالم کیے گئے تو خدا کا حکم ہجرت کرنے اور مدینہ میں آباد ہونے کا آیا تب آپؐ نے مکہ چھوڑا۔ اور مکہ کے کفار نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دینے کے لیے مدینہ پر حملہ کیا۔ جنگ بدر اور جنگ احد دو اہم جنگیں ہوئیں جن کا مطالعہ مصنف کو کرنا چاہیے تھا۔ مکہ پر فتح بغیر ایک قطرہ خون بہائے حاصل ہوئی اور امن و شانتی کے پیغمبر نے ان سبھی قاتلوں کو بھی معاف کر دیا جنھوں نے اہم اور جان دینے والے صحابیوں کو شہید کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد ایسی عام معافی آج تک نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی کہ نہ جنگ میں ایک قطرہ خون بہا اور نہ فتح کے بعد۔

عرب واسیوں کا بھارت پر آکرمن کرنے کا لکچھ۔ ص: ۳۰ :- "ان کا دوسرا لکچھ بھارت میں اسلام دھرم کا پرچار کرنا تھا مورتیوں اور مندروں کو توڑنا تھا۔"

محمد بن قاسم کا آکرمن۔ ص: ۲۱۶: س ۵ سے ۱۰ :- "دیول میں محمد بن قاسم نے بڑی کٹھورتا کا پردرشن کیا۔ اس نے نگر واسیوں کو مسلمان بن جانے کی آگیا (حکم) دی۔ اور جب لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تب اس نے ان کی ہتیا (قتل) کی آگیا دے دی۔ کہا جاتا ہے کہ سترہ ورش کی آیو (عمر) کے سبھی پرشوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور استریوں (عورتوں) تتھا بچوں کو داس بنا لیا گیا۔ نگر کو خوب لوٹا گیا اور لوٹ کا مال سینکوں (فوجیوں) میں بانٹ دیا گیا۔"

ص: ۲۱۶: پہلا پیراگراف۔ آخری سطر :- "جن لوگوں نے جزیہ دینا سویکار کر لیا، انھیں مسلمان نہیں

بنایا گیا۔ یہاں پر ہندوؤں کے مندر کو بھی نہیں توڑا گیا پر نتو اُن کی سمپتی لوٹ لی گئی۔"

ص: ۳۱۷: آخری پیراگراف:۔ "دیول میں اس نے بڑی کٹھورتی کا اوسرن کیا اس سے بھارتی اتینت (بہت) بھیبھیت ہو گئے۔ وجے پراپت کرنے کے لیے بھارتیوں کو آتنکت (خوف زدہ) کر دینا آوشیک (ضروری) تھا۔"

ص: ۳۱۹: پہلا پیراگراف:۔ "جن ہندوؤں نے اسلام دھرم کو سویکار کرنے سے انکار کر دیا تھا انھیں جزیہ نامک کر (ٹیکس) دینا پڑتا تھا۔ جن سادھارن (عوام) کی استھتی (حالت) اچھی نہ تھی۔ انھیں انیک پرکار کی اسویدھاؤں (مشکلوں) کا سامنا کرنا پڑتا تھا نہ وہ اچھا وستر (پوشاک) پہن سکتے تھے نہ گھوڑے کی سواری کر سکتے تھے۔ . . . اتیو ہندوؤں کے ساتھ پرایہ (برابر) اتیاچار (اکثر ظلم) ہوتا تھا۔

باب: ۲۵: ص: ۳۲۵: غزنی وتش:۔ "ترک لوگ بڑے ہی بربر تتھا لڑنے تھے۔ وہ بڑے ہی کرو بنتی تھے اور دھارمک سہشنوتا (مذہبی فیر سگالی) ان میں بالکل نہ تھی۔ . . . ترکوں نے نہ کیول (صرف) بھارت کی اپار سمپتی (بے انتہا دولت) کو لوٹا اور یہاں پر شاسن استھاپت کر (قائم کر) لگ بھگ سو ورشوں (لگ بھگ سو سال) تک یہاں شاسن کیا ورن (بلکہ) انھوں نے ہندوؤں کے مندروں اور مورتیوں کو ودھونس (منہدم) کیا۔"

ص: ۳۲۶: س: ۱۰ سے ۱۲: "محمود بھارت پر اپنا استھائی راج (مستقل حکومت) استھاپت نہیں کرنا چاہتا تھا، ورن (بلکہ) بھارت کی سمپتی کو لوٹنے تتھا مندروں اور مورتیوں کو توڑنے کے لیے بھارت پر، اپار آکرمن (حملہ) کیا۔"

ص: ۳۲۸: آخری پیراگراف: آخری ۵ سطریں:۔ "مسلمان اپنے استتو (وجود) کو بنائے رکھنے اور ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لیے درڑھ سنکلپ (پختہ ارادہ) کئے ہوئے تھے۔ ایسی استھتی میں (حالت میں) ہندوؤں کو اپنی رکچھا (تحفظ) کا مارگ ڈھونڈ نکالنا تھا۔ پھلت (نتیجتاً) انھوں نے مسلمانوں کو ملیچھ کہا اور ان کو اچھوت بتلایا۔"

ص: ۳۲۹: دوسرا پیراگراف: س: ۵، ۶:۔ "ترک لوگ اسلام دھرم کا پرچار کرنے کے لیے پران (جی جان) سے تیار تھے۔ وہ ہندوؤں کے ورُدھ (خلاف) جو مورتی پوجک تھے، جہاد کرنے کو تیار رہتے تھے۔"

ص: ۳۲۹: دوسرا پیراگراف: آخری ۵ سطر: "مندروں تتھا مورتیوں کو ودھونس (منہدم) کرنے سے ان کے (ترکوں کے) دھرم اُدیشوں کی پورتی ہوتی تھی اور ان کی سمپتی کو لوٹنے سے انھیں آرتھک لابھ ہوتا تھا۔ . . . دوسرا لکش تھا مورتی پوجکوں کو نشٹ کرنا۔ انھوا انھیں مسلمان بنانا۔ اور ان کے مندروں تتھا ان کی مورتیوں کو ونشٹ کرنا (برباد کرنا) تھا۔"

محمود کا بھارت پر آکرمن (حملہ) کرنے کا اُدیشیہ (مقصد)، ص: ۳۳۰: دوسرا پیرا:۔

"محمود کا دوسرا اُدیشیہ ہندوؤں کے مندروں تتھا ان کی مورتیوں کو وِنشٹ کرنا اور انھیں لوٹنا تھا۔ ۔ ۔ مندروں کو جن میں دھن سمپتی بھری پڑی تھی، اپنے آکرمن کا لکشیہ بنایا۔ مندروں تتھا مورتیوں کو دھونس (منہدم) کرنے سے دھن ملنے کے ساتھ ساتھ مورتی پوجا کے وِرُودھ دھرم یُدھ کرنے کی اس کی اِچھا (خواہش) کی پورتی ہوتی تھی۔ ۔ ۔ ۔

مورتیوں کو توڑنے کے کارن وہ اپنے کو بُت شکن کہلاتا تھا۔"

ص: ۲۲۰: آخری پیراگراف: آخری دو سطر:- "اس میں سندیہہ (شبہ) نہیں کہ اس نے ہندوؤں کو مسلمان بنایا، اور ان کے مندروں تتھا مورتیوں کو وِنشٹ کیا اور ان کے تیرتھ استھانوں کو روند ڈالا۔"

ص: ۲۲۲: دوسرا پیراگراف: پہلی تین سطریں:- "محمود کی دھن پپاسا تتھا رکت پپاسا (دولت اور خون کی پیاس) شانت نہ ہوئی۔ مورتیوں تتھا مندروں کو توڑنے، مورتی پوجکوں کی ہتیا کرنے تتھا انہیں مسلمان بنانے اور بھارت کی سمپتی کو لوٹنے کا کرم (سلسلہ) نرنتر (برابر) چلتا رہا۔"

ص: ۲۲۲: پیراگراف: ۲: س: آخری ۲:- "پرنتو بربر (ظالم) محمود کے ہاتھوں سے اس کی رکھشا نہ ہو سکی۔ اس نے متھرا تتھا برنداون کے مندروں تتھا مورتیوں کو دھونس کیا اور اپار سمپتی اس کے ہاتھ لگی۔"

ص: ۲۲۵: پیراگراف: ۲: س: ۱۷ سے ۲۲:- "پرنتو ان دنوں تلوار کے بل سے اسلام کا پرچار کیا جانا اسلامی جگت میں برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ محمد صاحب نے سویم (خود) مکہ پر چڑھائی کر لوگوں کو مسلمان بنایا تھا۔ خلیفاؤں نے تلوار کے بل سے اسلام دھرم کا پرچار کیا تھا۔ مورتی پوجکوں کے وِرُودھ جہاد ان دنوں اسلام کی سیوا سمجھا جاتا تھا۔ اتیو ہندوؤں کے مندر تتھا مورتیوں کو توڑ کر وہ (محمود) اسلام دھرم کی سیوا ہی کر رہا تھا۔"

ص: ۲۲۶: آخری پیراگراف: س: ۲، ۳:- "اس نے (محمود غزنوی) مورتی پوجک ہندوؤں کے ساتھ جو کچھ اتیاچار کیا، وہ اس یُگ کے انوکول (مطابق) تھا جس سے وہ پیدا ہوا تھا۔"

ص: ۲۴۱: پیراگراف: ۲: س: ۹ سے ۱۱ اور ۱۵ سے ۱۶:- "اجمیر میں چوہان راجاؤں کے بنائے ہوئے مندروں کو دھوست (گرا دیا) کر دیا گیا۔ اور محمد غوری کے سوامی بھگت (وفادار) غلام قطب الدین ایبک نے وہاں پر ایک مسجد بنوائی۔ ۔ ۔ ۔ ایبک نے دلی پر اپنا پربھتو استھاپت کر لیا، اور وہاں کے مندروں کو وِنشٹ کر وہاں پر ایک مسجد کا نرمان آرمبھ کر دیا (تعمیر شروع کر دی) جسے مسجد قوۃ الاسلام یعنی اسلام کی شکتی (طاقت) کہتے ہیں۔"

ص: ۲۴۱: پیراگراف: ۳: آخری دو سطر:- "محمد غوری نے بنارس پر اپنا ادھیکار استھاپت کر لیا اور وہاں کے مندروں کو نشٹ بھرشٹ (توڑ پھوڑ کر دیا)۔"

ص: ۲۴۲ : آخری پیراگراف : آخری دو سطر :- "محمد غوری نے بھارت میں مسلمانوں کا استھائی (مستقل) سامراج استھاپت کرنے کے لیے آکرمن کیا تھا۔

ص: ۲۴۳ : آخری پیراگراف : آخری دو سطر :- "یدیپی (اگرچہ) محمود غزنوی کی بھانتی اس نے بھی ہندوؤں کے مندروں تتھا مورتیوں کو نشٹ کیا۔"

ص: ۲۴۵ : پیراگراف : ۲ - ص : ۲ سے ۴ تک۔ "مسلمانوں میں دھارمک اُتیجنا (مسلمانوں میں مذہبی ولولہ) محمد صاحب نے سوئیم (خود) اپنے دھرم کا پرچار کرنے کے لیے سینک بل کا سہارا لیا تھا۔ محمد صاحب کے اُتر ادھیکاری (جانشین) خلیفاؤں نے بھی سینک بل سے اسلام دھرم کا پرچار کیا تھا۔ . . . ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے ٹھیک ہی لکھا ہے، "مسلمانوں کو جو سمپتی کی پراپتی (حصول) اور مورتی پوجا کو دھوست (مٹانے) کرنے کے لیے اتسک تھے۔ دھارمک اُتیجنا (مذہبی جوش) کے کارن جسے وہ سرلتا سے ادویلت (بھڑکا) کر سکتے تھے۔ نئے سینکو کے ابھاؤ (کمی) کا کبھی انوبھو (تجربہ) نہ کرنا پڑا۔"

ص: ۲۴۸ - ۲۴۹ : آخری پیراگراف : آخری دو سطریں :- "اسی سے ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے لکھا ہے : "مسلمانوں کو افغان پہاڑیوں کے اس پار کے دیشوں میں سینک چین (فوجی بھرتی) کا بڑھیا (اچھا) چھیتر (علاقہ) حاصل تھا جہاں سے وہ نرنتر نئی سینائیں ہندوؤں سے لڑنے کے لیے لا سکتے تھے۔"

"راجپوتوں کا دمن" ص : ۲۶۰ : پیراگراف : ۳ : آخری تین سطر : "۱۲۳۴ء میں اس نے (التمش) ملوا پر حملہ کیا اور وہاں کے مندروں کو نشٹ بھرشٹ کیا۔"

ص: ۲۶۲ : پیراگراف - اوّل : آخری تین سطریں :- "اتئیو ہندوؤں کے ساتھ سدیو نیائے نہیں ہو پایا تھا۔ اس نے اسی پرکار ہندوؤں کے دیوالیوں (مندروں) کو نشٹ بھرشٹ کیا تھا۔ جس طرح ایک تتھا اس کے پہلے کے آکرمن کاریوں (حملہ آوروں) نے کیا تھا۔"

ص: ۲۶۸ : آخری پیراگراف : آخری چار سطریں : "اس نے (بلبن نے) اُپدروکاریوں (باغیوں) کی بستیوں کو جلوا دیا۔ نو ورش سے ادھیک اوستھا والے لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اتروا دیا اور استریوں تتھا بچوں کو بندی بنا لیا۔"

ص: ۴۱۴ : پہلی دو سطریں :- "فیروز بھی ایک کٹر سنی مسلمان تھا۔ اور نہ کیول (صرف) ہندوؤں کو ورن (بلکہ) شیعہ مسلمانوں کو بھی وہ گھرنا (نفرت) کی درشٹی (نظر) سے دیکھتا تھا۔"

ص: ۴۱۵ : پہلی ۵ سطریں :- "اس نے (فیروز) ہندوؤں کے ساتھ ایک بڑا اتیاچار کیا اس نے برہمنوں پر پھر سے جزیہ کر (ٹیکس) لگوا دیا۔ اور ایک برہمن کو اس نے سادھارن اپرادھ (معمولی جرم) کے لیے

اپنے راج بھون (محل) کے سامنے زندہ جلوا دیا تھا۔ اس نے ہندوؤں کے مندروں تتھا ان کی مورتیوں کو اسی پرکار توڑوایا جس پرکار اس کے پہلے کٹر پنتھی سلطانوں نے کیا تھا۔"

ص: ۴۱۷ : پہلا پیراگراف : س: ۴'۳ :- "اس پرکار نیائے و یوستھا دھرم پر عبادت ہو گئی تھی اور ہندوؤں کے ساتھ نیائے ہونے کی بہت کم سمبھاؤنا رہ گئی تھی۔"

ص: ۴۱۸ : آخری تین سطریں: "جاج نگر پر دھاوے :- "پُری میں اس نے (فیروز) جگن ناتھ کے مندر کو نشٹ بھرشٹ کروا دیا تھا" اور وہاں کی مورتیوں کو سمندر میں پھکوا دیا۔"

ص: ۴۱۸ : س: ۶'۵ اور آخری ۲ سطریں: "نگر کوٹ پر آکرمن" :- "یہاں پر سیکڑوں یاتری درشن کے لیے آیا کرتے تھے اور مورتی کی پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ سب فیروز کے لیے اسہیہ (ناقابل برداشت) تھا . . . . اس نے جوالا مکھی مندر کو نشٹ بھرشٹ کروا دیا اور اس میں پرستھاپت دیوی کی مورتیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیئے اسی پرکار اس نے دھرماندھتا اور سنکیرنتا (مذہبی کٹرپن اور تنگدلی) کا پریچے دیا۔"

"فیروز کے کارناموں کا مولیانکن (تجزیہ)" ص: ۴۱۹ : دوسرا پیراگراف : آخری تین سطریں :- "فیروز میں دھارمک اسہشنتا (مذہبی غیر رواداری) تھی اور وہ ہندوؤں کے ساتھ کٹھورتا (سختی) کا ویوہار (برتاؤ) کرتا تھا۔"

ص: ۴۲۰ : پہلا پیراگراف : س: ۱ سے تین :- "فیروز بڑے ہی سنکیرن وچار (تنگ خیال) کا شاسک تھا۔ وہ اپنے یگ سے آگے نہ بڑھ سکا" اور نہ کیول ہندوؤں ورن (بلکہ) شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس نے کٹھورتا کا برتاؤ کیا۔"

ص: ۴۲۱ : پہلا پیراگراف : س: ۵، ۶ :- "تیمور کٹر مسلمان تھا۔ اور مورتی پوجکوں سے اسے گھرنا (نفرت) تھی۔ اتیو وہ ان کے مندروں تتھا مورتیوں کو توڑ کر ان کا بدھ (قتل) کروا کر غازی کی اُپادھی (لقب) لینا چاہتا تھا۔"

ص: ۴۲۸ : آخری پیراگراف : س: ۶، ۹ :- "فیروز بڑا ہی کٹر تتھا اسہشنو سنی مسلمان تھا۔ وہ (سکندر لودی) بڑا کٹر تتھا اسہشنو مسلمان تھا۔ اس نے فیروز تغلق کی جاتی دھارمک اسہشنوتا کی نیتی اپنائی اور ہندوؤں کے ساتھ بڑا اتیاچار کیا۔ اس نے ان کے مندروں تتھا مورتیوں کو توڑا اور ان کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کئے۔"

ص: ۴۳۰ : آخری پیراگراف : س: آخری :- "مسلمانوں نے کیول شکتی کے بل سے ہندوؤں پر شاسن کرنے کا پریتن کیا تھا۔"

ص: ۴۳۱ : س: ۸، ۹ :- اور ہندوؤں کے ساتھ بھی بھین (طرح طرح) پرکار (قسم) کے

اتیاچار کئے تھے۔"

ص: ۴۴۲ : پیراگراف : ۳ : آخری ۴ سطریں :- "منگول لوگ اسلام دھرم کے انویائی (پیرو) نہ تھے۔ اتیو وہ مسلمانوں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتے تھے جس پرکار (جس طرح) مسلمان ہندوؤں کے ساتھ۔"

ص: ۴۴۶ : آخری پیراگراف : س: ۴، ۵ :- "(منگول) انھوں نے مسلمانوں کا اسی پرکار ہتیاکانڈ (قتل عام) کرایا، جس پرکار مسلمانوں نے ہندوؤں کا کیا تھا۔"

ص: ۴۵۵ : س : ۱۶-۱۸ :- "ان لوگوں (سلطانوں) نے اپنی ہندو پرجا (رعایا) کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار (طرح طرح کے ظلم) کئے۔ مسلم راجیوں میں ہندو لوگ اونچے اونچے سرکاری پدوں (عہدوں) سے ونچت (محروم) تھے۔"

ص: ۴۵۶ : دوسرا پیراگراف : س : ۲ سے ۵ اور ۸ سے ۱۳ :- "پرنتو مسلمانوں کو مورتی پوجا سے گھور گھرنا (سخت نفرت) تھی اور مورتی پوجکوں کے ورُدھ (خلاف) جہاد یا دھرم یدھ کرنا وے اپنا کرتویہ (فرض) سمجھتے تھے۔ اتیو ہندوؤں کے مندروں تتھا ان میں پرستھاپت (رکھی ہوئی) مورتیوں کو توڑنا مسلمانوں کا کرتویہ (فرض) سا بن گیا تھا۔ . . . دلی سلطنت کی ہندو پرجا کو دھارمک سوتنترتا (آزادی) نہ تھی۔ . . . نہ نئے مندروں کو بنوانے نہ پرانے مندروں کے جیرن اُدھار (مرمت) کرانے کی۔ ہندوؤں کے مندروں کو تڑوا کر مسجدیں بنوانا سلطانوں کی نیتی کا ایک انگ بن گیا تھا۔ . . . ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لیے ان کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کئے جاتے تھے، اور انھیں پرلوبھن (لالچ) دیئے جاتے تھے۔"

ص: ۴۵۹ : "ہندوؤں کا راجنیتک ادھیکار سے ونچت ہونا" :- "مسلم راج کی پرجا ہونے کے کارن ہندو سبھی راجنیتک ادھیکاروں سے ونچت (محروم) ہوگئے۔ نہ وے سینا میں بھرتی ہوسکتے تھے، اور نہ انھیں اونچے سرکاری پد مل سکتے تھے۔ انھیں جزیہ نامک کر دینا پڑتا تھا اور وے سدیو شنکا کی درشٹی سے دیکھے جاتے تھے۔"

ص: ۴۶۰ : ہندوؤں کے ساتھ ویوہار :- "مسلمانوں کے شاسن کال میں ہندوؤں کے ساتھ بڑا دُرویوہار (برا برتاؤ) کیا گیا۔ انھیں کافر سمجھا جاتا تھا اور انھیں بلات (طاقت سے) مسلمان بنالیا جاتا تھا۔ انھیں وبھن پرکار سے اپمانت (بے عزت) کیا جاتا تھا اور ناگرکتا (شہریت) کے ادھیکار (حق) سے ونچت (محروم) کردیا گیا تھا۔"

نوٹ :- پورے سلطنت کے دور میں مورخ نے ہر لڑائی کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی جنگ کا روپ دیا ہے۔ اور مندروں کو توڑ کر مسجدوں کی تعمیر کے اتنے قصے گڑھے ہیں اور بات بات پر مسلمانوں کا ظلم

ہندوؤں پر دکھایا ہے گویا پوری تاریخ کو مسخ کرکے ہندو مسلم جذبات کو بھڑکایا گیا ہے۔ اس تاریخ کو پڑھنے کے بعد کیا دونوں فرقوں میں نفرت کے جذبات نہیں پیدا ہوں گے؟۔



کتاب کا نام :۔ بھارت کا سمپورن اتہاس۔ حصّہ : دو۲۔ مصنف :۔ شری نیتر پانڈے۔ ایڈیشن :۔ ۱۹۸۷ء - ۸۸۔ ص : ۵۶ : دوسرا پیراگراف : ص : ۱۱ سے ۱۵ : "رائے سین دُرگ" :۔ "پرنتو شیر شاہ نے اس کے ساتھ بہت بڑا وشواس گھات (دغا) کیا۔ اس نے راجپوتوں کا بھیشن ہتیا کانڈ (قتل عام) کروا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بھی راجپوت زندہ نہ بچا۔ راجپوت استریوں نے (عورتوں نے) جوہر کرکے اپنے ستتو (عزت) کی رکھشا (حفاظت) کی، پرنتو کچھ بچے مسلمانوں کے ہاتھوں پڑے جو غلام بنا لئے گئے۔ پورن مل کی ایک چھوٹی کنیا (لڑکی) کو نرتکی (رقاصہ) بنا کر اسے بازاروں میں نچایا گیا۔"

ص : ۹۶ : تیسرا پیراگراف : آخری سطریں :" جو آدر سمان رانا پرتاپ کو ہندوجات سے پراپت ہوتا ہے، اس کا شتانش (سواں حصہ) بھی ان جاٹو کاروں (جو راجپوت مغل دربار سے متعلق ہو گئے تھے) کو نہیں مل سکتا۔ جنھوں نے مغل دربار میں جا کر اپنی، اپنے کُل کی تتھا اپنی جات کی پرتشٹھا کی بلی چڑھا دی۔ (عزت کو قربان کر دیا)۔"

ص : ۹۷ : آخری پیراگراف :۔ " راجپوت راج ونشوں کے ساتھ ویواہک سمبندھ استھاپت کرکے اکبر نے راجپوتوں کی مریادا کو مٹی میں ملا دیا۔ یہاں پر دھیان دینے کی بات یہ ہے کہ اکبر نے راجپوت کنیاؤں کا ویواہ تو مسلمانوں کے ساتھ کروایا، پرنتو اس نے مسلمان کنیاؤں کا ویواہ ہندوؤں کے ساتھ پروتساہت (ہمت افزائی) نہیں کیا جن راجپوت راجاؤں نے اپنی بہن بیٹیوں کا ویواہ مغلوں کے ساتھ کر دیا۔ ان کے ونشجوں کا مستک (متعلقین کا سر) آج بھی لجا (شرم) سے جھک جاتا ہے۔"

ص : ۹۸ : تیسرا پیراگراف : ص : ۲ سے ۴ اور آخری سطر :۔ " اس کی نیتی کا راجپوتوں کی شکتی تتھا ان کے پراچین گورو تتھا پرتشٹھا پر بھیشن آگھات لگا کر راجپوتوں کی راجنیتک سوتنترتا (سیاسی آزادی) سماپت ہو گئی۔ اور مغل سامراج کے سیوک بن گئے اور اپنی مریادا تتھا پرتشٹھا کھو بیٹھے۔ ان کا پراچین گورو سماپت ہو گیا۔ اپنی بہن بیٹیوں کو لوگوں کو دیکر انھوں نے اپنی اپنے کل کی اپنی جات تتھا اپنے دیش کی پرتشٹھا تتھا مان مریادا کو دھول میں ملا دیا۔ ۔ ۔ ۔ جن راجپوتوں نے جم کر مغلوں کا سامنا کیا اور ان کے سامنے نتمستک نہ ہوئے، ہندو جات آج بھی ان پر گورو کرتی ہے اور ان کو اپنا آدرش مان کر ان کے پدچنہوں (نشان قدم) پر چلنا پنیت دھرم سمجھتی ہے۔"

ص: ۱۵۵: دوسرا پیراگراف: آخری تین سطریں :- " انیہ (دوسرے) راجپوت ونشی اس یدھ کو راشٹریہ یدھ کے روپ میں نہ دیکھ سکے اور نہ اسے ہندو جات کے سوتنترتا سنگرام (جنگ آزادی) کی مانیتا دے سکے۔"

ص: ۱۶۹: تیسرا پیراگراف: س ۹، ۱۰ اور ۱۵، ۱۶ :- " یداکدا (کبھی کبھی) کٹر پنتھی مسلمانوں کو پرسن (خوش) کرنے کے لیے جہانگیر اسہشنوتا (تعصب) کے بھی کاریہ کر دیتا تھا۔ . . . اس کے شاسن کال کے آٹھویں ورش اس کی آگیاں (حکم) سے اجمیر میں پشکر کے نکٹ ہندو مندروں کو ونشٹ کیا گیا تھا۔"

ص: ۱۸۰: دوسرا پیراگراف :- " پرنتو جوجھار سنگھ کے پریوار کے ساتھ جو دُر ویوہار کیا وہ کداپی سراہنی نہیں تھا۔ راجپوت مہیلائیں جو جیوت (زندہ) پکڑی گئی تھیں۔ شاہی حرم اتھوا امیروں کے گھر میں سیوا کرنے کیلئے باعد (مجبور) کی گئیں۔ جوجھار سنگھ کے دو پُتر (بیٹے) اور ایک پوتر (پوتا) کو مسلمان بنا لیا گیا جو جھار سنگھ کے منتری شیام اور اس کے پُتر (لڑکے) جس نے مسلمان بننے سے انکار کر دیا تھا کی ہتیا کر دی گئی۔ جب شاہجہاں نے اورچھا میں پرویش کیا تب ویر سنگھ کے وشال مندر کو دھوست کروا کر اس کے استھان پر ایک مسجد کا نرمان کروایا گیا تھا۔ یہ سبھی کاریہ بڑے ہی ننددنیہ تھے۔ (قابل مذمت تھے)۔"

ص: ۱۹۲: پہلا پیراگراف: س: ۲، ۳، اور ۶ سے ۱۲ تک :- " دھارمک معاملوں میں شاہجہاں اپنے پتا سے بھی ادھک کٹر بن گیا۔ . . . دھارمک کٹرتا کے بیج اس میں ودمان (موجود) تھے . . . اس کے پتا کے شاسن کال میں جتنے مندروں کا نرمان آرمبھ کیا گیا تھا۔ ان سب کو گروا دیا گیا۔ اس آدیش کے انوسار کیول بنارس ہی میں ۷۶ مندروں کا وناش کروا دیا گیا۔ بندیلا یُدھ کے اوسر پر بھی شاہجہاں نے ایسے کاریہ کیے جس سے اس کی دھارمک کٹرتا پریلکشت (ظاہر) ہوتی ہے۔ اس کی آگیاں سے بندیل کھنڈ میں ہندو مندر تڑوائے گئے اور جوجھار سنگھ کے پتر (بیٹے) کو مسلمان بنا لیا گیا۔ شاہجہاں کے دھارمک کٹرتا کے اور بہت سے اُداہرن (مثالیں) ہیں۔"

ص: ۱۹۵: دوسرا پیراگراف :- " شاہجہاں نے اپنے شاسن کے پرارمبھ میں جس انودارتا تتھا اسہشنتا کی نیتی کا انوسرن کیا ویمنس کا بیجاروپن کر دیا (نفرت کا بیج بو دیا)۔ . . . ہندو جنتا . . . دھیرے دھیرے اداسین ہونے لگی۔ اورنگ زیب کے شاسن کال میں جب یہ دھارمک اسہشنتا کا بیجاروپن شاہجہاں نے کیا تھا پورنتا (پوری طرح) وکاس پر پہنچ گئی۔ تب ہندو جنتا نے ودروہ کا جھنڈا کھڑا کیا۔"

ص: ۱۹۶: آخری پیراگراف: س: ۲ سے ۶ :- " اس یدھ کے پھل سروپ (جنگ کے نتیجہ میں)

ایک ایسا کٹر پنتھی وکتی (شخص) مغل سامراجیہ کا بادشاہ بن گیا جس کی دُرنیتی (بری پالیسی) کے پھل سروپ مغل سامراجیہ پتن اونمکھ ہو گیا۔"

ص: ۲۰۳: تیسرا پیراگراف: ص: ۳ سے ۶ :- "ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے لکھا ہے۔ "راج کی نیتی دھارمک وچار میں رنجت تھی اور سمراٹ نے ایک کٹر پنتھی کی بھانتی شاسن کرنے کا پریتن کیا۔"

ص: ۲۰۴: آخری پیراگراف: ص: ۲ سے آخر تک :- "اورنگ زیب نے اپنی غیر مسلم پرجا پر بھانت بھانت کے اتیاچار یہ کرنے آرمبھ کئے وہ ہندوؤں کا دمن تھا انھوں کر بھارت کو دار الاسلام ارتھات مسلم راج بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے اس ادیشیہ (مقصد) کی پورتی کے لیے ہندوؤں کے مندروں تھا مورتیوں کو تڑوا کر ان کے استھان پر مسجدوں کا بنوانا آرمبھ کیا۔ ہندو پاٹھ شالا کو اس نے ونشٹ کر دیا۔ ان پر پھر سے جزیہ تھا تیرتھ یاترا کر لگا دیا۔"

ص: ۲۰۵: ص: ۲ سے ۷ تک :- "ہندوؤں کو بلات (طاقت سے) مسلمان بنایا گیا۔ اور ان کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کیے گئے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لئے دھن، پد تھا پرتشٹھا کے بھانت بھانت کے پرلوبھن دیے گئے۔ اس پرکار اس نے ہندو دھرم، ہندو سبھیتا (تہذیب) تھا سنسکرتی (تمدن) تھا ہندو جات کو سماپت کرنے کا پرتم پریاس کیا (پہلی کوشش کی)۔"

ص: ۲۰۶: دوسرا پیراگراف: ص: آخری دو :- "پرنتو پرجا کا تاتپریہ (مطلب) مسلم پرجا سے تھا ہندو پرجا سے نہیں۔ ہندوؤں کو وہ کافر سمجھتا تھا اور ان کے پرتی (تئیں) وہ انُدار (غیر فراخ دل) تھا۔"

ص: ۲۰۶، ۲۰۷: آخری پیراگراف :- "اسلام دھرم کے انوسار پرتیک (ہر ایک) بادشاہ کا یہ کرتویہ تھا کہ وہ اسلام دھرم کا پرچار کرے اور مورتی پوجکوں سے یدھ کرے۔ اسلام دھرم کا پکا انویائی (پیرو) تھا پرم بھکت ہونے کے کارن ہندوؤں کو دبانے تھا ہندو دھرم کو ونشٹ کرنے کا پریتن کرنا اس نے (اورنگ زیب نے) اپنا پرم دھرم سمجھا۔ اسی سے ہیگ ہوڈ نے لکھا ہے۔ "اورنگ زیب ایک کٹر پنتھی تھا جو اپنی ہو سنکھیک پرجا کے (ہندوؤں) دھرم کو بھرشٹ سمجھتا تھا اور یدی (اگر) سمبھو ہو (ممکن ہو) تو وہ اسے انمولت کر دے۔ اس کے طریقے بہت برے تھے۔ اس نے آرتھک دمن (اقتصادی استحصال)، طاقت کے بل پر تبدیلی مذہب اور پرجا پر گرفت وغیرہ سے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

نوٹ: انگریزوں کی حکمت عملی تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑاؤ اور ان پر حکومت کرو۔ اسی لیے انگریز مؤرخوں نے اورنگ زیب اور دوسرے مسلم بادشاہوں کو اس رنگ میں پیش کیا کہ

ہندو مسلم ایکتا سے رہتے پائے۔ اس تاریخ میں حوالے انھیں مؤرخوں سے لیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے اورنگ زیب کا اصل روپ سامنے نہیں آتا۔"

ص: ۲۰۷: مندر تتھا مورتیوں کا دھونس:۔ "تخت پر بیٹھنے سے پہلے ہی اورنگ زیب نے ہندوؤں کی مندروں کو گروانا تھا ان کی مورتیوں کو گروانا آرمبھ کر دیا تھا۔ جب وہ گجرات کا صوبیدار تھا انھیں دنوں احمد آباد میں چنتامنی کا مندر بن کر تیار ہوا تھا اورنگ زیب نے اس مندر کو دھوست کروا دیا اور اس کے استھان پر ایک مسجد بنوا دی۔ . . . بہار کے ادھیکاریوں کو یہ آدیش دیا کہ کٹک تتھا میدنا پور کے بیچ میں جتنے ہندو مندر ہیں ان سب کو گرا دیا جائے۔ اورنگ زیب کی آگیاں سے سومناتھ کا دوسرا مندر بھی گروا دیا گیا۔ بنارس میں وشوناتھ مندر کو گرا کر وہاں پر ایک وشال مسجد کی تعمیر کی جو ابھی تک موجود ہے۔ متھرا میں کیشورائے مندر کا بھی یہ درشا ہوئی اور متھرا کا نام بدل کر اسلام آباد رکھ دیا گیا۔ آخر میں ۱۶۸۰ء میں اورنگ زیب کے حکم سے امبر کے سبھی مندروں کو گروا دیا گیا۔ . . . اورنگ زیب نے یہ بھی فرمان جاری کر دیا کہ ہندو لوگ نہ تو پرانے مندروں کی توسیع کریں اور نہ نئے مندروں کی تعمیر کریں۔"

نوٹ: سلطانوں اور مغل بادشاہوں کے مندر گروانے کی اتنے بڑے پیمانے پر چرچا سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندستان میں مندروں کا وجود ہی باقی نہیں رہنا چاہیے تھا۔ یہ جان بوجھ کر ایسے جھوٹے واقعات گڑھ کر ہندوؤں اور مسلمانوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش ہے۔

اورنگ زیب کے مندروں کے بارے میں دستاویز اور فرمان ابھی موجود ہیں۔ جس میں اس نے مندروں کو جاگیریں دی ہیں۔ پروہیتوں کے نام زمینیں اور علاقے دیے ہیں کہ ان سے مندر کے اخراجات پورے ہوتے رہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود اس پر یہ الزام کتنا بڑا بہتان ہے۔

ص: ۲۰۸: پہلا پیراگراف: س: ۲، ۳: "ہندو پاٹھ شالاؤں کا دھونس:۔" اسی کے حکم سے ٹھٹھا، ملتان اور بنارس میں قائم سبھی تعلیمی اداروں کو برباد کر دیا گیا۔ ہندو تعلیم گاہوں میں نہ تو اسلام مذہب کے خلاف تعلیم دی جا سکتی تھی اور نہ ان درس گاہوں میں ہندو لوگ اپنے ہی مذہب کی تعلیم دے سکتے تھے۔ اورنگ زیب کے ان کاموں سے اس کی تنگ خیالی کا پتہ چلتا ہے۔"

ص: ۲۰۸: دوسرا پیراگراف: س: ۱، ۵ اور آخری ۴ سطریں: "ہندوؤں پر جزیہ کر (ٹیکس):۔" اورنگ زیب نے بڑی دانشمندی کا کام یہ کیا کہ اس نے پھر سے ہندوؤں پر جزیہ کر لگا دیا۔ اسلام مذہب

کا یہ قانون تھا کہ جو لوگ اسلام کو قبول نہ کریں، ان کے خلاف جہاد کیا جائے لیکن اگر وہ جزیہ کر دینے کے لئے تیار ہو جائیں تو ان کی جان بخشی دی جائے۔ . . . ہندوؤں کو جزیہ سے سخت نفرت تھی۔ اس ٹیکس کو پھر سے لگا کر اورنگ زیب نے ہندوؤں بالخصوص راجپوتوں کے جذبات کو بہت ٹھیس پہنچائی۔"

نوٹ :۔ جزیہ کے متعلق ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو غیر مسلم فوج میں بھرتی نہیں ہوتے تھے، ان کی اور ان کے خاندان کی حفاظت کے لیے ایک ٹیکس لیا جاتا تھا۔ اگر کوئی ان کی حفاظت نہ کر سکے تو یہ ٹیکس واپس کر دیا جاتا تھا۔ محمد بن قاسم جب خلیفہ کے حکم سے ہندستان سے واپس جا رہا تھا تو اس نے جزیہ میں لیا ہوا ٹیکس واپس کر دیا تھا۔ مسلمانوں سے دوسرے قسم کے ٹیکس لئے جاتے تھے۔ جو جزیہ سے اکثر زیادہ ہوتے تھے۔ جزیہ ٹیکس کو بدنام کرنے کیلئے انگریزوں نے اس کو یہ رنگ دیا گویا ہندوؤں سے ہندو ہونے کی وجہ سے یہ ٹیکس لیا جاتا تھا ——— حالانکہ یہ ان کی جان و مال کی حفاظت کا ٹیکس تھا اور اس کے علاوہ انھیں کوئی ٹیکس نہیں دینا پڑتا تھا۔

ص : ۲۰۸ : تیسرا اعتراض : چنگی کے متعلق تفریقی حکمتِ عملی :۔ "صنعت اور تجارت کے میدان میں بھی اورنگ زیب ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں نظر سے نہیں دیکھ سکا۔ ہندو تاجروں کو اپنے مال پر ۵ فیصدی چنگی دینی پڑتی تھی، مگر مسلمان تاجروں کو اس کی نصف چنگی دینی پڑتی تھی۔ بعد میں اس نے مسلمان تاجروں پر سے بالکل چنگی ہٹا دی۔"

ص : ۲۰۸-۲۰۹ : "سرکاری نوکریوں سے ہندوؤں کو ہٹانا" :۔ "محکمہ مال سے سبھی ہندوؤں کو نکال دیا گیا۔"

ص : ۲۰۹ : بزورِ طاقت تبدیلی مذہب :۔ "ہندوؤں کو مسلمان بنانا اور اسلام کی خدمت کرنا اورنگ زیب اپنا مذہبی فرض سمجھتا تھا۔ . . . جو ہندو اسلام میں نہیں پڑتے تھے انھیں زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ متھرا کے گوکل نامی جاٹ کے سارے خاندان کو اسی طرح مسلمان بنا لیا گیا تھا۔ جو ہندو اسلام مذہب کی تنقید یا اپنے مذہب کی تبلیغ کی کوشش کرتے تھے، انھیں بڑی سخت سزا دی جاتی تھی۔ اُودھو بیراگی نامی ہندو کو اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی وجہ سے ہی مروا ڈالا گیا تھا۔"

ص : ۲۰۹ : "ہندوؤں پر معاشرتی پابندی" :۔ "اورنگ زیب کی سختی نے ہندوؤں کی معاشرتی زندگی پر بھی سخت حملہ کیا۔ ۱۶۶۵ء میں اس نے یہ فرمان جاری کیا کہ راجپوتوں کے علاوہ کوئی دوسرا

ہندو ہاتھی، گھوڑا یا پالکی کی سواری نہیں کر سکتا۔"

ص: ۲۰۹-۲۱۰: س: ۲: "جاٹوں کی بغاوت:- " اس بغاوت کی خاص وجہ کیشو رائے کے مندر کو تڑوانا تھا۔ جاٹ لوگ اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکے اور مغل گورنر عبدالنبی کا قتل کر دیا۔ اورنگ زیب نے بڑی بے رحمی سے بغاوت کو فرو کر دیا۔ گوکل اور اس کے خاندان کے لوگ قید کر والئے گئے۔ گوکل کو کٹوا کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور اس کے گھر کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنا لیا گیا۔"

ص: ۲۱۰: تیسرا پیراگراف، آخری سات سطر: سکھوں کی بغاوت:- " اورنگ زیب نے ہندوؤں کی مندروں کی طرح سکھوں کے مندروں کو بھی گروانا شروع کر دیا۔ . . . گرو تیغ بہادر پکڑ لئے گئے اور دلی لائے گئے۔ ان سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا گیا اور جب انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تب ۱۶۷۵ء میں ان کا قتل کر دیا گیا۔"

ص: ۲۱۱: س: ۴ سے ۷ تک: "راجپوتوں کے ساتھ سنگھرش":- " آخر میں اورنگ زیب نے ایک زبردست فوج گرو کے خلاف بھیجی۔ گرو ہار گئے اور ان کے دو لڑکے قید کر لیے گئے۔ ان لڑکوں سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا گیا لیکن ان لڑکوں نے اس نفرت انگیز تجویز کو ٹھکرا دیا اور انھیں زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ . . . اورنگ زیب کی ہندو مخالف حکمت عملی کی وجہ سے راجپوت حکومتوں کے ساتھ ان کی لڑائی ضروری ہو گئی۔"

ص: ۲۱۲: س: ۷-۸:- " مغل فوج نے مارواڑ کے شہروں کو خوب لوٹا۔ اس کے مندروں کو توڑا اور سارے ملک کو تاخت و تاراج کر دیا۔"

ص: ۲۱۸: دوسرا پیراگراف: آخری چار سطریں:- " یہاں پر سبھاجی کو بھانڈوں کا وستر (کپڑا) پہنا کر اسے دلی کی سڑکوں پر گھمایا گیا اور ہر پرکار سے اپمانت (بے عزت) کر اسے کارا گار میں ڈال دیا گیا۔ پندرہ دنوں کی بھیانک یاتناؤں کے بعد اس کے شریر (جسم) کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مانس (گوشت) کو کتوں کو دے دیا گیا۔"

ص: ۲۲۰: س: ۳: "میرٹھ کا راشٹری سنگرام":- " وہ (اورنگ زیب) دکن میں اپنے راج کا وستار تھا ہندوستہ کو سماپت کرنا چاہتا تھا۔ (ہندو حکومت کو ختم کرنا چاہتا تھا)۔"

ص: ۲۲۳: تیسرا پیراگراف: س: ۷ سے ۱۰ تک:- " اس کی (اورنگ زیب) ہندو پرجا اس کے دھارمک اتیاچاریوں کے کارن بڑی دکھی تھا دینی تھی۔ ہندوؤں کے مندروں تتھا ان کی مورتیوں کو توڑا گیا اور اس کے استھان پر مسجدیں بنوائی گئیں۔"

ص: ۲۲۴: دوسرا پیراگراف :- " اورنگ زیب نے اپنے شاسن میں انیک سدھار کئے تھے پرنتو ان سدھاروں میں اس کی مسلم پرجا کو ہی لابھ ہوا تھا، ہندوؤں کو نہیں۔ . . . ہندوؤں کے ساتھ اس نے چاہے جتنا انیائے تتھا اتیاچار کیا ہو، پرنتو اپنی مسلم پرجا کے ساتھ وہ سدیو (ہمیشہ) نیائے (انصاف) کرتا تھا۔"

ص: ۲۲۰-۲۲۱: ص: آخری/پہلی دو سطریں اور ۸-۹ :- "مغلوں کا سکھوں کے نیتا بندا بیراگی کے ساتھ یدھ ہوا۔ جب پراست ہو جانے پر بندا بیراگی نے اسلام دھرم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تب اس کا اور اس کے ساتھیوں کا بدھ کر دیا گیا۔ . . . فرخ سیر نے ہندوؤں پر پھر جزیہ ٹیکس لگا دیا اور ان پر اتیاچار کرنے لگا۔"

ص: ۲۲۴: ص: ۹ سے ۱۳ تک :- "ہندوؤں کی پربل سہایتا جسے اکبر نے بڑی چالاکی سے پراپت کیا تھا، شاہجہاں کی غلط نیتی اور اس سے بھی ادھک اورنگ زیب کی کٹھور کٹرپنتھی نیتی سے دربل (کمزور) پڑ گئی۔ اورنگ زیب بڑا ہی دھرماندھ (مذہبی) کٹر سنی مسلمان تھا۔ اس نے نہ کیول (صرف) ہندوؤں ورن صوفی تتھا شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی بڑا اتیاچار کیا۔"

ص: ۲۴۴: آخری پیراگراف: ص: آخری تین :- "اورنگ زیب کے سمے (وقت) میں ہندو ویاپاریوں کو انیک اسویدھاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ آمیوں کی دشا (حالت) کافی سوچنیہ (بدتر) ہو گئی تھی۔"

ص: ۲۴۷: آخری پیراگراف: ص: ۳-۴ :- "اس نے (بابر) ہندوؤں کے ورودھ جو یدھ کئے تھے انھیں اس نے دھرم یدھ (جہاد) کے نام سے پکارا تھا۔ جو کافروں اتھوا مورتی پوجکوں کے ورودھ کیا جاتا ہے۔"

ص: ۲۴۸: دوسرا پیراگراف: ص: ۲ سے ۶ اور ۹، ۱۲ سے ۱۴ تک :- "اسہشنتا (تنگ نظری) کی نیتی کا بیجاروپن (تخم ریزی) جہانگیر کے کال میں ہی ہو گیا تھا کیونکہ اس نے پھر ہندوؤں کے مندروں تتھا ان کی مورتیوں کو تڑوانا اور مسلمان بنانا آرمبھ کر دیا۔ . . . اور ہندوؤں کے ساتھ بڑے اتیاچار کئے گئے۔ . . . (اورنگ زیب نے) نہ کیول ہندوؤں کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کئے گئے ورن (بلکہ) صوفی تتھا شیعہ مسلمان بھی اتیاچار سے بچ نہ سکے۔"

ص: ۲۵۴: پہلا پیراگراف: ص: ۷ اور ۸ :- "واستوکلا (فن تعمیر) سے اورنگ زیب کو کوئی وشیش پریم (خاص لگاؤ) نہ تھا، پرنتو چونکہ مسجدوں کا بنوانا پرتیک مسلمان کا کرتویہ ہے، اتیو اس نے ہندوؤں کے مندروں کو دھوست کرا کر مسجدیں اور خیہ دھرم ورسا بنوائیں۔"

ص: ۲۶۷: پہلا پیراگراف: ص: ۹ سے ۱۱ :- "جب اورنگ زیب دھرماندھ ہو کر ہندوؤں

کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کر رہا تھا۔ اس کے ان اتیاچاروں نے ہندوؤں میں بھیانک پرتی کریا آرمبھ کر دی۔ (خوفناک رد عمل شروع کر دیا۔)"۔

ص: ۲۶۸: پہلا پیراگراف: س: ۷، ۸ اور ۹:۔ "وہ (شیواجی) ہندو دھرم کے رکچھک کے روپ میں میدان میں اتر آیا اور مسلمانوں کے وِرُدھ اس نے جہاد (دھرم یُدھ) کی گھوشنا کر دی۔"

ص: ۲۷۱: س: ۸ سے ۱۱: "شیواجی کا مغلوں سے سنگھرش":۔ "چونکہ اورنگ زیب ایک کٹرپنتھی مسلمان تھا اور ہندوؤں کو بڑی گھرنا (نفرت) کی درشٹی سے دیکھتا تھا اتیوا اپنے سامراجیہ کی سیما (سرحد) پہ وہ ایک سوتنتر (آزاد) ہندو راج کا وکاس (ترقی) سہن نہ کر سکا۔ (برداشت نہ کر سکا)۔ . . . اورنگ زیب کی ہندو وِرودھی نیتی کے پھل سوروپ مہاراشٹر میں بھی بھیانک پرتی کریا آرمبھ ہو گئی۔ مراٹھوں نے شیواجی کے نیترتو (قیادت) میں سمپورن بھارت میں سوتنتر ہندو سامراجیہ کے استھاپت کرنے کا نشچے کر لیا۔"

نوٹ: شیواجی مراٹھا راجیہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ وہ ہندو راجیہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

ص: ۲۷۴: پہلا پیراگراف: س: ۲-۳:۔ "شیواجی اورنگ زیب کی ہندو وِرودھی نیتی سے کھن ہو رہا تھا۔ (ناراض ہو رہا تھا)۔"

ص: ۲۷۷: پہلا پیراگراف: س: آخری ۴ سطریں:۔ "شیواجی نے ان نویوؤں (نوجوانوں) کو سنگٹھت (مجتمع) کیا اور ہندو سامراجیہ کی استھاپنا کرنے میں انھیں لگا دیا۔"

ص: ۲۷۷: پیراگراف ۳-۴: س: ۲، ۳ اور آخری ۴ سطریں:۔ "شیواجی ہندو جات تھا ہندو دھرم کے رکچھک (محافظ) کے روپ میں سوتنتر ہندو راجیہ کی استھاپنا کرنے کے لیے راجنیتک چھیتر میں اترے تھے۔ . . . ہندو سوراجیہ کا جو نعرہ شیواجی نے لگایا تھا وہ مسلمانوں کے وِرُدھ بڑا سپھل سدھ ہوا۔"

ص: ۲۸۱: آخری پیراگراف: س: ۴ سے ۸:۔ "جن پر (شیواجی) بھارت کی ہندو جنتا سدیو (ہمیشہ) گرو (فخر) کرے گی۔ . . . ہندو اپنی سوتنترتا (آزادی) کو کھو چکے تھے۔ اور ان کے مندروں تھا تیرتھ استھانوں کو نشٹ کر دیا گیا تھا۔"

ص: ۲۸۲: پیراگراف: س: ۱، ۵ اور آخری: "دکھن کے پربل (طاقتور) ہندو راج سمایت ہو گئے تھے اور مسلمانوں کا آتنک (خوف) سروتر (چاروں طرف) ویاپت تھا۔ . . . شیواجی نے ان پرستھتیوں سے لابھ اٹھایا اور ہندو جات کے مستک کو اونچا اٹھایا۔ . . . سمپورن بھارت میں ہندو بادشاہی کو استھاپت کرنے تھا ہندو دھرم کی

رکچھا کرنے کا نشچے کرلیا۔"

ص: ۲۸۵ : س : ۴ سے ۷ تک :۔ " اس پرکار شیواجی نے اس بات کو سدھ کر دیا کہ ایک بار پھر سمپورن بھارت میں ہندو بادشاہی . . . کی استھاپنا کی جاسکتی ہے۔ یہ شیواجی کی اپوروہ دین ہے جو آج بھی ہندوؤں میں نوجیون کا سنچار کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔"

ص: ۲۸۵: دوسرا پیراگراف : س : ۹ اور ۱۰ :۔ " جب اورنگ زیب ہندوؤں کے ساتھ بھانت بھانت کے اتیاچار کر رہا تھا . . . .

نوٹ :۔ اورنگ زیب اور شیواجی کی جنگ کو ہندو مسلم جنگ بنا دیا گیا ہے۔ جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ رعایا میں ہندو مسلم تعصب کا کہیں بھی وجود نہیں تھا۔ اورنگ زیب کی فوج میں جہاں ہندو تھے وہیں شیواجی کے فوج میں مسلمان تھے۔ اورنگ زیب کی فوج کا سپہ سالار ہندو اور شیواجی کے توپ خانہ کا کمانڈر مسلمان تھا۔

ص: ۲۸۶ : دوسرا پیراگراف : س : ۴ سے ۶ :۔ " اور ہندو جنتا اورنگ زیب کے اتیاچاروں سے تراہ تراہ کر رہی تھی۔ دکھن بھارت میں وجے نگر کے ہندو راج کے ختم ہو جانے سے ہندو راج کا نام و نشان نہ رہ گیا۔"

ص : ۲۸۷ : پیراگراف : ۱ : آخری چار سطریں :۔ " شیواجی نے ہندو جات، ہندو دھرم، ہندو ریتی رواج اور پرمپراؤں کی رکچھا کی اور ہندو راشٹر کی پُنر استھاپنا کی (ہندو قومیت کو پھر سے قائم کیا واستو (حقیقت) میں سرجادو ناتھ سرکار کے لفظوں میں " وہ بھارت کا آخری ہندو راشٹر نرماتا تھا، جس نے ہندوؤں کے مستک کو ایک بار پھر اونچا اٹھایا۔"

ص : ۲۸۸ : س : ۶ سے ۹ :۔ " ۱۶۸۸ء میں مغل افسر شیخ نظام نے سمبھاجی اور ان کے ساتھیوں کو سنگمیشور نام کے مقام پر قید کر لیا۔ یہ لوگ اورنگ زیب کے سامنے لائے گئے اور پندرہ دنوں کے کرور دیہ رمن اور پرہار کے بعد اُن کو قتل کر دیا گیا۔"

ص : ۳۰۲ : تیسرا پیراگراف : آخری سات سطریں :۔ " اورنگ زیب اپنی ہندو ورودھی نیتی کا چکر چلا رہا تھا۔ اس نے سکھوں کے مندروں کو بھی گرانا آرمبھ کر دیا اور ان لوگوں کو نگروں سے نکال باہر کر دیا جو سکھوں سے گرو دکھشا (نذرانہ) وصول کرتے تھے۔ . . . اورنگ زیب نے

انھیں (گرو تیغ بہادر) دلی بلوایا، اور اسلام قبول کرنے کے لیے کہا۔ گرو نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لیے کئی طرح کی تکلیفیں دینے کے بعد ۱۶۷۵ء میں ان کا بدھ (قتل) کروا دیا گیا۔"

ص: ۵۰۹: "وھابی آندولن (تحریک)":- "اپنی تنگ نظری کی وجہ سے انھوں نے (سید احمد بریلوی) انگریزی تہذیب اور انگریزی تعلیم کی مخالفت کی۔ وہ ہندو مسلم ایکتا کے مخالف تھے اور ہندوؤں کو کافر کہتے تھے۔ واستو میں (حقیقت میں) وہ مسلمانوں کا راجیہ قائم کرنا چاہتے تھے۔"

ص: ۵۱۰: ص: ۶ سے ۸ اور آخری تین سطریں: علی گڑھ آندولن (علی گڈھ تحریک)۔

"سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ برٹش سرکار کے ساتھ سہیوگ (تعاون) کرنے میں ہی ان کی بھلائی ہے۔ ہندوؤں سے چپکے رہنے میں ان کا کلیان (فائدہ) نہیں ہے۔

راجنیتک چھیتر میں انھوں نے مسلمانوں کو انگریزوں کے نزدیک لا دیا، لیکن ہندوؤں سے انھیں دور ہٹا دیا۔ ان کی یہ بھومیکا (طرز عمل) دیش کے لیے بڑی گھاتک سدھ ہوئی۔ (بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی)۔



جناب جمال محمد صدیقی

ریڈر، شعبہ تاریخ (سنٹر آف ایڈوانس سٹڈی)
علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ-۲۰۲۰۰۱

تاریخ کی ایک فرقہ وارانہ تاویل

گوروگاتھا کا ایک کیفیاتی مطالعہ

اس مقالے میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ گوروگاتھا پر تبصرہ کیا جائے۔ یہ تاریخ کی مشہور درسی کتاب ہے۔ بغیر کسی ابہام کے اس کے مصنف تیج پال سیٹھی نے طلبا کو اپنا پیغام پہنچایا ہے۔ مصنف نے ایک خاص قسم کے سیاسی فلسفے کو طلبا کے دماغ تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ ان کے طریقہ فکر نے ہندوستانی تاریخ کے سلسلے میں بنیادی فہم کو تہہ و بالا کر دیا ہے۔ ہر چند کہ کتاب کے نام سے ہم یہ نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تاریخ کی کوئی درسی کتاب ہوگی۔ گوروگاتھا کے معنی ہیں عظمت و سلطنت کے قصے۔ لیکن مصنف کے خیال میں ہندوستانی تاریخ محض ہمارے پرکھوں کے مہتم بالشان قصے ہیں۔ ہمارے پرکھوں سے ہیں اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ وہ صاف صاف ایک خاص فرقے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ سارے ہندوستان کے متعلق ایسی بات نہیں کر رہے ہیں۔ موجودہ نسل کے وجدان اور ان کے تجدید ثبات کے قصے کی پیشکش اس مصنف کے خاص مقاصد ہیں اور اسی کام کے لیے انھوں نے تاریخ کو توڑا مروڑا ہے تاکہ اس بات کی تائید ہو سکے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ درسی کتاب جو نصاب میں داخل ہے کم سن طلبہ کیلئے لکھی گئی ہے۔ نفسیاتی طور پر اس عمر کے بچوں میں اپنے ارد گرد کی سبھی اچھی اور بری باتوں کو جذب کرنے کا مادہ ہوتا ہے۔ ان کے دماغ کی تختی پر جو اس کتاب کے اسباق، نقشوں، خاکوں اور سوانحاموں کی جو مہر لگے گی مستقبل میں ان کے عادات و اطوار پر اس کے بڑے دور رس نتائج ثبت ہوں گے۔ ہر چند کہ تاریخ نویسی کے کسی بھی معیار سے یہ تاریخ کی درسی کتاب نظر نہیں آتی۔ تاہم یہ تاریخ کی ایک ایسی درسی کتاب ہے جو یوپی بھر کے نصاب میں داخل ہے۔ چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس پر توجہ نہ دی جائے۔

ے تیج پال سیٹھی، گوروگاتھا، سرسوتی شیشو مندر پرکاشن لکھنؤ ۱۹۹۹ء۔ یہ تاریخ کی درسی کتاب ہے سرسوتی شیشو مندر، پرائمری اسکول، یوپی کے پانچویں درجات کے نصاب میں داخل ہے یہ پانچ سالہ بچوں کے لیے ہے جو آر ایس ایس کے انتظام میں چلتا ہے۔ اس کتاب میں کل سترہ ابواب ہیں جس میں پہلے آٹھ ابواب ہندوستانی تاریخ کے قدیم دور سے بحث کرتے ہیں اور بقیہ نو عہد وسطیٰ سے تعلق رکھتے ہیں، جو کہ اس مضمون کا خاص موضوع ہے۔

اس کتاب میں تفصیل سے ہندستانی تاریخ کے فرقہ واری نظریات کے بنیادی عناصر کو شامل کیا گیا ہے۔ رسول اکرم محمدؐ کے اصول ماننے والوں کے متعلق جنھوں نے ان کے وصال کے بعد ان کے مشن کو آگے بڑھایا وہ لکھتا ہے: "وہ جہاں بھی گئے شمشیر بکف گئے۔ ان کے ماننے والوں کی فوج نے ہر سمت میں طوفانوں کی طرح یلغار کی۔ ان کی راہ میں جو ممالک آئے انھیں انھوں نے تہ و بالا کر دیا، عبادت گاہیں اور دانش کدے روند ڈالے گئے۔ کتب خانے جلا دیئے گئے۔ غیر مذاہب کی دینی کتابیں پامال کر دی گئیں۔ ماؤں اور بہنوں کو پریشان کیا گیا۔ ان کے دلوں میں ہمدردی اور انصاف کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔"

یہ پہلا رسمی تعارف اسلام اور اہل اسلام کا ہے۔ یہ فرقہ وارانہ تعصب ظاہر ہے کہ اس مقصد سے پیش کیا گیا ہے تاکہ قاری پر یہ اثر قائم کیا جائے کہ غیر رواداری تاراجی اور عیاشی یہ خاصیتیں جبلی طور پر اسلام پر ایمان لانے والوں کے اندر موجود تھیں۔ مصنف نے رسول اکرم محمدؐ پر بہتان تراشی سے گریز کیا ہے۔

کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ "عثمان وہ پہلے کمانڈر تھے جن سے ہندستان کی جانب پیش قدمی کرنے کی غلطی سرزد ہوئی۔ عرب خلیفہ سے اس کمانڈر کی بری طرح شکست ہوئی۔ چاچ نے جو سندھ کا برہمن راجہ تھا، اپنی تیز تلوار سے ان کا استقبال کیا پہلے ہی حملے میں ان کا سر غلہ کی بالی کی طرح کاٹ دیا گیا۔ ان کا بغیر سر کا جسم زمین پر تڑپ رہا تھا اور ان کی فوج کو کچل دیا گیا تھا۔" یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عثمان دیبل کے نزدیک ایک جھڑپ میں چاچ کی فوج کے ہاتھوں مارے گئے۔ لیکن یہ لڑائی سندھ کی تاریخ میں کوئی فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ مصنف نے اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کے پیش کیا ہے۔

اگلے ستر سال کے واقعات کے متعلق لکھتے ہوئے مصنف یہ بیان کرتا ہے: "یہ عین دانشمندی ہوتی اگر اس ذلت آمیز برتاؤ کے بعد انھیں (مسلمانوں کو) حالات کا صحیح اندازہ ہو جاتا لیکن وہ جو کسی قسم کا احساس نہیں رکھتے، ان پر کسی عمل کا کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ حریص حملہ آور رہے۔ اگلے ستر برسوں تک انھیں سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بعد ازیں محمد بن قاسم نے سندھ کے علاقے پر حملہ کیا۔ اس وقت راجہ داہر اس علاقے کا حکمراں تھا۔ برہمن آباد میں ایک بھیانک جنگ لڑی گئی۔ ایک جانب وحشی لٹیرے تھے اور دوسری جانب آزادی کے متوالے۔ راجہ داہر کو شکست دیکر قاسم اس کے دارالخلافہ میں داخل ہوا۔ سارا شہر شمشان بھومی بنا ہوا تھا۔ ان کے فوجیوں نے لوٹ مار اور قتل و غارتگری شروع کر دی۔ مصنف آگے ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح خلیفہ کے حکم سے محمد بن قاسم کو کتے کی طرح مارا گیا تھا اور یہ نتیجہ سوریہ دیوی اور پرمیلا دیوی کی سازشوں کا تھا جو کہ راجہ داہر کی لڑکیاں تھیں وہ مال غنیمت کے طور پر لائی گئی تھیں۔ مصنف نے اپنے بیان کو ایک تصویر کے ذریعے پیش کیا ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ قاسم زمین پر پڑے ہیں اور دونوں بہنیں ان کی لاش کے نزدیک کھڑی اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہیں۔ اس نقش پر جو سرخی لگائی گئی ہے وہ ہے 'بر از مسرت سوریہ اور پرمیلا محمد بن قاسم کی لاش پر۔' مصنف

نے تاریخی واقعات کو خاصا مسخ کیا ہے۔ چاچ نامہ کی غلط پیش کش نے محمد بن قاسم کی موت کو سوریہ دیوی اور پرمیلا دیوی کی سازش کا افسانہ بنا دیا ہے۔ بلاذری جو کہ اس دور کے مستند مورخ ہیں اس واقعے کو محمد بن قاسم کی موت کا سبب نہیں بتاتے۔ پروفیسر۔ ایس لعل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے شہریوں کو قتل عام سے بچایا۔ اس کی کتاب کے، جو کہ سندھ کے حملے سے متعلق ہے۔ ذیلی عنوانات میں سے ایک عنوان ہے: قاسم کی حکمت عملی مذہبی رواداری کے سلسلے میں: وہ مزید لکھتے ہیں کہ راجہ داہر ایک غیر مقبول حکمراں تھا۔

اگلے باب میں جو کہ محمود غزنی کے بیان میں ہے۔ مصنف لکھتا ہے: جب وہ تخت پر بیٹھا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک وہ پورے ہندوستان کو طاقت کے زور پر مسلمان نہ کردے۔ وہ اپنے اس منصوبے کو پورا کرنے کے لیے ارذل ترین سطح پر بھی جانے کو تیار تھا۔ سومناتھ کے مندر کو لوٹنے میں اس کا کچھ اور بھی مقصد تھا۔ چونکہ وہ بت پرستی کا مخالف تھا، اسلیے اس نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ دوسرے مذہب کے دیوی دیوتاؤں کے بت کو توڑ پھوڑ دیا جائے" بت پرستی پر ایمان نہ رکھنا اور بات ہے اور بت شکنی حقیقی طور پر دوسری بات ہے۔ وہ ایک دوسرے کا منطقی نتیجہ نہیں ہیں۔ مصنف ہمیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے کہ مسلمان جو بت پرستی پر یقین نہیں رکھتے وہ عقیدتاً بت شکنی کو جائز سمجھتے ہیں۔ محمود غزنی نے اپنے شیوۂ بت شکنی سے اسلام کو بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن محمود کے ان کرتوتوں کی سزا ایک مخصوص فرقہ کو کیوں دی جائے، کیوں انھیں مطعون کیا جائے اور مجموعی طور پر ایک خاص فرقہ کے احساسات کو کیوں مجروح کیا جائے۔

رائے پتھورا (پرتھوی راج چوہان) اور شہاب الدین کی جنگ کے متعلق مصنف ہمیں بتاتا ہے کہ غزنویوں کی ٹوٹ پھوٹ کے بعد کئی ایک آزاد قبیلے ابھر کر سامنے آئے ان میں ایک دھوری بھی تھی۔ (مصنف یہ سمجھتا ہے کہ غوری دھوری کی بگڑی ہوئی شکل ہے)۔ ان لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہے۔ ہندو انھیں غلطی سے ان کے پرانے دھرم پر واپس نہیں لا سکے اور ان کی شدھی نہیں کر سکے۔ اسی واسطے وہ ہندوؤں کے کٹر دشمن ہیں۔ اسی پیراگراف میں شدھی کا پیام خاصا واضح ہے۔

شہاب الدین غوری کے متعلق وہ لکھتا ہے۔ غوری نے کاشی نگری پر حملہ کیا اور کاشی جل کر راکھ ہو گی۔ لاکھوں آدمی مارے گئے۔ مندروں کو مسمار کر دیا گیا اور کاشی میں وشوناتھ کا مسمار شدہ مندر اور متھرا میں کرشن جی کے جنم استھان کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔ آج تک وہ کھنڈران درندہ صفت بیرون حملہ آوروں کی کہانی سنا رہے ہیں۔ مصنف ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ غوری کو نابینا پرتھوی راج نے چوہان حکمرانوں کے درباری شاعر چاند بار دل کے اشارے پر اپنے تیر کا نشانہ بنایا تھا اور انتقام کا پیغام متذکرہ بالا بیان میں خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ ان بیانات سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ان ہندوؤں کو بحال کرنے کی بات کی جا رہی ہے۔ جس سے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور مختلف فرقوں کے درمیان تنازع پیدا ہوتا ہے

ہمعصر مورخوں کے مطابق جن میں منہاج حسن نظامی اور بعد کے دونوں ہیں عصامی بھی ہیں۔ رائے پتھورا سرسوتی کے نزدیک ترائن کی دوسری جنگ میں مارا گیا اور اجمیر کا علاقہ اس کے لڑکے کے سپرد کیا گیا تھا۔ شہاب الدین غوری کو کھوکر باغیوں نے مارچ ۱۲۰۶ء میں دمیک کے مقام پر مارا تھا۔

مصنف کے الفاظ میں قطب الدین ایبک کی تخت نشینی کے بعد اگلے سوا تین سو سال کی تاریخ "مسلسل ظلم واستبداد کی تاریخ ہے۔ دشمنوں نے ہر سمت خوف اور دہشت کا راج قائم کر دیا۔ لوگوں کو تلوار کی نوک پر مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا۔ کروڑوں تہ تیغ کر دیئے گئے۔ مندر اور یادگار عمارتیں مسمار کر دی گئیں۔ خوفناک مظالم کے سبب جو ہر چہار طرف بپا تھے، عوام کے دلوں میں دہشت سی بیٹھ گئی۔ قطب مینار کے متعلق مصنف لکھتا ہے۔ یہ اس نے (قطب الدین ایبک) تعمیر نہیں کرایا تھا، وہ تو اس طرح کے مینار کی تعمیر کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ دراصل سمندر گپت نے تعمیر کروایا تھا۔ اور اس کا اصل نام وشنو استمبھ تھا۔

قطب الدین کی تعمیر کے سلسلے میں مصنف پی۔ این۔ اوک آگے کی بات نہیں کہہ سکا ہے۔ عہد وسطیٰ کی تاریخی عمارتیں جنھیں سلاطین دلی یا مغل حکمرانوں نے بنوایا تھا انھیں کسی قدیم حکمراں کے نام سے منسوب کرنا بھی ایک پسندیدہ موضوع ہے۔ ان لوگوں کا جو تاریخ نویسی میں فرقہ وارانہ عصبیت کو راہ دیتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھیں ان صنائی کی مبادیات کا بھی علم نہیں ہے۔ قرون وسطیٰ کی جو بھیانک تصویر مصنف نے کھینچی ہے وہ اس کے تخیل کا کمال ہے۔ پروفیسر ہربنس مکھیا نے سائنٹفک انداز سے ان عوامل کا تجزیہ کیا ہے۔ انھوں نے بڑی سچی بات کہی ہے کہ "انتظامیہ کی نچلی آسامیاں پورے طور پر ہندوؤں کے ہاتھوں میں رہیں چنانچہ یہ ہندو ہی تھے جنھوں نے ترکوں کی حکومت کے قیام میں ان کی مدد کی اور وہی اس کا نظم ونسق کرتے تھے۔ اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو ترک بہت تھوڑی سی مدت ہندوستان میں گزارتے۔ وہ آگے کہتے ہیں: ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ اندازہ لگایا جائے کہ ریاست خود ہی بڑے پیمانے پر ہندوؤں کو مسلمان بنا رہی تھی اور نہ یہ کہ غصے میں انھوں نے کوئی پرجوش قدم اٹھایا ہو تبلیغ دین کا منطقی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تعداد میں وہ اتنے ہی تھے جتنا کھانے میں نمک ہوتا ہے۔ ترک یا مغل کیا ایک ایسی حکمت عملی پر قائم رہ سکتے تھے جو ہندو عوام سے مستقل دشمنی اور تنازعہ کی پالیسی ہو۔ ہندو جوان سے تعداد میں کئی گنا زیادہ تھے۔

ہیمو وکرمادتیہ کے متعلق مصنف لکھتا ہے۔ اکبر کے عہد میں ہیمو نام کا ایک بہادر شخص سامنے آیا۔ وہ بڑا جنگجو تھا پہلے اس نے دہلی میں بھی کام کیا تھا۔ اس نے بیرونی دشمنوں کو نکال باہر کرنے کا عہد مصمم کیا تھا۔ مناسب موقع دیکھ کر اس نے دہلی پر حملہ کیا۔ مغل فوج ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ وہ بد دل ہو کر بھاگ گئی اور دہلی آزاد ہو گئی۔ بھگوا جھنڈا ایک بار پھر دہلی

کی فضاؤں میں آب و تاب کے ساتھ لہرایا تھا۔" مصنف نے اس حکمراں کا نام نہیں دیا جس کی ماتحتی میں ہیمو نے دہلی میں رہ کر خدمت انجام دی تھی۔ اس سے قبل ہیمو نے ایک ذی اثر وزیر اعظم کی حیثیت سے محمد شاہ عادل سور (۱۵۵۷-۵۴ء) کے دربار میں نوکری کی تھی۔ کم از کم ہیمو کے نزدیک سبھی مسلمان بیرونی دشمن نہیں تھے۔ ہیمو کی فوج جس نے دہلی میں مغل فوج کو تتر بتر کر دیا تھا اس میں ایک بڑی تعداد میں افغان فوجی بھی شامل تھے۔ مبارک خاں، بہادر خاں، شلوی خاں اس کی فوج کے اہم ونگ کمانڈر تھے۔ شادی خاں ککر بھی پانی پت کی لڑائی میں مارا گیا۔

اکبر کے متعلق مصنف لکھتا ہے "وہ نظر نا میار تھا۔ اور اس کی اس عیاری سے بہت سے حکمراں اس کے جال میں پھنس گئے تھے۔ لیکن ایک راجہ کو وہ بیوقوف نہیں بنا سکا۔ وہ مہارانا پرتاپ تھا یہ نہیں بھولا تھا کہ اکبر بالآخر ایک بیرونی حکمراں ہے۔ انھیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اکبر ملائم لہجے میں گفتگو کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ بیرونی حکمراں تھا۔"

مصنف اپنے فرقہ وارانہ تعصب کا تاریخ کے مسخ شدہ واقعات کے ذریعے پرچار کرتا ہے۔ ہلدی گھاٹی کی جنگ کے متعلق مصنف لکھتا ہے "ہلدی گھاٹی میں ایک بھیانک جنگ لڑی گئی۔ اکبر اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہوا۔ وہ بڑا تیز آدمی تھا۔ اس مہم کی کمان اس نے اپنے لڑکے سلیم کو سونپی تھی۔ اسے مان سنگھ پر بھروسہ نہیں تھا۔ مان سنگھ اکبر کا ایک ادنیٰ نوکر تھا۔ میدان جنگ میں فوجیوں نے سلیم سے پوچھا۔ شاہزادے فوج میں دونوں جانب راجپوت ہیں ہم کسے ماریں؟ سلیم نے جواب دیا، کسی کو بھی مارو فتح ہماری ہوگی۔ سلیم دوست اور دشمن کی عمدہ پرکھ رکھتا تھا۔"

تاریخی واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر اور مہارانا پرتاپ کی جنگ میں کسی مذہبی معاملے کا دخل نہ تھا۔ یہ محض دو حکمرانوں کی شاہی انا کی جنگ تھی۔ یعنی اکبر اور میواڑ کے رانا کی۔ ہلدی گھاٹی کی جنگ کا تجزیہ کرنے کے بعد ہیں پروفیسر ایل سری واستو کا بیان صحیح نظر آتا ہے۔ "اس بات کا کوئی عمل نظر نہیں آتا ہے کہ مغل دربار میں رانا کی ذاتی حاضری پر زور دیا جائے خاص طور پر اس حالت میں کہ اس نے اپنے بڑے لڑکے امر سنگھ کو آگرہ بھیج دیا تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ اکبر کی فرمانروائی کو تسلیم کر لیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ ایک لڑکے اور اس کے ولیعہد جہانگیر نے رانا کے جذبات کا خیال کیا اور اس کی ذاتی شرکت پر اصرار نہیں کیا۔

مسلم حکمرانوں کو نوجی برگے کے طور پر پیش کرنے کے لیے اور بالواسطہ طریقہ پر اپنے قاری کو یہ باور کرانے کے لیے کہ مسلمان ان کے پرانے اور کٹر دشمن ہیں، مصنف نے تاریخ کے آداب کو اپنی دشنام طرازی کا نشانہ بنایا ہے۔ ہم لوگ ان بے بنیاد مائندوں کی صداقت کے سلسلے میں کوئی سوال نہیں اٹھائیں گے جن کا تعلق سلیم اور مسلمان فوجیوں کے مابین مکالمے سے ہے لیکن اس بات کی نشاندہی کرنا از بس ضروری ہے کہ ہلدی گھاٹی کی جنگ کے وقت (جون ۱۸، ۱۵۷۶ء) شہزادہ

سلیم کی عمر (تاریخ پیدائش ۳۰ اگست ۱۵۶۹ء) مشکل سے سات برس کی تھی۔ فوج کا پورا انتظام اکبر نے راجہ مان سنگھ کو سونپا تھا۔

زیر تبصرہ کتاب میں عہد وسطیٰ کے مسلمانوں کی حکومت کو ہر جگہ بیرونی حکومت کہا گیا ہے۔ آٹھ سو سال کی غلامی ؛ یہ ایک مبالغہ آمیز فقرہ ہے جو عام طور پر مستعمل ہے۔ مسلم عہد حکومت کو ہندستانی تاریخ کا تاریک ترین اور بنجر ترین دور بتایا جاتا ہے۔ رومیلا تھاپر کہتی ہیں: "اگر آج کی فرقہ پرستی کے نظریے کو پرکھا جائے تو ہم سیدھے سیدھے اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ انھیں اس کی عقلی تائید تاریخی ماضی سے حاصل ہوتی ہے۔

میں یہاں تاریخ کی تاویل کی کچھ اور مثالیں مختلف مصنفوں کے یہاں سے پیش کروں گا۔

(۱) گرو ارجن دیو کو جہانگیر نے مروایا کیونکہ انھوں نے ان کے باغی لڑکے داراشکوہ کو امان دی تھی۔ (؟) (۲) بھائی متی داس کو آرے سے چروا دیا گیا۔ سوچیے کہ کتنی تکلیف انھیں ہوئی ہوگی۔ (۳) قوم غلامی کی زنجیر کو توڑنے کے لیے بے قرار ہو گئی۔ غیر ملکیوں کے بڑے بڑے مظالم اب انھیں محکوم نہیں بنا سکتے تھے۔ (۴) آزادی کی جنگ ہمارے لیے مذہبی جنگ بن گئی۔ (۵) اپنے دھرم کی رسوائی کا سال یہ سن کر کہ گائیں اور برہمن ذبح کیے جا رہے ہیں، مندروں کو توڑا پھوڑا جا رہا ہے، ماؤں اور بہنوں کو ذلیل کیا جا رہا ہے، ان کے (شیواجی کے) جسم کی مچھلیاں غصے میں سخت ہو گئیں۔

اوپر میں نے کچھ مثالیں کتاب کے آخری چار ابواب سے پیش کی ہیں۔ ایک منتخب حوالہ سوالوں کا ہے جو ابواب میں درج شدہ سوالناموں سے حاصل کیے گئے۔ یہاں ان کی پیشکش بے محل نہیں ہوگی۔ ان سے مصنفین کے نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) پہلے مسلمان حملہ آور کا نام تھا .. .. ۳۴ (خالی جگہ کو پُر کیجیے) (۲) کس کے جسد پاک کو دشمنوں کی فوج بھی ہاتھ نہیں لگا سکتی تھی۔ ۳۵ (۳) نقشے پر دکھاؤ، قنوج متھرا اور کاشی ۳۶۔ (۴) سومناتھ کا انتقام کس نے لیا؟ ۳۷ (۵) نام بتائیں ۳۸۔ (الف) آرے سے کسے چیرا گیا تھا (.. .. .. ..) (ب) کسے قتل کیا گیا تھا (.. .. ..) (سی) کسے دیوار میں چنوا دیا گیا تھا (.. .. ..) (ڈی) کس کے منہ میں اس کے بیٹے کا گوشت ٹھونسا گیا تھا (.. ..) (ای) کس کے سر پر گرم تیل انڈیلا گیا تھا۔ (.. .. .. ..)

تاریخ میں اس قسم کے اشتعال انگیز بیان سے بچوں کے ذہن پر ایک خاص قسم کے اثرات مرتب ہوں گے۔ کل ہند ہسٹری کانگریس ۱۹۶۱ء منعقدہ دہلی کے ایک سمپوزیم سیشن میں جس کا موضوع تھا قومی یکجہتی کے عمل میں ہندستانی تاریخ دانوں کی خدمات" — پروفیسر عرفان حبیب نے بتایا کہ جب اسکول سے یونیورسٹی کے اعلیٰ مدارج تک ہمارے نوجوانوں کو ماضی کی غلط کاریوں کے قصے جو خاموشی سے انتقام کی باتیں کرتے ہیں سنائے جائیں گے تو پھر یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہوگی کہ آج

بھی ہمارے ملک میں اقلیتوں کا قتل عام ہوتا ہے۔ ۳۹۔ ۱۹۶۱ء میں ممکن ہے کہ خاموشی سے انتقام کی آواز بلند کی جاتی ہو لیکن آج ۱۹۸۸ء میں یہ آواز بے حد بلند ہو گئی ہے۔

عہد وسطیٰ کے کچھ تاریخی مآخذ کی جھلکیوں کو ترجمہ کرنے اور انھیں ترتیب دینے کا مقصد اور ۱۸۴۹ء میں مسلمان حکمرانوں کی غلط کاریوں کو پیش کرنے میں جو ایلیٹ کا مقصد تھا، وہ آج بالکل سمجھ میں آجاتا ہے۔ ۴۰۔ لیکن "گوروگاتھا" کے مصنف کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ فرقہ وارانہ جنون کا بھڑکنا لازمی ہو جائے جو کہ مصنف کی دلی خواہش ہے۔

پروفیسر محمد حبیب کے بیانات جو ان کے مقالے "سرہنری ایلیٹ" میں درج ہیں، آج بھی ہمارے حالات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "ماضی ہماری پہنچ سے باہر ہے، ہمیں جس کی فکر ہے وہ آج ہے اور آنے والا کل ہے"۔ فرقہ وارانہ امن و امان قائم رکھنے کیلیے یہ ضروری ہے کہ تاریخ کی ایسی درسی کتابوں پر پابندی لگا دی جائے۔

حوالے:

(۱) بپن چندر صحیح کہتے ہیں کہ "درحقیقت اس امر میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ تاریخ کی فرقہ وارانہ تاویل ہی ہندستان میں فرقہ پرستی کا خاص نظریہ ہے۔ اس کے بغیر فرقہ وارانہ نظریے کی تحویل میں کچھ بھی نہیں رہ جائے گا۔"
Communalism in Modern India, Vani Educational Books, Delhi, 1984, p.209.

(۲) کانپور کے فسادات کے لیے جو انڈین نیشنل کانگریس نے ایک انکوائری کمیٹی بنائی تھی اس نے ۱۹۳۲ء میں اپنی رپورٹ کے پیش لفظ میں اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ عہد وسطیٰ کی تاریخ میں جو فرقہ وارانہ رجحان اسکول کی تاریخی کتابوں اور دوسری تاریخی کتابوں میں ملتا ہے۔ وہ ایک خاص کردار ادا کر رہا ہے دونوں فرقوں کو مضبوط بنانے میں ملاحظہ ہو بپن چندر، Op.cit., p.211. (۳) ملاحظہ ہو بپن چندر، Op.cit. صفحات ۲۱۲-۲۲۵ (۴) گوروگاتھا ص ۵۲-۵۳ (۵) ایضاً (۶) ایضاً ص ۵۳ (۷) ایضاً ص ۵۳-۵۵ (۸) Early Muslim in India, Books and Books Publishers, New Delhi, 1984, pp.21-23, 50. (۹) گوروگاتھا ص ۵۸-۵۹ (۱۰) غزنی کے قاضی نے سلطان مسعود سے ایک سونے کے بت کا نذرانہ لینے سے انکار کر دیا کیوں کہ جو جنگیں اس کے والد سلطان محمود نے کی تھیں وہ رسول اکرمؐ کے تصور جہاد سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ پروفیسر محمد حبیب 'The Urban Revolution in Northern India' Politics and Society During the Early Medieval Period, collected works of Prof.Md.Habib, ed. by Prof.K.A. Nizami, Peoples Publishing House, Delhi, 1974, Vol.I, p.60.

گورو گاتھا ص۶۴ (۱۲) ایضاً ص۶۷ مصنف اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ مذہبی مقامات کو مسمار کرنا رسول اکرمؐ کی تعلیمات میں داخل نہیں ہے۔ وہ لکھتا ہے "اگر رسول اکرمؐ زندہ ہوتے تو وہ اس حکمراں کی حد درجہ مذمت کرتے" (۱۳) ایضاً ص۶۸-۶۷۔ (۱۴) اس قسم کی تحریروں سے متاثر ہو کر بہت پہلے ۱۹۷۴ء میں راجستھان کے تین سنیئر پروفیسروں نے بشمول جی۔ سی پانڈے نے برسرعام یہ مطالبہ کیا تھا کہ مسلمان رضاکارانہ طور پر سومناتھ کی کم از کم جزوی مرمت کیلئے فنڈ جمع کریں تاکہ تاریخی تلافی ہو سکے۔ اس مذہبی نازیگری کی جس میں ان کے پر کھے بھی شامل تھے۔" ملاحظہ ہو بپن چندر، Op.cit., p.226n.41.

(۱۵) A Comprehensive History of India, Vol.V. مولفہ پروفیسر محمد حبیب اور پروفیسر خلیق احمد نظامی پیپولز پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۷۰ء ص۱۶۵-۱۶۶ (۱۶) ایضاً ص۱۶۹ کے۔ ایس لال Op.cit ص۴۷۔

(۱۷) گورو گاتھا ص۷۳-۷۲۔ (۱۸) ایضاً ص۷۳ (۱۹) دیکھئے Romila Thapar, Communalism and the Writing of Indian History, P.P.House, Delhi, 1984, pp.1-23.

(۲۰) دیکھئے 'MEDIEVAL INDIAN HISTORY AND THE COMMUNAL APPROACH, PP 28-58 (۲۱) VIDE, IBID

ایک بار علماء کا ایک وفد التمش کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ کچھ سخت گیر رویہ اختیار کرے۔ التمش نے اپنے وزیر نظام الملک جنیدی سے کہا وہ علماء سے اس کا جواب دے دیں۔ وزیر نے کہا: "لیکن ابھی ہندستان کچھ ہی دن پہلے فتح ہوا ہے اور اس وقت مسلمان اتنی تعداد میں ہیں جیسے کھانے میں نمک ہو۔ اگر اس قسم کے احکامات ہندوؤں کے خلاف صادر ہو جائیں تو عین ممکن ہے کہ وہ متحد ہو کر خلفشار برپا کریں اور چونکہ مسلمان مختصر تعداد میں ہیں اسلیے ہو سکتا ہے کہ وہ اس عام بے چینی کو دبا نہ سکیں" ملاحظہ ہو پروفیسر اے کے نظامی، Some Aspects of Religion and Politics in India, ادارہ ادبیات دہلی، ۱۹۷۴ء ص۳۱۶-۳۱۵

(۲۲) A.L.Srivastava, Akbar the great, vol.I, Shivalal Agrawal & Company Publishers, Agra, 1967, pp.24-27. (۲۳) گورو گاتھا ص۸

(۲۴) گورو گاتھا ص۸ (۲۵) ایضاً ص۱۸ (۲۶) A.L.Srivastava, op.cit., vol.II, p.328. (۲۷) ایضاً، جلد۱، ص۲۰۳ (۲۸) رومیلا تھاپر vol. ص۱ (۲۹) گورو گاتھا ص۸۹

(۳۰) ایضاً ص۸۹ (۳۱) ایضاً ص۹۰ (۳۲) ایضاً ص۹۲ (۳۳) ایضاً ص۹۳ (۳۴) ایضاً ص۵۶ (۳۵) ایضاً ص۵۵ (۳۶) ایضاً ص۱۵ (۳۷) ایضاً ص۶۳ (۳۸) ایضاً ص۹۰ (۳۹) PIHC, 1963, Calcutta, p.354. (۴۰) ایضاً ص۱۵ ۳ (۴۱) 'Collected Works of Prof.Md.Habib', op.cit., vol.I, p.12.

••

ڈاکٹر طارق سعید
شعبۂ اردو، ساکیت پوسٹ گریجویٹ کالج
اودھ یونیورسٹی، فیض آباد

اتر پردیش کی نصابی کتب برائے درجہ ششم تا دہم کی روشنی میں
مسلم حکمراں: تاریخ کا جائزہ

سب سے پہلے میں نہایت ادب سے یہ اعتراف کرنا چاہوں گا کہ میرے مقالے کا عنوان "مسلم حکمراں کی تاریخ کا جائزہ" میں لفظ مسلم ایک زائد لفظ ہے لیکن اسے آپ لغت کی مجبوری کہہ لیں یا میری کم علمی کہ مسلم کی اصطلاح کے بغیر محمد بن قاسم کے حملہ سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کی تاریخ کو کسی اور قوم، ملت یا مذہب کے نام منسوب نہیں کیا جا سکتا حالانکہ "مسلم حکمراں" "مسلم لشکر" یا "مسلم حکومت" جیسی اصطلاح کے استعمال سے جو نقشہ ذہن میں فوراً تشکیل پاتا ہے، اس نقشہ یا امیج سے اتر پردیش سرکار کی نصاب کمیٹی درجہ ششم تا دہم کے ممبران نیز اس نصاب کو کتابی شکل دینے والے معزز مصنفین کا ذہن بالکل عاری ہے۔ نصاب کمیٹی کے ممبران معزز مصنفین کی جماعت کے علاوہ اس جماعت کے سرکاری مشیر کار، تاریخ کے موضوع کی ذیلی کمیٹی کے دوسرے رکن تعلیمی کارپوریشن کے سکریٹری اور ڈائرکٹر، مسلم حکمراں سے ایسی جانور خصلت مخلوق مراد لیتے ہیں جس کے ایک ہاتھ میں خونی تلوار ہے اور دوسرے میں ہرا ہلالی جھنڈا اور زبان پر نعرۂ تکبیر۔ افسوس اس امر پر ہے کہ مسلمان دانشور بھی چند تبدیلیوں کے ساتھ مسلم حکمراں کی یہی صفات بتاتے ہیں۔ اور وہ محمود غزنوی، محمد غوری اور علاء الدین جیسے [illegible] کو مسلمان کہتے ہوئے شرماتے نہیں بلکہ طرہ یہ کہ ان کو فخر سے اپنا ہیرو بتاتے ہیں اور ان کی غلط کاریوں کی تاویل کرتے ہیں۔ برعکس ان کے، راشٹریہ کرت کتابوں کے مصنفین ان [illegible] کو مسلمان کہہ کر گالیاں دیتے ہیں، معصوم ذہنوں میں زہر کا بیج بوتے ہیں اور مستقبل کے ہندوستان کو سخت خطرے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ راشٹریہ کرت کتابوں کے مصنفین سے محض اتنی شکایت ہے کہ انہوں نے [illegible] کو مسلمان کہا ہے [illegible] کی تاریخ کو بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ درجہ ششم تا دہم، رسالت مآب محمد صاحب سے جوڑ دیا ہے۔ جب کہ رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے [illegible] کو امن و اسلام کا زندہ نمونہ بنا دیا اور ان کی معدوم و موہوم شخصیتوں کو آفاقیت سے ہمکنار کیا۔

راشٹریہ کرت کتاب درجہ سات میں عربوں کا سندھ پر حملہ کے عنوان سے نہایت اختصار سے کام لیتے ہوئے راجہ داہر کی پسپائی کو ماتم کیا ہے اور بعد کے پیراگراف میں راجپوتوں کی قوت کو زیادہ اور خلفا کی قوت کو کمزور

بتا کر طالب علموں کے ذہنوں کو پراگندہ ہونے سے بچایا گیا ہے تاکہ وہ کتاب کے پہلے باب میں ہی مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ لیکن نویں درجہ کی راشٹریہ کرت کتاب میں تفصیل سے سارے واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چند وہ الفاظ جو قابل گرفت ہیں اور جذبہ محبت کے مخالف ہیں، ملاحظہ کریں۔

"राजा दाहिर रावर नाम स्थान के समीप सन 712 ई० में युद्ध में परास्त हुआ तथा रण भूमि में ही वीरगति को प्राप्त हुआ। दाहिर की वीरांगना पत्नी रानी बाई ने अरबों के विरुद्ध सैन्य संचालन किया परन्तु वह शत्रु सेना प्रबल वेग को रोकने में असमर्थ रही। विवश होकर राजा दाहिर की पत्नी ने राजमहल की अन्य स्त्रीयों सहित जौहर व्रत अपनाया और अग्नि की शरण ली।" पृ 179

یہاں ایک طرف راجہ داہر کا विवश होकर वीरगति को प्राप्त होना है تو دوسری طرف जौहर व्रत अपनाना ہے۔ ان دونوں باتوں کی روشنی میں اگر راجہ اور اس کی بیوی سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے تو مسلمانوں کے لئے نفرت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے جو کسی طرح حق بجانب نہیں ہے۔ اگر معصوم طالب علموں کو یہ معلوم ہوتا کہ محمد بن قاسم، ولید بن عبدالملک کی حکومت کے ایک سفاک و ظالم شیرکار حجاج بن یوسف کے اشاروں کا غلام و تابع ہے تو نفرت حجاج سے پیدا ہوتی، رسالت مآب، حضرت عمر بن عبدالعزیز، محمد بن قاسم یا ان کے دین اسلام سے نہیں۔ لیکن گیارہویں درجہ کی ایک کتاب मान्यता प्राप्त جس کے مصنف شیو نارائن سنگھ رانا اور شیو راج سنگھ رانا ہیں माध्यमिक भारत भूमि का इतिहास نے محمد بن قاسم کے 712 عیسوی کے حملہ کو 1947 عیسوی کے تقسیم ہندستان کے حادثے سے خوبصورتی سے جوڑنے کی کوشش کی ہے تاکہ اسلام اور مسلمان کے لئے ہندو ذہنوں میں کبھی جذبہ محبت بیدار نہ ہو۔ ان کے الفاظ میں:

"अरब निर्णायक घटनाओं का यह तांता ऐसा लगा कि जिस में परिणामस्वरूप हमारे देश का विभाजन हुआ और 1947 ई० में पाकिस्तान की स्थापना हुई।" पृ 227

درجہ سات میں الگ سے ایک باب قائم کر کے جس کا عنوان ہے، "तुर्कों के आक्रमण" ____ سے ترکی سلطنت کا جائزہ لیا گیا ہے جب کہ درجہ نو

میں "केन्द्रीय शक्ति का विघटन व विदेशी आक्रमण" کے باب میں محمد بن قاسم کے
بیان کے ساتھ ہی "तुर्कों के आक्रमण महमूद गजनवी व मुहम्मद गोरी" کی ذیلی سرخی سے ترکوں کا مطالعہ
کیا گیا ہے۔ محمود غزنوی کے نام ۱۷ حملے محمد غوری کے نام ۵ حملے درج کئے گئے ہیں۔ دونوں کو Criminals بتایا
گیا ہے۔ مندروں کو توڑنا، دولت اکٹھا کرنا اور بے گناہوں کا قتل عام کرنا، دونوں کی خصوصیت بتائی گئی ہے۔
دونوں کو ہندو راجپوتوں کا دشمن کہا گیا ہے اور یہ بھی لکھا گیا کہ دونوں مقصد برآری کے لئے اسلام کا استعمال کرتے
ہیں لیکن یہ کہیں نہیں لکھا گیا ہے کہ یہ دونوں اسلام کے معاملے میں اندھے تھے اور اسلامی سدھانتوں کو نہیں جانتے
تھے، صرف نام کے مسلمان تھے۔ بلکہ افسوس تو یہ ہے کہ درجہ نو کی راشٹریہ کرت کتاب میں "اب اسلام کی تلوار خلفاؤں
سے ترکوں کو استھانانترت (स्थानान्तरित) ہو گئی" ص ۱۸۷ پر لکھا ہے، جب کہ لکھا یہ ہونا چاہئے تھا کہ "اب
اسلام کی تلوار ظالموں سے شیطانوں کے پاس پہنچ گئی جو دراصل انہیں کے صفائے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ آگے اسی کتاب
میں لکھا ہے "بھارت میں اسلام دھرم کے پرچار و پرسار کا سہرا بھی محمود کو ہی دیا جاتا ہے۔" ص ۱۹۰ سمجھ میں نہیں آتا کہ
ظلم سے انصاف کا بیج کیسے بویا جا سکتا ہے۔ زیادتی کس طرح امن قائم کر سکتی ہے۔ واضح رہے کہ طالب علموں
پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام ظلم و زیادتی کا نام ہے۔ تاکہ کچے ذہنوں میں نفرت بیدار ہو۔ اسی صفحہ پر
محمود کی شخصیت کے لئے یہ الفاظ موجود ہیں۔

"वह निःसन्देह एक क्रूर बर्बर लुटेरा मानवता का शत्रु निर्मम
आक्रमण कारी व सभ्यता और संस्कृति का विध्वंसक था"

یہ الفاظ سچے ہیں یا جھوٹے کی بحث سے قطع نظر کسی مسلمان میں کیا معمولی انسان کے لئے بھی درست
نہیں۔ چہ جائیکہ مسلم حاکم یا اس کی حکومت فی الواقع حضرت علی کے بعد دنیا نے مسلم حاکم کو دیکھا ہی نہیں۔ سلطنت
علاؤالدین خلجی کی سرکردگی میں اسی طرح کا ایک اور واقعہ صفحہ تاریخ پر سرزد ہوتا ہے جس کو درجہ نو کی کتاب
میں مصنفوں نے "سوار الجیان" سے عبارت کیا ہے پہلے راشٹریہ کرت کتاب کے (درجہ ۹) کے الفاظ دیکھئے۔

"यहाँ भी वीर राजपूतों ने मातृभूमि की रक्षा के लिए अद्भुत साहस
और शौर्य के साथ युद्ध किया। सुरक्षा की आशा न रहने पर अन्य
राजपूत महिलाओं के साथ रानी पदमनी ने जौहर प्रथा के अनुसार
आग में जल कर प्राण त्याग दिये।" पृष्ठ 48

اب درجہ نو کی کتاب سے انہیں خیالات کو اور نفرت پیدا کرنے والے الفاظ کی صورت میں دیکھئے :

"अलाउद्दीन चित्तौड़ के राजा रत्न सिंह की परम सुन्दरी रानी पदमनी को प्राप्त करना चाहता था। यद्यपि राजपूत सेनाएं पराजित हुईं किन्तु भीषण रक्तपात के पश्चात भी सुल्तान पदमनी को प्राप्त न कर सका। रानी ने महल की अन्य स्त्रियों के साथ जौहर व्रत अपनाया और अग्नि में जलकर मर गई। सुल्तान को राख ही हाथ लगी" पृष्ठ 224

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں میں اورنگ زیب کا نام لئے بغیر مقالہ ادھورہ رہ جاتا ہے۔ درجہ سات کی راشٹریہ کرت کتاب کے باب "اورنگ زیب" میں مسلم اور سکھ کے مابین کھائی بنانے کی زیادہ کوشش کی گئی ہے اور مسلم اور ہندو کھائی کو جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے۔ مثلاً ساتویں درجہ کی کتاب میں ہے :

"उसके शासन काल की एक मुख्य विशेषता यह है कि जहाँ एक ओर मन्दिरों का विध्वंस हुआ वहीं कुछ स्थानों के ब्राह्मणों तथा पुरोहितों को सम्राट द्वारा भूमि प्रदान की गयी। इसके पीछे धार्मिक और राजनीतिक तथा अन्य कारण हो सकते हैं।" (पृष्ठ 153-154)

لیکن ۱۰ویں درجہ کی راشٹریہ کرت کتاب یہ انکشاف کرتی ہے :

"औरंगजेब की धार्मिक नीति अकबर की धार्मिक नीति के ठीक विपरीत थी उसने अकबर द्वारा किया उन सभी प्रयासों पर जिन से हिन्दू मुसलिम एकीकरण को प्रोत्साहन मिलता था जिसका चिन्ह लगा दिया। उसके समय में इस्लाम को पुनः राज धर्म घोषित किया गया। हिन्दू मन्दिरों अथवा पूजा स्थलों को नष्ट करना उसके लिए साधारण बात बन गई।" (पृष्ठ 176)

آخر اورنگ زیب کا وہ کون سا اسلام تھا جس نے اس کی روزمرہ کی زندگی میں مندروں کو گرانے کے عمل کو صحیح قرار دے دیا تھا۔ اگر کوئی مسلم حاکم کسی بھی مذہب کی کوئی عبادت گاہ کی ایک اینٹ یا ایک پتھر بھی اپنے حکم سے کھسکا دے تو گویا مسلمان ہی نہیں رہ گیا۔ قرآن میں واضح حکم ہے کہ غیروں کے معبود کو برا نہ کہو کیونکہ بجائے

۱۰۷

ہیں تمہارے اللہ کو بھی وہ بُرا کہیں گے۔ اور جس مسلمان نے بھی قرآن کے کسی ایک حکم سے بھی انکار یا تجاوز کیا سو وہ مسلمان ہی نہیں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ یا تو اورنگ زیب سرے سے مسلمان ہی نہ تھا اور یا اس نے کسی مندر کو قصداً گرایا ہی نہیں، اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اس نے کسی مندر کو قصداً نہیں گرایا پھر بھی اسلام کی حد اس پر جاری ہوگی کیونکہ اسلام کسی بھی شخص کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اللہ کی زمین پر حاکم بن جائے۔ حکومت کا حق صرف اللہ کو ہے۔ اسلام میں صاحب اقتدار حاکم نہیں، نائب خدا، نائب رسولؐ ہوتا ہے اور اورنگ زیب نائب رسولؐ کے منصب پر فائز نہ تھا بلکہ دلی کے تخت پر رونق افروز تھا۔ جس کو ہمارے راشٹریہ کرت کتابوں کے مصنفین نہیں جانتے اور پتہ نہیں کس ضد میں اورنگ زیب کے زمانے میں اسلام کو سرکاری مذہب کا رتبہ دے دیتے ہیں جب کہ نائب رسولؐ حضرت علی کے بعد اسلام کبھی کسی بھی اسٹیٹ کا دین نہیں۔

••

۲۵۶

ساتویں صدی میں دکنی سلطنت کے شاہ عادل شاہ نے شہنشاہ اکبر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا اور اس کتب خانہ کی نگرانی کے لیے سنسکرت کے ایک اسکالر داما پنڈت کی تقرری کی۔ عادل شاہ کے جانشین ابراہیم عادل شاہ نے جن کو غریبوں کا دوست کہا جاتا تھا اور جن کو ان کی عدل گستری غربا پروری اور منکسر المزاجی کی وجہ سے نوشیرواں ثانی کہا جاتا تھا، انھوں نے اپنی بیشتر نظموں میں ہندوؤں کی علم کی دیوی کے گیت گائے تھے۔ مزید برآں انھوں نے چند ہندو تیرتھ استھانوں کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

۱۵ویں صدی کے دوران کشمیر میں شاہ زین العابدین نے اپنے پیش رو کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے فرار ہو جانے والے اور اپنے اپنے گھروں کو خیرباد کہ کر چلے جانے والے ہندوؤں کو واپس لانے کے لیے اپنے خصوصی ایلچی بھیجے اور ان کی یہ بات یاد رکھی کہ فارسی زبان کے ساتھ ساتھ سنسکرت پر بھی ان کو عبور تھا۔ انھوں نے اپنشد کا فارسی میں ترجمہ کرایا اور ہندوؤں کے تیوہاروں میں آزادی اور دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے تھے اور کئی مندر بھی تعمیر کرائے تھے۔

بنگال میں سلطان ناصر شاہ اور سلطان حسین شاہ نام کے پٹھان بادشاہوں نے بھی مہابھارت اور بھاگوت پُران کا ترجمہ بنگالی زبان میں کرایا تھا۔ (قومی آواز ۶ نومبر ۱۹۹۲ء)

••

پروفیسر اوم پرکاش گپتا
شعبۂ تاریخ، رضا پوسٹ گریجویٹ کالج
رامپور (یو۔پی)

یو۔پی کی سکنڈری کلاسوں کے نصاب میں

ہندستان کے عہد وسطیٰ پر تاریخی کتابیں

سیمی نار کا اضافی موضوع تھا "تاریخ کی غلط بیانیاں" جو واقعی قابل توجہ ہے کیونکہ یہ جائزہ بلاشبہ کچھ حقیقتوں کی وضاحت کرے گا جو ہماری سنجیدہ فکر کی مستحق ہیں۔

کتابوں پر تبصرہ کرنے سے پہلے مجھے اپنے مقصد کی صفائی کرنی ہوگی کہ میں نے ان خاص اسباق اور تاریخ کے اس مخصوص عہد کا کیوں انتخاب کیا۔

سکنڈری درجات کی کتابوں کا انتخاب میں نے سن کے تقاضے سے کیا۔ اسکول کے سکنڈری درجات میں درجہ ششم سے درجہ ہشتم شامل ہیں۔ ان درجات میں طلبا کی عمر دس سال سے تیرہ سال کی ہوتی ہے علم نفسیات کی رو سے اس سن و سال کے لڑکے سن بلوغ سے پہلے کے زمانے سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ یہ بے حد کمسنی کا زمانہ ہوتا ہے تاہم یہ زمانہ ہوتا ہے جب شخصیت کی نشو و نما کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ دوستی ہمدردی محبت اور سماجی انصاف کے اوصاف انسان کے اندر اسی زمانے میں پیدا ہوتے ہیں۔ بچے میں جو صفات اس دور میں پیدا ہونے لگتے ہیں اور وہ ساری زندگی اس کی مدد کرتے ہیں۔ بلوغیت سے پہلے کا یہ زمانہ بچپن سے عنفوان شباب کے درمیان کہیں آتا ہے، اس عمر کے بچے نہ تو اتنے ناپختہ ہوتے ہیں کہ پروں والی پری اور کانے دیو کے وجود پر یقین لے آئیں اور نہ ان کا شعور اتنا پختہ ہوتا ہے کہ وہ تاریخی شعبوں کی زنبیل سے سچائی کو شناخت کر کے برآمد کریں۔ وہ جذبات اور جوش و ولولے کی دنیا میں آباد رہتے ہیں اور ان کے یہاں منطق اور اسباب نہیں ہوتے ہیں۔ ایک بار جب وہ جذبات کے عفریت کے قبضے میں آگئے تو پھر آسیب اتارنے والا عامل بھی ان کے دعووں کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے کہ شخصیت کی تکمیل اپنا ڈھانچہ بنا لیتی ہے اور شخصیت کی تکمیل سماجی ماحول سے ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ میں نے صرف عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ میں یہ کتابیں منتخب کی ہیں اس میں بھی ایک

منطق ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ ہندو حکومت کے ٹوٹنے اور ہندستان میں ترکوں کی آمد سے شروع ہوتی ہے۔ تاریخ کی دیوی صرف شمشیر آہن کو جانتی ہے اور ان سپاہیوں کی ذکاوت و ہوشیاری سے واقف ہوتی ہے جن کے ہاتھ میں میدان جنگ ہوتا ہے۔ لیکن وہ مورخ جن کا ذہن مذہبی تنگ نظری کے کہرے سے بنا ہوا ہو وہ اس فتح کو ایک مذہب پر دوسرے مذہب کی فتح قرار دیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عہد وسطیٰ کا ہندستان دو مذہب اور دو تہذیب کے درمیان مقابلہ پیش کرتا ہے، لیکن اس مقابلے کے ہمیشہ یہ معنی نہیں ہوتے ہیں کہ جنگ و جدال بھی ہوتی ہوگی۔ ہمیشہ آپس میں ضم ہونے کا ہم آہنگی کا دور اور آپسی ربط کا عمل جاری رہا ہے۔ بہر حال فرقہ پرست جو مورخ کے بھیس میں آتے ہیں انھیں یہ موقع مل جاتا ہے کہ وہ سچائی کو تنگ نظری کے رنگ سے رنگ دیں۔ عصبیتوں کی روشنائی سے ہم بخوبی دونوں طرح کے کام لے سکتے ہیں یعنی ایک طرف اخلاقی سچائی کی بھی اس روشنائی سے مذمت کر سکتے ہیں اور پھر اسی روشنائی سے ہم نازیبا جھوٹ کو پسند بھی کر سکتے ہیں۔ ایک ہندو مورخ تاریخ کی تاویل ہندو ذہنیت سے کر سکتا ہے اور مسلمان مورخ مسلم ذہنیت سے۔ عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ فرقہ پرستی کو روشن رکھنے کے لیے سوکھی گھاس کا ڈھیر مہیا کرتی ہے۔

غرض ایک طرف تو سکنڈری درجات کے جذباتی بچے ہیں اور دوسری طرف نہایت ہی حساس عہد کی تاریخ ہے۔

میں نے اسکولوں کی تقسیم ان کے انتظامیہ کی بنیاد پر نہیں کی ہے بلکہ ذریعہ تعلیم کی بنیاد پر کی ہے۔ یوپی میں انگریزی میڈیم کے اسکول ہیں، ہندی میڈیم کے اور اردو میڈیم کے اسکول ہیں۔ اب ہم سکنڈری درجات کے نصاب میں جو عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ کی درسی کتابیں ہیں ان پر اپنی توجہ ڈالیں گے۔

انگریزی میڈیم اسکولوں کی درسی کتابیں: ساتویں درجے کی کتاب جس کا نام ہے History & Civics سنہ ۱۱۰۰ء اور سنہ ۱۷۰۰ء کی ہندستانی تاریخ کو اپنے احاطے میں لیتی ہے۔ یہ کتاب NCERT کے زیر اہتمام شائع کی گئی ہے اور یہ رومیلا تھاپر کی تصنیف ہے۔ میں مصنف کے تاریخی اپروچ پر تبصرہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ وہ روشن خیال تاریخی ادراک کی پنڈتوں میں سمجھی جاتی ہیں۔ واقعات سادے الفاظ میں پیش کیے گئے ہیں اور ایک معقول رویہ ان کی تاویل کے سلسلے میں رکھا گیا ہے۔ اس عہد کی اقتصادیات پر زور دیا گیا ہے۔ اس باب میں ۸۰۰-۱۲۰۰ Kingdom of the North A.D.

جوں جوں عطیہ لینے والوں کی تعداد بڑھتی گئی زیادہ سے زیادہ زمین ان کے ہاتھ میں آتی گئی۔ لہٰذا یومیہ کی کل رقم جو بادشاہ کے پاس آتی تھی اس میں کمی آ گئی... آمدنی جاگیرداروں اور بادشاہ کے درمیان رہ گئی جس کے سبب بادشاہ فاضل رقم فوج پر نہیں خرچ کر سکتا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ شمالی ہند کی مملکتیں ترکی حملے کے خلاف مناسب طریقے سے اپنا دفاع نہ کر سکیں۔ (IBID P. 36-37)

مصنف نے مذہب کو بھی نہیں بخشا ہے وہ لکھتی ہیں۔

مندروں کو منہدم کرنے کا ایک فائدہ اور بھی تھا۔ محمود یہ دعویٰ کر سکتا تھا اور اس نے کیا بھی کہ بتوں کو توڑ کر اسے مذہبی امتیاز حاصل ہو گیا ہے۔ (ایضاً ص ۳۴)

میرا خیال ہے کہ عہد وسطیٰ کے ہندستانی تاریخ کی درسی کتابیں طلبار کے ذہن میں آگ لگا سکتی ہیں مسلم حملہ آوروں کی بت شکنی کے سلسلے میں ایک فرد ری مبالغہ آمیز بیان سے یا ان پر زور دینے مزید اس بیان سے کہ چند ایک بادشاہوں نے شاذ و نادر کبھی مذہبی تشدد برپا کیا تھا۔ فیروز شاہ تغلق، سکندر لودھی جو سلطنت عہد سے تعلق رکھتے ہیں یا مغل عہد سے تعلق رکھنے والا اورنگ زیب تاریخ دانوں کے تعصب کا نشانہ رہا ہے۔ ہندو ذہنیت رکھنے والے تاریخ داں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ہندوؤں کے اور ہندو دھرم کے اعلانیہ دشمن تھے، دوسری جانب مسلم تاریخ داں انھیں انتہائی احترام سے انھیں غازی کا مرتبہ دیتے ہیں اور اس درجہ اعزاز دیتے ہیں کہ انھیں ملحدوں کی زمین میں دین محمدی کا محافظ پشت پناہ اور سب سے بڑا حامی قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں کوئی بُرا فرقہ پرستانہ ابروچ نہیں ملتا ہے اگر کچھ ایسی تاریخی صداقتیں جن سے احساس میں تلخی پیدا ہو سکتی ہے ہماری توجہ کھینچتی ہیں تو دوسری ہی ساعت ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسری صداقت شکر کی گولیوں کی صورت میں پیش کی گئی ہیں تاکہ اس سے تاثر میں توازن قائم ہو۔ مثال کے طور پر فیروز تغلق کی مذہبی پالیسی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

اس نے کٹر پنتھی علمار کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ وہ کچھ معاملات میں حکومت کی پالیسی پر اثر انداز ہو سکیں۔ وہ نہ صرف یہ کہ غیر مسلمانوں کے لیے بہت کم رواداری تھا بلکہ ان مسلمانوں کے سلسلے میں بھی اس کا یہ رویہ تھا جو عقیدے میں سخت نہیں تھے۔ (ایضاً ص ۵)

لیکن سلطانوں کا 'غیر مسلمانوں کی جانب کم رواداری کے رویے کو اس طرح متوازن کیا جاتا ہے کہ قدیم ہندستانی تہذیب سے اس کی محبت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ کتاب یوں بیان کرتی ہے۔

فیروز کو ہندستان کی قدیم تہذیب سے محبت تھی۔ اس کے حکم سے بہت ساری کتابیں جو سنسکرت میں تھیں اور مذہب اور فلسفہ کے موضوع پر تھیں کا فارسی اور عربی میں ترجمہ کرایا گیا۔ (ایضاً ص ۵۳)

لیکن اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کا جو جائزہ مصنف نے لیا ہے وہ اپنی جانب ہماری توجہ مبذول کراتا ہے۔ کتاب اس کے متعلق یہ کہتی ہے۔

معاملات بد سے بدتر یوں ہوئے کہ وہ مسلمانوں کے ایک انتہاپسند گروہ سے عقیدت رکھتا تھا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اسلامی شریعت کے مطابق حکومت چلائے گا... جب اس نے جزیہ لاگو کیا تو وہ غیر مقبول ہوگیا (غیر مسلمانوں پر پول ٹیکس)۔ اس کے اندر یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ بادشاہ کا کام حکومت کرنا ہے اور حسن وخوبی حکومت کرنا ہے اور مذہب کو معاملات حکومت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔

بلاشبہ مندرجہ بالا عبارتیں صداقت کو پیش کرتی ہیں لیکن صرف نصف صداقت کو مصنف کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ اس بات کو بھی طلبا کے علم میں لائے کہ اورنگ زیب نے کچھ مندروں اور گورودواروں کو زمینوں کا عطیہ دیا (بی۔ ان۔ پانڈے خدابخش یادگاری لکچرس پٹنہ ۱۹۸۶ء) دوسری طرف اورنگ زیب نے ان لوگوں کے سامنے جو کچھ ہندو افسروں کو ان کی نوکری سے معطلی کا مطالبہ کر رہے تھے کھلے عام یہ اعلان کیا کہ مذہب کا ریاست کے سیکولر معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے اور اس نوع کے معاملات میں تعصب کو کوئی مقام نہیں دیا جاسکتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود زیر حوالہ کتاب تاریخی سچائیوں کے توڑ مروڑ سے پاک ہے۔ کتاب میں حکمرانوں کے لیے خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو مدحیہ انداز اختیار نہیں کیا گیا ہے۔

<u>ھندی میڈیم اسکول:</u> ہم شکر گزار ہیں یوپی گورنمنٹ کے جس کی ستائش اس باب میں کہی جا سکتی ہے کہ اس نے سکنڈری درجات کے نصاب میں یکسانیت برتنے کی کوشش کی۔ تقریباً سبھی ہندی میڈیم اسکولوں میں خواہ وہ سرکاری ہوں یا پرائیویٹ سکنڈری درجات کے لیے ایک ہی کتاب داخل نصاب کی گئی ہے۔

"ہمارا اتہاس اور ناگرک" پارٹ II، شائع کی ہے۔ ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کے اسٹیٹ کاؤنسل نے۔ کتاب منتخب شدہ مصنفین کے ایک بورڈ نے تیار کی ہے جس کی سربراہی ڈاکٹر گردھو جی پرشاد نے کی ہے۔ کتاب کے دیباچے میں کتب کے اغراض ومقاصد

اس طرح پیش کیے گئے ہیں۔

سماج کے دیودھ ورگوں میں راشٹریے ایکیکرن ادم بھاو تمک ایکتا کا وکاس کرنے میں سمانتا پردان کرنے کے اُدیشے سے اتر پردیش شاسن نے یہ نرنئے لیا ہے ... کہ ایسی پستک مالا کی سنرچنا کی جائے جو دیش کے بھاوی ناگرکوں کو بھارتیہ سماج کے کرمک وکاس کا سمیک بودھ کرانے کے ساتھ ساتھ ان میں لوک تانترک جیون شیلی، سرو دھرم سدبھاؤ تتھا سماج واد جیسے راشٹریہ آدرشوں کے پرتی آستھا وکست کرنے میں سہایک ہوں۔

(اس مقصد سے کہ قوم اتحاد اور جذباتی یکجہتی کو سماج کے مختلف طبقے میں فروغ دیا جائے، حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سلسلہ وار کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جائے جو کہ ہندستانی سماج کے تدریجی ارتقا کا صحیح علم ملک کے مستقبل کے شہریوں کو پہنچانے میں مدد معاون ثابت ہوں نیز یہ کہ وہ زندگی کے جمہوری ڈھانچے اور بھی مذاہب احترام اور سوشلزم کے عقیدے کو فروغ دینے میں مددگار ہیں)۔

کتاب کے مصنفین نے اس بات کی حتی المقدور کوشش کی ہے کہ وہ مندرجہ بالا اغراض و مقاصد پر بختی سے کاربند ہیں۔ حقایق کو سادے الفاظ میں پیش کیا گیا اور جو نتایج برآمد کیے گئے ان میں عصبیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کچھ جانی بوجھی سچائیوں کو صاف گوئی اور ایمانداری کی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں کچھ حوالے پیش کیے گئے ہیں جن میں مسلمان بادشاہوں کے کردار اور اعمال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

علاء الدین شاسن کے معاملے میں دھرم کے دخل کو پسند نہیں کرتا تھا۔ (ایضاً ص ۵۰)

فیروز کا اسلام دھرم میں اٹوٹ وشواس تھا پرنتو انیہ دھرم کے لوگوں کے ساتھ اس کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا اس نے انیہ دھرم کے ادھیاؤں پر جزیہ لگایا، شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا۔ (ایضاً ص ۵۰)

مندرجہ بالا کتاب کے مصنف نے ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ویوہار ٹھیک نہیں تھا (سلوک اچھا نہیں تھا) جس سے طلبا کے دل میں کوئی تلخ احساس نہیں پیدا ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس سچائی کو متوازن بنانے کے لیے اس کے بالمقابل ایک دوسری سچائی پیش کر دی ہے۔ شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس کا ویوہار ٹھیک نہیں تھا۔

لیکن جزیہ کا تعلق صرف ہندوؤں سے تھا لفظ انیہ دھرم کے لوگوں کے ساتھ، (دوسرے مذاہب) کو بدل کر لفظ 'ہندو' کا استعمال کرنا چاہیے۔ سکندر لودی کے متعلق کتاب کی تحریر یہ ہے۔

سکندر لودی انیہ دھرم کے ماننے والوں کے ساتھ اچھا دیوہار نہیں کرتا تھا' ان کے ساتھ کٹھرتا کا ویوہار کرتا تھا اور ان کے پوجا پاٹ پر اس نے پرتی بندھ لگا دیا تھا۔ (ایضاً ص ۶۵)

ایسے الفاظ مثلاً دھرم آتیاچار' ________ یہاں نہیں ملتے ہیں اور اس سے مصنفین کے سیکولر اپروچ کا پتہ چلتا ہے۔ ایک سنجیدہ انصاف پسند اور دور رس تاویلات کا نمونہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں جو اورنگ زیب کے متعلق ہے۔

وتیہ کرما کی پرتی کے لیے ہندوؤں پر جزیہ کر لگا دیا۔ جزیہ جیسی اس کے سمے میں جزیہ کر کی در سلطنت کال کے فیروز تغلق تھا سکندر لودی کے سمے سے کم تھی کنتو کچھ مغل ادھیکاریوں نے کر کی وصولی میں اتیاچار کیے تھے۔ اس کے شاسن کال کی ایک مکھ وشیشتا یہ ہے کہ جہاں ایک اور مندر کا ودھونش ہوا وہاں کچھ استھانوں کے برہمنوں تھا پروہتوں کو سمراٹ دوارا بھومی پردان کی گئی۔ کچھ دھرم پری ورتن بھی ہوئے کنتو دیکتیگت دھارمک سوتنترتا پر روک نہیں لگائی گئی۔ (ایضاً ص ۱۵۳۔۱۵۴)

اگر ہم اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کے مندرجہ بالا جائزے کا مقابلہ N.C.E.R.T کی اس درسی کتاب سے کریں جن پر انگلش میڈیم اسکولوں کے باب میں ہم بحث کر چکے ہیں تو ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ ہندی کی یہ درسی کتاب اپنے اپروچ میں انگریزی کی درسی کتاب سے کہیں زیادہ سیکولر ہے۔ مندرجہ بالا جائزے کے مؤلف یوں نظر آتے ہیں کہ تاریخی سچائیوں کے علم سے بہت زیادہ بہرہ مند ہیں' اور انھیں سیکولرازم کا بھی گہرا احساس ہے۔ وہ ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔

چنانچہ وہ درسی کتاب جسے یوپی سرکار نے اپنے سکنڈری اسکولوں کے نصاب میں رکھی ہے قومی یکجہتی کے نقطۂ نگاہ سے تاریخ نویسی کی ایک مثالی کوشش ہے۔

<u>اردو میڈیم اسکول:</u> ہر چند کہ ہم میں سے بیشتر لوگوں نے خوش اسلوبی سے پبلک اسکول کلچر سے ہم آہنگی کر لی ہے تاہم ہم میں سے بہت سے لوگوں پر اب تک مکتب کا خوف مسلط ہے۔ ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ طلبہ کا بھلا صرف مکتب اور مدرسے کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ ان مکتبوں اور مدرسوں کا اپنا ایک خاص انتظام ہے اور ان کا ایک خاص طریقۂ تعلیم بھی ہے اس لیے وہ اپنے مخصوص نصاب کے ساتھ چلتے رہیں۔ لیکن منجملہ اور مضامین کے تاریخ بھی ایک مضمون ہے جو ان اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ یوپی میں بہت سارے اردو میڈیم اسکول موجود ہیں۔

تاریخ کی وہ درسی کتاب جو ان اداروں کے نصاب میں داخل ہے، وہ اس وقت ہمارے پاس ہے اور اس پر ہم تبصرہ کر رہے ہیں۔ کتاب کا نام "آئینہ تاریخ" ہے۔ اور یہ دو حصوں میں ہے۔ پہلا حصہ یہاں کے قدیم باشندوں سے شروع ہو کر تغلق خاندان کے زوال پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ سلطنت عہد کے دوسرے خاندانوں کا نیز مغل عہد کا احاطہ کرتا ہے۔ کتاب کے مصنف افضل حسین ہیں اور یہ مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

پیش لفظ میں مصنف نے تاریخ نویسی کے مختلف رجحانات پر بحث کی ہے اور آخر میں اس نقطۂ نظر پر پہنچتا ہے:

"اگر ایک مسلمان صحیح اسلامی ذہنیت کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس کا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ واقعات کو جیسے وہ فی الواقع گذرے ہیں بلا کسی تعصب کے جوں کا توں سامنے رکھے۔"
(ایضاً جلد اول ص ۵)

آئیے اب ہم اس کے کچھ ابواب کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ مصنف کس حد تک ایسی تاریخ لکھنے میں ایماندار تھے جس میں تعصب کا شائبہ بھی نہ ہو۔ مصنف نے پورے ۵ صفحات پر علاء الدین خلجی کے عہد کو پیش کیا ہے۔ اس نے جو مالی اصلاحات کی ہیں اور جو معاشی منصوبے بنائے ہیں ان پر ہم بحث نہیں کریں گے، لیکن ڈھائی صفحے پر پھیلی ہوئی ایک گفتگو ہے جو علاء الدین اور دلی کے قاضی مغیث کے درمیان ہوئی ہے۔ اس باب کا عنوان ہی یہ رکھا گیا ہے۔ علاء الدین اور قاضی مغیث الدین۔ تاریخ فیروز شاہی میں ضیاء الدین برنی کے ارادے سے جو لوگ واقف ہیں جنہوں نے مندرجہ بالا شخصیتوں کی گفتگو کو پیش کیا ہے وہ اس مصنف کے خیال کا بھی اندازہ لگالیں گے۔ فیروز شاہ کے مذہبی رویے کو اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے:

وہ شریعت کا بہت پابند تھا اور اسلام کی اشاعت کا دل سے خواہاں تھا۔ (ایضاً جلد اول ص ۱۱۵)

بھگتی مت کے اثرات' نام کی سرخی کے تحت جو لکھا گیا ہے۔ اس میں مصنف نے یہ اشارہ کیا ہے:

تمام مذاہب بیچ ہیں ایسی اصول کی اشاعت نے سیدھا اور سچا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت کے احساس کو گھٹا دیا چنانچہ دین حق کی اشاعت میں اس سے کافی رکاوٹ پیدا ہوئی۔" (ایضاً جلد اول ص،

سکندر لودی کے ذاتی کردار کو مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے:

"تقویٰ اور پاکبازی میں سکندر اپنے باپ سے بھی آگے تھا۔ ارکان اسلام کی خود سختی سے پابندی کرتا تھا

اور دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا" (ایضاً جلد اوّل ص ۴۷)

مصنف نے ہندوؤں کے ساتھ اس کے رویے کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اس نے اس کے کٹر مذہبی مزاج کی سخت تنقید کی ہے لیکن اس نے ڈاڑھی رکھنے کے سلسلے میں اس کے نفرت انگیز رویے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ (عبداللہ، تاریخ داؤدی میں فولیو ۷۹۔۸۰، اور تاریخ سلاطین افغانی، ص ۲۲ میں احمد یادگار نے حوالہ دیا ہے اس گفتگو کا جو اس کے اور حاجی عبدالوہاب کے مابین داڑھی کے سلسلے میں ہوئی ہے۔

افضل حسین کی مندرجہ بالا تصنیف 'طبقات ناظری' کا بیسویں صدی کا ایڈیشن نظر آتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ منہاج السراج کا آسیب اس کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی جود و سخا سے ان سارے مسلمان بادشاہوں کو جنہوں نے تاج و تخت سنبھالا بخش دے گا۔ وہ کہتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی سوجھ بوجھ دی تھی (ایضاً جلد دوم ص ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر دے (ایضاً جلد دوم ص ۱۰۳)

باری تعالیٰ نے اسے سکندر جیسی صالح اولاد عطا فرمائی (ایضاً جلد دوم ص ۳۴)

لیکن ان بیانات کو تبصرے میں شامل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان روایتی مدرسوں میں تاریخ کی تعلیم لازماً اسی نوع کے جائزے کو اپنی درسیات میں شامل کرے گی۔

شہنشاہ اکبر کی مذہبی رواداری کی پالیسی ہندوؤں کے ساتھ اور اس کی پرخلوص کوشش کہ ہندومت اور اسلام میں بے حد قربت ہو جائے ایسی کوشش ہے کہ اسے نہایت عزت و احترام کے ساتھ ہندستان کی تاریخ میں شامل کرنا چاہیے۔ اکبر کی رواداری نے اس رستے ہوئے زخم پر مرہم رکھا جو ماقبل کے تنگ نظر حکمرانوں نے لگائے تھے۔ لیکن 'آئینۂ تاریخ' کا مصنف یوں نظر آتا ہے کہ اکبر کے پیکر کو برباد کرنے کے درپے ہے۔ اس نے عبدالقادر بدایونی کا بہروپ بھر لیا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ اکبر کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو وہ اسے اسلام دشمن قرار دیتا ہے۔ 'اسلام سے بغاوت اور دین الٰہی کا فتنہ' اس عنوان کے زیر تحت وہ لکھتا ہے:

"دین سے اس کی ساری عقیدت بغاوت میں بدل گئی اور بعد میں تو وہ ایسا کھیل کھیلا کہ مذہب و اخلاق و شرافت و انسانیت نے سر پیٹ لیا۔ شیعیت کی طرف راغب ہوا تو متعہ کو جائز کر کے خود امام عادل بن بیٹھا اور سنی علماء کو اور اکابر دین کو بے حد اذیتیں پہنچائیں ... ہندومت کی طرف بڑھا

تو وضع قطع اور طرز معاشرت ہندوانی اختیار کی... مندر بنوا کر بت پرستی کا باقاعدہ انتظام کیا۔
(ایضاً جلد دوم ص ۱۴۰)

وہ دارالشکوہ کے متعلق لکھتا ہے۔

"اس کے عقائد اور اعمال کے باعث تینوں بھائی اور ذمہ دار علماء اسے مرتد اور اسلام سے خارج شمار کرتے تھے" (ایضاً جلد دوم ص ۱۴۷)

لہٰذا ایک اکبر ہی کے سلسلے میں جو کچھ اس نے لکھا ہے اس سے کتاب کی قدر و قیمت کا تعین بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ ہر چند کہ یہ کتاب فرقہ پرستی کا زہر نہیں اگلتی تاہم اس سے مسلمانوں کے اندر اس نوع کے جذبات ابھرتے ہیں کہ ہندستان کے کٹر پنتھی مسلمان حکمرانوں کے گم گشتہ ایام کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

تجاویز: عہد وسطیٰ کے ہندستان کی جتنی تاریخی کتابیں سکنڈری درجات کے لیے شائع ہوئی ہیں ان پر از سر نو نظر ڈالی جائے۔ ایک معیاری درسی کتاب ایسے مورخوں کی سرپرستی میں لکھی جانی چاہیے جن کی ایمانداری بحیثیت سکولر مورخ کے مسلم ہے اور ان پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ کتابیں اصل اور مقامی زبانوں میں شائع ہونی چاہئیں لیکن ان کا موضوع ایک ہی ہونا چاہیے۔ پرائیویٹ اداروں کو اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہیے کہ وہ اپنے طریقے سے تعلیم دیں۔ ان کا نظم و نسق، اسٹاف نصاب اور وہ درسی کتابیں جو پڑھائی جاتی ہیں وہ سنٹرل بورڈ آف ایجوکیشن کے اختیار میں رہیں۔

میرے اپنے محسوسات یہ ہیں کہ مذہب سب سے زیادہ اثر انگیز اور حرکی ہے قومی یکجہتی کی راہ ہیں۔ ہمارے مارکسی مورخوں کے لیے روٹی ہو سکتی ہے نیز ان لوگوں کے لیے جو دنیاوی زندگی کے متمنی ہیں۔ لیکن روح کی غذا تو محبت کی شراب ہے جس کا دائمی سرچشمہ مذہب ہے۔ ہمارے دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم آج خدا کے متعلق بہت کم جانتے ہیں لیکن خدا کی وکالت سب سے زیادہ کرتے ہیں۔ ہم خدا کے لیے مسجد اور مندر کی چہار دیواری میں جنگ کر رہے ہیں، لیکن ہمیں اپنے دلوں میں اس کی موجودگی کا کبھی احساس نہیں ہوتا چنانچہ میری تجویز یہ ہے کہ تمام بڑے مذاہب کا تقابلی مطالعہ مختصر کے ساتھ ہماری درسی کتابوں میں شامل ہونا چاہیے کیوں کہ مختلف مذاہب کی ایکتائی کی روح وہ ابدی صداقت ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور ہم سبھی اسی روشنی کی مخلوقات ہیں۔ مذہب کی روشنی کے سامنے غلط مذہبی نعرے جو بہکانے والوں تنگ نظر والوں اور فرقہ پرستوں کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں، کہیں پنپ نہیں سکتے ہمارے طلبا کو چاہیے کہ وہ مذہب

کی سچی اسپرٹ کو مذہبی سیاسی پروپیگنڈے سے الگ کر دیں۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہماری تاریخ کی درسی کتابوں نے یہ عہد کرلیا ہے کہ وہ طلبار کو صرف سیاسی نوعیت کا مواد فراہم کریں گی۔ فتوحات اور انتظام و انصرام کی کہانیاں بڑے جوش و خروش سے پیش کی جاتی ہیں۔ نہ تو مذہب کی سچی اسپرٹ کی تعریف کی جاتی ہے اور نہ فقیروں اور سادھوؤں کی مذہبیت کو تابناک بنا کر پیش کیا جاتا۔ کہیں بھی ہندو سنتوں اور صوفیوں کی مذہبی تہذیبی ہم آہنگی کی کوششوں کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاتی ہے۔ سکنڈری درجات کے کتنے طلبار کو یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیار لوگوں کو بہ زور مشرف بہ اسلام کرنے کے سخت مخالف تھے اور انھوں نے جذب کے عالم میں کہا تھا۔ ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے۔

اسکول کے درجوں کی کتنی کتابیں ہیں جنہوں نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ہندو جوگی معزز مہمانوں کی طرح صوفیوں کی خانقاہوں میں رہا کرتے تھے؟ ہمارے بچوں کو مندروں کی دولت کے حصول کے لیے محمود کی لوٹ مار کے قصے سنائے جاتے ہیں، لیکن انھیں یہ نہیں بتایا جاتا کہ ہندو اس کی فوج میں بھی تھے اور معزز شہریوں کی طرح اس کی حکمرانی میں غزنی میں بھی رہتے تھے۔

ایسی ساری سچائیوں کو عہد وسطیٰ کی تاریخ کی درسی کتابوں میں شامل کرنا چاہیے۔

خلاصہ :

صرف عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کا میرا انتخاب منطقی ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے، عہد وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ ترکوں کی ہندستان میں آمد اور ہندو راج کے خاتمے سے شروع ہوتی ہے۔ تاریخ کا شلو صرف لوہے کی تلوار کو جانتا ہے اور ان سپاہیوں کی ہوشیاری سے واقف ہے جنھوں نے اسے میدان جنگ میں اٹھایا لیکن وہ تاریخ داں جن کے اذہان مذہبی تنگ نظری کی شکلوں سے بنے ہوئے ہیں اسکو ایک مذہب پر دوسرے مذہب کی فتح قرار دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ عہد وسطیٰ کا ہندستان دو مذاہب اور دو کلچر کا تصادم پیش کرتا ہے لیکن اس تصادم کے یہ معنی نہیں ہے کہ ہمیشہ اسلحوں کی ٹکر ہوتی ہوگی۔ ایک عمل جذب ہونے کا، ہم آہنگی کا اور مرکب بننے کا جاری تھا۔ بہر حال تاریخ والوں کا بھیس بدل کر فرقہ پرستوں کو یہ موقع ہاتھ آیا ہے کہ وہ تنگ نظری میں صداقت کو رنگ دیں۔ عصبیتوں کی روشنائی کو اچھی طرح اخلاقی صداقت کی مذمت میں بھی صرف کیا جا سکتا ہے اور نامناسب جھوٹ کی پسندیدگی میں بھی۔ ایک ہندو تاریخ داں تاریخ کی تاویل اپنے ہندو ذہن سے کر سکتا ہے اور مسلم تاریخ داں مسلم

ذہن سے عہد وسطیٰ کی مسلم ہندستان کی تاریخ ڈھیروں سوکھی گھاس فرقہ پرستی کی ایندھن کے لیے مہیا کرتی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو سکنڈری درجات کے جذباتی لڑکے ہیں اور دوسری طرف تاریخ کا سب سے زیادہ حساس عہد ہے۔ مذہب کو بھی مصنف نے بخشا نہیں ہے۔

" مندروں کو تہ وبالا کرنے سے ایک دوسرا فائدہ بھی تھا۔ وہ (محمود) یہ دعویٰ کرسکتا تھا، اور اس نے ایسا کیا بھی کہ بتوں کو توڑ کر اس نے مذہبی فضیلت حاصل کرلی ہے۔

میرا یہ خیال ہے کہ ہندستان کی عہد وسطیٰ کی تاریخ کی درسی کتابیں طلبا ر کے ذہن کو خاصا مشتعل کرتی ہیں کیونکہ ان میں غیر ضروری توجہ صرف کی جاتی ہے مسلم حملہ آوروں کے بت شکنی کے واقعات کو مبالغہ آمیز طور پر پیش کرنے میں اور ان مذہبی مظالم کی پیش کش میں جنھیں کچھ بادشاہوں نے روا رکھا۔ فیروز شا تغلق، سکندر لودھی، جو دہلی سلطانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور مغل عہد کے اورنگ زیب یہ وہ حکمراں ہیں جو تاریخ دانوں کی عصبیت کا شکار رہے۔ ہندو ذہنیت رکھنے والے تاریخ دانوں نے ان لوگوں کو ہندوؤں اور ہندومت کے تسلیم شدہ دشمنوں کی طرح پیش کیا ہے، اور دوسری طرف مسلم تاریخ دانوں نے انھیں احتراماً غازی کا مرتبہ دے دیا ہے، اور ان کی قدر و منزلت میں انھیں ملحدوں کی سرزمین پر دین محمدی کا حمایتی، محافظ اور نگہبان قرار دیا۔ لیکن یہ کتاب کسی سنجیدہ فرقہ وارانہ بات سے خالی نظر آتی ہے۔ اگر کوئی یہ کہی بات تاریخی واقعات کے سلسلے میں ایسی کہی گئی ہے جس سے احساسات مجروح ہو سکتے ہیں تو دوسری سچائی میٹھی گولی کی طرح پیش کی گئی ہے تاکہ توازن قائم رہے۔ مثال کے طور پر فیروز تغلق کی مذہبی پالیسی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

" اس نے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ چند معاملات میں ریاست کی پالیسی پر اثر ڈالیں۔ وہ صرف غیر مسلمانوں کے سلسلے ہی میں نہیں بلکہ ان مسلمانوں کے سلسلے میں بھی جو راسخ العقیدہ نہیں تھے، کم روادار تھا۔ (ایضاً ص۵)

لیکن سلطان کا غیر مسلمانوں کی جانب کم رواداری کے رویے کو قدیم ہندستانی تہذیب سے اس کی محبت ایک توازن بخش دیتی ہے۔ کتاب یہ روداد اسطرح پیش کرتی ہے۔

"فیروز کو ہندستان کی قدیم تہذیب سے محبت تھی۔ سنسکرت کی بہت ساری قدیم کتابیں جن میں مذہب اور فلسفے کی کتابیں شامل تھیں اس نے عربی اور فارسی میں ترجمہ کرائیں" (ایضاً ص۵۳)

لیکن مصنف کا اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کے سلسلے میں جو اندازہ ہے وہ ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

"حالات اور بھی بدتر یوں ہو گئے کہ وہ ایک کٹر مسلم گروہ سے متاثر تھا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ شریعت اسلامی کے عین مطابق حکومت کرے گا .... جب اس نے جزیہ عاید کیا تو وہ غیر مقبول ہو گیا (غیر مسلمانوں پر ایک POLL TAX)۔ اسے اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ بادشاہ کا کام خوش اسلوبی سے حکومت کرنا ہے اور یہ کہ مذہب کو حکومت کے کاموں میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیئے۔ (ایضاً ۱۴۱-۱۴۰)

بلاشبہ مندرجہ بالا جملے صداقت پر مبنی ہیں، لیکن یہ نصف صداقت ہے۔ مصنف کو طلباء کے علم میں یہ بات بھی لانی چاہیئے کہ اورنگ زیب نے کچھ مندروں اور گردواروں کو کچھ زمین عطیات بھی دیے۔ (دیکھئے بی این پانڈے کے خدا بخش یادگاری لکچر ۱۹۸۶ء)۔ اس کے علاوہ اورنگ زیب نے ان لوگوں کے سامنے جو کچھ ہندو افسروں کی شاہی نوکریوں سے معطلی کا مطالبہ کر رہے تھے کھلے بندوں یہ اعلان کیا کہ مذہب کو حکومت کے سیکولر کاموں سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے اور اس قسم کے کاموں میں تعصب کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ زیر تبصرہ درسی کتاب میں تاریخی صداقتوں کو کہیں بھی توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا گیا ہے کتاب میں کسی خاص فرقے کے بادشاہ کے لیے کوئی مدحیہ انداز اختیار نہیں کیا گیا ہے۔

"بھکتی گروہ کے اثرات" کے زیر عنوان مصنف اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ:

"تمام مذاہب سچے ہیں اس اصول کی اشاعت نے سیدھا اور سچا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت کے احساس کو گھٹا دیا چنانچہ دین حق کی اشاعت میں اس سے کافی رکاوٹ پیدا ہوئی"۔ Vol II P.91

سکندر لودھی کے ذاتی کردار کے متعلق مصنف نے درج ذیل باتیں کی ہیں

"تقویٰ اور پاکبازی میں سکندر اپنے باپ سے بھی آگے تھا ارکانِ اسلام کی خود سختی سے پابندی کرتا تھا اور دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا"۔ Ibid. Vol. II. P. 97

مصنف نے ہندوؤں کے متعلق اس کے مذہبی رویے کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کی ہے، ہر چند کہ اس سے سکندر کی کٹر مذہبی فطرت کے حق میں زبردست وزن جا پڑتا ہے۔ لیکن اس نے یہ نہیں لکھا ہے کہ سکندر داڑھی رکھنے والوں کے لیے ایک بے رخی کا رویہ اختیار کرتا تھا (عبداللہ تاریخ داؤدی ص۰۰ء) اور احمد یادگار، تاریخ سلاطین افغان ص۲۲ میں داڑھی کے متعلق حاجی عبدالوہاب سے اپنی گفتگو کا حوالہ اس طرح پیش کرتے ہیں۔)

مغل شہنشاہ اکبر کی ہندوؤں کی جانب مذہبی رواداری کی پالیسی اور اس کی پرخلوص کوشش ہندومت اور اسلام کی آمیزش تیار کرنے کی جانب، ہندوستان کی تاریخ میں ایک عزت کا مقام پائے گی، اکبر کی مذہبی رواداری

اس رستے ہوئے زخم کے لیے مرہم کا کام کرتی ہے، جو اس سے پہلے کے متشدد حکمرانوں نے لگائے تھے۔ لیکن آئین تاریخ کے مصنف اکبر کی تصویر کو ماند کرنے کے درپے ہیں۔ ان پر عبدالقادر بدایونی کی مہر لگی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اکبر کے گن گائیں، وہ اسے اسلام کا دشمن قرار دے دیتے ہیں۔ اسلام کے خلاف بغاوت کے زیر عنوان وہ لکھتے ہیں:

"دین سے اس کی ساری عقیدت بغاوت میں بدل گئی اور بعد میں تو وہ ایسا کھیل کھیلا کہ مذہب و اخلاق اور شرافت و انسانیت نے سر ٹیک لیا۔ شیعیت کی طرف راغب ہوا تو متعہ کو جائز کر کے خود امام عادل بن بیٹھا اور سُنّی علماء کو اور اکابر دین کو بے حد اذیتیں پہنچائیں ۔ ۔ ۔ ہندومت کی طرف بڑھا تو وضع قطع اور طرز معاشرت ہندو والی اختیار کی ۔ ۔ ۔ مندر بنوا کر بت پرستی کا باقاعدہ انتظام کیا۔" Ibid, VOL. II, P. 120

وہ دارا شکوہ کے متعلق یہ لکھتے ہیں:

"اس کے عقائد اور اعمال کے باعث تینوں بھائی اور ذمہ دار علماء اسے مرتد اور اسلام سے خارج شمار کرتے تھے۔" Ibid, VOL. II, P. 174

چنانچہ اکبر کا یہ جائزہ ہی اس درسی کتاب کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لیے کافی ہے۔ گو کہ یہ کتاب فرقہ پرستی کا مہلک زہر نہیں اگلتی ہے تاہم اس سے مسلمانوں کے جذبات اس سمت میں ابھر سکتے ہیں کہ ہندوستان کے راسخ العقیدہ مسلمان حکمرانوں کے گذرے ہوئے دور کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

مشورہ ہے:۔ تمام عہد وسطیٰ کی تاریخ کی ایسی ساری کتابیں جو سکنڈری درجات کے نصاب میں داخل ہیں، نظر ثانی کی مستحق ہیں۔ ایک معیاری درسی کتاب تیار کی جائے ایسے تاریخ دانوں کی سرپرستی میں، جن کی دیانتداری پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا ہے۔ کتاب کو قومی اور علاقائی زبانوں میں پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن اُنکا نفس مضمون ایک ہی ہونا چاہیئے۔ پرائیوٹ اداروں کو اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہیئے کہ وہ تعلیم پر اپنے انداز سے دباؤ ڈالیں۔ ان کی انتظامیہ عملے، نصاب، اور جو کتابیں درجات میں داخل کی گئی ہیں وہ مرکزی بورڈ آف ایجوکیشن کے زیر نگرانی کام کریں۔

جناب اشفاق علی
لکھنؤ

جنگم باڑی مٹھ کے لیے مسلم بادشاہوں کے عطیات

جنگم باڑی مٹھ:

کاشی کی قدامت اور عظمت کی مختلف روایتوں میں سے یہاں کا "جنگم باڑی مٹھ" بھی ایک ہے۔ جنگم باڑی مٹھ اور محلے سے شاید ہی کوئی کاشی کا رہنے والا غیر متعارف ہو۔ البتہ جنگم باڑی مٹھ کے ان تاریخی منظروں سے ضرور ہی صرف تھوڑے سے عالم ہی باخبر ہوں گے جن پر جنگم باڑی مٹھ کی قدامت مبنی ہے۔ یوں تو کاشی میں اور بھی بہت سے مٹھ ہیں، جنکی عظمت اور قدامت کچھ کم قابل ذکر نہیں، پھر بھی لوگوں کا کہنا ہے اور جس کے لیے تاریخی ثبوت بھی ہیں کہ جنگم باڑی مٹھ یہاں کا سب سے قدیم مٹھ ہے۔ وہ صرف مٹھ ہی نہیں ایک بڑا ادارہ بھی ہے۔

یہ ویر شیو فرقہ والوں کا مٹھ ہے۔ ویر شیو مت کے بانی خود بھگوان شنکر تھے، ایسا کہا جاتا ہے۔ اس قول کے متعلق مختلف باتیں بھی جا سکتی ہیں۔ اس مت کی قدامت کے متعلق ہندو دھرم کی مستند کتابوں میں جو باتیں مذکور ہیں، وہ ویر شیو مت کو شیو کی طرح ہی انادی بتاتے ہیں۔ چینی سیاح ہیون چیانگ کے سفرنامہ میں بھی ۱۲ جگہوں پر پاشو پتوں شیووں کا ذکر ہے۔

چودہ سو سال پرانا کاغذ:

اس مٹھ میں بادشاہوں کے ذریعہ دیے گئے دان پتروں (بیہ ناموں) کا بھی ایک اہم میوزیم ہے۔ انھیں دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ جنگم باڑی مٹھ ایک پرانا تاریخی مٹھ ہے۔ چودہ سو سال پرانا ۵۷۴ء کا ایک فرمان آج بھی مٹھ میں محفوظ ہے۔ جس پر کاشی کے اس وقت کے حکمراں شری جے نند دیو کا بیہ نامہ درج ہے جس کے مطابق انھوں نے مٹھ کو جنگم پور کی وہ زمین دان کی تھی جس میں اب کاشی ہندو یونیورسٹی قائم ہے۔ اس فرمان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ بیہ نامہ ایک فریم میں لگا کر آج تک مٹھ میں رکھا ہوا ہے۔ اس کاغذ کی صداقت کو چیلنج کرتے ہوئے (ضلع کورٹ سے لیکر) ہائی کورٹ تک ایک مقدمہ بھی لڑا گیا تھا جس میں بیس برسوں کی بحث کے بعد آخر میں یہ مان لیا گیا کہ یہ اور مٹھ سے متعلق دوسرے بیہ نامے صحیح ہیں۔ کچھ مورخوں نے بھی لکھا ہے کہ

ہندستان میں کاغذ کا استعمال مسلم حملہ کے بعد ہوا۔ لیکن مشہور مورخ رائے بہادر پنڈت گوری شنکر آوگیا کی کتاب "دی کولیو گرافی آف انڈیا" میں ص۱۹۱ پر لکھا ہوا ہے کہ عیسوی صدی کے چار سو سال پہلے بھی ہندستان میں روئی سے کاغذ بنا کرتے تھے۔ اس بنیاد پر بھی جے نند دیو کا ہبہ نامہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد کچھ لوگ کاغذ کی تحریر پر سوال اٹھاتے ہیں کہ چھٹی صدی میں جو تحریر رائج تھی یہ اس سے مختلف ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں بھی متعدد رائیں ہیں۔ شری لوئی رائیس کی کتاب "ایپی گرافیکا کرناٹیکا" میں کہا گیا ہے کہ اس ہبہ نامہ کی تحریر وہی ہے جو اس زمانہ میں رائج تھی۔ یہ ماہرین تحریر کے اختلاف کا موضوع ہے۔ ہم یہاں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ الہ آباد ہائی کورٹ نے بھی بڑے بڑے مورخوں کی دلیلوں کی بنیاد پر اسے صحیح مانا ہے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ چھٹی صدی میں جے نند دیو نامی کوئی شخص کاشی کا حکمران نہیں تھا۔ اس کے خلاف تاریخ اس بات کا ثبوت ہے کہ پانچویں صدی میں قنوج کے راجہ نے کاشی پر قبضہ کیا تھا اور کاشی کے راجہ اس کے تحت خود مختار راجہ بنے رہے اس طرح یہ ثابت ہے کہ جے نند دیو اس وقت کاشی کے راجہ تھے اور انھوں نے یہ دان کیا تھا۔ اس ہبہ نامہ کی ایک مصدقہ نقل تانبے کے ورق پر لکھی ہوئی ہے جسے مہاراجہ پربھو نارائن سنگھ نے لکھوا دیا ہے۔ یہ بھی مٹھ میں محفوظ ہے۔

مسلم حکمرانوں کے عطیات :

اس مٹھ میں ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگ زیب اور محمد شاہ کے ذریعہ مختلف اوقات میں مٹھ کو دیے گئے دان پتر بھی اپنی اصلی حالت میں منتشر حالت میں رکھے ہوئے ہیں۔ ہندو راجاؤں کا مٹھ کو دان دینا تو فطری تھا ہی، لیکن ان مغل بادشاہوں کے ذریعہ مٹھ کو دیے گئے دان انکے تئیں آج کل رائج ہندو مخالف نظریات کا واضح تردید کرتے ہیں۔ یہ دان پتر بناوٹی نہیں۔ (ضلع کورٹ سے لیکر، الہ آباد ہائی کورٹ تک برسوں انکی چھان بین کی جا چکی ہے، اور سر یدو ناتھ سرکار جیسے دور مغلیہ کے ماہر مورخ کو بھی انکی سچائی ماننے کیلئے مجبور ہونا پڑا ہے۔ بنارس گزیٹیر میں ص۲۳۳ پر بھی ان فرمانوں کا صاف ذکر ہے۔ ان فرمانوں میں اس مٹھ کو دیے گئے زمینوں کا ذکر ہے۔ ہمایوں بادشاہ نے مرزا پور ضلع کے چنار نامی علاقہ میں جنگم واڑی مٹھ کے سادھوؤں کی امداد کے لیے تین سو بیگھہ زمین دان کی تھی۔ ان کے بعد کے کبھی مغل بادشاہوں نے اس فرمان کو مانتے ہوئے نئے فرمان بھی جاری کیے جواب تک مٹھ میں ہیں۔ مغل بادشاہوں کے دان پتر (فرمان) ۱۵۳۰ء سے ۱۷۴۸ء صدی تک کے بیچ کے ہیں۔ ہمایوں کے بعد اکبر نے ۴۸۰ بگھہ زمین دان کی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان فرمانوں میں یہ ذکر نہیں ہے کہ معافی میں دی گئی یہ زمین کونسی ہے۔ اکبر کے تین فرمان یہاں ہیں۔ جہانگیر کے وقت کے بھی دو فرمان ہیں، جن میں اکبر کے ذریعہ کیے گئے دان (عطیہ) کی جانچ اور اسکی حمایت ہے۔ شاہجہاں کے وقت کے ۱۶ فرمان ہیں۔

اورنگ زیب نے خود شیو درشن کیا :

مغلوں میں سب سے سخت اور مشہور ہندو مخالف اورنگ زیب کے سلسلہ میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جب وہ کاشی آیا، مندروں کے انہدام کی مہم میں جنگم باڑی مٹھ پہنچا، لیکن داخل ہوتے ہی اسے ایسا لگا کہ کوئی عظیم الجثہ کالے دیو کی شبیہ اسکی طرف سرخ سرخ آنکھوں سے دیکھ رہی ہے اور اسے نگل جائے گی۔ حکومت اور فوجی طاقت سے لیس شہنشاہ اورنگ زیب کانپ اٹھا اور فوراً باہر آیا اور مٹھ کے انہدام کا ارادہ ترک کرکے اس نے بھی زمین عطیہ کیا۔ اصلی دستخط شدہ کاغذ اب تک مٹھ میں محفوظ ہے جس میں یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے۔

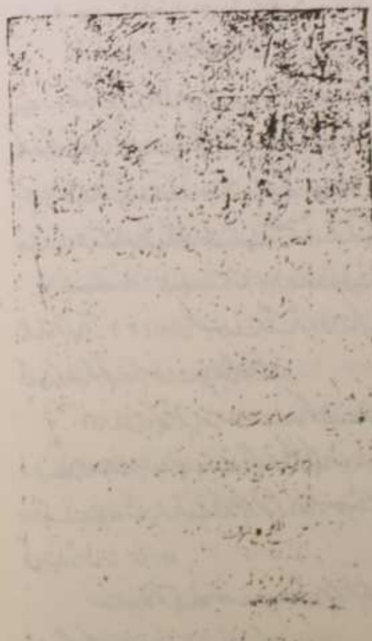
اس مٹھ کے تحت نیپال کے بھرتپور نامی مقام میں بھی ایک جنگم باڑی مٹھ ہے، جسے شاہ نیپال بے رُوزمل دیو نے وکرمی سمبت ۶۹۲ کی جیسٹھ شُکل اشٹمی کو بھومی دان دیا تھا۔ شاہ نیپال کا یہ فرمان بھرتپور میں آج بھی ایک پتھر پر کھدا ہوا محفوظ ہے۔



ہمایوں بادشاہ کا فرمان



اکبر، جہانگیر وغیرہ بادشاہوں کے ذریعہ منظور شدہ فرامین





اورنگ زیب کا فرمان

شاہ جہاں کا فرمان

(آج' خصوصی شہریار شمارہ مورخہ ۱۰ ۱۹۵۰ء)

جناب مہر الٰہی
علیگڑھ

این سی۔ای۔آر۔ٹی۔ کی تیار کردہ نصابی کتابوں میں قابل اعتراض مواد

نام کتاب۔ تاریخ اور علم شہریت (VIII)

باب ۹۔ ہندستانی قومی تحریک کا وجود میں آنا۔ (ص ۱۶۸)

تم سید احمد بریلوی کی بغاوت کے بارے میں پڑھ چکے ہو۔ اس بغاوت کو "وہابی بغاوت" کہا جاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد بھی کافی عرصہ تک یہ بغاوت چلتی رہی۔ انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں اس بغاوت کو دبا دیا گیا۔ کچھ وہابی رہنماؤں نے سہارن پور کے نزدیک دیوبند میں ایک اسکول قائم کیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس اسکول کے لئے انگریزی سرکار یا اس کے حمایتیوں سے کوئی مدد نہیں لیں گے۔ دیوبند کا اسکول اپنے طلبا کے دلوں میں قوم پرستی کے احساس کو ابھارتا رہا۔ اس کے طلبا ملک کی آزادی کے لیے کوشش کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

Wahabi Movement کا ترجمہ وہابی بغاوت کیا ہے (۲) اس ادارہ کے بانی کا نام نہیں دیا ہے۔ کس سن میں قائم کیا؟ (۳) اور ان شخصیتوں نے جنگ آزادی میں کیا قربانیاں دیں۔ فاضل مصنف / مرتب نے کوشش کی ہے کہ طلبا کو کم سے کم معلومات فراہم کی جائیں۔

"اسی زمانہ میں کچھ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے حاکموں سے تعاون کی پالیسی کی ضرورت محسوس کی۔ وہ انگریز حاکموں کی مدد سے اپنی حالت بہتر بنانا چاہتے تھے۔ کچھ تحریکیں بھی شروع ہوئیں ان کا مقصد جدید تعلیم پھیلانا، پردہ کی رسم کو ختم کرنا اور ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی رسم کو ختم کرنا تھا، ۱۸۶۳ء میں نواب عبداللطیف نے کلکتہ کی مسلم ادبی سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔" ص ۲۲۱

مندرجہ بالا تحریک کا مقصد پردہ کی رسم کو ختم کرنا یا ایک سے زیادہ شادی کرنے پر پابندی لگانا نہیں تھا۔ یہ گمراہ کن بیان ہے۔

- سماجی اور مذہبی اصلاح کی تحریکیں (ص ۲۱۳)

برھموسماج، ویدسماج اور پراتھنا سماج اور آریہ سماج:
رام کرشنا مشن کا بیان۔

دیانند ویدوں کو مطلق سچ مانتے تھے، وہ ہندومت کو ایک معین اور جنگجو شکل دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے

شدھی (شدھی کرن) کا طریقہ شروع کیا۔ جو ہندو کبھی مسلمان یا عیسائی بن گئے تھے انہیں وہ پھر ہندو بنانا چاہتے تھے۔" (ص۔ ۲۱۰)

ہماری سماجی یا مذہبی مصلح / مصلحین خواہ کسی بھی فرقے سے متعلق ہوں وہ بھی Communalism کے حلقۂ مسموم کے اسیر تھے۔

کیا اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یا بچے کو پختہ کے طور پر پیش کرنے کے فارمولے پر عمل کرنا چاہیے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو؟ اس عبارت کو اگر حذف کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔

سرسید احمد خاں کے بارے میں بہت کم اور ناقص معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"مسلم اصلاحی تحریکیں" (ص ۲۲۰ تا ۲۲۲)

سر سید احمد خاں (سرسید احمد خاں کی پیدائش مغل دربار کے ایک سردار کے خاندان میں ۱۸۱۷ء میں ہوئی تھی) انہوں نے ایک منصف کے عہدہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت شروع کی۔ وہ بغاوت کے دنوں میں بھی کمپنی کے وفادار رہے اس لیے انگریزی حکام ان کی بات پر دھیان دیتے تھے انہوں نے انگریزوں کو مسلمانوں کی ابتر حالت کے بارے میں بتایا۔ کافی کہنے سننے کے بعد سرسید احمد خاں انگریزوں کو مسلمانوں کی حالت پر دھیان دینے کے لیے تیار کر سکے۔ "مسلمان صرف یہی چاہتے تھے کہ کوئی ان کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دے۔ (جملہ اضافی ہے)

انگریزی کی کتاب History and Civics میں یہ عبارت نہیں ہے۔

ہندی Text اور اردو Text کی عبارتوں میں تقریباً یکسانیت ہے۔

"ان کے سامنے سب سے مشکل سوال (اسلام) مذہب اور تعلیم کے متعلق اصلاحی کام تھا۔ انہوں نے مسلمانوں سے پاکیزگی اور سادگی کو اپنانے کے لیے کہا جو اسلام کے بنیادی اصول تھے۔ کیا اسلام کے بنیادی اصول پاکیزگی اور سادگی ہی ہیں؟

انگلش Text کی عبارت اس طرح ہے:

"Syed Ahmed Khan (1817-98) came from a family of nobles of the Mughal Court. He joined the service of the Company as a Judicial officer and remained loyal to them during the days of the Revolt. This gave him a right to speak for his community which the rules could not long ignore. He pointed out to the British the

depressed position of the Indian Muslims when the rules had declared as their 'real enemies and most dangerous rivals.' After hard persuation, Syed Ahmed Khan was able to convince the British officials of the necessity of a better understanding of the Indian Muslims." (p.2341)

(۱) اردو ٹیکسٹ میں سرسید احمد خاں ہے اور انگلش ٹیکسٹ میں سید احمد خاں۔ (۲) اردو ٹیکسٹ میں صرف سال پیدائش ۱۸۱۷ دیا ہے جبکہ انگلش ٹیکسٹ میں سال پیدائش اور وفات (۱۸۱۷-۱۸۹۸) دیا ہے۔
(۳) اردو اور ہندی کی کتابوں کی عبارتوں میں یکسانیت ہے۔ جبکہ انگلش ایڈیشن میں دوسری جگہوں پر بھی فرق ہے۔

• کتاب 'اسباب بغاوت ہند' کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ • صرف انگریزوں سے وفاداری کا تصور ابھرتا ہے۔
• سرسید کا اصل مقصد، مسلمانوں میں تعلیم جدید کی طرف توجہ دلانا تھا، مذہبی اصلاح نہیں تھا۔ • 'تہذیب الاخلاق' کا نام بھی نہیں دیا۔

مجموعی حیثیت سے سرسید کی تصویر ایک انگریز پرست شخص کی ابھرتی ہے۔ اور یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔

نتیجہ:۔ اردو اور ہندی کے طلبا کو بعض وہ حقائق نہیں معلوم ہو سکتے جو انگریزی کے اسی درجہ کے طالب علم کو معلوم ہوتے ہیں دونوں میں یہ تفریق کیوں رکھی گئی ہے۔ اسکی کیا مصلحت ہے؟

("with courage and wisdom" کا ترجمہ)

"ہمت اور دانشمندی کے ساتھ انہوں نے ان رکاوٹوں کو راستہ سے ہٹایا"۔ انگریزی تعلیم پھیلانے کے لیے انہوں نے نئے اسکول قائم کیے۔ انہوں نے ۱۸۶۴ء میں سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ اس سوسائٹی نے سائنس اور دوسرے موضوعات پر لکھی ہوئی انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ سماجی اصلاح کے متعلق آزاد خیالوں کی اشاعت کرنے کے لیے انہوں نے ایک انگریزی۔ اردو اخبار بھی نکالا....

۔ (تہذیب الاخلاق کے بارے میں غلط اطلاع ہے۔ تہذیب الاخلاق صرف اردو میں نکلتا تھا۔)

ان کی سب سے بڑی کامیابی ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا قیام تھا۔ آگے چل کر وہ مسلمانوں کا سب سے اہم تعلیمی ادارہ بن گیا۔ اس میں کئی معلم انگلینڈ سے بلائے گئے تھے سارے ہندستان کے بڑے بڑے مسلمانوں نے کالج کی حمایت کی۔ انگریزوں نے اس کی توسیع میں کافی دلچسپی دکھائی۔ (ص ۲۲۲) ——

۱۲۹

انڈین نیشنل کانگریس کے سلسلہ میں

انہوں نے مسلمانوں سے انڈین نیشنل کانگریس میں شامل نہ ہونے کے لیے کہا۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان انگریزوں سے اچھے تعلقات بناکر اپنی حالت کو بہتر بنائیں :- (ص ۲۲۲)

"ब्रिटिश सरकार ने मुसलमानों को समझाया कि उनका हित हिन्दुओं से अलग होने में है। अतः अंग्रेज़ सरकार के प्रोत्साहन से आगा खाँ तथा अन्य मुस्लिम नेताओं ने 1906ई० में मुस्लिम-लीग की स्थापना की।"

भाग-3.

مسلم رہنماؤں کی تصویریں :-

تاریخ سے متعلق پہلے حصہ پر کل ۵۰ تصاویر ہیں۔ مسلم حکمرانوں کی تصاویر۔

• سراج الدولہ • ٹیپو سلطان • بہادر شاہ ظفر • سر سید احمد خاں • بدرالدین طیب جی • اور مولانا آزاد کی تصاویر نہیں ہیں • امرت سر میں ایک جلوس میں علی برادران۔ (غیر واضح تصویر) • عبدالغفار خاں • جواہر لال کی تین جگہ مختلف پوز میں تصاویر • مہاتما گاندھی کی صرف ایک جگہ۔

۱۵۲

میری رائے ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں ایسے اقتباس لکھ کر ہندستان میں فرقہ واریت نہ پھیلایا جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مگر اس میں تعصب نہ برتا جائے اور دونوں فرقوں کے بادشاہوں حکمرانوں یا بزرگوں کی ایک طرح عزت کی جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مختلف عمر کے مطابق یا مختلف ضرورتوں کے تحت ہی پیش کیا جائے۔ مورخ کو ہدایت دی جائے کہ نفرت اور تعصب کا عینک ہٹاکر ہی اسکول کے طالب علموں کے لیے تاریخ مرتب کریں تو زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ ہندستان کی یک جہتی خطرے میں ہے۔ اس لیے اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

••

ڈاکٹر ارشد الاسلام

شعبۂ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تاریخ کی درسی کتابیں: ایک تنقیدی جائزہ

اتر پردیش سے متعلق (تیسرے درجے سے آٹھویں درجے تک)

یہاں ہم مختلف درسی کتابوں کی کچھ عبارتیں ابتدائی نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس مطمع نظر کے طریقۂ پیشکش کی وضاحت کے لیے جو تاریخ کو حکمرانوں اور بادشاہوں کی جاگیر نہیں سمجھتا۔

"وہ بہت دھن لولوپ تھا اور دھن دیش بھارت پر آکرمن کر دھن لوٹنے کو اچھک تھا" ص ۳۲

"محمود سوئم تو پڑھا لکھا نہیں تھا پر ودّ وانوں کا آدر کرتا تھا" ص ۲۵

ہمارا اتہاس اور ناگرک جیون (بھاگ ۲)۔

دولت کی ہوس اور جہالت وہ وصف جو سطور بالا میں نظر آتے ہیں جو عوامی روایتوں میں اینٹی ہیرو کردار کا امتیاز کرتے ہیں۔ تاریخ اس کے اوپر اپنا مقدمہ کھڑا کرنا چاہتی ہے۔ جیسا کہ ہم محمود غزنوی کے کیس میں دیکھتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ سلطان ہمیشہ جنگ میں حاصل شدہ مال غنیمت کو اپنے خزانے کے لیے قانونی جائیداد سمجھتا تھا اور مندر میں دولت جمع کرنے کی خلاف ورزی کرتا تھا۔ (ناظم ۱۹۷۱ء، PP ۱۶۳-۶۴)۔

حاصل شدہ ریکارڈوں کی بھرمار S.C.E.R.T کی درسی کتابوں کو پھیلائے ہوئے اس خیال کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں کہ سلطان ہندستان پر حکومت کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے فتح کیے ہوئے حصے کو اپنی اقلیم میں ملا لیا اور لاہور میں اپنا گورنر مقرر کر دیا۔ (ناظم ص ۱۰۵، ۱۹۷۱ء)۔ محمود غزنوی کو مندرجہ بالا بیان کے برخلاف قرآن، فقہ اور دینوی علوم میں دستگاہ حاصل تھی۔ اس کے باپ سبکتگین نے اسے 'پند نامہ' سے روشناس کرایا، جسے سیاست پر ایک معرکۃ الآرا تصنیف سمجھا جاتا ہے (ناظم ص ۳۵) عوفی سلطان کی علمی اور شعری صلاحیتوں کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ اس نے 'تفرید الفرد' نام کی ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فقہ پر ایک معیاری تصنیف تھی۔ (حاجی خلیفہ II P32)

"ترک میں دھرم کا جوش بہت ادھک تھا۔ نئے راجیہ جیتنے کی آشا سے بھی ان کا منوبل اونچا تھا

دے کیول دھن پراپت کرنے کے لکش کو اپنے سامنے رکھا تھا اور اسے پراپت کرنے کے لیے اچت انچت
اجوچت سادھنوں کا پریوگ کرنے میں سنکوچ نہیں کرتے تھے۔" صہ ۱۲

ناجائز طریقے سے اقتدار کو اپنے قبضے میں کرنا سلطانوں کا آخری مقصد ہوتا۔ یہ بات اس تاریخ میں موجود ہے جو ہندستان میں اسکول کے بچوں کو پڑھنے کو ملتی ہے۔ ترک بہر حال قبائلی تھے۔ اور ان کے اندر وحشیانہ جبلتیں موجود تھیں لیکن انھیں جمہوری اصولوں سے محبت تھی اور اکثر حالات میں جب موروثی حقوق کے معاملات ان کے سامنے ہوتے تو وہ انتخابات کراتے (قریشی 1971 pp. 217 181) تاہم وہ اپنی پسند کو شاہی محل ہی تک محدود رکھتے۔

فیروز کا اسلام دھرم میں اٹوٹ وشواس تھا پرنتو انیہ دھرم کے لوگوں کے ساتھ ان کا دیوہار ٹھیک نہیں تھا۔ اس نے انیہ دھرم کے انویائیوں پر جزیہ کر لگایا۔ شیعہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اس کا دیوہار ٹھیک نہ تھا۔ اس کے شاسن میں ملاّ علماءُ (اسلام دھرم کے رودھان دھرم ادھیکاری) کا پربھاؤ ادھک بڑھ گیا تھا۔

"کافروں سے بغض" یہ ایک رویہ ہے جو تاریخ کی درسی کتابوں کی رسائی کی امتیازی خصوصیت ہے۔ تازہ حوالے صاف صاف درگزر اور حقائق کی غلط پیش کش کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بلاشک و شبہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ فیروز ایک پارسا مسلمان تھا لیکن ان غیر مسلموں پر جزیہ لگانے کا حادثہ جو اس سے پہلے کے حاکموں کے دور میں معاف تھا، یہ بتاتا ہے کہ اس میں کچھ شاہی تعصب کا دخل نہ تھا۔ فیروز کی سمجھ میں راہبوں، پجاریوں اور وہ سارے لوگ جن کی مذہبی مصروفیتیں ہیں نیز عورتوں اور بچوں پر جزیہ کی ادائیگی معاف ہے۔ بہر حال وہ برہمن جو پوجا پاٹ کی ذمہ داریوں سے الگ ہے ان پر پہلی بار ٹیکس نافذ کیا گیا۔ لیکن ان پر ٹیکس گھٹا کر معمولی سی رقم کر دیا گیا یعنی دس تنکہ اور پچاس جیتل سالانہ کر دیا گیا۔ یہ کمی برہمنوں کے بڑھتے ہوئے احتجاج کے پیش نظر کی گئی" (مصنف pp. 383-384 قریشی 1971 p.67) لیکن یہ دعویٰ کہ اس نے (فیروز) جزیہ ذمیوں پر عائد کیا۔ گمراہ کن ہے۔ پول ٹیکس اور جزیہ کو فاتح سندھ محمد بن قاسم کے زمانے سے دیکھنا چاہیے (محمد علی کوفی، ۱۹۷۹ء ۲۸۸ P)۔ مندرجہ بالا عبارت حوالہ دیتی ہے شیعہ مسلمانوں کا Per. Sc. فتوحات فیروز شاہی میں سلطان شیعوں، ملحدوں اور (IBAHATIYAHS) کو چنتا ہے اور مجرموں کے ساتھ ان کی زناکاری کا ذکر کرتا ہے اور انھیں قتل کا حکم دیتا ہے۔ جلا وطنی اور سزا کا مرتکب قرار دیتا ہے کیوں کہ ان باتوں کے لیے ملک کے سماجی اور مذہبی قانون میں سخت مخالفت کی گئی ہے۔ (فیروز شاہ) ۲۴ ۔۔۔) بہر کیف ایشورانوپا (۱۲۲۳) نے فیروز نے انصاف اور دادرسی کا جو قانون" نافذ کیا تھا اس کی کامیابی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ کسی بھی فرد کے ہاتھ میں ایذا پہنچانے اور ظلم ڈھانے کی طاقت نہیں ہے۔

"وہ (سکندر) انیہ دھرم کے ماننے والے کے ساتھ اچھا ویوہار نہیں کرتا تھا۔ ان کے پرتی کٹھورتا کا ویوہار کرتا تھا اور ان کے پوجا پاٹ پر اس نے پرتی بندھ لگایا تھا" ۶۵۔

یہ سطریں ایک ایسے مغرور شاہزادے کی نفسیاتی حالت کی ترجمانی کر رہی ہیں جو تخت کا خواب دیکھ رہا تھا۔ تاریخ داؤدی، نوجوان لودی کی زندگی کا ایک واقعہ سناتی ہے کہ مذہبی جوش میں وہ ایک پرانے مندر کو مسمار کرنے اور ہندوؤں کو مقدس پانی میں نہانے سے روکنے کے لیے جا رہا تھا کہ ایک مشہور عالم عبداللہ اجودھانی کی مزاحمت پر اس کا غصہ فرو ہوا جنھوں نے اسے محبت کیساتھ یہ سمجھایا تھا کہ وہ زمیوں کے حقوق کی حفاظت کو شہزادگی کے فرائض میں داخل کرے۔ (عبداللہ ۱۹۵۴ء) بعد میں یہ بات مشاہدے میں آئی کہ سکندر عوام کی نگاہ میں معیاری شخص قرار پایا۔ (قریشی p.183) ہندوؤں نے روحانی اور علمی دھارے میں شریک ہونا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے ذہین شاگردوں میں ان کا شمار ہوا۔ (فرشتہ I.P. 323) ایک ہندو شاعر جو اپنے فرضی نام برہمن کے نام سے جانے جاتے تھے انھیں مسلم کالج میں پروفیسر کی جگہ ملی۔ (بدایونی I.P. 323) اس کے علاوہ بہت سارے آخذ (e.g. TIBBI-I-SIKANDARI) بعد کے دنوں میں سنسکرت ادب اور ویدک طریقہ علاج سے اس کی وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ طبقات اکبری اور دوسرے ذرائع اس بات کی بے شمار شہادتیں فراہم کرتی ہیں کہ سلطان نے بغیر کسی عصبیت کے امدادی کاموں کا بیڑا اٹھایا۔ (عبداللہ ص۲ نظام الدین احمد ص۳۲۳) اس نے اپنی رعایا میں پکا ہوا کھانا اور غلہ تقسیم کروایا۔ ہندوؤں کے درمیان غلہ یوں تقسیم کروایا کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق مسلمانوں کے ہاتھ کا پکا کھانا کھانا ممنوع ہے۔

"ادھیکانش سلطانوں نے بھارتی جنتا کی سکھ سویدھا پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ ان کے شاسن کا مکھیہ اُدیش یہ تھا کہ ان کی اپنی اور اپنے دربار یوں امیری و جاگیرداری کی سکھ سویدھا و شان و شوکت میں کوئی کمی نہ ہونے پائے" ص۶۸

سلطان اپنا ادھیکانش سمے تتھا شکتی یودھوں ہی میں لگاتے تھے۔ سلطان کے شاسن کا پرمکھ اُدیش سامراج وستار اور شترو کا دمن کرنا تھا۔ اسی کارن وے اپنی پرجا کی بھلائی کے کارج پر ادھک دھیان نہیں دے پاتے تھے۔" ص۶۹

تاریخ فیروز شاہی ہمیں بتاتی ہے کہ سلطانوں نے عوامی مفاد میں کون کون سے کام کیے۔ التمش نے اپنے پینے کے پانی کا ایک بڑا حوض مہرولی میں (حوض شمس) بنوایا جو آج بھی لوگوں کے استعمال میں ہے۔ تغلق نے صرف یہ کہ سات سو میل لمبی سڑک دلی سے دولت آباد تک بنوائی بلکہ اس نے پولس کے محکمے کی ہمت افزائی کی اور ڈاک اور شجر کاری کے انتظامات

عوام کی بہبودگی کے لیے کیے۔ پہلی بار فیروز شاہ نے سماجی حالات کا جائزہ لیا اور اس نے ایک دیوان خیرات قائم کیا تاکہ ان لوگوں کی مالی مدد کی جائے جو جوان بیٹیوں کی شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی استطاعت نہیں رکھتے۔ (معصنف ص۳۴۹ تا ص۳۵۱) محمد تغلق نے بے روزگاری اور گداگری کے مسائل پر غور و خوض کیا اور اس نے ستی کی بھیانک اور غیر انسانی رسم کے خلاف آواز اٹھائی جیسا کہ ابن بطوطہ لکھتا ہے۔ (عماری ص۲۹)

"اچھے سینکوں کو کبھی کبھی جاگیریں دی جاتی تھیں۔ ان سے کم کو نقد ویتن دیا جاتا تھا۔ یدھ سے لوٹی ہوئی سمپتی کا کچھ بھاگ سینکوں کو بھی بانٹ دیا جاتا تھا۔ کچھ ہندو سینکیں بھی رکھے جاتے تھے پر انھیں اونچے پد نہیں دئیے جاتے تھے۔" ص۱۰

نہ صرف فوج میں بلکہ انتظامیہ میں بھی بہت سارے مقامی ہندوؤں کی ایسے اونچے عہدوں پر ترقی ہوئی جس کے وہ مستحق تھے۔ تاریخ بیہقی (ص۲۱۳-۶ تا ص۵۵۶) تلک کو پیش کرتی ہے جو کہ حجام ذات کا ہندو تھا۔ اور جو غزنوی کے عہد میں فوج کا جنرل ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے ہندو جنرلوں کا ذکر آتا ہے جنھیں ان کی وفاداری اور بہادری کے لیے سلطان ایبک اور بلبن نے القابوں سے نوازا تھا (برنی ص۱۰۶ احسن نظامی ۵۰۸۶ء) غزنوی کی فوج کے مشہور ہندو جنرلوں میں سوندی رائے ہندو بجرائے اور ناتھ شامل ہیں (ایشور ٹوپا ص۳۶) عصامی ہندو جنرلوں میں گل چندرا اور آسج رائے کا بھی ذکر کرتا ہے جو کہ غیاث الدین تغلق کی فوج میں تھے (عصامی ص۳۰۸)

"ان کا شاسن جنتا کے پریم پر نہیں ورن سینیک شکتی پر آدھارت تھا۔ سلطان کی شکتی جہاں تک پہنچ سکتی تھی وہاں تک ان کا شاسن چلتا تھا۔ جس بھاگ میں ان کی سینیک شکتی دربل پڑ جاتی تھی وہ بھاگ ان کے سلطراج سے نکل جاتا تھا۔" ص۹۹

تاریخ کیقباد جیسے بادشاہوں کی نشاندہی کر دیتی ہے جن کا واحد مشغلہ عیش کوشی تھا۔ یکا دکا بہیمانہ مظالم کے واقعات تاریخ کو بدنما کر دیتے ہیں لیکن بادشاہوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ انسانیت اور اعلےٰ اوصاف کے نمونہ بن جائیں ایسا ہی ہے جیسے ہم ان سے انسان کامل ہونے کی توقع کریں۔ (قریشی ص۲۱۸) وہ تفصیل سے سلطانوں کی رعایا پروری کی بات کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ (سلطان) اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ وہ خلق خدا کی خدمت کریں اور ان کا تحفظ کریں جن کی ذمہ داری ان کے سر ہے۔ (ص۲۱۹) ان کے فلاحی ادارے اسپتال، مسافر خانہ، سرائے، کاروان سرائے، ایسلیے کھولے جاتے کہ عوام قحط اور خشک سالی سے محفوظ رہ سکیں۔ اخلاقی اصول وغیرہ، جو سلطانوں نے برتے ان کا خاصا بیان ہم عصر ماخذوں میں ملتا ہے۔ دستاویزات یہ بتاتی ہیں کہ شاہی کچہریاں کور دہ علاقوں میں کام کرتی تھیں تاکہ غریب عوام محفوظ

رہیں اور انصاف میں آسانیاں پیدا ہوں۔ مسالک الابصار، صبح الاعشار، عفیف فیروز شاہ اور فتوحات فیروز شاہی اس دور کے کچھ اہم ماخذ ہیں جو کہ چلتی چلتی آرا کو رد کرتے ہیں جن کا نمونہ ہم نے اوپر کے متن میں دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ دلی میں محمد تغلق کے عہد میں تقریباً ۷۰ ہسپتال تھے اور یہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے کام کرتے تھے۔ یہاں معالج اور سرجن بھی تھے اور بیماروں کی خدمت کے لیے خدام بھی موجود تھے۔ اشیائے خورد و نوش اور دوائیں حکومت کی طرف سے مہیا کی جاتی تھیں۔

قریشی کہتا ہے کہ متنازعہ فیہ مسائل پر ماہر قانون داں بیٹھے رہتے تھے۔ لیکن بالآخر رواداری اور قانون کی حکمت ہندستان میں مسلم نظام سیاست کا بنیادی اصول بن جاتے۔ بہرحال یہ بات قابل توجہ ہے کہ مغل حکمرانوں کو ہمیشہ مقامی باشندے سمجھا گیا اور انھوں نے ایک مخلوط تہذیب کے فروغ کے لیے جو کوششیں کی تھیں انھیں ہمیشہ سراہا گیا اور اس کی جھلکیاں ان کے آئین جہاں بانی، فن تعمیر، فن موسیقی اور فن مصوری میں نظر آتی ہیں۔

۱۱ زبان جو سلسلہ خیال کی پیشکش کا ذریعہ ہے۔ ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔ شخص طاقتوں کے کردار کی ساخت کے یقین میں جو ان کتابوں کا نمایاں مسئلہ ہے۔ یہاں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں یہ دکھلانے کے لیے کہ کرداری پیکروں کو پیش کرنے میں کس طرح زبان استعمال کی جاتی ہے اور قاری کے ذہن پر اس کا کیا تاثر قائم ہوتا ہے۔ راناپرتاپ یا شیواجی کا ذکر شریفانہ زبان میں کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ذکر میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے اس سے جو پیکر ابھرتا ہے وہ ایک ولین کا ہے جو قابل نفرت ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ جن ہندوؤں کو ہند و حکمرانوں نے امتیازی حیثیت دی ان کے لیے نفرت آمیز لہجہ نہیں اختیار کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔

- "راناپرتاپ بھیشن یدھ کرتے ہوئے گھائل ہوئے۔" ص ۱۲۷
- "راناپرتاپ اپنا راجیہ پن: پراپت کرنے میں لگے رہے۔" ص ۱۲۷
- "اورنگ زیب سے ملنے وہ (شیواجی) آگرہ آئے۔" ص ۱۵۱
- "اورنگ زیب سوتنتر راجیہ کی استھاپنا کرنا چاہتا تھا۔" ص ۱۵۱
- "اورنگ زیب جون: پشاور گیا۔" ص ۱۵۰

شخصیتوں کے کارنامے جو جنگ آزادی کے تاریخی واقعات میں ملتے ہیں۔ ان کا ذکر غیر ذمہ دارانہ طور پر کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، مثلاً کانپور کے عظیم اللہ خاں، بریلی کے بہادر خاں، احمد اللہ شاہ، جنرل بخت خاں، مولوی سرفراز علی جو شہرت نہیں پاسکے۔ باوجود اس کے کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات میں ان کا ذکر ناگزیر ہے۔ اسی طرح حسرت موہانی، علی برادران، آزاد سبحانی اور دوسرے بہت سارے لوگ جو روشنی کا مینار رہے ہیں، ہماری نوآبادیات مخالف جنگ میں

بچوں کے خیال میں کوئی جگہ نہیں پاتے۔ تاریخی واقعات کی پیشکش میں مصنف کا رویہ یا تو معذرت خواہانہ ہوتا ہے یا پھر وہ غرور و تعصب میں بہہ جاتا ہے۔ ان کی نفسیاتی صحت کا نتیجہ صرف یہ کہ تاریخی تناظر کو مسخ کرتا ہے بلکہ واقعات کی غلط بیانی سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، اورنگزیب کے دربار میں شیواجی کی ملاقات جذبات صدائے خون سے پر ہے۔ تصنیف جذبات میں بہہ جاتی ہے اورنگ زیب کے اسی سلوک پر کہ اس نے شیواجی کو پنج ہزاری منصب داروں میں شامل کیا۔ اور ذرا اس رویے کا مقابلہ کیجیے شیواجی کے اس رویے سے کہ جنھوں نے اورنگ زیب سے انتقام لینے کا عہد کیا اور نتیجے میں ۱۶۷۴ء میں ذریعۂ فخر و مباہات کے طور پر مراٹھا راج قائم کیا۔ تاہم اس بات کا اعتراف کیا کہ زہر میں لہریں ہوں کہ لاشعور میں سرگرم عمل رہتی ہیں، اپنے ساتھ غرور و عصبیت کو بھی لے کر چلتی ہیں۔ لائق تحسین احتیاط برتا گیا ہے۔ ان کے اظہار کو نظر انداز کرتے ہیں:

لکشمی بائی دیش کی آزادی کے لیے انگریزوں سے لڑی، اتہاس میں جھانسی کی رانی کے نام سے پرسدھ ہیں

شیواجی اورنگ زیب سے بھینٹ کرنے کیلیے آگرہ پہنچے کہ ان کا دربار میں اچت سمان کیا جائے گا۔ کنتو اورنگ زیب کے بیوہار سے انھیں پریشانی اٹھانی پڑی۔ ان کے رُشٹ ہونے پر مغل سمراٹ نے انھیں قید کر لیا، کنتو وہ چترائی سے دان کی گئی مٹھائی کے ٹوکرے میں بیٹھ کر اورنگ زیب کے چنگل سے بچ کر باہر نکل آئے۔ وے متھرا ہوتے ہوئے مہاراشٹر پہنچ گئے۔ انھوں نے دوبارہ سورت پر آکرمن کر کے کافی دھن ایکتر کیا۔ ۱۶۷۴ء میں رائے گڑھ میں بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ سوتنتر شاسن کے روپ میں شیواجی راجیہ بھیشک ہوا۔

سفارشات (۱) ممتاز اسکالروں کی ایک کمیٹی کی تشکیل ہونی چاہیے جس کے سپرد یہ کام کیا جائے کہ وہ وقتاً فوقتاً تاریخ کی درسی کتابوں کا جائزہ لیتی رہے تاکہ ضروری معلومات فراہم کی جائیں اور غیر علمی تفصیلات کی اصلاح کی جائے۔

(۲) اگر تاریخ پڑھانے کا یہ مقصد ہے کہ طلبا کو تاریخ کے مختلف عہد میں سماجی اور پیداواری رشتوں کی حرکیات سے روشناس کرایا جائے۔ تو پھر اس کو اسی طرح پیش کرنا چاہیے۔

(۳) شخصی طاقتوں کی مدح خوانیاں تاریخ نہیں بن سکتیں۔ اسلیے بہادری اور بہیمیت کی تفصیل کی بجائے نفسیاتی سماجی اور اقتصادی تحکمی جو شاہ کی طرف سے ہوتی ہیں، ان کا ذکر کرنا چاہیے۔

(۴) قوم پرستی کا وہ تصور جو درسی کتابوں میں درج ہے اس کی اصلاح ہونی چاہیے اور قوم پرور نظریات کا جامع اور صحت مند تصور پیش کرنا چاہیے۔

(۵) مصنفین کو یہ ہدایت دی جانی چاہیے کہ وہ ایسی زبان استعمال کریں جو ان کی ذاتی اور سماجی تعصبات کی حامل نہ ہو۔

کتابیات

فارسی اور عربی تصنیفات : عبداللہ۔ تاریخ داودی مولفہ اس۔ اے۔ رشید ۱۹۵۴ء۔ آصف شمس سراج۔ تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۹۰ء۔ علی بن حامد کوفی۔ چچ نامہ مولفہ ان۔ اے۔ بلوچ، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء۔ علی قلقشندی صبح العشا، انگریزی ترجمہ، اٹو اسپائز علیگڑھ۔ العتبی۔ تاریخ یمنی۔ فارسی ترجمہ جرباد غنی مولفہ طہران۔ عوفی۔ جوامع الحکایات B.M.MS. OR 236 A.H. 1272 بیہقی A.F تاریخ بیہقی مولفہ W.H.MORLEY, CAL. 1862. برنی ضیاء الدین۔ تاریخ فیروز شاہی کلکتہ ۱۸۹۰ء۔ فرشتہ۔ تاریخ فرشتہ مولفہ نولکشور لکھنو، ۱۸۷۴ء۔ فیروز شاہ تغلق۔ فتوحات فیروز شاہی مولفہ اس۔ اے۔ رشید۔ علیگڑھ ۱۹۵۴ء۔ حسن نظامی تاج المآثر، آصفیہ لائبریری No.283 ابن بطوطہ۔ رحلہ انگریزی ترجمہ آغا مہدی حسن بڑودا ۱۹۵۳ء۔ عصامی۔ اے۔ ام فتوح السلاطین۔ مولفہ یو۔ اوشا، مدراس ۱۹۴۸ء۔ نظام الدین احمد۔ طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۲۷ء۔ شہاب الدین عمری۔ مسالک الابصار، انگریزی ترجمہ آئی۔ ایچ۔ صدیقی۔ قاضی ایم احمد دہلی ۱۹۴۳ء

جدید تصنیفات: ناظم ام۔ محمود آف غزنہ، دہلی ۱۹۷۱ء۔ قریشی، آئی۔ ایچ Administration of the Sultanate of Delhi, Delhi 1971 ٹوپا ایشورا Pakistan in Pre-Mughal Times, Delhi. 1976.

مضمون۔ ظفر الاسلام

FATAWAI-I-FIRUZ SHAHI and the problems of Muslims Non-Muslims relatives in the 14th Century India. Bulletin of Comparative Religion, Hamdard Nagar. July 1981.

جناب راجا برار

تاریخ میں ہیر پھیر

اترپردیش کی برسرِاقتدار جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی نے اپنے ایک سالہ دورِ اقتدار میں تواریخ کے میدان میں جو غیر معمولی تبدیلیاں کی ہیں وہ دوررس اثرات کی حامل ہیں اور یہ ملک کے سیکولر نظام اور اس کی سالمیت و یکجہتی کے لیے اپنے اندر زبردست خطرات لیے ہوئی ہے اس طرح اس سے ملکی آئین میں اقلیتوں کو حاصل تعلیمی حقوق کی بھی پامالی ہو رہی ہے۔

دراصل یہ عناصر ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کو ایک مخصوص کلچر میں رنگنے کی ایک بڑی اور منظم کوششوں میں لگے ہوئے ہیں تاکہ وہ اس ملک کی ڈگر کو اپنے مخصوص نظریہ کے عین مطابق موڑ سکیں اس سارے منصوبہ بند آپریشن کے پیچھے آر ایس ایس کے بزرگ نظریہ ساز اور تاریخ داں پروفیسر اوم ناگپالا کا دماغ ہے جو مدھیہ پردیش کالج ایجوکیشن بورڈ میں ایک کلیدی عہدہ پر فائز ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کسی تنظیم یا جماعت پر فرقہ پرستی کا بھوت سوار ہو جائے تو اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو جاتی ہے۔ یہ جماعت بھی "ہندی۔ ہندو۔ ہندوستان" کے فلسفہ کو ان چار ریاستوں میں تھوپنا چاہتی ہے جہاں وہ برسرِاقتدار ہے اور وہ اس کام کو "حب الوطنی" کا تقاضہ قرار دیتی ہے۔

بنیادی طور پر اس سوچ کے پیچھے ایک نسل اور ایک مذہب پر مبنی "راشٹر" کا نظریہ کام کر رہا ہے جو آر ایس ایس کے سابق سرسنگھ چالک (صدر) گرو گولوالکر نے پیش کیا تھا جو ہٹلر کی شخصیت سے متاثر تھے۔ ۱۹۳۹ء میں شائع ایک کتاب میں گولوالکر نے نظریہ تفہیم کی بھی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ "ہندوستان کے تمام غیر ہندوؤں کو نہ صرف ہندو کلچر کو اپنانا چاہیے بلکہ ہندو دھرم کے تئیں عقیدت و احترام کا جذبہ بھی رکھنا چاہیے اور اس کے تمام باشندوں کو خواہ وہ کسی بھی مذہب یا فرقہ یا علاقہ سے تعلق رکھتے ہوں انھیں ہندو نسل اور ہندو تہذیب کو اپنانا چاہیے۔

ان چار ریاستوں (یوپی، مدھیہ پردیش، راجستھان اور ہماچل پردیش) میں جہاں بی جے پی برسرِاقتدار ہے دراصل تواریخ میں ہیر پھیر اور نصابِ تعلیم میں تبدیلی کے لیے یہی سوچ محرک بنی ہوئی ہے۔ ان کوششوں کا مقصد آریاؤں کی بالادستی اور تفوق (Superemacy) ثابت کرنا، ویدک تہذیب و تمدن کی عظمتِ رفتہ کو اجاگر کرنا،

اور قرون وسطیٰ کے ہندو حکمرانوں کی جرأت بہادری کو سامنے لاتا ہے جو دہلی کے سلاطین اور مغل بادشاہوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے تھے اس کے تحت تاریخ کی کتابوں میں صرف "نئے تاریخی حقائق" ہی شامل نہیں کیے گئے بلکہ پہلے سے موجود چند اسباق کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔

حال ہی میں ان ریاستوں کے وزراء تعلیم کی ایک مشترکہ میٹنگ ہوئی تھی جس میں ایک ایجوکیشن پلان تیار کیا گیا گو ماضی میں بھی اس سلسلہ میں کوشش کی جاتی رہی ہے۔ جنتا پارٹی کے دورِ اقتدار (۷۹-۱۹۷۷ء) میں بھی حکمراں جماعت میں شامل جن سنگھ (موجودہ بھارتیہ جنتا پارٹی) نے این سی ای آر ٹی کی درسی کتابوں میں تبدیلی کی مانگ کی تھی مگر اس اس میں کوئی بڑی رکاوٹ نہیں ملی تھی تاہم ایل کے ایڈوانی کے وزیر اطلاعات ونشریات ہونے کے باعث سرکاری ذرائع ابلاغ میں ان عناصر کو در اندازہونے کا موقع مل گیا تھا۔

گو ملک میں بہت پہلے سے آر ایس ایس کا طریقۂ تعلیم رائج ہے مگر اس کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں رہی اس کے تعلیمی نظریات کے پھیلاؤ کے لیے ودیا بھارتی نامی اس کی صف اول کی ایک تنظیم ہے جس کے تحت ملک بھر میں ہزاروں اسکول چل رہے ہیں۔ اتر پردیش میں ہی ایسے اسکولوں کی تعداد ۱۳۲۵ ہے جس میں تین لاکھ بچے زیر تعلیم ہیں ان اسکولوں میں جو نصاب پڑھایا جارہا ہے۔ اب وہ سرکار کی سرپرستی میں چلنے والے اسکولوں میں بھی پڑھانا شروع ہو گیا ہے حتیٰ کہ مدھیہ پردیش حکومت نے اس تنظیم کو پرائمری اور مڈل اسکول سطح کے امتحانات منعقد کرنے کے اختیارات بھی تفویض کر دیے ہیں جہاں انکے زیر اہتمام ۸۰۰ اسکول چل رہے ہیں۔

یہ عناصر اب اس ملک کی شاندار تاریخ کو مسخ کر کے اپنے مزاج اور فطرت کے مطابق بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل کے مورخ مغل حکمرانوں کو انگریزوں کی طرح اس ملک کا حکمراں نہیں تسلیم کرتے بلکہ انھیں غیر ملکی حملہ آور اور لٹیرا قرار دیتے ہیں یہاں تک کہ اکبر جیسے بادشاہ کو جنھوں نے صلح کل کی پالیسی کو اپنایا اور اس ملک کو اپنا مادر وطن تصور کیا۔ ایک غیر ملکی حملہ آور قرار دے رہے ہیں جبکہ اکبر کے سپہ سالار مان سنگھ کو "دھرتی کا لال" تصور کرتے ہیں۔ عہد وسطیٰ کی تاریخ جو ہندوستانی تاریخ کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے۔ کویہ عناصر مسخ کر رہے ہیں اس طرح رانا پرتاپ اور مغل حکمراں کے درمیان ہلدی گھاٹی پر اقتدار کی جنگ کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ رانا پرتاپ نے اراولی پہاڑ پر جو کیمپ لگایا تھا اس پر کیسریا جھنڈا دکھایا جارہا ہے شیام نراتن پانڈے کی نظم "ہلدی گھاٹی" جس کو ۱۹۸۵ء میں ہندی درسی کتاب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اب اس کو دوبارہ شامل نصاب کر لیا گیا ہے۔

تعلیمی پالیسی میں جو تبدیلیاں کی گئی ہیں وہ بنیادی طور پر ایک مخصوص سیاسی جماعت کے مقاصد کی تکمیل کے لیے

ہیں انٹر درجات تک کی تاریخ کی کتابوں میں سب سے بڑی اور اہم تبدیلی سندھ تہذیب یا ہڑپا تہذیب سے متعلق ہے۔ آرین کو اس ملک کا ہی باشندہ قرار دیا گیا ہے اور دعوے کے ثبوت میں ہندستان کا ایک قدیم نقشہ بھی دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ آریاؤں کا اصل وطن ہندستان ہی تھا اور وہ کسی دوسرے ملک سے نقل مکانی کر کے یہاں نہیں آئے تھے جبکہ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب "بھارت ایک کھوج" میں آریاؤں کو غیر ملکی قرار دیا ہے۔

تاریخ کی کتاب کے دوسرے حصہ کے باب ۱۱ میں ہندستان کی نشاۃ ثانیہ اور تعمیر جدید کے حوالے سے صفحہ ۷۷ پر "دلتوں کی فلاح" مضمون میں کہا گیا ہے کہ ہندو سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کے خلاف جہاد کرنے والوں میں مہاتما گاندھی، گوتم بدھ، رامانند چیتنیہ پربھو ریداس، کوم ورشنے سوامی، شردھانند کے اصلاح معاشرہ کے پروگراموں کی چرچا کی گئی ہے حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ بدھ مذہب کو ختم کرنے کے لیے اس ملک میں کیا کچھ نہیں کیا گیا۔

اسی کتاب کے باب ۱۲ میں نیتا جی سبھاش چندر بوس ۱۹۴۰ء میں ناگپور میں آر ایس ایس کے بانی ڈاکٹر کیسو راؤ بلی رام ہیڈگوار سے ملاقات کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے اسی باب میں ہیڈگوار کے ایک قول بھارت بھارتیوں کے لیے ہے اور بھارتیوں کا ہے" کو نقل کیا ہے اور پنڈت مدن موہن مالویہ سے ہیڈگوار کے دیرینہ مراسم کو اجاگر کیا ہے اس کے ساتھ ہی دلتوں کے مسیحا ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کو بھی ۱۹۳۹ء میں آر ایس ایس کے ایک کیمپ میں شریک ہونے کا انکشاف کیا گیا ہے اور اس سبق میں لکھا گیا ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر کو یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ اب اس ملک میں ہندوؤں کی اعلیٰ ذات اور پچھڑی ذات کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کا حوالہ دے کر سماج کے ایک بہت بڑے طبقہ کو سیاسی طور پر فرقہ پرستوں کے قریب کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا گیا ہے۔

پہلے باب میں شہنشاہ بابر کی مذہبی پالیسی کو اپنے ڈھنگ سے پیش کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ بابر کے مقامی نمائندہ میر باقی نے اجودھیا میں مندر کی جگہ مسجد تعمیر کرائی تھی اگرچہ یہ معاملہ ابھی متنازعہ ہے اس کے باوجود ہندو عوام اسے ایک مندر ہی تصور کرتے ہیں اسی طرح درسی کتاب سے گاندھی جی پر جو مضمون تھا اس کو نکال دیا گیا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ درجہ ششم کے لیے منظور شدہ ہندی کتاب "نو بھارتی" کے تازہ ایڈیشن میں گاندھی جی پر مضمون "میرا بچپن" کا بھی وہی حشر ہوا ہے اسی طرح امریکہ کے ابراہم لنکن جنھوں نے دنیا کو جمہوری نظام کا فلسفہ دیا اور امریکہ کے صدر کی حیثیت سے ایک قابل احترام ہستی تصور کیا جاتا ہے پر مضمون بھی "نو بھارتی" سے کھرچ دیا گیا ہے۔ درجہ ششم کے لیے ہندی کی رائج کتاب "گیان بھارتی" سے سنت شاعر کبیر داس کو بھی نکال دیا گیا ہے۔

اسی کتاب میں حضرت محمد صاحب کے عنوان سے ایک مضمون تھا تاکہ اکثریتی فرقے کے بچے بھی اسلام اور اس

کے پیغمبر کی تعلیمات سے واقف ہو سکیں۔ لیکن اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

آر ایس ایس کے افکار و نظریات کے زبردست مبلغ اور محقق پی۔ این اوک جنھوں نے چند برس قبل ایک کتاب میں لکھا تھا کہ آگرہ کا تاج محل دراصل شیو مندر تھا جس کو مغل حکمراں شاہجہاں نے توڑ کر تاج محل بنوایا تھا اس مضمون کو سرکاری درسی کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ سرکاری اسکولوں میں رائج ترمیم شدہ ایڈیشنوں میں آر ایس ایس کے اہم لیڈروں کو جدید ہندستان کے معمار کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے اور انھیں جنگ آزادی کا سورما قرار دیا ہے۔

درسی کتاب میں اجودھیا کے مندر مسجد تنازعہ کو لے کر ایک نئی تاریخ کو جنم دیا جا رہا ہے تاکہ کمسن بچوں میں بھی فرقہ پرستی کا زہر گھولا جاسکے اور ان میں مسلمانوں سے انتقام کا جذبہ پروان چڑھ سکے۔

ہندستان میں ودیا بھارتی کے علاوہ ایسی متعدد تنظیمیں ہیں جو تعلیم کے میدان میں ہندو کلچر کے لیے کام کر رہی ہیں۔ ان میں نمایاں طور پر ڈی اے وی ایجوکیشنل سوسائٹی ملک بھر میں ۵۰۰ کے قریب اسکول اور کالج چلا رہی ہے جس کا مقصد تعلیمی اداروں میں آریہ سماجی افکار کی تشہیر کرنا ہے۔

"رام کرشن مشن" کے زیر اہتمام بھی سو سے زائد اسکول چل رہے ہیں۔ اس سوسائٹی کا صدر مقام کلکتہ ہے۔ یہ سوسائٹی وویکانند اور رام کرشن کے نظریہ کو فروغ دے رہی ہے "سناتن دھرم سبھا" کے بھی تقریباً سو اسکول اور کالجوں کا مقصد ہندو دھرم کی تشہیر و اشاعت کرنا ہے۔ آندھرا پردیش کے علاقہ میں وویکانند مشن کے بھی تقریباً ۱۵۰ اسکول چل رہے ہیں اور اس سوسائٹی کا بنیادی کام عیسائی مشنریوں کے زیر اہتمام چلنے والے تعلیمی اداروں کا توڑ کرنا ہے۔

اترپردیش کے وزیر تعلیم کا یہ اعلان کہ اب ان کی سرکار کسی بھی اقلیتی ادارہ کو تسلیم نہیں کرے گی کیوں کہ ان اقلیتوں کے اداروں سے علیحدگی پسندی کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے، حالانکہ ملکی آئین میں اقلیتوں کو اپنی مرضی سے اسکول قائم کرنے اور انھیں چلانے کے اختیارات کی ضمانت دی گئی ہے۔

وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ اردو کے کسی بھی اسکول کو کھولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ علاوہ بریں انگریزی میڈیم اسکول خاص طور پر مائنرٹی اسکولوں کو چلانے پر بھی پابندی عائد کر دی جائے گی۔ کیونکہ بیشتر مائنرٹی اسکول ہندی سے منظور شدہ ہیں لیکن اس فیصلے سے صد فیصد خواندگی کی جو شرح مقرر کی گئی ہے وہ پوری نہیں ہو سکے گی۔ اترپردیش میں ویسے بھی خواندگی کی شرح قومی سطح سے بہت کم ہے۔ اسی طرح ہائی اسکول سطح تک سنسکرت کی تعلیم کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے اور اب ہر طالب علم کو خواہ وہ کسی بھی مذہب یا فرقہ سے تعلق رکھتا ہو اسے لازمی طور پر سنسکرت بھی پڑھنی ہوگی۔

اردو کے سلسلے میں نرائن دت تیواری کی چیف منسٹرشپ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دینے کا جب

اعلان کیا گیا تھا تو اس ذہنیت سے تعلق رکھنے والے طلبا نے ایک نعرہ دیا تھا۔

اردو اگر تھوپی گئی لڑکوں پر
تو خون بہے گا سڑکوں پر

اس طرح کی لسانی جارحیت کے پیچھے جو ذہن کام کر رہا ہے وہ ملک میں اقلیتوں کی زبان اور کلچر کو رفتہ رفتہ نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے تاکہ آگے چل کر تمام اقلیتیں اس ہندو راشٹر کی دھارا میں شامل ہو کر اپنی پہچان اور شناخت کو ختم کر دیں۔ دوسری ریاستی سرکار اپنے اس طرزِ عمل سے ریاست کے کروڑوں نیم خواں اور جذباتی ہندو عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتی ہے جن کے جذباتی استحصال کے ذریعہ وہ راج سنگھاسن تک پہنچی ہے۔

وزیر تعلیم نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ اب ہندی کتابوں میں "گ" سے گدھا نہیں بلکہ یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عناصر دیو مالائی کلچر کو گرنیش پڑھایا جائے گا۔ اسے فروغ دینے کے لیے مذہبی ہستیوں کے نام پر تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ ایسا ہی ایک فیصلہ ریاضی سے متعلق ہے کہ اب سرکاری اسکول میں ویدک گرنت پڑھائی جائے گی۔ کیونکہ یہ حساب ویدک عہد کا ایک عظیم کارنامہ ہے ویدک گرنت کی تدریس کے سلسلے میں صوبہ کے ریاضی کے استادوں کو لکھنؤ میں ٹریننگ بھی دی جاچکی ہے۔

درسی کتابوں میں جس طرح سے ترمیم کی جارہی ہے اس سے کم سن بچوں کے ذہن پراگندہ ہو جائیں گے اور اس صوبہ کے طالب علموں کو قومی سطح پر مقابلہ جاتی امتحان میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ وہ اپنے ڈھنگ سے تاریخ کی تشریح کریں گے اور علم ریاضی کے سوالوں کو ویدوں کے منتروں کی روشنی میں حل کریں گے۔!!

(فیچر اینڈ نیوز الائنس)

جناب احمد یوسف
پٹنہ

بہار کی درسی کتابیں

رسول اللہؐ کے متعلق

(۱) "By the time of his (Prophet Mohammad) death, his teachings had spread over the whole of Arabia. These teachings were coll-ected in the Holy Book named the Quran." (Learning History - Ancient India - class VI, p.111).

● قرآن خدا کا کلام ہے، یہ رسول اللہؐ کی تعلیمات کا مجموعہ نہیں۔

(۲) "مسلمان محمدؐ صاحب کے علاوہ فقیروں اور مزاروں کی بھی پوجا کرنے لگے" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۶۸

● مسلمان محمدؐ صاحب کی پوجا نہیں کرتے۔ محمدؐ صاحب ان کے پیغمبر ہیں۔ ان پر کلام پاک نازل ہوا اور وہ خاتم المرسلین ہیں۔ مسلمان مزاروں کی پوجا نہیں کرتے۔ صاحب مزار سے عقیدت کے معنی پوجا نہیں ہوتے ہیں۔

(۳) "محمدؐ نے ایک نوین دھرم اسلام کا اپدیش دیا" (اتہاس اور ناگرک شاستر) برائے درجہ ہفتم ص ۴

● اب تک تو ہندی کی کتابوں میں محمدؐ صاحب لکھنے کی روایت تھی۔ اس مصنف نے "صاحب" کا استعمال بھی غیر ضروری قرار دیا۔

ہندستان میں مسلم عہد

(۴) "مسلم سامراج" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۱۵

● مسلمان یہاں کبھی سید کبھی پٹھان اور کبھی مغل بن کر آئے۔ اس لیے مسلم سامراج کی اصطلاح غلط ہے۔

(۵) "مسلمان آکرمن ہوتے رہے" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۳

● مسلمان آکرمن کی بجائے پٹھان آکرمن یا مغلیہ آکرمن کہہ سکتے ہیں، یا پھر غزنوی کا آکرمن یا غوری کا آکرمن۔

(۶) "اس چھن بھن ہوتے ہوئے سین سامراج کو مسلم آکرمن کاریوں نے اپنے دمن سے سماپت کر دیا" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۱۵

● ظاہر ہے کہ جب آکرمن کاری تھے تو پھر دمن بھی کیا ہوگا۔ یہ بار بار دمن کا ذکر آپ کیوں کرتے ہیں۔

(۷) "بھارت میں مسلم سامراج استھاپت ہوا" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۱۸

● مسلم سامراج کی بجائے سید سامراج، پٹھان سامراج وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔

(۸) "وہ پہلا ایسا مسلم آکرمن کاری تھا جو مسلم شاسن استھاپت کرنا چاہتا تھا، اس میں اسے سپھلتا بھی ملی۔ محمد غوری کو اس کارن بھارت میں مسلم راجیہ کا استھاپک کہا جاتا ہے" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۲۲

● "مسلم راجیہ" تاریخی طور پر یہ بات غلط ہے۔

(۹) اور بھارت میں مسلمان سامراج کی نیو پڑی یہ لودی خاندان (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۵۵

● ہر خاندان کے ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ ہندستان میں مسلمان سامراج کی نیو پڑی۔

(۱۰) "وہ (ہیمو بقال) مغلوں کو کھدیڑ کر بھارت میں ہندو راج استھاپت کرنا چاہتا تھا" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۹۶

محمود غزنوی سے متعلق

(۱۱) "۱۰۰۹-۱۰۰۸ میں محمود کا چھٹا آکرمن پون: پنجاب پر ہوا... اس میں دھارمک کٹرتا بھی ادھیک تھی" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۳۱

● یہاں دھارمک کٹرتا کا سوال کہاں اٹھتا ہے؟۔ لوٹ مار دھرم نہیں ہے۔

(۱۲) "محمود کے آکرمن کی وِشائیں تھیں۔ لوٹ پاٹ، ہتیا، اگن کانڈ، مندروں کی سمپتی لوٹنا، مورتیوں کو توڑنا، مورتی پوجکوں کی ہتیا کرنا وغیرہ" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۳۲

● یہ جنگیں اپنے علاقوں کے توسیع کے لیے کی جاتی تھیں، سرحدیں بھی متعین شدہ نہیں تھیں۔ لیکن ان باتوں کا ذکر بار بار کرنے سے فرقہ وارانہ اشتعال پیدا ہوتا ہے۔

علاء الدین خلجی

(۱۳) "وہ (علاء الدین خلجی) پہلا ترک مسلمان تھا، جس نے راجنیتی اور دھرم کو ایک دوسرے سے الگ رکھا" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۴۶

● کیا اس سے پہلے ایسا نہیں تھا؟

(۱۴) "اسلام دھرم کا پرسدھ گرنتھ، قرآن شریف قانون کا آدھار تھا۔ (سلطنت کال)" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۶۵

● کیا سلطنت پیریڈ میں ہی بادشاہ شرعی حکومت کر رہا تھا۔ علاءالدین خلجی کے متعلق کس حد تک یہ بات کہی جا سکتی ہے۔

جزیہ

(۱۵) ہندوؤں کو بھومی کر کے علاوہ مکان کر، پشو کر اور جزیہ بھی دینے پڑتے تھے" (عہد علاءالدین خلجی سوگم بھارتیہ اتہاس درجہ ہفتم) ص ۴۷

● جزیہ کے متعلق تو بہت سنا گیا ہے لیکن ہندوؤں کو زمین ٹیکس اور مویشی ٹیکس دینا پڑتا تھا یہ بات نہیں سنی تھی۔

(۱۶) "ہندوؤں کو لگان کے علاوہ مکان اور مویشیوں پر ٹیکس اور جزیہ بھی دینا پڑتا تھا" (بہ سلسلہ علاءالدین خلجی — ہندستان کی تاریخ۔ ۲۔ درجہ ہفتم) ص ۶۰

جبری مسلمان بنانا

(۱۷) "ہندوؤں کا مسلمان کے روپ میں جاتی پری ورتن دو روپوں میں ہوا۔ بہت سے ہندو مسلمانوں سے وِواہک سمبندھ کر اور ان کے ریتی رواجوں کو اپنا کر سوچ سمجھ کر مسلمان بنے۔ دوسری اور دباؤ میں آکر بھی انھیں مسلمان بننا پڑا۔ سلطنت کے پرارمبھ کے سمے مسلمانوں نے دھرم پری ورتن کے لیے زبردستی کی تھی" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۶۶-۶۷

● بڑے پیمانے پر ایسا کبھی نہیں۔

(۱۸) "اپنی شکتی کے بل پر مسلمانوں نے یہاں اسلام کا پرچار کیا" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۶۷

● طاقت کے بل پر عام طور سے ایسا نہیں ہوا۔ صوفیوں نے محبت کے گیت گائے۔

اورنگ زیب

(۱۹) "راجیہ کے اونچے پدوں پر اس نے پرائے: مسلمانوں کو ہی نیوکت کیا" (سوگم بھارتیہ اتہاس درجہ ہفتم) ص ۱۰۶

● غلط تاریخ۔

(۲۰) "مندروں کو تڑوا کر اس نے مسجدیں بنوائیں" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۱۰۷

● غلط تاریخ۔

(۲۱) "اورنگ زیب نے پاٹھ شالاؤں کی سہایتا بند کر دی" (سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۱۲۳

● یہ کہاں تک صحیح ہے؟

(۲۲) "اورنگ زیب نے ایسے بہت سارے قانون وضع کیے جو ہندوؤں کے حق میں اچھے نہیں تھے۔ ۱۶۵۹ء میں اس نے

نے مندروں کا بننا بند کر دیا" (ہندستان کی تاریخ - (۲) درجہ ہفتم) ص ۱۳۲

(۲۳) "تین سال بعد لگان وصولی کے شعبے میں ہندوؤں کی تقرری بند کرنے کا حکم جاری ہوا صدیوں سے ہندو ہی دیکھ بھال کرتے آرہے تھے۔ عرب عہد حکومت سے ہی تقریباً یہ صورت حال رہی تھی"۔ (ہندستان کی تاریخ (۲) درجہ ہفتم) ص ۱۳۲

(۲۴) "۱۶۷۹ء میں اس نے ہندوؤں پر پھر جزیہ نافذ کر دیا۔ یہ ٹیکس ہر بالغ مرد کو دینا پڑتا تھا اس لیے غریبوں کو اس سے پریشانی ہوئی۔ ہولی دیوالی وغیرہ منانے کی تو بات ہی نہیں تھی"۔ (ہندستان کی تاریخ - درجہ ہفتم) ص ۱۳۲

قومی ترانہ

(۲۵) "قومی ترانہ مندرجہ ذیل ہے۔ جن گن من ... اہم تاریخی رول ادا کرنے والے بندے ماترم گیت کو 'جن گن من' کی طرح ہی اعزاز بخشا ..." (علم تمدن حصہ دوم درجہ ہفتم) ص ۳

● اقبال کے ترانہ 'سارے جہاں سے اچھا' کی بھی ایک تاریخی حیثیت ہے اور وہ آزادی سے پہلے بھی مقبول تھا اور آج تو وہ بندے ماترم سے زیادہ مقبول ہے اس کا ذکر کیوں نہیں؟

● قومی گیت میں آپ نے 'بندے ماترم' کو رکھا ہے، یہاں اقبال کے 'سارے جہاں سے اچھا' کو بھی رکھنا چاہیے (ہمارا دیش - درجہ چہارم) ص ۶۱

● قومی ترانے میں جب آپ بندے ماترم کو شامل کرتے ہیں تو آپ کو اقبال کا قومی ترانہ سارے جہاں سے اچھا بھی رکھنا چاہیے" (ہمارا بھارت - درجہ چہارم) ص ۱۶

قومی دھارے سے مسلمانوں کو الگ کرنے کی پالیسی

(۲۶) قومی لیڈروں میں جہاں آپ نے ڈاکٹر راجندر پرشاد، ڈاکٹر سری کرشن سنگھ اور ڈاکٹر انوگرہ نرائن سنگھ کا ذکر کیا ہے وہاں آپ کو مولانا مظہر الحق، شاہ زبیر، ڈاکٹر محمود اور پروفیسر باری کا بھی ذکر کرنا تھا۔ (ہمارا بہار - درجہ سوم)

(۲۷) بہار کے بڑے لوگوں میں جہاں آپ نے جنک، جراسندھ، گوتم بدھ، مہاویر، شیر شاہ، کنور سنگھ اور برسا بھگوان کا نام دیا ہے وہیں آپ نے ڈاکٹر راجندر پرشاد کا نام دیا ہے۔ اس جگہ آپ کو مولانا مظہر الحق کا نام بھی دینا تھا اور ڈاکٹر راجندر پرشاد سے پہلے دینا تھا۔ (سرمایہ بہار - درجہ سوم) ص ۱۷

(۲۸) "ہندستان کی آزادی میں بہتری عورتوں کی کارگزاریاں قابل تعریف رہی ہیں، اس سلسلے میں کستوربا، سروجنی نائیڈو، کملا نہرو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں"۔ (سنہرا زندگی - درجہ ۱۰-۹) ص ۲۲۵

● اور بی بی اماں - ریحانہ طیب جی۔ کلثوم سیانی، امۃ الاسلام اور حسرت موہانی کی بہادر بی بی - ؟

تعلیمِ اسلام

(۲۹) "رگ وید کے سرسوتی سوکت میں تعلیم کی اہمیت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے" (علم تمدن حصہ ۲۔ درجہ ہشتم) ص ۹۵

● ہندستان میں دو بڑے فرقے ہندو اور مسلمان بستے ہیں۔ آپ تعلیم کی افادیت کے سلسلے میں رگ وید کا حوالہ دیتے ہیں تو پھر قرآن پاک اور احادیث سے حوالہ کیوں نہیں دیتے۔

متفرقات

(۳۰) "اسلام دھرم کے علاوہ صوفی سمپردائے ..."

(سوگم بھارتیہ اتہاس۔ درجہ ہفتم) ص ۶۹

● صوفیوں کا کوئی علیحدہ مذہب نہیں تھا وہ شرع کے پابند لوگ تھے اور تزکیہ نفس کے مسئلے پر سختی سے کاربند تھے۔

(۳۱) آزاد بھارت نے چار بار اپنی آزادی اور سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے مذہبی لڑائی کی ہے" (علم تمدن حصہ ۲ درجہ ہشتم ص ۱)

● یہ قومی لڑائی تھی اسے آپ مذہبی لڑائی نہ کہیں۔ مذہبی لڑائی کہنے سے کنفیوژن پیدا ہوتا ہے۔

(۳۲) عید الاضحیٰ مسلمانوں کا بہت بڑا تیوہار ہے" (ہمارا دیش۔ درجہ چہارم) ص ۱۱۵

● لیکن اس سے بڑا تو عید الفطر ہے جس کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔

(۳۳) بقرعید سے زیادہ مسلمانوں کے یہاں عید کی اہمیت ہے آپ نے بقرعید کا ذکر کیا عید کا ذکر نہیں کیا ہے۔ (ہمارا بھارت درجہ چہارم ص ۱۱)

(۳۴) "کعبہ کے ارکان وقت پر پوجا پاٹ وغیرہ کرتے رہتے ہیں" (زندگی حصہ ۵۔ درجہ ۱۔ ص ۳۱)

● مسلمان پوجا پاٹ نہیں کرتے اس لیے ان کا لحاظ کرتے ہوئے پوجا پاٹ کے ساتھ عبادت بھی لکھئے۔

(۳۵) "عید اور محرم مسلمانوں کے مشہور تیوہار ہیں" (ہمارا بہار۔ درجہ ۵۔) ص ۱۲۲

● محرم مسلمانوں کا تیوہار نہیں یہ ان کے لیے غم کا موقع ہے۔

(۳۶) "مسلمانوں کے ویش بھوشا (پائجامہ، اچکن، شیروانی وغیرہ پہناوے) کا انوکرن آرمبھ کیا۔"

● اچکن اور شیروانی خالص ہندستانی پہناوے ہیں اور ایک Composite Culture کی دین ہیں۔

(۳۷) اسی استھان پر مہاتما شیخ سلیم چشتی رہتا تھا (اتہاس اور ناگرک شاستر۔ درجہ ہفتم) ص ۱۳۰

(۳۸) پرمپراوادی مسلمانوں کا نیتا شیخ احمد سرہندی تھا" (اتہاس اور ناگرک شاستر۔ درجہ ہفتم) ص ۱۴۲

مختصر یہ کہ اس فرقہ پرستی نے جہالت اور گمراہی کا جال سا پھیلا دیا ہے۔

ڈاکٹر غلام ربانی

ایم۔ ٹی۔ ٹی۔ کالج۔ بریاتو ستار کولونی
پوسٹ میڈیکل کالج ارانچی ۸۳۴۰۰۹ (بہار)

بہار کے اسکولوں کے نصاب میں داخل تاریخ وسماجیات کی کتابوں کا جائزہ

میں نے اپنے مقالہ میں بہار کے اسکولوں کے نصاب میں داخل تاریخ و سماجیات کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ رانچی ضلع جو بہار میں عمدہ تعلیم کا ایک اچھا مرکز ہے اُسی کو خصوصی طور پر توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ یہ ضلع ریاست بہار میں تعلیم کے لئے انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ضلع میں پوری ریاست کے مختلف اسکولوں کے نصاب پڑھائے جاتے ہیں۔ لہٰذا نصاب کے لحاظ سے میں نے اسکولوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں :۔

1. Indian Certificate School Syllabus.
2. Central Board of Secondary Syllabus.
3. Bihar Secondary School Syllabus.

کوٹھاری کمیشن (National Education Commission) کی رپوٹ کا پہلا جملہ اس طرح ہے :

"The destiny of India is being shaped in her class rooms."

یعنی :۔ "भारत के भविष्य का निर्माण उसके अध्ययन कक्षों में हो रहा है।"

درجہ میں جیسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ویسا ہی ذہن بچوں کا بن جاتا ہے۔

میں (I.C.S.E.) کی تاریخ کی مندرجہ ذیل کتاب کے سطور پیش کر رہا ہوں جو نفرت اور فرقہ واریت کی فضا ہموار کرتے ہیں :

کتاب کا نام :۔

"Indian History and Culture" by S.L.Kaeley, V.K.Bhandari and T.Sushila, 3rd edition, 1987, Publisher Inter University Press (P) Ltd.
Educational Publishers,
30/7 Shakti Nagar, Delhi-110007.

صفحہ ۱۰ پر مندرجہ ذیل سطور محمود غزنوی کے بارے میں ہیں :

عنوان :- Mahmud of Ghazni

"In 1019 A.D. Mahmud led an expedition against Rajya Pal, the Pratihara ruler of Kanauj who submitted without resistance. The Sultan is said to have plundered as many as 10,000 temples and after collecting a huge booty returnèd to Ghazni."

صفحہ ۱۷۹ پر اسی عنوان کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

"The Muslim forces reached Anhilwara in January 1025 A.D. but its ruler Bhim Dev fled for safety. More than 50,000 people were slain and huge booty fell into the hands of the invader."

اسی صفحہ پر دوسرا پیراگراف اس طرح ہے :

"His last invasion was against the Jats of Sind who had tried to deprive him of some of his booty from Somnath on his way back to Ghazni. He attacked them in 1026-27 A.D. and put many of them to death."

صفحہ ۱۰۹، عنوان The Results of Mahmud's invasions کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

Sir Woolsely Haig rightly says

"His wanton destruction of the temples - the great institutions of art and architecture since ancient India - gave a death below to the art and architecture of the country."

صفحہ ۱۹۴ پر عنوان An estimate of Ala-ud-Din Khilji کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں:

Lanepoole (aptly) says about Ala-ud-Din
"A bloody and unscrupulous tyrant yet none may refuse him the title of a strong and a capable ruler."

فیروز شاہ تغلق کے بارے میں صفحہ ۲۰۰ پر عنوان Firoz Shah Tughlaq ______ His religious - intolerance: کے تحت مندرجہ ذیل سطور ہیں :

"Firoz was a devout Muslim of the orthodox Sunni and was intolerant of the practices of the Shias as well as of the Hindus. He imposed Jazia on the Brahmins, who had hitherto been exempted from it. He did not allow the Hindus to build any new temple. He also sought to secure converts from the Hindus by promising them exemption from the Jazia."

تیمور کے حملے کے بارے میں صفحہ ۲۰۱ پر عنوان Timur's invasion of India کے تحت مندرجہ ذیل

پیراگراف ہے:

"Having stayed in Delhi for a fortnight, Timur embarked upon his hamelvard journey, plundering Meerut, Haridwar, Nagarkot and Jammu on the way. He relieved the State treasury of the Delhi Sultanate of all the wealth accumulated during the past two hundred years."

تیمور ہی کے بارے میں اسی صفحہ کے دوسرے پیراگراف میں اس طرح درج ہے:

Badauni observes

"The city was utterly ruined and for the two whole months not a bird moved a wing in Delhi."

ہمایوں کے (Character) کے بارے میں صفحہ ۲۱۷ پر عنوان Humayun's character کے تحت مندرجہ ذیل جملے لکھے گئے ہیں:

"After a moment of trumph, he would make himself busy in his 'Harem' and dream away the precious hours in the opium-eaters paradise, whilst his enemies were thundering at the gate."

جہانگیر بادشاہ کے بارے میں عنوان Rebellion of Prince Khusrau کے تحت صفحہ ۲۲۵ پر مندرجہ ذیل اقتباس درج ہے:

"The sixth Guru Arjun Dev was asked to a pay a fine of rupees two lakhs for his offence of supporting Khusrau. When the Guru refused to pay the fine, he was arrested and tortured to death in Lahore."

صفحہ ۲۲۷ پر عنوان Trouble with Portuguese کے تحت مندرجہ ذیل سطور لکھے گئے ہیں:

"The Portuguese who had been in India for long, resorted to the policy of forcible convasion of Indians to Christianity. More after than not, they looted and attacked Indian ships."

صفحہ ۲۴۴ پر عنوان Aurangzeb's Religious Policy کے تحت مندرجہ ذیل اقتباس درج ہے

"Aurangzeb was an orthodox Sunni Musalman and the great object of his life was to make India a 'land fit for Islam'. He aimed at setting up a pure Islamic state based on the Quranic law. An order was issued in A.D.1659 forbidding the construction of new temples. In A.D.1664 he forbade even the repair of old temples. In A.D.1667 he imposed a professional tax on Hindu Merchants while Muslims traders were exempted from the payment of any such tax. In A.D.1668 the Hindus lose restrained from celebrating the Hindus religious fairs and festivals. In A.D.1669 a general order was issued

that all Hindus Pathshalas and temple school should be demolished. The officers of 'Public morals' were instructed to destroy Hindu place of worship. The Somnath temple at Patam, the Vishvanath temple of Varanasi and the Keshavnath temple of Mathura were razed to the ground and with their materials stately mosques were erected to deminate the cities.

Many Hindus who were unable to pay the tax, turned Mohammadans to obtain relief from the insults of the collectors. Stipends and gifts were levished on the converts and posts were offered to them in public services."

اسی صفحہ پر مصنفین نے لکھا ہے کہ :

"The acquisition of a Qanungoship on condition of embracing Islam passed into a proverb."

صفحہ ۲۴۵ پر عنوان Rebellions of the Sikhs کے تحت مصنفین نے لکھا ہے کہ :

"The peacful evolution of Sikhism had received a rude shock when their fifth Guru Arjun Dev was executed at Lahore in A.D.1606 under the orders of Jahangir.

Relations between the Sikhs and the Mughals took a crucial turn when Aurangzeb occupied the throne of Delhi.

Sikh temples were ordered to be destroyed and the ninth Guru Tegh Bahadur was summoned to the Royal Court. The Guru was asked to choose between conversion to Islam or death. On his refusal to embrace Islam the Guru was tortured for five days and eventually beheaded in December 1675 at Chandni Chawk in Delhi."

صفحہ ۲۴۵ پر عنوان Aurangzeb and the Rajputs کے تحت یہ جملہ لکھا ہوا ہے :

In the words of Smith

"The Deccan proved to be the grave of his reputation as well as his body."

اب میں بہار سکنڈری اسکول کے نصاب میں داخل "आधुनिक भारत का इतिहास" کے چند

اقتباسات پیش کر رہا ہوں جو قابل اعتراض ہیں :-

چند سطور صفحہ ۱۸ پر اس طرح درج ہیں :

"बाबर ने राजपूतों के खिलाफ युद्ध में जिहाद का नारा दिया था और अपने आदमियों को यह कहकर उनके विरुद्ध लड़ने के

लिए भड़काया था कि वे काफिर हैं और उनके विरुद्ध युद्ध करना
उनका धार्मिक कर्तव्य है।"

بچوں کے ذہن پر اس کا بہت خراب اثر پڑتا ہے اور فرقہ واریت کی بنیاد پڑتی ہے۔ صفحہ ۱۰۰ پر لکھا ہوا ہے کہ:

"बाबर मध्य एशिया तथा भारत पर लुटेरे दलों तथा शाही
सरकार, तैमूर तथा अकबर के बीच की कड़ी है। एशिया
के दो खूँखार विजेताओं चंगेज और तैमूर का खून उसकी नसों
में दौड़ रहा था और तातारों की साहसिकता तथा अशान्ति
उसे विरासत में मिली थी।"

ان جملوں کے ذریعہ اسے خونخوار اور بدامنی پھیلانے والا بتایا گیا ہے اس حساب سے ابھی کے ہندستانی مسلمانوں میں اسی کا خون ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے کیا (Impression) ہونگے۔

ہمایوں کے بارے میں حرم کی طرف مائل ہو جانا اور مشغول رہنا طالب علموں کے ذہنوں کو ایک قدم اور آگے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

صفحہ ۱۰۲ پر شاہ جہاں کے بارے میں مصنف لکھتا ہے:

"1612ई0 में ही उसने यह आदेश निकाल दिया कि उसके
साम्राज्य में उसके पिता के शासनकाल में जितने मन्दिरों का
निर्माण आरम्भ किया गया था उन सबको गिरवा दिया जाय।
इस आदेश के अनुसार केवल बनारस में ही 76 मन्दिरों को
विनाश करवा दिया गया। बुन्देलखण्ड के हिन्दू मन्दिर
तोड़वाये गये और जुझार सिंह के पुत्रों को मुसलमान बना
लिया गया।"

ان جملوں سے ہندو لڑکوں میں مسلمانوں کے لیے نفرت، دشمنی اور عبادت گاہوں کو مسمار کرنے کا انتقامی جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

شاہ جہاں کے لیے کیسا ذلت آمیز جملہ استعمال کیا گیا ہے:۔

शाहजहाँ के शासनकाल का सम्पूर्ण गौरव उसके द्वारा निर्माण
कराये गये भव्य भवनों पर आधारित है लेकिन यहीं हमें यह

नहीं भूलना चाहिए कि इन भवनों का निर्माण प्रजा का रक्त-शोषण करके किया गया था। अमीरों के धन को छीनकर प्रजा पर अत्याधिक कर लगाकर जमा किया गया था और मज़दूरों से प्राय: जबरदस्ती काम लिया गया था। इस प्रकार शान-शौकत के लिए जन - साधारण का अत्याधिक शोषण किया गया था।"

جس تاج محل کو دیکھ کر ساری دنیا حیرت میں آجاتی ہے اور بنانے والے بادشاہ کا شوق، کاریگری، اور ہندستان کی دولت ہندستان میں ہی خرچ کرکے اس کا سر بلند کرنے کے بارے میں تعریفوں کا انبار لگا دیتی ہے، جس تاج محل پر ہندستان کو فخر ہے کہ سات عجائبات میں سے ایک ہے، اس بادشاہ کے بارے میں یہ کہکر کہ عوام کا خون چوس کر اور مزدوروں سے اکثر زبردستی کام لیا گیا ہے، سارا مزہ کرکرا کر دیا گیا ہے۔ حقیقی معنوں میں دیکھا جائے تو مغل بادشاہ کے بعد سے آج تک حکمرانوں نے عوام کا خون چوسا مگر ایک محل بھی تاج محل جیسا نہیں بنا کر دکھایا۔ تاریخی حقائق کو اس طرح (توڑ موڑ کر) پیش کرنا ساری خوشیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔

اورنگ زیب کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ:

अपने शासनकाल के पहले समयों में उसने मन्दिरों के गिराने का शाही फरमान जारी किया। अकेले इलाहाबाद प्रदेश में और बनारस में 22 मन्दिरों को गिरा दिया गया। हिन्दुओं को मुसलमान बनाने के लिए प्रेरित किया तथा इस्लाम धर्म स्वीकार करने के लिए बाध्य किया।

اس اقتباس سے طالب علموں کے ذہنوں میں اورنگ زیب کے لیے نفرت پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبہ بھڑکتا ہے اور ان کا ذہن گندہ ہو جاتا ہے۔

اورنگ زیب کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ:

"औरंगजेब ने अनेक हिन्दु मन्दिरों को गिराने के आदेश जारी किये। जिस समय वह गुजरात का सूबेदार था उसी समय से उसने हिन्दु मन्दिरों के विध्वंस का कार्य आरम्भ कर दिया। अहमदाबाद के चिन्तामणि मन्दिर में गो-हत्या कराकर उसने उसे मस्जिद में परिवर्तित करवा दिया।

सिंहासनारूढ़ होते ही उसने यह आज्ञा दी कि कटक से मेदनीपुर तक जितने भी हिन्दू मन्दिर हैं वे सभी गिरा दिये जायें। शासनकाल के बारहवें वर्ष में उसने यह आज्ञा प्रसारित की कि हिन्दुओं के जितने भी मन्दिर हैं वे सभी नष्ट कर दिये जायें और उसके रीति रिवाजों का दमन कर लिया जाये। उसकी धार्मिक कट्टरता के कारण ही सोमनाथ का मन्दिर बनारस का विश्वनाथ मन्दिर तथा मथुरा का केशव राय का मन्दिर नष्ट किया गया। उसने मन्दिरों का निर्माण भी निषेध करवा दिया।"

مندرجہ بالا جملوں میں مندروں کے گرانے کا حکم جاری کیا، چنتامنی مندر میں گو ہتیا کراکر مندر کو مسجد میں تبدیل کردیا۔ ہندوؤں کے رسم و رواج کو ختم کروادیا۔ سومناتھ، متھرا، بنارس کے مندروں کو برباد کرادیا۔ اور مندروں کی تعمیر کو منع کروادیا، طالب علم کے (Sentiments) کو کافی چوٹ لگتی ہے۔ زمانے سے طالب علم ان جملوں کو پڑھ رہے ہیں جس سے فرقہ واریت کی فضا تیار ہو رہی ہے۔ اور انتقامی جذبہ بھڑک رہا ہے۔ اسی جذبۂ نفرت کے تحت ہندستان کے مختلف علاقوں میں فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو برباد کرنے اور قبضہ کرنے کی ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں۔ طالب علموں کا ذہن گندہ اور زہر آلود ہو رہا ہے۔

مسلمانوں اور جاٹوں کے درمیان برتاؤ کے بارے میں مصنف لکھتا ہے کہ :

"मथुरा के जाटों के जमींदार गोकुल को पराजित कर सपरिवार पकड़ लिया और आगरे की पुलिस चौकी पर उसके अंगों को काट काटकर फेंक दिया गया और उसकी हत्या कर दी गयी। उसका परिवार जबरदस्ती मुसलमान बना लिया गया। पाँच हजार जाट युद्ध में मारे गये।"

اس اقتباس سے مسلمانوں اور جاٹوں کے درمیان نفرت، دشمنی اور فرقہ واریت کا جذبہ بھڑکتا ہے۔

اسی طرح "اورنگ زیب اور راجپوت" عنوان کے تحت یہ بتایا گیا ہے کہ اورنگ زیب راجپوتوں سے جانوروں کی طرح نفرت کرتا تھا اور شیطان سمجھتا تھا۔ راجپوت طالب علموں کی خودداری کو کافی چوٹ پہنچتی ہے۔ نفرت اور دشمنی کا زہر جو ان جملوں میں بویا گیا ہے یہ آگے چل کر فرقہ واریت کا مواد فراہم کرسکتا ہے۔

میری رائے ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں ایسے اقتباس لکھ کر ہندستان میں فرقہ واریت نہ پھیلایا جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مگر اس میں تعصب نہ برتا جائے اور دونوں فرقوں کے بادشاہوں حکمرانوں یا بزرگوں کی ایک طرح عزت کی جائے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ضروری ہے مختلف عمر کے مطابق یا مختلف ضرورتوں کے تحت ہی پیش کیا جائے۔ مورّخ کو ہدایت دی جائے کہ نفرت اور تعصب کا عینک ہٹاکر ہی اسکول کے طالب علموں کے لیے تاریخ مرتب کریں تو زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ ہندستان کی یک جہتی خطرے میں ہے۔ اس لیے اس طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

●●

پروفیسر ایس۔ اے۔ ایچ حقی
علی گڑھ

بہار کے اسکولوں کے نصاب میں داخل

تاریخ وسماجیات کی کتابوں کا جائزہ

ہندستان کی باتصویر تاریخ پارٹ ۱ (ہندستان عہد قدیم میں):

یہ ایک درسی کتاب ہے جو عہد اولیٰ سے ابتدائی عہد وسطیٰ تک کی ہندستان کی تاریخ پیش کرتی ہے نئے تعلیمی منصوبے کے تحت اس۔ ایل۔ KAELE نے ترتیب دیا ہے اور وی۔ کے۔ بھنڈاری اور جے۔ FUSTE نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ اس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے طلبا میں قومی یکجہتی کا احساس فروغ پائے گا، چنانچہ یہ کتاب اس مقصد کو بہت حد تک پورا کرتی ہے۔

ہر حال، یہاں ایک بیان غالباً نادانستہ طور پر شامل کیا گیا ہے جو ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ کثرت میں وحدت ہمارے سماج کی اہم خصوصیت ہے اور ہندستانی قومیت ہمارے گنگا جمنی ملے جلے کلچر کی عکاسی کرتی ہے، اور اپنے کردار میں سیکولر ہے۔ چنانچہ فاضل مصنفین نے (ص۱۰۹) جو بیان پیش کیا ہے یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر اس کی کیا ضرورت ہے اور اس کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے۔ درج ذیل سطریں ملاحظہ فرمائیں۔

"ویدک لٹریچر کا بڑا اثر یہ ہوا کہ وہ متحد کرنے والی طاقت بن گیا اور اس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہندستانیوں کی اکثریت کو ایک قوم میں سمونے کی صلاحیت رکھتا ہے (تاکیدی حصہ اضافہ)۔ کیا ان کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ صرف اکثریت ہے جو قوم کی تشکیل کرتی ہے اور یہ کہ اتحاد یا قومیت کی بنیاد مذہب پر ہے اور یوں غیر ہندو، ہندستان کے قومی دھارے (main stream) کا حصہ نہیں ہیں؟

جدید تاریخ کی کتاب (جے۔ کے۔ بشناگر اور آئی۔ آر۔ مہتا) پتامبر بک ڈپو، نئی دہلی ۹ ، ۱۹۷۹ء):

یہ کتاب NCERT کے نصاب پر تیار کی گئی ہے اور ہندستانی تاریخ کے قدیم عہد کو اپنے احاطے میں لیتی ہے۔ اس کی شروعات ابتدائی انسان کی زندگی سے ہوتی ہے اور یہ ہرش وردھن پر ختم ہوتی ہے۔

میرے خیال میں اس کتاب میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ بہر حال، اس میں دو بیانات ایسے ہیں

جن پر توجہ دینے اور از سر نو سوچنے کی ضرورت ہے۔

(۱) عوام کے دلوں میں اس بات کی زبردست خواہش کہ ملک کے طول و عرض میں ایک مشترکہ تہذیب جاری وساری ہو جائے (ص۵)

(۲) مہندر ورما کا نام ہمیشہ تاریخ میں زندہ رہے گا کیونکہ اس نے بہت سارے عظیم الشان مندر تعمیر کرائے۔ اس عظیم اور طاقتور حکمراں نے یقینی کچھ اور بھی لائق توصیف کارنامے انجام دئے ہوں گے۔

A Combined Text Book of History & Civics

(Fourth Revised Edition 1986)

ڈی۔ این۔ کنڈرا (گوئیل برادرس پرکاش نئی دہلی):

یہ کتاب درجہ ششم کے لیے لکھی گئی ہے اور یہ .N.C.E.R.T نئی دہلی کے تاریخ اور سماجیات کے نصاب کے مطابق تیار کی گئی ہے۔

اسی کا تاریخی حصہ ہندستانی تاریخ کے عہد قدیم سے تعلق رکھتا ہے یعنی ابتدائی دنوں سے لے کر عہد وسطی کے اوائل تک یہ کتاب خوش سلیقگی سے لکھی گئی ہے، اور میرے خیال میں اس میں کوئی ایسا قابل تنقید مواد نہیں ہے جس سے مختلف فرقوں میں آپس میں بغض وعداوت پیدا ہو اور جس سے فرقہ وارانہ اتحاد اور قومی ایکتا بری طرح اثر انداز ہو۔

Medieval India حصہ دوم۔ ستیش چندرا۔ X اور ۱۱

میں نے غایت درجہ دلچسپی سے اس کتاب کا مطالعہ کیا، اسے پڑھ کر خوشی ہوئی، اور میں اس کے وسیع المشرب نظریے، فکر کی طہارت، اور عالمانہ تجزیے یا فیصلے سے جو کتاب کی خصوصیت بن جاتے ہیں بے حد متاثر ہوا۔

یہ کتاب خاصی مشہور ہے اور یہ اس لائق ہے کہ یہ بطریق احسن انسان دوستی، سیکولرزم، قومی یکجہتی، سوشلزم اور جمہوریت کے اقدار اور تصورات کو فروغ دے جیسا کہ NCERT چاہتا ہے۔

زیر تبصرہ جلد ۵۲۵ اوسے اٹھارویں صدی کے ابتدائی حصے تک کو اپنے دائرے میں لیتا ہے۔ پروفیسر ستیش چندرا نے ان طاقتوں اور ان عوامل کو جنہوں نے عہد وسطی میں ہندستانی سماج اور اس کی تہذیب کو ڈھالا تھا، خاصا اجاگر کیا ہے اور اس پر زیادہ سے زیادہ توجہ ڈالی ہے۔ مختلف علاقے اور مختلف مذاہب کے عوام کی خدمات پر جو انہوں نے ہندستانی سماج اور تہذیب کی ترقی کی راہ میں انجام دی تھیں۔

History & civics (برائے درجہ ششم):

یہ کتاب N.C.E.R.T نئی دہلی نے زیر سرپرستی ایک ادارتی بورڈ کے جس کے چیرمین ہیں۔ ایس گوئل اور پروفیسر سید نورالحسن، پروفیسر ستیش چندرا، اور پروفیسر رومیلا تھاپر ممبر نے تیار کی ہے اسی طرح سماجیات (civics) کا حصہ DR. D. C. MULEY اور شری بی۔ سی شرما نے تیار کیا ہے۔

یہ کتاب بڑی خوش سلیقگی اور خوش ادائیگی سے تحریر میں لائی گئی ہے تاکہ انسان دوستی، سیکولرزم، قومی یکجہتی، سوشلزم اور جمہوریت کی قدروں اور نظریوں کو بڑھاوا دیا جائے۔ یہ کتاب بھول چوک اور عصبیت سے پاک ہے کہ یہ باتیں بالعموم اسکول کی درسی کتابوں میں ملتی ہیں۔ یہ کتاب عہد قدیم کے ہندستان کو معروضی اور سائنسی انداز سے پیش کرتی ہے۔ اپنے بزرگوں کے کارنامے پر یہ معقول پسندانہ اور حق پسندانہ تفاخر کے احساس کی تعلیم دیتی ہے اس خوبی کے ساتھ کہ اس میں احیا پرستانہ قوم پرستی، یا عہد قدیم کے ہندستانی سماج کی کمزوریوں اور خامیوں پر لیپ پوت کرنے کا عمل نہیں ملتا۔

بہرحال اس میں کچھ غلطیاں اور کچھ فروگذاشتیں بھی ملتی ہیں۔ پیغمبر محمدؐ کے متعلق جو ص ۱۳۸ میں یہ تحریر کیا گیا ہے "کہ وہ اپنا رزق ان قافلوں میں کام کر کے حاصل کرتے تھے جو اجناس کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچاتا تھا" اور یہ کہ "اس طرح انہیں ویران صحراؤں میں طول طویل سفر کرنا پڑتا تھا جس کے سبب انہیں غور و خوض کا خاصا وقت ملتا تھا" وہ غلط ہے۔ وہ اس طرح کے غور و فکر اور استغراق کے لیے غار حرا میں گوشہ نشیں ہوجایا کرتے تھے یہ بیان بھی اسی طرح ص ۱۳۹ کہ "انہوں نے پہلے اپنے خاندان، اپنی زوجہ اور اپنے رشتہ داروں کو مشرف بہ اسلام کیا" غلط ہے۔ وہ لوگ جو ابتدا میں اسلام لائے ان میں ان کی زوجہ حضرت خدیجہ، ان کے دوست ابوبکر، ان کے بھتیجے علی اور ان کے خادم زید تھے جب کہ ان کے بیشتر رشتہ داروں نے مخالفانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا۔

History and civics (برائے درجہ ہفتم):

یہ کتاب N.C.E.R.T کی بہم کردہ ہدایات کے عین مطابق تیار کی گئی ہے اس معروضیت اور ہوشمندی کے ساتھ جو اس درسی کتاب کی خصوصیت تھی جو درجہ ششم کے لیے تیار کی گئی تھی۔ تاریخ کے حصے میں قرون وسطیٰ کا جائزہ لیا گیا ہے اور سماجیات کے حصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہم اپنا نظم کس طرح چلاتے ہیں، یعنی وہ دستور اور وہ حکومت جس کے زیر سایہ ہم رہتے ہیں۔

بہرحال یہ بات حیرت انگیز نظر آتی ہے کہ اس کتاب میں جو پر از معلومات ہے اور جو کافی غور و فکر کے بعد لکھی گئی ہے کچھ ایسی فروگذاشتیں ملتی ہیں جن کے متعلق یہ تو نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان میں حقائق کو دبا دیا گیا ہے، تاہم وہ ایک متنازعہ فیہ صنف کی غلط تعبیر کو یقین میں بدلنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جزیہ کا دوبارہ بحال کرنا، غیر مسلمانوں پر پول ٹیکس، اور اورنگ زیب

کے ہاتھوں مندروں کو مسمار کرنے کے واقعہ (ص۱۴۱) کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ضروری وضاحتوں کے ساتھ نہیں کیا گیا ہے۔ جزیہ ایک ٹیکس تھا جو ان لوگوں پر لاگو کیا جاتا تھا جو فوجی خدمات انجام نہیں دیتے تھے اور اسکا دائرہ اثر بہت ہی ہلکا تھا۔

پجاریوں، عورتوں، بچوں، حکومت کے معذوروں اور ناداروں کو اس ٹیکس سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اور مندر جو مسمار کیے گئے تھے وہ مذہبی سے زیادہ سیاسی بنیادوں پر مسمار کیے گئے تھے۔ اورنگ زیب کی ہندو دشمنی کے سلسلے میں جو عام غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، انہیں دور کرنے کے لیے اسبابات کا حوالہ دینا چاہیے کہ اس نے مندروں کو عطیات دئے، کبھی کبھی خاص اپنی تحریر میں اپنی مہر کے ساتھ اور یہ کہ ہندو منصب داروں کی تعداد اس کے عہد میں اکبر کے عہد سے کہیں زیادہ تھی، اور ہندو امراء میں مراٹھے نصف سے زیادہ تھے،

(برائے درجہ ہشتم)

زیر تبصرہ کتاب NCERT کے زیر اہتمام تیار کی گئی۔ یہ آج کے ہندستان کی تاریخ اور آزاد ہندستان کے بڑے نمایاں اور چنوتیوں پر بحث کرتی ہے۔ اسے پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور اس نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہماری تاریخ اور سیاست کا لب و لہجہ اور اس کا معیار کیا ہوتا اور وہ کتنا سمٹ جاتی اگر ہماری نسل کو ایسی غیر جانب دار اور متوازن تاریخ جدید ہندستان کی پڑھنے کو ملتی۔ یہ تاریخی ارتقا کا تجزیہ افراد اور خاص خاص واقعات کے مطالعہ سے نہیں کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم لوگوں نے اسکول کے دنوں میں کیا تھا بلکہ تحریکوں اور اداروں کے مطالعہ کے ذریعے کرتی ہے۔

سماجیات کا حصہ روشن خیال شہریت کی ضرورتوں کو بحث میں لاتا ہے اور کل کے شہریوں کو ہمارے قومی مقاصد اور جمہوریت، ہندستانی سماج اور ہمارے سماجی مسائل اور اقتصادی چنوتیوں، پنج سالہ منصوبے، بڑھتی ہوئی آبادی اور ترقی اور آخر میں ہندستان کے دفاعی اور خارجہ پالیسی، ہمسایوں کے ساتھ تعلقات اور ہندستان اور U.N کے متعلق ہیں آگاہ کرتا ہے۔

بہرحال میرے خیال میں کتاب میں ایک بڑی فروگذاشت رہ گئی ہے اور وہ ہے انتہا پسندوں کے کردار کے سلسلے میں۔ انتہا پسند سیاست میں انتہا پسند تھے لیکن سماجی معاملات میں قدامت پسند اور احیار پسند بھی تھے۔ اس کتاب کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہو جاتا، اور فرقہ پرستی، ذات پرستی، مقامیت اور جارحانہ وطن پرستی کے متعلق ہیں صحیح ادراک حاصل ہوتا حوالے دے جاتے انتہا پسندوں کے اس رول کے متعلق جو انہوں نے احیار پرستی کی تعلیم اور اسے بڑھاوا دینے کے سلسلے میں انجام دئے، جس نے برطانوی راج کی شاطرانہ پالیسی کے ساتھ مل کر ایسے بیج بوئے کہ اس نے چالیس کے عشرے اور آنے والے عشروں میں ایسی فصل پیدا کی جو سخت ضرر رساں تھی۔

یہ کتاب مڈل اسکول کے درجات کے لیے، تاریخ کی تین کتابوں کے سلسلے کی پہلی کتاب ہے۔ مصنف نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ ماضی کے مطالعے میں طلبا کی دلچسپی اور ان کی شرکت کو زیادہ کریں۔ اس طرح جہاں ممکن ہو، وہاں پڑھنے کے لیے ماضی کو زندہ کریں کہ اس طرح ماضی کے واقعات آج کے حالات سے ہم رشتہ ہو جائیں اور یہ کام انہوں نے بےحد حسن و خوبی سے انجام دیا ہے۔

میرے خیال میں سماج کے مختلف حلقوں میں مصروفیت اور دوستانہ تعلقات کے زاویہ نگاہ سے اس میں کوئی بات قابل اعتراض نہیں ہے۔ بہرحال، یہ بات بے محل نہیں ہوگی اگر یہ بتایا جائے کہ اشوک کی تعریف و تحسین اکبر کے اس کام کو نظرانداز کر دیتی ہے کہ اس نے اپنی عظیم سلطنت کے مختلف فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کی تھی (صفحہ ۵) اسی طرح وہ شنکراچاریہ کے اس رول کو جو انہوں نے بدھ مت کے زوال یا انہیں آخری ضرب، پہنچانے کے سلسلے میں ادا کیا تھا نظرانداز کر جاتی ہے، اور مٹھوں اور لائبریریوں کو جس پرجوش انداز سے انہوں نے تباہ کیا تھا مسلمانوں سے منسوب کر دیتی ہے جو یقیناً قابل گرفت عمل ہے۔

AN ILLUSTRATED HISTORY OF INDIAN BOOK

(Oxford University Press, 1977)

یہ کتاب عام درسی کتابوں سے بالخصوص ان کتابوں سے جو ۱۹۶۰ کے عشرے تک رائج تھیں، ایک خوش آیند انحراف ہے۔ یہ تقریباً چار سو سال کے عرصے کو اپنے احاطے میں لیتی ہے یعنی سولہویں صدی میں یورپی تجارتی بستیوں کے قیام کے بعد سے ۱۹۴۷ء میں حصول آزادی کے وقت تک۔ یہ کتاب ہندستانی سیاست کی تاریخ کی ان درسی کتابوں میں ایک اور کا اضافہ نہیں کرتی، جن میں بالعموم جنگجوؤں کی تفصیل، انتظامی اصلاحات اور دستوری ارتقا کا حال ملتا ہے، مصنف نے یہ سب بھی کیا ہے لیکن یہ اس غرض سے کیا ہے تاکہ وہ اس دور کی تاریخ کا تعین کرتے ہوئے اقتصادی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی عوامل کو ایک دوسرے کے بالمقابل دکھا سکیں۔ یہ کتاب جو بصورت دیگر قابل قدر تصنیف ہے اس میں مصنف کے ایک طرفہ طریقہ فکر سے لوگوں کو حیرت ہوتی ہے۔ وہ مختلف عقائد کے رہنمائے نمایاں کو اجاگر کرنے میں ناکام ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ہندستانی سماج کی نشوونما اور تحریک آزادی میں مسلمانوں نے جو رول ادا کیا ہے وہ احاطہ تحریر میں نہیں لے سکا ہے۔ مثال کے طور پر اس کتاب میں حضرت محل، بخت خاں، بدرالدین طیب جی، محمد علی، شاہنواز جیسی اہم قوم پرست آزادی کے ...

جناب اشفاق علی
لکھنؤ

تاریخی کتب میں زہریلا مواد

چونکہ ساؤتھ ایشین ریجنل سیمینار صوبہ بہار کے صدر مقام پر منعقد ہو رہا ہے۔ اسی لیے میں سب سے پہلے ایک ایسے حکمراں کے حالات پر مبنی کتاب کے سلسلہ میں گفتگو کرنے جا رہا ہوں، جس کا تعلق اسی صوبہ بہار کے مشہور مقام سہسرام سے تھا، یعنی شیر شاہ سوری۔ کتاب کا نام ہے "شیر شاہ اور اُس کا عہد"۔ مصنف کا نام ہے "کالکا رنجن قانون گو"۔ کتاب کے مترجم ہیں "سری رام آسرے شرما" (جنھوں نے زبان اردو میں ترجمہ کیا ہے)، اور اس کے ناشر ہیں ترقی اردو بورڈ کے۔ کے گُھلا صاحب۔ آر۔ کے پورم نئی دہلی ترقی اردو بورڈ کا سلسلۂ مطبوعات نمبر ۲۴۵ ہے۔

اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں نیشنل پردیس ریجیت نگر نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ کتاب کی طباعت کا مقصد اس کے پیش لفظ اور دیباچہ میں یہ بیان کیا گیا ہے:

"اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے حکومت ہند و وزارت تعلیم و ثقافت کے تحت ماہرین سے جدید علوم پر ایسی کتابیں لکھوانا جو کہ زبان اور قوم کی ترقی میں معاون ثابت ہوں۔"

اب میں اس کتاب کے کچھ اقتباسات بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں، جس کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ یہ کتاب اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیاب ہے:

"اگر ہم ایک صدی سے قبل شمالی ہند کے اسلامی ادب کے مرکزوں میں قیام کرنے والے عالموں کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ زمانہ سلف کی بے ہنگم فضا میں عالم نسبتاً کہیں زیادہ آزاد، بے فکر اور لاابالی ہوتے تھے۔" ص ۹،

اس اقتباس میں علمائے سلف کے متعلق نامناسب تبصرہ کیا گیا ہے۔ یہ اقتباس بھی قابلِ ملاحظہ ہے:

"روایت ہے کہ کسی موقع پر شیر شاہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ اس کا پوتا نور خاں بن عادل خاں اپنے والد اور چچا سے زیادہ اس کا وارث بننے کا مستحق ہے۔ یہ ایک شک کی معمولی کمزوری تھی جس سے کہ رسول اللہ ﷺ بھی مستثنیٰ نہ تھے۔" ص ۶۸۳

۲

اب ہم تاریخ کی دوسری کتاب "تاریخ شاہجہاں" پیش کرتے ہیں۔

کتاب کا نام: ——— تاریخ شاہجہاں۔ مصنف کا نام: ——— ڈاکٹر بینی پرشاد سکسینہ۔ مترجم کا نام: ——— سید اعجاز حسین۔ اشاعت: ——— ترقی اردو بورڈ کی طرف سے باشتراک انڈین کونسل آف ہسٹوریکل ریسرچ نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں شاہجہاں کی کردار کشی بے رحمی سے کی گئی ہے:

پہلا اقتباس:۔ "برنیر (مستشرق عالم) کا الزام ہے کہ شاہجہاں کا ناجائز تعلق اپنی لڑکی جہاں آرا سے تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ شاہجہاں کی بڑی لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ اس کے اعضاءِ جسم نہایت دلکش تھے۔ اس کا باپ اس سے پُرجوش انداز میں محبت کرتا تھا۔ افواہ یہ ہے کہ اس کی اُنسیت بڑھتے بڑھتے اس درجہ پر پہنچی جس کا ذکر کرنا مشکل ہے۔" ص ۲۸۶

س میں خاص بات یہ ہے کہ ہندستانی مورخ ایک یورپی مورخ کے حوالہ سے بات کرتا ہے۔ جو کہ مغلوں کو بدنام رنے میں کافی بدنام ہے۔

وسرا اقتباس:۔ "اس کا جواز ملاؤں کے فتوے پر تھا۔ یہ لوگ ماہرینِ قانونِ شریعت سمجھے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نامناسب ہوتا کہ بادشاہ کو اس درخت سے پھل حاصل نہ کرنے دیا جائے جس کو اس نے لگایا ہو۔" ص ۲۸۷

ں اقتباس میں علماءِ شریعت پر براہ راست حملہ کیا گیا ہے۔ اور انھیں کس قدر گھٹیا درجہ فتویٰ فروش ثابت یا گیا ہے۔

سرا اقتباس:۔ "اگرچہ یہ امر قابلِ یقین ہے کہ شاہجہاں بے حد نفس پرستی کا دلدادہ تھا۔ اس کے ماننے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی لڑکی مختلف ناجائز معاشقوں میں ملوث تھی۔ اس لیے اس کی نظر میں یہ بات قابلِ یقین معلوم ہوتی ہے کہ باپ و بیٹی اتنے بداخلاق ہو سکتے ہیں جتنا وہ موردِ الزام ٹھہرائے گئے ہیں۔" ص ۲۸۸

اقتباس میں جہاں آرا بنتِ شاہجہاں کے متعلق کتنے گرے ہوئے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

ھا اقتباس:۔ "منوچی کہتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں کو صرف ایک فکر عورت کی تلاش کی رہتی تھی۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ جعفر خاں اور خلیل اللہ خاں امراء کی بیویوں سے شاہجہاں کے تعلقات ناجائز

تھے۔ یہ بات اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ جب جعفر خاں کی بیوی باہر نکلتی تو بھکاری اس کو پکار کر کہتے،
اے شاہجہاں کی داشتہ ہم کو بھی یاد رکھنا۔" ص ۲۸۵

ان الزامات کو پڑھنے کے بعد نئی نسلوں کے ذہن میں شاہجہاں کی کیا تصویر قائم ہو گی۔

اس سلسلے میں خود مصنفِ کتاب بینی پرشاد صاحب سکسینہ کی رائے بڑی اہمیت کی حامل ہے جو انھوں نے شاہجہاں کے متعلق قائم کی ہے:

"کوئی عیش پسند بدکار اس بلندی پر نہیں پہنچ سکتا۔ بحیثیت شاہزادہ وہ ہم کو فرض شناس معلوم ہوتا ہے۔ بحیثیت حکمراں اس نے اپنے دل و دماغ کے وہ جوہر دکھائے جو ایک بادشاہ کے شایانِ شان ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خون میں پیر کر تخت تک پہنچا تھا، لیکن وہ مہربان اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ قدرت نے اس کو غیر معمولی گرمی عمل، زبردست نکتہ رسی، شجاعت، ہمت اور سب سے بڑھ کر عدیم المثال محرکانہ قوت عطا کی تھی۔" ص ۲۸۹

آگے چل کر مصنفِ کتاب سکسینہ صاحب مغربی سیاحوں کے بیانات کو خود ہی تسلیم نہیں کرتے ہیں:

"۱۷ ویں صدی کے نصف اوّل میں بڑی تعداد میں مغربی سیاح ———— ہندستان آئے۔ ان سیاحوں کو فوجی برتری کا وہم تھا۔ ہندستانیوں کیلئے وحشی کا لفظ ان کی زبانوں پر تھا۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جن کو مستند سیاسی حالات کی آگاہی نہ تھی۔ اس لیے انھوں نے افواہ اور بازاری خبروں کا قلمبند کرنا کافی سمجھا۔ ان میں بعض تو کم تعلیم یافتہ اور نا اہل تھے۔ وہ صحیح زاویۂ نظر سے کام نہ لے سکتے تھے۔ جو سیاح تعلیم یافتہ اور بلند خاندانوں سے متعلق تھے، اُن میں ایک دوسرے قسم کا عیب تھا۔ یہ لوگ مغل حکومت اور ہندستانی اداروں کو اس نظام حکومت کی کسوٹی پر پرکھتے جو ان کے ذہنوں میں پہلے سے تھا۔ جب نتیجہ ان کی امیدوں سے کم نظر آتا تو معائب کو زیادہ اہمیت دیتے اور محاسن کو نظر انداز کر دیتے۔ میرا خیال ہے کہ ان سیاحوں کا بیان صداقت سے دور ہے۔" ص ۳۰

کیا اس متنازعہ اور غیر [illegible] مواد کے پڑھنے سے ہندستانیوں کے دلوں میں قومی یکجہتی اور محبت پیدا ہو گی یا اس کو پڑھ کر تاج محل کے خالق اور لال قلعہ کے معمار کے متعلق انتہائی نفرت انگیز بدگمانیاں جنم لیں گی۔

ہندستانی مورخین سے میری درخواست ہے کہ وہ "تاریخ" ایسے مقدس موضوع کو متنازعہ، شبہات اور نفرت انگیز مواد سے پاک رکھنے کی کوشش کریں تاکہ ہندستانی تاریخ ہماری نئی نسل کو تعمیری ذہن عطا کر سکے۔

••

ڈاکٹر اخلاق اثر
بھوپال

مدھیہ پردیش کی درسی کتابوں میں دل آزاری

درسی کتابیں اگرچہ استاد کے لئے تعلیمی مواد کے معیار و مقدار کا نمونہ ہوتی ہیں لیکن طلبہ کے لئے نئی معلومات کا ریکارڈ ہونے کے علاوہ ایک ایسی شاہراہ کی طرح ہوتی ہیں جس پر تعلیم کا کارواں گامزن ہوتا ہے۔ ان کی حیثیت ایک میدان جیسی ہوتی ہے جہاں طلبہ مہارت زبان کی مشق کرتے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود درسی کتاب کی حیثیت ایک ذریعہ سے زیادہ نہیں کہ تعلیم بغیر درسی کتاب کے بھی دی جا سکتی ہے۔

ہر برس تقریباً چار سو کروڑ روپے کی درسی کتابیں شائع ہوتی ہیں لیکن ابھی تک درسی کتابوں پر اس پایہ کی تحقیق نہیں ہو سکی ہے جس کی وہ متقاضی ہے۔ ۱۹۷۰ء کے بعد سے مختلف زاویوں سے درسی کتابوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جہاں تک اردو اور اقلیتی مسائل کا تعلق ہے۔ ایک تحقیقی مقالے میں اردو اور ہندی کے الفاظ کا درسی کتب کے نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ دوسرے مقالے میں درسی کتب میں اقلیتی فرقے کی زندگی کی جھلکیوں کا جائزہ لیا گیا جو ناقابل اطمینان تھا۔

مولانا آزاد کے دورِ وزارت اور ڈاکٹر ذاکر حسین کے دورِ صدارت میں درسی کتابوں اور اقلیتی فرقے کے مسائل سے متعلق کئی وفود نے دونوں ماہرین تعلیم سے ملاقاتیں کی تھیں۔ مرکزی حکومت نے ۱۹۶۸ء میں غلام السیدین کمیٹی تشکیل دی تھی جس کی رپورٹ شائع نہیں ہو سکی۔ اس کے بعد سری نگر میں قومی یکجہتی کانفرنس نے درسی کتابوں خاص طور سے تاریخ کے موضوع پر قومی مفادات کو ملحوظ رکھنے پر زور دیا تھا۔ این سی ای آر ٹی نے قومی یکجہتی کے نقطۂ نگاہ سے درسی کتابوں کا تجزیہ کروایا تھا اور ۱۹۸۷ء میں مدراس میں منعقدہ درسی کتابوں سے متعلق سہ روزہ کانفرنس میں درسی کتابوں کے جو بنیادی اور مرکزی عناصر لازم قرار دیئے تھے ان میں سیکولرزم اور مشترکہ تہذیبی ورثہ کے تحفظ کو بھی شامل کیا تھا۔ مہاراشٹر میں سروودھرم سمبھاو کمیٹی نے بھی اسی نوعیت کا کام شروع کیا تھا جو بعض اسباب کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

ان ساری کوششوں کے علاوہ تمام ادارے جو درسی کتابیں شائع کرتے ہیں وقتاً فوقتاً کتابوں کا تجزیہ

کرواتے رہتے ہیں اور غیر ضروری، غیر حقیقی اور قابل اعتراض مواد کو نئے اڈیشنوں سے خارج کرواتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی درسی کتابوں میں قابل اعتراض مواد کم علمی یا لاعلمی کی وجہ سے راہ پا لیتا ہے۔ کبھی کبھی دل آزار مواد بعض تعصبات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ قابل اعتراض مواد اکثریتی فرقہ کا پیداوار ہو۔ کبھی کبھی ایک ہی فرقہ کے ذیلی فرقوں ہی بھی بعض تحریریں دل آزاری کا سبب بن جاتی ہیں۔ تہذیبی زندگی اور اس سے وابستہ تصورات کے علاوہ قومی نظریات، تاریخی واقعات، تاریخ کی تعبیر وتشریح اور عقائد کے اظہار میں مختلف طبقوں اور فرقوں میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں جو کبھی کبھی مذہبی فسادات کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم اُن تمام عناصر کا جائزہ لیں تو درج مواد کبھی فرقوں اور کبھی قومی نقطہ نگاہ سے قابل اعتراض قرار دیا جاتا ہے۔ ایک ماں کی اولاد پر اعتراض کیا گیا ہے۔

عقیدہ: "وندے ماترم گا کر ہم مادر وطن کی تعظیم کرتے ہیں۔ مادر وطن ہمیں غذا دیتی ہے اور پروان چڑھاتی ہے۔ اس کے دیئے ہوئے جوش وہمت کی وجہ سے ہم بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں۔

ہم ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔"

ڈاکٹر و نے موہن شرما نے آٹھویں کلاس کی معاون مطالعہ میں مختلف مگر خطرناک انداز بیان اختیار کیا ہے۔

ٹرانسوال حکومت نے قانون پاس کیا تھا کہ ہندستانی سرکاری دفتروں میں جا کر ایشیائی رجسٹر میں اپنا نام درج کروائیں گے۔ جو اس مقصد کے لئے درخواست نہیں دے گا اس کو مجرم قرار دے کر جرمانہ عائد کیا جائے گا، جیل میں ڈال دیا جائے گا یا جلا وطن کر دیا جائے گا۔ گاندھی جی سمجھ گئے کہ سرکار کا مقصد کیا ہے۔ گاندھی جی نے میٹنگ میں فیصلہ کیا کہ کوئی نام نہیں لکھوائے گا۔ نام نہ لکھوانے پر دو ماہ کے لئے گاندھی جی کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کروا لیا گیا۔ گاندھی جی کو سمجھایا گیا کہ اگر وہ خوشی سے نام رجسٹر میں درج کروالیں تو اس قانون کو واپس لے لیا جائے گا۔ گاندھی جی راضی ہو گئے تو ان کو آزاد کر دیا گیا۔

"جیل سے چھوٹتے ہی انہوں نے ستیہ گرہیوں کا ایک جلسہ کیا اور سمجھوتے کی شرطوں کو سمجھا کر کہا ہم سب کا جنگ گئی ہے۔ ہماری جیت ہوئی ہے۔ اب آپ اپنی مرضی سے ایشیائی رجسٹر میں اپنا نام لکھوا سکتے ہیں۔"

"کون کہتا ہے ہماری جیت ہوئی ہے؟" سامنے بیٹھا ہوا پٹھان میر عالم گرج اٹھا۔ "نام درج کرانے کی بات تو قائم رہی نا؟ گاندھی جی نے سمجھا کر کہا ہمیں اپنی مرضی سے نام درج کرانا ہے۔ سرکار زبردستی نہیں کرے گی۔

ۓ مہاراشٹر کی تاریخ کی آٹھویں درجہ کی کتاب

"تو آپ کیا کریں گے؟" پٹھان نے پوچھا۔

"میں تو نام درج کراؤں گا اور سب سے پہلے کراؤں گا" گاندھی جی نے جواب دیا۔ پٹھان جوش میں بولا "معلوم ہوتا ہے آپ کو سرکار نے رشوت دے دی ہے۔ تبھی آپ نے ایسا غلط سمجھوتا کیا۔"

پٹھان کا شک بے بنیاد ہے اسے کوئی نہ مانے۔" یہ کہہ کر گاندھی جی جب جلسہ سے اٹھ کر جانے لگے تو پٹھان نے دھمکی دی۔ "یاد رکھنا! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو نام درج کرانے جائے گا اسے میں موت کے گھاٹ اتارے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔" چلتے چلتے گاندھی جی نے کہا "مجھے اپنے بھائی کے ہاتھوں مرنے میں خوشی ہوگی۔" نام درج کرا کر ہندوستانیوں کو ٹرانسوال میں رہنے کا اجازت نامہ لینا پڑتا تھا۔ حکومت نے اجازت نامہ حاصل کرنے کی مدت تین مہینے رکھی تھی۔

اجازت نامہ حاصل کرنے کے لئے گاندھی جی ایشیائی دفتر کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں میر عالم ملا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح انہیں سلام نہیں کیا۔ وہ انہیں گھور رہا تھا۔ گاندھی جی نے خود اس سے پوچھا "کیوں خان کیسے ہو؟" خان نے خشک لہجہ میں جواب دیا "اچھا ہی ہوں" جب گاندھی جی دفتر کی طرف بڑھے تو میر عالم نے لپک کر پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟" گاندھی جی نے جیسے ہی کہا "نام درج کرانے اور اجازت نامہ لینے" تبھی اس نے ان کے سر پر لاٹھی جما دی۔ گاندھی جی "ہرے رام" کہہ کر نیچے گر پڑے۔ اسی حالت میں خان کے ساتھیوں نے انہیں لاتیں لگائیں اور ڈنڈے برسائے۔

اس کے بعد ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ کا بیان ملاحظہ فرمائیے۔

۱۹۴۸ کو جنوری کی ۳۰ تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا۔ شام رات کی جانب آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھی گھڑی نے پانچ بجا دیئے تھے۔ برلا ہاؤس کے صحن میں عوام کا ہجوم مہاتما گاندھی کی آمد کے انتظار میں تھا۔ پرارتھنا سبھا میں ان کی آمد کا وقت ہو رہا تھا۔

"باپو کو آج کیا ہو گیا! وہ تو کبھی تاخیر سے نہیں آتے۔" لوگ آپس میں کانا پھوسی کر رہے تھے۔ "ذرا اپنی گھڑی تو دیکھو کہیں وہی تاخیر سے نہ چل رہی ہو۔" کچھ لوگ ہوشیار ہو کر بول رہے تھے۔ پانچ بج کر ۱۰ منٹ ہوئے۔ لوگوں نے دیکھا مہاتما جی لان میں دو لڑکیوں آبھا اور منو کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھے جلدی جلدی چلے آ رہے ہیں۔ کاندھے پر کھادی کی شال اوڑھے ہوئے ہیں۔ دلی میں کپکپانے والی سردی جو برس رہی تھی۔ وہ بہت لاغر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پرارتھنا کے مخصوص مقام پر آئے۔ لوگ ان کے قریب جلدی جلدی بڑھنے لگے۔ وہ ہاتھ جوڑے اٹھا کر مشکل سے پانچ ہی سیڑھیاں چڑھے ہوں گے کہ ایک آدمی ہجوم میں سے لپکا اور اس نے پیر چھونے

کے انداز میں جھک کر ان کی چھاتی میں پستول تان دیا اور لگاتار تین فائر کیے۔ مہاتما جی کے منہ سے صرف "ہے رام" نکلا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ لوگوں میں کھلبلی مچ گئی قاتل پکڑ لیا گیا۔ جنتا اس پر بُری طرح ٹوٹ رہی تھی مگر پولس اسے کھینچ کر جلدی جلدی میدان سے باہر لے گئی۔

کتاب کی مشق میں میر عالم پر نوٹ ہے جو اس کی بے رحمی کو اور نمایاں کر دیتی ہے اور جب گاندھی جی کے قاتل کا نام یا اس کا مذہب بیان نہیں کیا جاتا تو ذہن میر عالم کی طرف گھوم جاتا ہے۔

دورِ غلامی:۔ پروفیسر آل احمد سرور نے سیدین لکچرز کے موقع پر فرمایا تھا کہ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی رات کو جب میں لکھنؤ کی سڑکوں پر آزادی کا جشن دیکھ رہا تھا تو میرے کانوں میں دو علاحدہ نعرے گونج رہے تھے۔ ایک جواہر لال نہرو کا کہ دو سو سال کی غلامی کے بعد آزاد ہو رہے ہیں۔ دوسرا پنڈت گووند ولبھ پنت کا کہ ہم ایک ہزار سال کی غلامی سے آزاد ہوئے ہیں۔ حکومت جواہر لال نہرو کی تھی مگر بات پنت کی مقبول تھی۔

نو بھارتی حصہ اوّل میں ہلدی گھاٹی نظم شامل ہے جس سے ایک ہزار سال کی ہندستان کی غلامی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ بعض مورخین نے ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی شکست اور ۱۹۴۷ء میں آزادی کی درمیانی مدت یعنی ایک سو نوے برس کو غلامی کا دور کہا ہے جو جواہر لال نہرو کے غلامی کے دو سو برس کی مدت کے قریب آجاتا ہے۔ درسی کتاب کے طور پر استعمال کی جانے والی بیشتر کتابوں میں پانچ سو سے ایک ہزار کی مدت کو دورِ غلامی کہا گیا ہے اور اس وجہ سے درسی کتابوں میں ایسا مواد راہ پا گیا ہے مثال کے طور پر نو بھارتی حصہ دوم میں لکھا ہے:

"رانی درگاوتی جس نے ملک کی عزت پر آنچ نہ آنے دی۔ جانتی تھی کہ کسی نہ کسی دن مغل بادشاہ اکبر کی گدھ جیسی نظر اس کے چھوٹے سے راجیہ پر پڑے گی۔ . . . اکبر کا لالچی جذبہ جاگ اٹھا۔"

اس اقتباس میں درگاوتی کے چھوٹے سے راجیہ کی جگہ لفظ ملک سے ہندستان کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ شواجی، مہارانا پرتاپ اور دوسرے راجاؤں کے واقعات کے بیان میں اکثر ایسا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے جو جنگ آزادی کا شیدا ہے۔

امتحان کا پرچہ اور اسلام:۔ مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف ایجوکیشن ایک سرکاری ادارہ ہے جو سال میں دو بار امتحانات منعقد کرتا ہے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۷ء کے بارہویں درجہ کے امتحان میں انگریزی پرچے کا سوال نمبر ۲ درج ذیل ہے:

"یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات مذہب اتحاد کی بنیاد بنتا ہے مگر بعض اوقات انتشار کی بھی وجہ بن جاتا ہے اور ایشیائی قوم پرستی کے تعلق سے اسلام اسی قسم کا دوہرا کردار ادا کرتا ہے۔ ہندستان میں جناح اور اس کے حامیوں کا اصرار تھا کہ مسلمان ایک قوم ہیں لہٰذا انھوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا اسے

حاصل بھی کیا۔ پاکستان کے دو بازو تھے یعنی مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان۔ دونوں بازو ایک دوسرے سے ہزاروں میل کی دوری پر واقع تھے۔ اس کے باوجود یہ تصور کر لیا گیا کہ اسلام اتنا طاقتور ہے کہ دونوں بازوؤں کو ایک دوسرے سے منسلک رکھ سکتا ہے۔ لیکن بعد میں تاریخ نے اس تخیل کو غلط ثابت کیا۔ مشرق وسطیٰ میں بہت سے عرب رہنماؤں نے عرب اور شمالی افریقہ پر مشتمل ایک مسلم ریاست قائم کرنے کی کوشش کی مگر ان علاقوں کے مسلمانوں میں سیاسی اور دیگر اختلافات پائے جانے کی وجہ سے اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی ۔ درج بالا اقتباس پر پانچ سوالات قائم کئے گئے تھے :-

(۱) افرو ایشیائی قوم پرستی کے ضمن میں اسلام کون سا دوہرا کردار ادا کرتا ہے؟ (۲) جناح اور اس کے حامیوں کا دعویٰ کیا تھا؟ (۳) تاریخ نے اسے بعد میں کیا ثابت کیا؟ (۴) مشرق وسطیٰ میں عرب لیڈروں کے کیا عزائم تھے؟ (۵) مشرق وسطیٰ میں ایک مسلم ریاست کے قیام کی کوشش کیوں ناکام ہو گئی؟

ابوالکلام آزاد نے بھی مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے دیرپا اتحاد پر شک کا اظہار کیا تھا۔ امتحان کے پرچے میں نزاعی مسائل کی جگہ معروضی طرز کے سوالات کو ترجیح دینا پسند کیا گیا ہے۔

سوالات کے نمونے :- مدھیہ پردیش اسٹیٹ بورڈ آف ایجوکیشن نے مختلف مضامین میں Question بینک شائع کئے ہیں۔ ان میں انگریزی کے تعلیمی مواد میں تقریباً خط اور درخواست لکھنے کے دس سوالات و جوابات درج کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر سوال میں لکھا گیا ہے کہ فرض کرو کہ تم فلاں ہو اور فلاں کے نام اس مضمون کا خط یا درخواست لکھو۔ ان میں تمام خطوط ایک فرقے کے افراد کے ذریعہ اسی فرقے کے افراد کے نام تحریر کئے گئے ہیں۔ ان خطوط اور درخواست کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی فرقہ کے افراد اس علاقے میں آباد ہیں اور یہ کہ دوسرے فرقوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

یکساں سرورق :- بعض ریاستوں میں درسی کتابوں کے یکساں سرورق شائع کئے گئے ہیں اور ان پر بنی تصاویر سے گنگا جمنی تہذیب کی نمائندگی نہیں ہوتی۔ مہاراشٹر کی اردو کی پہلی کتاب میں بنی تصویر پر دو بچے مراٹھوں کے تہذیبی لباس میں مراٹھی کی پہلی کتاب پڑھ رہے ہیں جب کہ مدھیہ پردیش کی پہلی کتاب کے سرورق پر تصویریں مشترکہ تہذیب کی نمائندگی نہیں کرتیں۔

چند تجاویز :- ہمارا دور درسی کتب کے ذریعہ سے تعلیم کا دور ہے۔ رسمی تعلیم تو رسمی تعلیم غیر رسمی تعلیم میں بھی درسی کتب استعمال کی جا رہی ہیں۔ اس لئے درسی کتب میں معیار بندی کی چند تجاویز پیش کی جا رہی ہیں :-

(۱) نصاب اور درسی کتاب کی اشاعت سے قبل مسودات کا حصول، قومی نقطہ نظر سے ان کا تجزیہ اور منفی پہلوؤں پر علمی انداز سے بحث اور ضروری تبدیلی ۔ (۲) ایک خاص سطح سے درسی کتابوں میں مختلف فرقوں کے افراد کے نام شامل کئے جائیں ۔ (۳) تصویروں میں بھی مشترکہ تہذیب کا خیال رکھا جائے ۔ (۴) اورنگ زیب، شواجی، مہارانہ پرتاپ اور گرو گوبند سنگھ نے رواداری سے بھی کام لیا تھا اور دوسرے فرقوں کے افراد پر بھروسہ بھی کیا تھا۔ ایسے افراد اور واقعات کو نمایاں کیا جائے اور ان کی یادگاریں بھی قائم کی جائیں ۔ تاکہ انتہا پسند فرقہ وارانہ تنظیمیں اورنگ زیب، شواجی، مہارانہ پرتاپ اور گرو گوبند سنگھ کا اپنے نظریات کی تشکیل میں استحصال نہ کر سکیں ۔ (۵) مدراس میں منعقد ہوئی سہ روزہ کل ہند درسی کتب کانفرنس میں ایک ہی مضمون پر ایک کتاب کی جگہ مختلف زاویوں سے لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ اور ایسی کتابوں کی تیاری کی وکالت کی گئی تھی ۔ تاریخ کی کتابوں میں دور غلامی کی مدت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے ۔ اس لئے کانفرنس کے فیصلے پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ (۶) مسلمان بادشاہوں کی خدمات مختلف شکلوں میں قائم کی جائیں تاکہ یہ یاد دلانا نہ پڑے کہ ہم صرف دو سو سال کی غلامی کے بعد آزاد ہوئے ہیں ۔ (۷) سارس ممالک سے متعلق مضامین تاکہ تعلقات کی بنیاد مضبوط ہو ۔ (۸) تاریخ کی کتب لکھنے اور خاص طور سے انداز بیان کے لئے N.C.E.R.T ورکشاپ منعقد کرے اور مختلف صوبوں کی N.C.E.R.T کو بھی متوجہ کرے ۔

●●

ڈاکٹر سید حامد حسین
ای ۲/۴۳، ۸ پروفیسرز کالونی، بھوپال ۴۶۲۰۰۲

مدھیہ پردیش کی درسی کتب میں مسلم تاریخ کی یک طرفہ ترجمانی

مدھیہ پردیش کے اسکولوں میں پہلے درجے سے دسویں درجے تک پڑھائی جانے والی ساری کتابیں حکومت مدھیہ پردیش کے محکمۂ تعلیم کی جانب سے تیار کی جاتی ہیں اور انھیں ایک سرکاری ادارہ مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم چھاپ کر شائع کرتا ہے۔ زبانوں کے مطالعے سے متعلق بعض کتابوں کو چھوڑ کر باقی سب کتابیں بنیادی طور پر ہندی زبان میں تیار کی جاتی ہیں اور انگریزی یا اردو میں پڑھائے جانے کے لیے ان کا انگریزی یا اردو ترجمہ اسکولوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ چھٹے درجے سے "ساماجک ادھین" یا سماجی تعلیم کے مضمون کے تحت شروع کیا جاتا ہے۔ اور ہندستان پر اسلامی اثرات اور مسلم حکمرانوں کی حکومت کا مطالعہ ساتویں درجے سے داخل نصاب ہے۔ ساتویں درجے کے طالب علم کی عمر اوسطاً گیارہ سال کی ہوتی ہے اور بچہ ذہنی اعتبار سے ایک نہایت نازک مرحلے پر ہوتا ہے۔ یہی وہ عمر ہے جہاں سے اس کے ذہنی رویے کی تشکیل ہوتی ہے اور اگر خصوصی احتیاط نہ برتی جائے تو وہ غیر متوازن رجحانات کا شکار ہو سکتا ہے۔ درسی کتب اور اساتذہ کی رہبری اس کے ذہنی رویے کو بنانے میں خاص طور پر معاون ہوتی ہیں۔ لہٰذا بچوں کے ذہنی رجحان کو متعین کرنے میں درسی کتب اور اساتذہ دونوں کا ایک اہم کردار ہوتا ہے۔

لیکن جب ہم مدھیہ پردیش کے اسکولوں میں تاریخ کے مطالعے کے لیے داخلِ نصاب کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اس احتیاط اور ذمہ دارانہ احساس کے ساتھ تیار نہیں کیا گیا ہے جس کی ضرورت تھی اور اس کے نتیجے میں سیکولر، غیر جانبدارانہ اور قومی ہم آہنگی پر مبنی جس رجحان کی تشکیل پر توجہ دی جانی چاہیے اس کے امکانات معدوم ہوتے نظر آتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ مڈل اور سیکنڈری اسکول کی تعلیم کی اس سطح پر کوئی بھی موضوع پوری تفصیلات کے

ساتھ پڑھانا ممکن نہیں۔ لہٰذا ان درجوں کے لیے درسی کتب کو تیار کرتے وقت مصنفین کو تفصیلات کا انتخاب کرنا پڑتا ہے اور یہ طے کرنا پڑتا ہے کہ طالب علموں کو موضوع کے کن اہم پہلوؤں سے متعارف کیا جائے۔ کن تفصیلات کو پیش کیا جائے، یہ طے کرنا بڑی اہم بات ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں یہ مسئلہ بعض خاص پیچیدگیوں کا حامل ہے۔ بعض حقائق پر بار بار روشنی ڈال کر اور بعض دوسرے حقائق کو نظر انداز کر کے ہم ایک بالکل جداگانہ تاثر پیدا کرتے ہیں۔ حکومت مدھیہ پردیش کے ذریعہ ساتویں درجے کے لیے جو تاریخ کی درسی کتاب تیار کی گئی ہے اس میں بھی حقائق کی اس ایک طرفہ پیش کش کی مثالیں جابجا نظر آتی ہیں۔ مثلاً

"محمود کو مندروں کے نشٹ کرنے سے ایک اور لابھ بھی ہوا۔ اس نے مورتیوں کو توڑا۔ اس سے وہ دھارمک نیتا بھی بن گیا اور مسلم جگت میں سمان کی درشٹی سے دیکھا گیا"۱

"وہ اسلام کا بھی کٹر انویائی تھا (پیرو) اور دھرم پرچار کے لیے اس میں نیا جوش تھا... اس نے مندروں میں جمع سونے، چاندی اور بہومولیہ رتنوں کو لوٹا اور انھیں نشٹ کیا۔ ہر دھاوے کے بعد وہ مندروں اور نگروں کی اَتُل سمپتی (بے پناہ دولت) کو لوٹ کر نگروں کو اجاڑ کر مندروں تتھا مورتیوں کو نشٹ کر غزنی لوٹ گیا..."۲

اس کے بعد محمود کے حملوں کے نتائج پر بحث کرتے ہوئے نہ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ "دیش کے کئی سندر مندر اور کلاکرتیاں ہمیشہ کے لیے نشٹ ہو گئیں" بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"کشمیر کے انیک ہندوؤں کو بل پورو ک (جبراً) مسلمان بنایا گیا۔ انیہ ترکی وجیتاؤں نے اسلام کے پرتی ہندوؤں کے من میں گھرنا بھاؤ (نفرت کا جذبہ) پیدا کیا"۳

ترکوں کی کامیابی کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:

"راجپوت دھرم یدھ دوارا ہی وجے کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ترکوں نے سادھنوں کے نیتک (اخلاقی) پہلو پر دھیان نہ دے کر کیول وجے کو اپنا لکشیہ (مقصد) بنایا۔ اس لیے یدھ میں چھل کپٹ سے بھی کام لینے میں وہ نہ چوکے"۴

گویا یہ لڑائیاں حکومت اور اقتدار کی لڑائیاں نہیں بلکہ حق اور باطل کی لڑائیاں تھیں اور راجپوتوں نے حق شناسی کا پورا پورا ثبوت دیا جب کہ ترکوں نے سارے غیر اخلاقی ذرائع استعمال کیے۔

۱۔ "سماجک ادھین"۔ درجہ ۷، (بزبان ہندی) حصہ تاریخ مرتبہ جے۔ پی۔ چوبے مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم بھوپال ۱۹۹۶ء

۲۔ ایضاً ص ۲۰-۲۱۔ ۳۔ ایضاً ص ۲۲۔ ۴۔ ایضاً ص ۲۶۔

ہندستان کی تاریخ کو صرف غیر مسلموں کے مفادات کو بنیاد بنا کر دیکھنے اور پرکھنے کا یہ انداز اس درسی کتاب کا غالب رجحان ہے۔ چنانچہ ہندوؤں پر مسلمان حکمرانوں کی زیادتیوں کا بار بار ذکر کرنا ضروری سمجھا گیا ہے علاءالدین خلجی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"علاءالدین کے سمے ہندو جب تب ودروہ (مخالف) کر بیٹھتے تھے۔ انھیں دبانے کے لیے سلطان نے ان پر کروں (ٹیکسوں) کا ایسا بوجھ لاد دیا کہ وہ سر اٹھانے کی فرصت بھی نہ پا سکے۔ اگان اپج کا آدھا کر دیا۔ مویشیوں کی چرائی اور کسان کے مکان پر بھی کر لگا گیا۔ اس لوٹ کی نیتی سے دھنی ورگ کے ہندو بھی اجڑ گئے اور نمن ورگ (نچلے طبقے) کے لوگ کنگال ہو گئے[1]"

فیروز شاہ خلجی کے عہد میں علما کی حکومت میں اہمیت کو بھی اسی پیمانے سے ناپا گیا ہے۔

"شاسن میں ملا اور مولوی کا پربھاؤ بڑھ گیا جس سے ہندوؤں پر اتیاچاروں (مظالم) کی وردھی (زیادتی) ہوئی"[2]

سلاطین کے عہد کے مجموعی جائزے میں بھی مذہبی زیادتیوں کی جانب خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے بلکہ انھیں ان سلاطین کے زوال کی ایک وجہ بتایا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا گیا ہے:

"دلی کے ترک راجیہ کا ادیشیہ اسلام کا پرچار کرنا تھا۔ مسلمانوں نے کبھی لالچ دے کر اور کبھی بل پوروک (جبراً) لوگوں کو اسلام دھرم اپنانے کے لیے بادھیہ (مجبور) کیا۔ ان کے مندروں اور نگروں کو نشٹ کیا۔ ان پر جزیہ (ایک پرکار کا کر جو غیر مسلم کو دینا پڑتا تھا) لگایا۔ انھیں شاسن اور سینا (فوج) میں اونچی نوکریوں سے ونچت (محروم) رکھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے لوٹ کھسوٹ مچائی اور عام جنتا کی بھلائی کے لیے کوئی کاریہ نہیں کیا۔ تب بھلا اس کے سمرتھن اور سہولتوں کے ابھاؤ میں ترک راجیہ کتنے دن چل سکتا تھا"[3]

سلاطین کے قانونی نظام پر بھی اسی نقطۂ نظر سے تبصرہ کیا گیا ہے:

"قاضی حدیث کے انوسار نیائے کرتے تھے۔ اتہ (لہٰذا) ہندوؤں کے ساتھ پرایہ (اکثر) انیائے ہوتا تھا"[4]

ہندو سماج پوری طرح پریشانیوں میں الجھا ہوا تھا:

"ہندوؤں کا ساماجک جیون ان کی پرادھینتا (غلامی) کے کارن بڑا شوچنیہ (قابل افسوس) تھا۔

۱۔ ساماجک ادھین۔ درجہ ۷۔ (بزبان ہندی) حصۂ تاریخ مرتبہ جے پی چوبے مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم۔ بھوپال ص ۴۱-۴۲۔ ۲۔ ایضاً ص ۳۵۔ ۳۔ ایضاً ص ۳۹۔ ۴۔ ایضاً ص ص ۴۵-۴۶

وہ مسلمانوں سے ہین (حقیر) سمجھے جاتے تھے۔ انھیں شاسن اور سینا میں اونچی نوکریاں نہیں دی جاتی تھیں۔ اوپر سے اپنی جان مال کی رکھشا کے لیے انھیں راجیہ کو جزیہ کر (ٹیکس) دینا پڑتا تھا۔ مندر بنوانے تتھا اپنے دھرم پالن کی بھی انھیں سوتنترتا نہیں تھی۔[1]"

مسلمانوں کے تعلق سے ہندو سماج میں برائیاں ہی پیدا ہوئیں۔

"ترکوں کے پربھاو سے ہندو سماج میں بھی استریوں کا مان (عزت) کرمشہ (رفتہ رفتہ) گھٹنے لگا۔ ان میں بال وواہ، پردہ پرتھا کا چلن بڑھا۔ راج گھرانوں اور دھنی ورگوں میں بہو وواہ (کئی بیویاں رکھنا) روبھک ہونے لگا۔ ان پرتھاؤں کے کارن استریوں کی سماجک استھتی بہت گر گئی۔ اونچی جاتیوں کو چھوڑ کر انیہ (دوسری) جاتیوں میں 'ودھوا وواہ' (بیوہ کی شادی)، طلاق، سواچھا (اپنی اپنی پسند) سے وواہ کا چلن تھا تتھا ان میں پردہ کی پرتھا نہیں تھی۔[2]"

مذہبی حالت کے جائزے میں ایک بار پھر مسلمانوں کی بت شکنی اور جبر و زبردستی کو یاد دلایا گیا ہے:

"دلی کے ترکی سلطان اسلام کے کٹر انویائی (پیرو) تھے۔ اس لیے انھوں نے ہندوؤں کے مندروں اور مورتیوں کو بھنگ کیا تتھا انھیں طرح طرح کے پرلوبھن (لالچ) دے کر اور بل پریوگ کر کے مسلمان بننے کے لیے بادھیہ (مجبور) کیا۔ انیک نردھن لوگوں نے کروں (ٹیکسوں) کی مار ہلکا کرنے کے لیے تتھا شودروں اور اچھوتوں نے ہندو سماج کی کٹرتا کے کارن سواچھا (اپنی مرضی) سے اسلام دھرم گرہن کر لیا۔[3]"

مغل بادشاہوں کے مختصراً ذکر کے بعد شیواجی مراٹھا راج پر تفصیلی بحث دی گئی ہے شیواجی کے خاص مقاصد بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے:

"ان کے راجیہ کا ادیشیہ (مقصد) ہندو سوراجیہ کی استھاپنا اور ہندو دھرم، برہمن اور گو (گائے) کی رکھشا کرنا تھا۔ شیواجی کے راجیہ کا ادیشیہ سوراجیہ کی استھاپنا اور ہندو دھرم الیوم (اور) سنسکرتی کی گھوشنا تتھا سنرکھشن کرنا تھا۔ انھوں نے دکشن کے سلطانوں اور سمراٹ اورنگ زیب کے اتیاچاروں سے پیڑت (مظلوم) سے ترپتی) جنتا کے دھارمک جوش کا اپیوگ (استعمال) کیا۔ پرنتو مسجدوں کو نہ کبھی توڑا نہ کبھی قرآن کا اپمان کیا۔ اس بھانتی انھوں نے اپنی دھارمک اُدارتا کی نیتی سے انیک مسلمانوں کے ہردے پر بھی سکہ جما لیا۔[4]"

۱۔ "سماجک ادھین"۔ درجہ ۸۔ (بزبان ہندی) حصہ "تاریخ" مرتبہ جے۔ پی۔ چوبے۔ مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم بھوپال۔ ص ۴۷

۲۔ ایضاً ص ۴۸۔ ۳۔ ایضاً ص ۴۹۔ ۴۔ ایضاً ص ۱۲۰۔

مسلمانوں کو ہندستانی تاریخ سے کس طرح الگ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اس کی ایک اور مثال درسی کتب میں شامل جد و جہد آزادی کی داستان ہے۔ ہندستانی تاریخ کے اس اہم دور کو آٹھویں درجے کے سماجی تعلیم (ساماجک ادھین) اور نویں اور دسویں درجے کی تاریخ کے مضمون کا حصہ بنایا گیا ہے۔ لیکن اس تین سالہ نصاب میں کہیں جنگ آزادی میں شامل اہم مسلم رہنماؤں پر کوئی نوٹ شامل نہیں۔ یہاں تک کہ آٹھویں درجے کی ساماجک ادھین اور دسویں درجے کے اتہاس میں آزادی ملنے سے قبل کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے بھی مولانا ابوالکلام آزاد کا نام کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ نویں درجے کی تاریخ کی کتاب میں تو یہ عبارت ملتی ہے:

"اس سمے مسلم لیگ کا نیترتو (قیادت) راشٹریہ وچار دھارا کے مولانا عبدل ابوالکلام آزاد (کذا)۔ حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر کچلو، سید محمود اور آصف علی کر رہے تھے۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ اور کانگریس کا ادھی ویشن ہوا جس میں مسلمانوں نے انگریزوں کے ورودھ (خلاف) آندولن میں کانگریس کا ساتھ دینے کا وچن دیا۔ اسے ہی لکھنؤ سمجھوتہ کہتے ہیں۔۔۔۔ اس میں کانگریس نے راشٹریتا (قومیت) کے سدھانت کا بلیدان کر دیا۔ سامپردایک (فرقہ وارانہ) پرتی ندھتو (نمائندگی) کے وشئے (موضوع) میں کانگریس اپنے کو دھوکے میں ڈالے ہوئی تھی۔ آرمبھ میں ہی یدی اس برائی کو نہ بڑھنے دیا ہوتا تو یہ لیگ پاکستان کی مانگ نہ کرتی۔ واستو میں لکھنؤ سمجھوتہ کانگریس دوارا مسلم لیگ کو سنتشٹ کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔"[1]

اس عبارت سے طالب علم کے ذہن میں یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا پورا امکان ہے کہ وہ سارے مسلمان رہنما جن کا نام لیا گیا ہے وہ ہندستان کی تعلیم کے مخالف اور پاکستان کے حق میں تھے۔ اس رویے کے پیش نظر پھر سرسید احمد خاں اور ڈاکٹر اقبال کے بارے میں درج ذیل اقتباسات پر تو کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہیں رہ جاتی: سرسید احمد خاں کے بارے میں نویں درجے کی تاریخ میں لکھا گیا ہے:

"سن ۱۸۸۵ء میں کانگریس کی استھاپنا سے اس کا (انگریز سرکار کا) بھے (خوف) اور بھی بڑھا۔ بھارتیوں میں پھوٹ ڈالنے کی درشٹی سے برٹش سرکار کی نیتی مسلم سامپردایکتا (فرقہ واریت) کو پروتساہت (حوصلہ افزائی) کرنے کی ہو گئی۔ اپنی اس اُدیشیہ (مقصد) کی پورتی کے لیے اس نے سدھار وادی مسلم نیتا سرسید احمد خاں کو بھی اپنے پکش (حق) میں کر لیا۔"[2]

۱۔ اتہاس اور ناگرک شاستر، درجہ ۹، بھوپال [illegible] ۲۔ اتہاس (زبان ہندی) مدھیہ پردیش پاٹھیہ پستک نگم بھوپال [illegible]

اسی کتاب میں ڈاکٹر اقبال کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

"سر محمد اقبال نے بھارتیہ مسلمانوں کے لیے ایک پرتھک (جداگانہ) راشٹر کی کلپنا کی تھی..... سر محمد اقبال ایک دارشنک (مفکر) اور مہان کوی تھے جن کی نظم کی نمن لکھت (مندرجہ ذیل) پنکتیاں (اشعار) ہر بھارت واسی کے زبان پر تھیں — سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ؛ ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا ان کے دوارا مسلمانوں کے لیے ایک پرتھک راشٹر کی کلپنا سے دیش بھر کے سوتنترتا پریمی لوگوں کو بڑا دھکا لگا۔"[1]

آخر میں ایک اور درسی کتاب سے دو اقتباسات پیش کر کے واضح کرنا چاہوں گا کہ مسلم تاریخ کو غیر جانب دارانہ انداز سے پیش کرنے کی کس طرح کوشش کی جا سکتی ہے اور انھیں موضوعات کو جنھیں انگریز مورخین نے فرقہ وارانہ بے اعتمادی کی فضا پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، متوازن اور معروضی انداز سے کس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی۔ ای۔ آر۔ ٹی) نے سنٹرل اسکول کے گیارہویں اور بارہویں درجوں کے لیے تاریخ کی جو کتابیں تیار کی ہیں۔ ان میں سے دو ہندوستانی تاریخ کے مسلم دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ انھیں کی پہلی جلد میں پروفیسر ستیش چندر، محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان میں سے کسی کو اسلام سے سروکار نہ تھا۔ جو حاکم ان کے آگے ہتھیار ڈال دیتا وہ اسے اپنے علاقے پر حکومت کرنے دیتے، یہ الگ بات ہے کہ بعض دوسری وجوہ سے اس کی سلطنت کو پورا یا جزوی طور پر اپنی عملداری میں شامل کرنا پڑے۔ محمود اور شہاب الدین دونوں نے ہندو افسروں سے کام لیا لیکن دونوں میں سے کسی نے اپنے مقاصد کے لیے اور نہ ہی ہندستانی شہروں اور مندروں کی لوٹ مار کے لیے اسلام کا نعرہ لگایا۔"[2] (انگریزی سے ترجمہ)

سلاطین کے عہد میں مندروں اور ہندو مذہب کے جانب رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر ستیش چندر نے تحریر کیا ہے:

"ہندوؤں، جینیوں وغیرہ کی عبادت گاہوں کی جانب ان کی پالیسی شریعت کے مطابق تھی جو اسلام کے مقابلے میں نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کی ممانعت کرتی ہے۔ لیکن اس نے پرانے مندروں کی مرمت کی اجازت دی کیوں کہ عمارتیں ہمیشہ نہیں چلتیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ گاؤں میں جہاں اسلام پر عمل نہیں ہوتا تھا، مندروں کے قیام پر کوئی ممانعت نہیں تھی اور نہ ہی گھروں میں۔ لیکن جنگ کے زمانہ میں یہ کھلے دل والی پالیسی نہیں اپنائی جاتی۔ اس وقت اسلام کے دشمن چاہے وہ انسان ہوں یا

۱۔ اتہاس ایوم ناگرک شاستر۔ درجہ ۱۰۔ ص ۲۵۔ ۲۔ SATISH CHANDRA, MEDIEVAL INDIA, PART-I (TEXTBOOK FOR CLASSES XI-XII), NCERT, 1978 p. 40

دیوتا۔ ان سے جنگ کر کے ان کو تہ و بالا کر دیا جاتا تھا" (ترجمہ[1])

اس سے قطع نظر کرکے کہ مورخ نے کن شہادتوں سے یہ نتائج اگائے ہیں، مورخ کا رویہ بالکل واضح ہے کہ وہ تاریخ کو ذہن کے تاریک گوشوں میں روشنی بہم پہنچانے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ خواہش نہیں ہے کہ وہ ان تاریکیوں میں اور اضافہ کرے۔ تاریخ جس معروضیت اور غیر جانبداری کی ضرورت مند ہے اسے ایک علمی تعہد کے ساتھ ساتھ ایک قومی مقصد کی حیثیت سے تسلیم کیا جانا چاہیے اور تاریخ کو غلط فہمیوں، بے اعتمادیوں، جانبداریوں کو ہوا دینے کا آلہ بنانے کی بجائے اسے حالات کو صحیح پس منظر میں سمجھنے اور جذبات پر منطق اور مصلحت پر علمیت کی بالادستی کو برقرار کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ یہ ذمہ داری اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب درسی کتب تیار کرانے کا کام سرکار نے خود اپنے ہاتھ میں سنبھالا۔ مدھیہ پردیش کے اسکولوں میں رائج اس قسم کی درسی کتب علمی اور قومی دونوں اعتبار سے ایک تشویش ناک صورت پیش کرتی ہیں اور ان میں ترمیم و اصلاح کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔

---

1. SATISH CHANDRA, MEDIEVAL INDIA, PART-I (TEXTBOOK FOR CLASSES XI-XII), NCERT, 1978 p. 40

نصابی کتابوں میں تبدیلی، فسطائیت کا پہلا عمل

ہندستان کی تاریخ کو مسخ کرنا فرقہ پرستی کے نظریے کا اہم عنصر تھا۔ تاریخ کو مسخ کرنے کی سازش پر برطانوی دورِ حکومت سے ہی عمل ہو رہا ہے۔ تاریخ کے نصاب کا جائزہ لینے والوں کا خیال ہے کہ برطانوی حکمرانوں نے ہی تاریخ کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی مہم شروع کی تھی، اس کے علاوہ ہماری جدوجہد آزادی کے ابتدائی دور میں ہندستانی قوم پرستی کے بعض پہلوؤں سے متاثر مورخین نے بھی تاریخ کو مسخ کیا ہے۔

ملک کی آزادی سے پہلے ہی قوم پرست مورخین نے تاریخ میں کی گئی ان تبدیلیوں کو درست کرنا شروع کر دیا تھا اور ملک کی آزادی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

تاریخی معلومات کا عمومی بلکہ واحد ذریعہ وہ نصابی کتابیں ہوتی ہیں جو ریاست کے تعلیمی عہدے دار اسکولوں کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ نصابی کتابوں کی اس اہمیت کے پیش نظر پچھلی دو تین دہائیوں کے دوران فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے تاریخ کی نصابی کتابوں کو نجات دلانے کی کوشش تو کی گئی ہے اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں، مگر ۱۹۷۰ء کے آخری حصہ میں اس عمل کو پلٹنے کی منظم کوشش کی گئی تھی۔

نصابی کتابوں کی تیاری کے لئے نیشنل کونسل آف ریسرچ اینڈ ٹریننگ (این سی ای آر ٹی) کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ اس ادارہ نے تاریخ کی کئی نصابی کتابیں تیار کی ہیں، یہ کتابیں ممتاز مورخین نے لکھی ہیں۔ یہ کتابیں بالعموم سیکولر اور سائنسی انداز فکر کی حامل ہیں۔

این سی ای آر ٹی نے تاریخ کی تعلیم کے لئے دیگر مواد کا جائزہ لینے اور اس میں کی گئی تبدیلیوں کو دور کرنے کے لئے بھی ایک پروگرام شروع کیا ہے۔ سیکنڈری درجہ تک استعمال کی جانے والی نصابی کتابیں عام طور سے ریاستی حکومت کے مختلف اداروں کے تیار

کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض پرائیوٹ پبلشروں کی کتابیں بھی نصاب میں شامل کی جاتی ہیں۔ نصابی کتابوں کی تیاری اور طباعت میں جاری کرپشن اور دوسری لعنتوں کو ختم کرنے کیلئے کافی کوششیں کی گئی ہیں، مگر اس کے باوجود ریاستی اداروں اور پرائیوٹ پبلشروں کی شائع کی ہوئی نصابی کتابوں کے معیار میں کوئی خاص بہتری نہیں آئی ہے۔ کچھ عرصہ قبل ریاستوں میں ماہرین تعلیم نے نصابی کتابوں کا جائزہ لیا تھا۔ ان کی رپورٹ کے مطابق ملک میں استعمال کی جانے والی نصابی کتابوں کا معیار اطمینان بخش نہیں ہے۔ کتابوں کا جائزہ لیتے وقت یہ پیمانہ طے کیا گیا تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ ماضی کے واقعات کو معتبر اور باوثوق حقائق کی بنیاد پر پیش کیا گیا ہے۔ نیز جو حقائق بیان کئے جا رہے ہیں، وہ غلط نہ ہوں اور ان سے فرقہ وارانہ ذات پات اور علاقائی تعصبات کو فروغ حاصل نہ ہو۔

ایک ریاستی سکنڈری ایجوکیشن بورڈ نے پرائیوٹ پبلشروں کی بارہ کتابوں کو نصاب میں لگانے کی سفارش کی تھی۔ یہ تمام کتابیں غیر معیاری تھیں، اس لئے انھیں نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ دیا گیا۔

تاریخ کی بدترین نصابی کتابیں دہلی اور بعض دیگر ریاستوں میں استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ کتابیں بالعموم پرائیوٹ اسکولوں کے نصاب میں شامل ہوتی ہیں۔ زیادہ تر پرائیوٹ اسکول ریاستی تعلیمی بورڈوں سے ملحق ہیں، مگر بورڈ نصابی کتابوں کے معیار کا جائزہ نہیں لیتا۔ اسکولوں کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ من پسند کتابیں استعمال کریں۔

لاعلمی ہی علم ہے

دہلی کے پرائیوٹ اسکولوں میں استعمال کی جانے والی نصابی کتابوں کے ذریعہ بچوں کو تاریخ کا جو علم دیا جاتا ہے، اس کی کچھ مثالیں پیش کرنا مناسب ہوگا۔

ذات پات کے نظام کے بارے میں ایک نصابی کتاب میں کہا گیا ہے: "اس (ذات پات کے نظام) سے ہندو مذہب اور کلچر کی بقا میں کافی مدد ملی۔ اس کی وجہ سے خون کی پاکیزگی اور اخلاقیات کا اعلیٰ معیار برقرار رہا۔"

ہندستانی تاریخ پر جغرافیہ کے اثرات کے بارے میں کہا گیا ہے: "اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شمال و جنوب کی اس تقسیم سے علیحدگی پسند رجحانات پرورش پائے ہیں مگر اس سے ہمیں فائدہ بھی ہوا ہے۔ خطرہ کے وقت اس نے شمال کے کلچر کے تحفظ کیلئے "حفاظتی خط" کا کردار ادا کیا ہے۔ جب بھی مسلمانوں نے شمالی ہند میں ہندوؤں پر جبر و تشدد کیا تو وہ اپنی جان بچانے کے لئے جنوب کی طرف فرار ہو گئے۔ اس طرح ہندو کلچر، ادب اور مذہب کو محفوظ رکھا جا سکا۔ یہ سب کچھ ست پوڑہ اور وندھیاچل کی پہاڑیوں کی موجودگی کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔"

آریائی نسل کے بارے میں نصابی کتاب میں کہا گیا ہے: "آریائی نسل کو دنیا کی اعلیٰ ترین اور مہذب نسلوں میں شمار

کیا جاتا ہے۔ ۔ ۔ ہندستان، انگلینڈ، ایران، جرمنی، اسپین، فرانس وغیرہ کے زیادہ تر لوگ آریائی نسل کا ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کی رگوں میں آریاؤں کا خالص خون رواں ہے۔"

تاریخ کو مسخ کرنے کی بدترین کوشش ہندستانی قرون وسطیٰ کی تاریخ کے نصاب میں کی گئی ہے۔ زیادہ تر نصابی کتابوں میں اس پوری مدت کو غیر ملکی مسلم حکمرانوں اور ہندو رعایا کی کشمکش کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ زیادہ تر کتابوں کے ذریعہ نوجوان ذہنوں کو یہ تاثر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہاں اس طرح کے بعض اقتباسات کو نقل کرنا مناسب ہوگا۔

محمود غزنوی کے بارے میں کہا گیا ہے: "محمود ایک لٹیرا تھا۔ وہ ہندستان میں اپنی حکومت نہیں قائم کرنا چاہتا تھا۔ وہ بہت لالچی تھا۔ وہ پکا مسلمان تھا۔ اس نے مندروں کو ڈھایا اور ہندوؤں کو قتل کیا۔"

اکبر کے بارے میں کہا گیا ہے: "حالانکہ وہ مسلمان تھا مگر اس نے اپنی ہندو رعایا کو مذہب اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔"

اورنگ زیب کے تعلق سے کہا گیا ہے: "اس نے اپنی حکومت کے سارے مالی وسائل اپنے مبلغین کے حوالے کر دئے۔ ۔ ۔ ہندوؤں کے لئے حکومت کی ملازمت کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔"

شواجی کے تعلق سے کہا گیا ہے: "اپنے ملک اور مذہب کو غیر ملکی غلامی کے جوئے سے نجات دلانے کا شریفانہ خیال ان کے ذہن میں پیدا ہوا، اور انھوں نے ساری زندگی اس مقدس فریضہ کے لئے وقف کر دی۔ ۔ ۔ ان کے شکر گذار ہم وطن انھیں بھگوان کا اوتار مانتے ہیں۔ آج بھی عظیم ہمالیہ سے لے کر کیپ کومرن تک طاقتور ہندو فرقہ کی نبض اس عظیم مرہٹہ لیڈر کا نام لینے سے تیز ہو جاتی ہے۔

توہمات بطور تاریخ

آخری اقتباس ـــــ آر۔ سی۔ مجمدار کی کتاب "مختصر تاریخ ہند" سے ہے جو پہلے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی اور جس کا ۴۳واں ترمیم شدہ ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب اب بھی ملک کے بعض حصوں میں نصاب میں استعمال کی جاتی ہے۔ اوپر جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، ان کے مصنفین میں صرف مجمدار ہی پیشہ ور مورخ ہیں۔ دیگر مصنفین تاریخ کی حد تک ان پڑھ ہیں اور انھوں نے معمولی لسانی تبدیلی کے ذریعہ دوسری نصابی کتابوں کو نقل کر دیا ہے مگر اس انداز سے جیسے یہ سب مسلمہ تاریخی حقائق ہیں۔

ڈاکٹر مجمدار بھارتیہ ودیا بھون کی گیارہ جلدوں والی "ہندستانی عوام کی تاریخ اور کلچر" نامی کتاب کے جنرل

ایڈیٹر ہیں۔ اس کتاب کی تیاری کے پروگرام سے کئی عالم وابستہ تھے، مگر ان سب میں ایک قدر مشترک تھی، وہ ایک طے شدہ فرقہ وارانہ فریم ورک میں کام کر رہے تھے۔

اس کتاب کی پہلی جلد (ویدک دور) کے دیباچہ میں ڈاکٹر مجمدار نے کہا ہے:

"اس جلد میں وہ تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے ہندو تہذیب کی سحر کہا جا سکتا ہے۔۔۔ دوسری دو جلدوں میں اس کی (ہندو تہذیب کی) صبح کی بھرپور عظمت، دوپہر کی شان و شوکت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ چوتھی جلد میں زوال پذیر دن کے سائے نظر آنے لگتے ہیں۔ جبکہ پانچویں میں شب کا اندھیرا طاری ہو چکا ہے۔ اس کے بعد جہاں تک ہندو تہذیب کا تعلق ہے، شب کا تاریک اندھیرا ہے۔ یہ ایسی تاریکی ہے جو آج بھی چھائی ہوئی ہے۔"

شام کے سائے سے کچھ وید حملہ کا حوالہ دیا گیا ہے اور دہلی سلطنت کے قیام کو رات کی تاریکی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چھٹی جلد (دہلی سلطنت) کے دیباچہ میں مجمدار لکھتے ہیں:

"ہندستانی تاریخ میں پہلی مرتبہ دو اہم فرقے اور کلچر ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ ہندستان پہلی مرتبہ مستقل طور پر دو یونٹوں میں تقسیم ہو گیا۔ ان دو فرقوں میں ایک دوسرے سے میل ملاپ یا قریبی مستقل تال میل کی گنجائش نہیں تھی۔ ہندستان اس وقت جس مسئلہ سے دوچار ہوا، وہ آنے والے چھ سو برسوں تک کیلئے اتنا پیچیدہ اور الجھا ہوا ثابت ہوا کہ ہندستان کی تقسیم کے باوجود بھی حل نہیں ہو سکا۔ اس کے لئے (ہندستان کے لئے) برطانوی حکومت کا قیام ایک طرح کی غیر ملکی غلامی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔"

تاریخ پر حملہ

مجمدار کے خیالات پر مبنی ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد پوری طرح سے یہ واضح کرنا ہے کہ فرقہ پرست مورخین ہندستان کی تاریخ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس فرقہ وارانہ تاریخ کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل کرنے کے لائق سمجھا گیا اور جنتا پارٹی کے دور حکومت میں تو اسی نقطۂ نظر سے ان کا تمام زبانوں میں ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

نصابی کتابوں میں مسخ شدہ تاریخ کی شمولیت ریاستی حکومتوں کے باقاعدہ فیصلہ کا نتیجہ نہیں تھی، ایسے مسخ شدہ حقائق تو ان کتابوں میں بھی شامل ہیں جو قومیائے ہوئے اداروں نے شائع کی ہیں۔

تاریخ کے فرقہ وارانہ نقطۂ نظر کو تھوپنے کی منظم کوشش پہلی مرتبہ ۱۹۷۷ء میں جنتا پارٹی کی حکومت بننے کے بعد کی گئی (اس حکومت میں جن سنگھی شامل تھے) اسی وقت این۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی کی تیار کی ہوئی بعض نصابی کتابوں کو نصاب سے خارج کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور یہ کہا گیا تھا کہ این۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی کی کتابیں "ایسا نقطۂ نظر پیش کرتی ہیں جو ملک

کی روایتی، تہذیبی اور سائنسی قدروں سے مبرّیٰ ہے۔"

ان کتابوں کے تعلق سے جو اعتراضات کیے گئے تھے، ان کو دیکھنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ اصل اعتراض ان کتابوں کے سیکولر اور سائنسی انداز فکر پر ہے۔ جو ہندستانی تاریخ کے مطالعہ کے لئے اپنایا گیا تھا۔

ان کتابوں کو نصاب سے خارج کرنے کے فیصلہ کی ملک کے تمام اہم مورخین نے مذمت کی اور جنتا پارٹی حکومت اس فیصلہ کو نافذ نہیں کر پائی۔ پھر بھی آر۔ایس۔شرما کی کتاب "قدیم ہندستان" جو جنتا پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد چھپی تھی، اسے سینٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن نے خارج کر دیا تھا۔ یہ کتاب جنتا پارٹی حکومت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نصاب میں شامل کی گئی۔ آر۔ایس۔شرما کی کتاب کو نصاب سے خارج کرنے کی ہدایت اس وقت کے وزیر تعلیم نے دی تھی۔

اسی مدت کے دوران مرکزی وزیر تعلیم کی سرپرستی میں فرقہ پرست مورخین نے انڈین ہسٹری اینڈ کلچر سوسائٹی کے نام سے اپنی علیحدہ تنظیم قائم کی۔ اس ادارے کے کرتا دھرتاؤں میں زیادہ تر وہی ہیں جو سنگھ پریوار کے "مورخین" بھی ہیں۔ اس بار ان مورخین نے ریاستی اقتدار کو زیادہ موثر ڈھنگ سے نصابی کتابوں میں پھیر بدل کے لئے استعمال کیا۔ اس کا سلسلہ ۱۹۹۱ء میں چار ریاستوں میں بی۔جے۔پی کے برسر اقتدار آنے کے بعد شروع ہوا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ منظم کوشش اتر پردیش میں کی گئی جہاں راج ناتھ سنگھ وزیر تعلیم تھے اور انھوں نے خود نصابی کتابوں میں تبدیلی کی مہم کی سرپرستی کی۔

آر۔کے۔ملکانی کہتے ہیں کہ "تعلیمی نظام میں صحت مند قوم پرستی" کو فروغ دینے کے لئے سنگھ پریوار کے تمام دانشورانہ وسائل کو استعمال کیا گیا۔ راج ناتھ سنگھ فرماتے ہیں کہ نصابی کتابوں میں تبدیلی "ہمارے ہیرو، ہمارے مالا مال تہذیبی ورثہ اور روایت" کو ابھارنے کیلئے کی جارہی ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ ملکانی جب پاکستان گئے تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ پاکستانی حکومت وہ سب کچھ پہلے ہی کر چکی ہے جو ان کی حکومت نے اب کرنا شروع کیا ہے۔ تاریخ کو مسخ کرنے اور تعلیم کے نظام کو زہر آلود کرنے کی اس مہم میں وشو ہندو پریشد، اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد، بھارتیہ شکشن منڈل جیسی سنگھ پریوار کی تنظیمیں اپنا اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔

نصابی کتاب لکھنے کے لیے بھی وقت درکار ہوتا ہے، مگر سنگھ پریوار اور اس کے پروردہ حکومتوں کو نصاب میں "صحت مند قوم پرستی" شامل کرنے کی اتنی جلدی تھی کہ انہوں نے نئی نصابی کتابیں تیار کرنے کے بجائے پہلے سے پڑھائی جانے والی نصابی کتابوں میں حذف و اضافہ کے ذریعہ ہی کام چلانے کی کوشش کی۔

اتر پردیش حکومت نے ۱۹۹۱-۹۲ء کے دوران تعلیمی محاذ پر اپنی کامیابیوں اور حصولیابیوں کے تعلق سے جو کتابچہ شائع کیا ہے اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ایک بڑی کامیابی نصابی کتابوں میں تبدیلی ہے۔ جو تبدیلیاں کی

گئیں وہ مضحکہ خیز ہیں۔

انتظامی فرقہ پرستی

پہلی تبدیلی آریاؤں کے اصل وطن سے متعلق ہے۔ بعض مورخین محض "حب الوطنی" کے جوش میں یہ کہتے رہے ہیں کہ آریہ باہر سے نہیں آئے تھے۔ وہ ہندستانی تھے اور یہاں ہی سے دنیا کے دوسرے حصوں کی طرف گئے۔

مگر بال گنگادھر تلک مانتے تھے کہ آریہ آرکٹیک سے آئے تھے۔ تلک کی حب الوطنی پر تو کوئی شبہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے آریوں کو اصل ہندستانی بتانے والے بعض "محبان وطن" نے یہ افسانہ گڑھ لیا کہ "آرکٹیک کی پہاڑیاں دراصل ہندستان ہی میں تھیں۔"

مگر آریائی مسئلہ سے کئی ایسے سوال جڑے ہوئے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکا ہے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ "آریہ" کسی نسل کے لوگوں کو نہیں کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایک ایسے لسانی گروہ کی پہچان ہے جو سنسکرت سمیت اسی طرح کی مختلف بولیاں استعمال کرتے تھے۔ "آریہ" ایک لسانی خاندان کے فرد تھے۔

مگر ہڑپہ تہذیب کا پتہ چلنے کے بعد ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ ہڑپہ تہذیب ویدک دور سے پرانی تہذیب ہے۔ اس مسئلہ پر قابو پانے کے لئے "محب وطن" مورخ یہ کہنے لگے کہ آریہ تو ہڑپہ تہذیب سے قدیم ہیں۔ وہ بار بار اس دلیل کو دہراتے جاتے ہیں۔

جولائی ۱۹۹۱ء میں متھک سسائٹی اور بھارتیہ اتہاس سنکلن یوجنا سمیتی نے آریہ مسئلہ پر بنگلور میں ایک سیمنار اور منعقد کیا۔ اس سیمنار میں ایک قرارداد منظور کر کے مطالبہ کیا گیا کہ پرانے حقائق کے بجائے نصابی کتابوں میں "نئی تحقیقات" کے نتائج کو شامل کیا جائے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اسے کم سے کم "دوسرے نقطۂ نظر" کی حیثیت سے ہی نصاب میں شامل کر لیا جائے تاکہ ہمارے طلبا غلط تاریخ نہ پڑھیں۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ اس سے مضبوط قومی اندازِ فکر کو فروغ حاصل ہوگا۔

یہ قرارداد وشو ہندو پریشد نے اپنے ایک مراسلے کے ساتھ منسلک کر کے تقسیم کی جس میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ آریائی نسل کے غیر ہندستانی ہونے کی تھیوری غیر ملکی حکمرانوں نے جان بوجھ کر پھیلائی ہے تاکہ ہم بھارت سے گہری وابستگی نہ پیدا کر سکیں۔

اپریل ۱۹۹۲ء میں بی۔ جے۔ پی کی سرپرستی والی ہندستانی تاریخ پر قومی کانفرنس (لکھنؤ) نے ایک قرارداد منظور کر کے دعویٰ کیا کہ "سچائی یہ ہے کہ آریائی تہذیب ہندستان ہی میں پیدا ہوئی اور پھلی پھولی۔ نئی تحقیقات اور انکشافات سے ثابت ہو گیا ہے کہ آریائی تہذیب اور ہڑپہ تہذیب ایک ہی تہذیب کا جزو ہیں۔"

ہڑپہ اور آریائی تہذیب کو ایک دوسرے سے جوڑتے وقت یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ ہڑپہ تو شہری تہذیب ہے، جبکہ ویدک تہذیب چراگاہوں اور زراعت سے وابستہ ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے یہ افسانہ گھڑ لیا گیا کہ ویدک تہذیب کے متعلق تصنیفات میں کسان کی جو منظر کشی ہوئی ہے، وہ دراصل اس وجہ سے ہے کہ بعض لوگ جو کھیتی باڑی، مویشی پالن

درس وتدریس اور تعلیم میں معروف تھے۔ وہ جنگلوں میں رہتے تھے، جبکہ دوسرے لوگ شہری زندگی گذار رہے تھے، اور سڑک، سمندر اور دریائی راستوں سے دور دراز تک تجارت کرتے تھے۔ آج کا ہندستان بھی ایسا ہی ہے جہاں چھ لاکھ گاؤں ہیں جب کہ شہروں کی تعداد چھ سو ہے، دونوں کے معیار زندگی میں فرق ہے، حالانکہ دونوں ہی زندگی کے یکساں قدروں کے حامل ہیں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی حکومت نے حال ہی میں ہائی اسکول اتہاس، بھاگ ایک کے نام سے جو نصابی کتاب شائع کی ہے، اس میں اس "تحقیق" کو شامل کیا گیا ہے۔

ہندستانی کلچر کیا ہے؟

نصابی کتاب میں تبدیلی کی ضرورت علما نے زیادہ "حب الوطنی" کے جذبہ سے متاثر ہے، اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ اب یہ پرچار کیا جا رہا ہے کہ ہندستان کے کلچر اور تہذیب کے اصل خالق تو آریہ ہی ہیں۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ آریائی دور میں جو کلچر پیدا ہوا، جو بنیادی طور پر ہندو کلچر ہے، وہی اصل ہندستانی کلچر ہے، بعد میں جو کچھ ہوا وہ تو غیر ملکی جارحیت کا نتیجہ ہے جسے پوری طرح سے مسترد کر دینا چاہئے، جو لوگ جن کے آباء و اجداد مقامی باشندے نہیں تھے اور ان کا کلچر جو قدیم ہندو کلچر کا جزو نہیں ہے، وہ ہندستانی کلچر نہیں ہے۔

ایک اخباری نامہ نگار نے اترپردیش کے وزیر تعلیم سے سوال کیا تھا کہ آریائی ہندستانی تھے اگر اس تھیوری کا ثبوت موجود ہے تو اسے پہلے نصابی کتابوں میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ انھوں نے جواب دیا "یہ سابقہ حکومتوں کی فاش غلطی تھی۔ دراصل اسے نصاب میں شامل کرنا ان پارٹیوں کے انتخابی حساب وکتاب کے خلاف ہوتا کیونکہ انھیں پھر آریہ، ہندو دھرم، شیو، درگا، شیواجی اور رانا پرتاپ کی بات کرنی پڑتی۔ اس سے کافی لوگ خاص طور سے مسلمان ناراض ہو جاتے اور انھیں ووٹ بینک کھونا پڑتا۔"

آریائی قوم کا وطن ہندستان بتانے اور اسے ہندوازم، اس کے دیوی دیوتاؤں اور بعض تاریخی کرداروں سے جوڑنے کا مقصد یہ جتانا ہے کہ جو پوری طرح سے مقامی نہیں ہیں، وہ ہندستانی نہیں ہو سکتے ہیں۔

مقامی لوگ ہی اصل ہندستانی ہیں، اور جو مقامی نہیں ہیں وہ کم ہندستانی ہیں، اسی تھیوری کی وجہ سے مدھیہ پردیش کی کانگریسی حکومت راجپوتوں کے دباؤ میں آگئی تھی کہ این سی ای آر ٹی کی ایک کتاب کے ان پیراگراف پر سیاہی پھیر دیے، جس میں یہ کہا گیا تھا کہ راجپوت دراصل ایک غیر ملکی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں بتایا گیا تھا کہ یہ غیر ملکی نسل دراصل دوسری صدی قبل مسیح سے چھٹی صدی عیسوی کے دوران ہندستان میں

آ کر آباد ہو گئی تھی۔

مورخ آر۔ سی۔ مجدار نے ہندستانی تہذیب کی "سحر" سے لیکر دہلی سلطنت کے قیام تک یعنی دسویں صدی عیسوی کی "شب تاریک" تک احاطہ کیا ہے۔ ان کے لیے برطانوی سامراجی حکومت کا قیام اسی "شب تاریک" کا تسلسل ہے۔ یعنی ایک غیر ملکی حکومت کی جگہ دوسری غیر ملکی حکومت قائم ہو گئی۔ سنگھ پریوار نے "شب تاریک" کی تاریکی کو پندرہ سو برس کی طوالت عطا کر دی ہے۔

بی۔ جے۔ پی کی قومی تاریخ کانفرنس نے تاریخ کی نصابی کتاب مرتب کرنے کے لیے جو اصول متعین کئے ہیں، ان میں حسب ذیل ہدایات بھی شامل ہیں:

"سکندر اعظم کے حملے سے لے کر برطانوی غلامی سے نجات تک کی طویل مدت، ہندستانی مزاحمت کی شاندار روایتوں سے بھری پڑی ہے۔ عام طور سے اس مزاحمت اور اس کے لیڈروں کو ان کے حقیقی پس منظر کے ساتھ ابھارا جائے۔ ان سے وابستہ قوم پرستی، قومی افتخار اور قومی کردار کو ابھارا جائے، تاکہ طالب علموں کے ذہن میں ہماری قوم اور ملک کی یکجہتی کے دفاع کا احساس پیدا ہو۔"

سنگھ پریوار کی طلبا اور ٹیچر تنظیموں نے جو میمورنڈم دیا ہے، اس میں جو مانگ کی گئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"پچھلے ڈھائی ہزار برس میں غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف ہندستان کی جدوجہد آزادی میں مکمل اور غیر جانبدار تاریخ پڑھائی جائے۔ شاید اس جدوجہد آزادی میں ٹیپو سلطان (اور دیگر ایسے راجاؤں) سے آزادی بھی شامل ہوگی جو انگریزوں نے ہمارے لیے حاصل کی تھی۔"

میمورنڈم میں کہا گیا ہے کہ:

"بھگوان کی کرپا سے ٹیپو کو اقتدار سے بے دخل کیا گیا اور روڈیار حکومت کا تسلسل قائم ہوا۔"

ابھی تاریخ کی کتابوں کو "جدوجہد آزادی" کے اس نئے پس منظر کے ساتھ از سر نو مرتب کرنے کا کام تو نہیں کیا گیا۔ (یہ نصابی کتابوں میں راشٹر و ہار کے "نسلی صفائی" کا ہندستانی انداز ہوگا)، مگر نصابی کتابوں میں بعض تبدیلیاں ضرور کر دی گئی ہیں۔

تحریک آزادی کی تاریخ

چانکیہ نے پورے بھارت کو ایک قوم کی حیثیت سے منظم کرنے کی سعی کی تھی۔ اس مقصد سے ایک بیان بھی نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اشوک اعظم سے متعلق باب میں تین جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ جملے ہیں:

"یہ بات نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ اتنی بڑی سلطنت قائم کرنے کے باوجود، اشوک نے اپنے فرمان صرف ایک رسم الخط (برہمی)، صرف ایک زبان (پاکتی سنسکرت) میں ہی کندہ کرائے۔ یہ اس دور کے قومی اتحاد کی علامت ہے۔"

اگر ان جملوں کے مصنفین کو پتہ چل گیا کہ اشوک اعظم نے اپنے فرمان خروسٹی، آرامی (سامی) اور یونانی میں بھی کندہ کرائے ہیں تو وہ اسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اشوک اعظم کو بھی غیر محب وطن قرار دے دیں گے۔

بابر اور بابری مسجد کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں اتر پردیش کی بی۔ جے۔ پی حکومت نے جو تبدیلیاں کی ہیں ان کی اپنی حصولیابی کی حیثیت سے پبلسٹی نہیں کی ہے بلکہ خاموشی سے تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ "ہائی اسکول اتہاس بھاگ دو" نامی کتاب میں بابر کے متعلق جو باب شامل تھا اس سے یہ تاثر قائم ہوتا تھا کہ "بابر مذہبی معاملات میں روادار تھا۔ اس کا حوالہ نکال دیا گیا ہے اسی باب میں مغلوں کی مذہبی پالیسی کے بارے میں ایک نیا بیان شامل کیا گیا ہے، جو اس طرح ہے:

"بابر کے ایک مقامی حاکم کرباقی (میر باقی کیوں نہیں لکھا گیا) نے ایودھیا میں ایک منہدم مندر کی جگہ مسجد تعمیر کی۔ حالانکہ یہ ڈھانچہ متنازعہ ہے، پھر بھی ہندو اسے مندر مانتے ہیں۔

یہاں جس ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا گیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ رام یا وشنو مندر کہنا تو دور کی بات، یہ بھی نہیں کہا گیا کہ مسجد کی تعمیر کے لیے مندر کو منہدم کیا گیا۔

بیسویں صدی کی جدوجہد آزادی کے باب میں اضافی مواد شامل کیا گیا ہے۔ یہ مواد سبھاش چندر بوس اور بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ تین صفحات آر۔ ایس۔ ایس۔ کے بانی کیشو راؤ ہیڈگیوار کے بارے میں شامل کیے گئے ہیں۔ ان کے تین صفحات میں بتایا گیا ہے کہ کیسے ہیڈگیوار نے محبان وطن کے دلوں کو جیت لیا اور کیسے قومی رہنماؤں نے ان کی تعریف کی۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا نصابی کتابوں کو از سر نو مرتب کرنے کا کام پورا نہیں کیا گیا ہے۔ مگر تاریخ و ثقافت پر کتاب مرتب کر کے شائع کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی ہے۔

نئی کتابیں کیسی ہوں گی اور اس میں کیسا مواد شامل کیا جائے گا، اس کا اندازہ ان کتابوں سے لگایا جا سکتا ہے جو سنگھ پریوار کی ایک تنظیم کے اسکولوں (شیشو مندر) میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان اسکولوں کی چوتھی اور پانچویں جماعت میں جو تاریخ کی کتاب پڑھائی جاتی ہے اس میں قومی مزاحمت کا ذکر سکندر کے حملے سے شروع ہوتا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں اشتعال انگیز زبان میں ان شکستوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو "ہندستانیوں" نے سکندر کے بعد سے تمام غیر ملکی

حملہ آوروں کو دیں۔

بعض مثالیں پیش خدمت ہیں:

" پرتھوی راج نے محمد غوری کو ہلاک کیا' غوری کی لاش پرتھوی راج کے قدموں پر ایسے پڑی تھی جیسے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہی ہو۔ قطب مینار سمدر گپت نے تعمیر کرایا تھا اور اس کا اصلی نام "وشنو استمبھ" ہے۔ پیشوا مادھو راؤ کے تحت ہندوستان آزاد ملک بن گیا۔"

انداز تحریر کا اندازہ لگانے کے لئے بعض جملوں کا ترجمہ حاضر ہے:

" سینکڑوں بدمعاش راکھشش ہمارے ملک کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے۔ لاتعداد لٹیرے اور حملہ آور اپنی بڑی بڑی فوجوں کے ساتھ آئے۔ بہت سے فاتح عالم ہونے کے دعویدار کی حیثیت سے آئے مگر انھیں بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ کچھ نے پورے بھارت پر حکومت قائم کرنے کی کوشش کی مگر انھیں ساری زندگی میدان جنگ میں گذارنی پڑی۔ یہ بیچارے ایک رات بھی سکون کی نیند نہیں سو سکے۔ کچھ نے ہندو دھرم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کیا مگر خود انھیں اکھاڑ پھینکا گیا۔"

" اس کے بعد وہ حملہ آور آئے جن کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن تھا۔ تلوار کے بل پر لاتعداد ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا۔ آزادی کی لڑائی ایک مذہبی لڑائی بن گئی۔ لاتعداد لوگوں نے مذہب کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ ہم ایک کے بعد دوسری جنگ جیتتے گئے۔ ہم نے کبھی بھی غیر ملکی حکمرانوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا مگر ہم اپنے سے جدا ہوئے بھائیوں کو پھر سے ہندو نہیں بنا سکے۔۔۔"

" ان ہزاروں برسوں میں لاکھوں غیر ملکی آئے مگر ان میں سے ہر ایک کو شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔۔۔ ان میں سے کچھ کو ہم نے ہضم کر لیا۔۔۔ جب ہم متحد نہیں تھے تو ہم پہچان نہیں سکے کہ کون ہمارا ہے اور کون پرایا۔ اس لئے ہم انھیں اپنے میں جذب نہیں کر سکے جو ہم سے جدا ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ آج بھی مغل پٹھان اور عیسائی ہیں۔"

ان کتابوں کے ذریعہ جس حب الوطنی کا درس دیا جا رہا ہے اس سے متعصب نسل تیار ہو گی۔ حال ہی میں مدھیہ پردیش حکومت نے ان سنگھی اسکولوں کو ریاستی حکام کے چنگل سے آزاد کر دیا ہے، اور انھیں پانچویں اور ساتویں جماعت کے بعد الگ سے امتحان لینے کا اختیار دے دیا ہے۔ گویا اب وہ ریاستی تعلیمی بورڈ کے تحت نہیں بلکہ سنگھی اسکولوں کا بورڈ الگ ہے۔

سنگھی تعلیمی بورڈ

مدھیہ پردیش کے ہائر ایجوکیشن گرانٹ کمیشن نے ایک نئی نصابی کتاب "بھارت کی سانسکرت وراثت" کے نام سے تیار کی ہے۔ اس کتاب کے مطابق ہندستان دنیا کی سب سے قدیم اور مالا مال ثقافت ہے۔ اس کتاب میں بھی اس "حقیقت" کو اجاگر کیا ہے کہ آریاؤں کا اصل وطن ہندستان ہے۔ مگر مصنف اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہتے کہ آریائی اور دراوڑ دو الگ الگ نسل ہیں یا محض نسلی گروہ۔ وہ گونڈ، بھیل اور سنتھال کو بھی دراوڑ مانتے ہیں۔

ہندستان کے ماضی کے تعلق سے بعض اور "تحقیقات" بھی کی گئی ہیں، جنھیں دیگر علوم کی کتابوں میں ٹھونسا جا رہا ہے۔ اپریل ۱۹۹۲ء میں ویدک علم الحساب پر الہ آباد میں ایک ورکشاپ ہوئی تھی جس کی "تحقیقات" کو سیکنڈری سطح پر علم الحساب کے نصاب میں لازمی قرار دے دیا گیا ہے۔ اگلے برس سے انجینرنگ کالجوں میں اسے لازمی مضمون قرار دینے کی تجویز ہے۔

اس ورکشاپ کے شرکا میں سے ایک نے کہا کہ "دنیا بھر میں جو ریاضی پڑھائی جاتی ہے وہ دراصل ویدک ریاضی ہے۔ ویدک ریاضی کا طریقہ زیادہ سودمند اور درست ہے۔ یہ جدید کمپیوٹر سے بھی زیادہ آسان طریقہ ہے۔"

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس سے طالب علموں میں قومی افتخار پیدا ہوتا ہے۔ بی۔ جے۔ پی حکومت کے وزیر تعلیم نے جو "تاریخ پر قومی کنونشن" میں شریک تھے، پورے اعتماد کے ساتھ دعویٰ کیا تھا کہ ریاضی اور سائنس میں ہندستان نے جو کچھ کامیابی حاصل کی ہے، دنیا کا کوئی ملک اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

بی۔ جے۔ پی کی حکومتیں ہندستان کے ماضی کا جو تصور نصابی کتابوں میں داخل کر رہی تھیں، وہ ہمیشہ سے فرقہ واریت کی آئیڈیالوجی کا اٹوٹ حصہ رہا ہے۔ ماضی میں شعبہ تعلیم کے حکام نے اصولی طور پر یہ مانا ہے کہ ایسے تصورات کو نصابی کتابوں میں جگہ نہیں ملنی چاہیئے، اس کے باوجود کسی نہ کسی شکل میں یہ تصورات نصاب میں در آئے ہیں، مگر اب تو ریاست کے اختیارات کو استعمال کر کے باقاعدہ ان تصورات کو نصاب کا حصہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کوشش یہ ہے کہ تاریخ کو ایک علم کی بجائے فرقہ وارانہ پروپگنڈے کا ہتھیار بنا لیا جائے۔

۱۹۷۷ء میں سیکولر نصابی کتابوں کو تاریخ کے نصاب سے خارج کرنے کی سازش کو مورخین اور دوسرے لوگوں کی مشترکہ مساعی سے ناکام بنا دیا گیا تھا۔ وقت آچکا ہے کہ ایک بار پھر اس سازش کو اسی طرح سے شکست دی جائے۔

ہفت روزہ "حیات" نئی دہلی
۲۸ فروری ۱۹۹۳ء

●●

ڈاکٹر کنور رفاقت علی خاں
جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی

عہد وسطیٰ کے ابواب برائے ہائر سکنڈری (دہلی)

ہندستانی تاریخ کے پرچے کا ایک جائزہ

(۱۹۶۴ء - ۱۹۷۲ء)

ہائر سکنڈری (دہلی) کے ہندستانی تاریخ کے عہد وسطیٰ کے ابواب کا (۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۲ء) میں نے جائزہ لیا. ایسے عام سوالات جو ہندستانی تاریخ کے ہر حصے کو اپنی گرفت میں لیتے ہیں اور عام نوٹس کو اس سروے میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

اس سروے کا نتیجہ انتہائی افسوسناک ہے ان لوگوں کے لیے جو یہ جانتے ہیں کہ تاریخ کا میدان آہستہ آہستہ وسیع ہوتا گیا ہے اور وہ اپنی حدود میں معاشرتی انسان کے ہر پہلو کو لے لیتا ہے۔ تاریخ کو ہم ایسا مضمون سمجھتے ہیں جو ہماری سمجھ کو سوسائٹی کی تبدیلیوں اور آج تک کی ارتقائی کیفیتوں کے سمت میں عمیق بناتا ہے اور عصری تبدیلیوں کے عمل کے سلسلے میں ہماری سمجھ میں اضافہ کرتا ہے۔ کلاس روم کی پڑھائی اور طلبا کی ذاتی پڑھائی بیشتر امتحانوں کے مقصد سے کی جاتی ہے، اس لیے امتحان کے پرچوں کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ یہ صورت حال کہ پچھلی چوتھائی صدی میں سوالوں کے ڈھرے میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں آئی اور کم و بیش وہی سوالات دہرائے جا رہے ہیں جو برطانوی حکومت کے دور میں آتے تھے۔ قابل غور ہے۔ یہ بات زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب یہ عام طور پر تسلیم کر لیا جائے کہ پچھلے چند برسوں (تاریخ) کے درس و تدریس میں اہم تبدیلیاں آئی ہیں۔ یہ تبدیلیاں اس مضمون کے سبھی پہلوؤں میں ہوئی ہیں اس کا تصور، مطالعے کا طریقہ کار، اس کا مواد اور درجے میں تعلیم کے اصول و ضوابط۔

یہ سروے بتاتا ہے کہ نو [۹] برسوں کے اندر یعنی ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۲ء کے وقفے میں عہد وسطیٰ کی تاریخ پر اکتیس [۳۱] سوالات پوچھے گئے۔ ان سوالوں میں انیس [۱۹] سوال سیاسی تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں، دس سوالات مختلف حکمرانوں کے عہد میں اصلاحات اور نظم و نسق کے متعلق پوچھے گئے اور مذہب پر بھگتی تحریک کے تعلق سے۔ حیرت ہوتی ہے اس بات پر کہ سماجی اور معاشی تاریخ کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے۔ سماجی، معاشی اور انتظامی ادارے کہیں کوئی مقام نہیں رکھتے ہیں اور ایک بھی ایسا سوال نہیں اٹھایا گیا جس کی بنیاد پر طلبا کی عہد وسطیٰ کے سماج کے سلسلے میں اس شعور کا کہ وہ ایک بڑھتی ہوئی تنظیم

کا درجہ رکھتا تھا، یقین کیا جائے۔

اسی ڈھرے کی گہری چھان بین ہمیں یہ بتاتی ہے کہ وہ انیس سوال جو سیاسی تاریخ پر تھے ان میں دو اہری حاکموں کے سلسلے میں ہیں۔ علاءالدین خلجی اور دو تغلق بادشاہ دہلی سلطنت میں' اور بابر، شیر شاہ' اکبر، شیواجی اور اورنگزیب مغل عہد میں۔ اسی طرح اصلاحات اور نظم و نسق کا تعلق مندرجہ بالا بادشاہوں سے ہے۔

تقریباً سارے سوالات جو امتحان میں پوچھے گئے ہیں وہ فرداً فرداً حکمرانوں کے کارنامے، اصلاحات اور حکمت عملی کے متعلق ہیں۔ حتیٰ کہ عہد بہ عہد تاریخ کا مطالعہ' جو کہ ایک غلط طریقہ کار ہے۔ اتمام سے بہت بعید ہے۔ ان دس برسوں کے عرصے میں ایک بھی سوال درج ذیل شخصیتوں سے متعلق نہیں پوچھا گیا۔

قطب الدین ایبک، التمش کے جانشیں، جلال الدین خلجی، مبارک شاہ خلجی، غیاث الدین تغلق، فیروزشاہ کے جانشیں، سید حکمراں، لودھی حکمراں، ہمایوں، جہانگیر، شاہجہاں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اگر ترک مغل کی پیمائش وقت کے پیمانے پر کی جائے تو نصف سے زیادہ عہد وسطیٰ کا عہد مکمل طور پر نظرانداز کر دیا جاتا ہے اور یہاں ڈیڑھ ڈیڑھ سو سال کا خلا رہے۔

یہ سروے مزید بتاتا ہے کہ ہندستانی تاریخ کا امکان ہائر سکنڈری امتحان میں بے حد محدود ہے۔ اکتیس سوالوں میں سب کے سب شاہی دہلی یا آگرہ کے متعلق ہیں اور ایک بھی سوال آسام، بنگال، اڑیسہ' جونپور، راجپوتانہ، گجرات، سندھ، کشمیر، مالوہ، خاندیش، براٹ احمد نگر، گولکنڈہ، بیجاپور، وجے نگر، کرناٹک اور مالابار کے صوبائی حکمرانوں کے متعلق نہیں تھا۔ اگر ہم ہندستانی تاریخ کے امکان کا امتحان کے پرچوں کی بنیاد پر ایک خاکہ کھینچیں ہندستان کے نقشے کو سامنے رکھ کر تو وہ گھٹ کر گنگا کا سطح مرتفع اور کونکن تک جائے گا اور اس مختصر سے علاقے کے سلسلے میں بھی تاریخ کے طلبا کی واقفیت۔ بیحد غیر اطمینان بخش ہے، کیونکہ عہد وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ کے ایک نہایت ہی تنگ دائرہ سے واقفیت طلبا کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے۔ (یعنی سیاسی اور انتظامی) اور وہ بھی الگ تھلگ زمان اور مکان کی بنیاد پر۔

ذیل کی فہرست اس نظام کے کھوکھلے پن کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں کہ تاریخ کی تعلیم کا مقصد ہی مضمون کے امکانات کو تنگ کر کے اور محض چند حکمرانوں کے ذاتی کارنامے بنا کر، ضبط ربط کر دیا جاتا ہے۔

ان نو برسوں میں مندرجہ ذیل سوالوں سے صرف ایک سوال آیا۔

• محمد غوری مسلم حکومت کے بانی کی حیثیت • راجپوت۔ شکست کے اسباب • التمش کی ابتدائی مشکلات • سلطنت کے دفاع کے لیے بلبن کے اقدامات • غلام خاندان کا عظیم ترین حکمراں • محمد بن تغلق کے منصوبے • فیروزشاہ

کے کارنامے • تغلق سلطنت کے زوال کے اسباب • بابر کا نظم ونسق • بھگتی تحریک • گرونانک کی تعلیمات • مغل حکومت کی اہمیت۔

مندرجہ ذیل موضوعات پر ایک سے زیادہ سوال کیے گئے تھے۔

• علاءالدین ــــ نظم ونسق

• شیرشاہ ــ نظم ونسق

• اکبر ــ اصلاحات، کردار اور کارنامے، مذہبی پالیسی، شہنشاہیت کا تصور ــــ راجپوت سلطنتوں کے ساتھ تعلقات ــ نظم ونسق

• اورنگ زیب ــ تخمینہ ــ مذہبی پالیسی ــ بادشاہت کا تصور۔

• شیواجی ــ کارنامے اور انتظامی امور • مغل سلطنت ــــ انحطاط وزوال۔

مندرجہ بالا سروے پر نظر ڈالنے سے ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ عہد وسطیٰ کی ہندوستانی تاریخ کے پرچے برائے دہلی ہائر سکنڈری امتحان میں چھ اہم موضوعات ہیں۔ ان چھ موضوعات میں تقریباً ہر سال ایک سوال اکبر پر اور ان موضوعات میں سے ایک سال کے وقفے کے بعد ایک سوال ضرور آتا ہے۔ یہ سوالات ہیں علاءالدین، شیرشاہ، اورنگزیب، شیواجی اور مغل عہد کا انحطاط۔ ہوشیار لڑکے پچھلے سال کے سوال کی بنیاد پر تین چار موضوعات کی نشاندہی کر سکتے ہیں، جس سے امتحان میں ان کی کامیابی لازمی امر بن جاتی ہے۔

اس نوع کی تعلیم بے معنی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ معمولی تبدیلیاں اور ہلکی پھلکی ترمیم ہائر سکنڈری کے نصاب میں کچھ زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوگی۔ روایتی تعلیم سے مکمل انحراف اور درسی کتابوں کی ازسرنو تصنیف وتالیف کی فوری ضرورت ہے۔

••

جنابؔ خواجہ معین الدین
گجرات

گجرات کی نصابی کتابیں برائے درجہ چہارم تا ہفتم

علم معاشرت کا جائزہ

آزادی کے بعد ملک کے مدبر رہنماؤں نے ملک کی سالمیت کے بارے میں کافی غور و خوض کرنے کے بعد آئین مرتب کیا۔ ملک کی سالمیت کے لئے قومی یکجہتی کا نظریہ قبول کیا۔

آج بھارت ایک جمہوری ملک ہے۔ دستور ہند کے تحت بھارت میں بسنے والی ہر قوم کو اپنی تہذیب و ثقافت کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ اپنے اپنے مذہب پر چلنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ حقوق و اختیارات اس لئے دیئے گئے ہیں کہ بھارت میں بسنے والی مختلف اقوام کے الگ الگ مذہب ہیں۔ الگ الگ مسلک ہیں۔ قومی اتحاد اور یکجہتی کی بقا کے لئے یہ حقوق و اختیارات ناگزیر ہیں۔ لیکن بھارت میں کچھ اس طرح کی تحریکیں نشو و نما پا رہی ہیں جو ملک کے جمہوری نظریے کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قومی اتحاد کا شیرازہ بکھیرنے اور ہندستان کے چپے چپے میں قومی منافرت کا زہر پھیلانے کے لئے ان فرقہ پرست جماعتوں نے جو ذرائع اختیار کر رکھے ہیں، ان سے کافی زہر پھیل چکا ہے۔ ان فرقہ پرست جماعتوں نے اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے ہر شعبے میں اپنے آدمی گھسا دیئے ہیں۔ شعبہ تعلیم و تدریس میں بھی ایسے آدمی گھسا دیئے گئے ہیں جو درسی کتابوں کے ذریعے قومی منافرت کے زہر کو اسکولوں میں پڑھنے والے معصوم بچوں کے ذہنوں میں پھیلا رہے ہیں۔

آیئے! گجرات کی پرائمری اسکولوں کی "علم معاشرت" کی درسی کتابوں کا جائزہ لیں۔ "علم معاشرت" کی حیثیت سے نصاب میں داخل ہونے والی کتابوں میں ہمارے ماہرین تعلیمات کی کارگزاریوں کو چشم حیرت سے دیکھیں اور یہ جانیں کہ "فرقہ پرست ذہن" ملک کی سالمیت کے لئے کس طرح خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ خصوصاً مسلم دشمنی میں کس طرح پیش پیش ہیں وہ معلوم کریں۔

• ماحولیات (جماعت چہارم) کا جائزہ لیں۔ اس کتاب میں ملک کی تاریخ سے مناسبت رکھنے والے اسباق یہ ہیں۔ سبق ۲۳ والیہ۔ والمیکی۔ ۲۴ بھگوان بدھ ۲۵ مہاویر سوامی ۲۶ گرو نانک ۲۷ رمضان عید

ص ۲۸ جھانسی کی رانی ص ۲۹ سردار پٹیل کا بچپن ص ۳۰ نہرو چاچا کا بچپن ص ۳۱ ٹھکر بابا

ان اسباق کو دیکھئے۔ یہ اسباق ہندو مذہب، بدھ مذہب، جین مذہب، سکھ مذہب اور جنگ آزادی سے تعلق رکھنے والے کچھ رہنماؤں سے متعلق ہیں۔ ان اسباق میں یہ دکھانے کے لئے کہ مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کی گئی ہے، ایک ۱۲ سطروں کا بہت ننھا منا سا سبق "رمضان عید" منتخب کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا اسباق کی فہرست سے پتا چلتا ہے کہ تقریباً ہر فرقے (مسلم فرقے کے سوا) کے مذہب اور بانی مذہب کے حالات زندگی سے بچوں کو روشناس کرایا جا رہا ہے، لیکن مذہب اسلام کی کسی بھی شخصیت کو یہاں کوئی جگہ حاصل نہیں ہے۔ انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جس طرح ہر قوم ہر مذہب کی نامور شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا ہے، اسی طرح مذہب اسلام کی کسی نامور شخصیت کا انتخاب کرنا ضروری تھا۔ مذہب اسلام میں نامور شخصیتوں کا فقدان نہیں ہے۔ "رمضان عید" ایک ایسا سبق ہے جس کا انتخاب زبان دانی کی کتابوں میں ہونا چاہیئے ــــــ جنگ آزادی کے رہنماؤں کے انتخاب میں بھی ناانصافی سے کام لیا گیا ہے۔ ایک بھی مسلم رہنما کے تعلق سے کوئی سبق منتخب نہیں کیا گیا۔ کیا اس طرح کی دانستہ حرکتوں سے مسلمانوں کی دل شکنی نہیں ہوگی؟

جماعت پنجم کے لئے تاریخ کی کتاب کی حیثیت سے مورخہ یکم دسمبر ۱۹۸۰ء سے نصابی کتب کے لئے منظور شدہ کتاب "علم معاشرت" "جماعت پنجم" ـ نصاب میں شامل کی گئی ہے۔ اس کتاب میں بھی متعصب ذہن کا جادو سر چڑھ کر بولتا معلوم ہوتا ہے۔ جماعت چہارم کی ماحولیات میں شامل کئے گئے کچھ اسباق دوبارہ مزید معلومات کے لئے پنجم جماعت میں شامل کئے گئے۔ سبق "حضرت عیسیٰؑ کی انسان دوستی" میں بعض جملے ایسے ہیں جن پر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ ایک جگہ یوں لکھا ہے "حضرت عیسیٰؑ نے سمجھایا۔ اس طرح جو حقیر ہے۔ جس نے بہت بڑے کام کئے ہیں اس کو خدا جلد معاف کر دیتا ہے۔" اس جملے کی تاریخی حیثیت کیا ہے اور اس میں کتنی صداقت ہے، یہ بات پورے وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن اس جملے سے یہ تاثر ضرور پیدا ہوتا ہے کہ زیادہ بُرے کام کرنا کوئی عیب نہیں ہے بلکہ جلد معافی حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے گناہ کرنا لازمی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ سے منسوب یہ "حیرت انگیز فیاضی" اور خدا کی یہ "رحمدلی" کا عقیدہ ہمارے معاشرے کی کیا صورت بنا دے گا اس کا اندازہ تو یورپ کے ممالک کی موجودہ تہذیب سے لگایا جا سکتا ہے۔

اسی سبق میں اسلامی عقیدے کے خلاف یہ بات پیش کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر لٹکا دیا گیا تھا۔ اگرچہ عیسائی عقیدہ یہی ہے، لیکن تاریخی کتب میں عیسائی عقیدے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا کیا عقیدہ

ہے وہ بھی پیش کرنا چاہیے تاکہ طلبہ کو حضرت عیسیٰ کے صلیب پر چڑھائے جانے کے تعلق سے عقیدہ معلوم ہو سکے۔

سبق "ولبھی پور کا دار العلوم" میں "ولبھی پور کے دار العلوم" کے خاتمے کا سبب بھارت پر عربوں کا حملہ ٹھرایا ہے۔ لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عربوں کے حملے کے بعد بھی دار العلوم عرصے تک چلتا رہا۔ عربوں نے ولبھی پور پر حملہ کیا ہی نہیں۔ عربوں پر دار العلوم کو تباہ کرنے کا الزام سرے سے غلط ہے۔ ولبھی پور کی تباہی کا سبب جین اور بدھ مذہب کی آپس کی لڑائی تھی ـــــ دراصل راشٹر کوٹ خاندان نے ولبھی پور کو تباہ کیا ہے۔ امپیریل گزیٹیر میں لکھا ہے کہ ولبھی پور کی تباہی ۸۰۰ء میں ہوئی (بحوالہ تاریخ ہند قدیم ص ۱۵۱، مطبوعہ حیدرآباد، ماخوذ از تاریخ گجرات۔ مؤلف پروفیسر سید ابوظفر ندوی) گجرات پر عبد الملک کا حملہ (یہ حملہ عرب تاجروں کی گجرات میں جو لوٹ مار کی گئی تھی اس کے تدارک کے لئے کیا گیا تھا) ولبھی پور کی تباہی کے بعد ہوا تھا۔ اس کے بعد عربوں کا گجرات پر کوئی حملہ نہیں ہوا (تاریخ گجرات۔ مؤلف سید ابوظفر ندوی)۔

سبق "گجرات میں پارسیوں کی آمد" میں بھی اشتعال انگیز جملے لکھے گئے ہیں۔ اس طرح کے جملوں سے قومی یکجہتی کا کردار مجروح ہوتا ہے۔ قومی اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ گجرات میں پارسیوں کی آمد کی وجہ بھی عربوں کا ایران پر حملہ بتائی گئی ہے۔ اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس درسی کتاب میں زہر اگلتے ہوئے جملے ملاحظہ فرمایئے۔

"فاتحین نے ایران کی قوم کو اسلام مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ان لوگوں سے برداشت نہ ہو سکا وہ مختلف علاقوں میں بھاگ نکلے" ـــــ یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے۔ عرب فاتحین نے ایرانیوں کو زبردستی مسلمان ہرگز نہیں بنایا۔ حملے کے سینکڑوں برس کے بعد آج بھی ایران میں آتش کدہ سرد نہیں ہوا ہے۔ فاتحین کا لشکر کسی جابر بادشاہ کا بھیجا ہوا لشکر نہ تھا۔ یہ خدا رسیدہ مجاہد تھے جنہیں "لا اکراہ فی الدین" کا قرآنی سبق اچھی طرح یاد تھا۔ آج بھی ایران میں زرتشتی مذہب قائم ہے۔ جو لوگ ذمی بن کر رہے وہ اپنے مذہب پر قائم رہے۔ آج بھی ان کی اولاد ایران میں اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ ایران چھوڑنے والے پارسی دراصل اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لئے بھاگے تھے۔ بھاگنے والے پارسیوں کو اپنے مذہب اور تہذیب سے بہت لگاؤ رہا ہو یہ بات بھی بہت حد تک صحیح نہیں ہے۔ ہندستان میں مغلوں کے دور میں پارسیوں نے مغل رسم و رواج اپنائے تھے۔ انگریزوں کے دور میں انگریزوں سے تعلقات قائم کر کے انگریزوں کا رہن سہن اختیار کیا۔ دراصل جان و مال کے تحفظ کے لئے "جیسا دیس ویسا بھیس" کی حکمتِ عملی اختیار کی گئی تھی۔

اس سبق میں پارسیوں کو جس طرح مظلوم بتایا گیا ہے، اسی طرح سدھ راج جے سنگھ کے زمانے میں گجرات کے کھنبایت کے علاقے میں پارسیوں نے سازش کر کے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے تھے، اس کا ذکر بھی سبق ۱۹ "سدھ راج جے سنگھ" میں کرنا چاہیئے تھا۔

پانچویں جماعت کی اس درسی کتاب میں ایک سبق بھیم دیو اول کے نام سے شامل کیا گیا ہے۔ بھیم دیو اول کے زمانے میں سلطان محمود غزنوی نے سومناتھ پر حملہ کیا تھا۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ اس سے ذرہ برابر بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن موجودہ دور میں قومی اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے اس تاریخی حقیقت کو طلبہ کے سامنے پیش نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن ایک خاص مقصد کے تحت ایک خاص طریقے سے محمود غزنوی کے اس حملے کے واقعات کو تاریخ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہندو طلبہ کے ذہنوں میں مسلمانوں کے خلاف زہر بھرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس سبق کے چند جملے ملاحظہ فرمائیے۔

"(۱) وہ پردیسی حملہ آور افغانستان کے شہر غزنی کا سلطان تھا۔ وہ بہت جنگجو تھا، مورتیوں اور مندروں کو توڑتا، بڑی جنگی فوج کے ساتھ سومناتھ کے مندر پر حملے کرتا ۔۔۔ (۲) محمود کئی سال سے بھارت کے مختلف علاقوں پر حملے کیا کرتا تھا اور مندروں کو توڑ کر بے حد دولت لوٹتا تھا۔"

مندرجہ بالا جملوں سے ہندو طلبہ کے ذہنوں میں کیا رد عمل پیدا ہو سکتا ہے اس سے ہم بخوبی واقف ہیں علاوہ اس کے تاریخ پڑھانے والا استاد اگر بہت متعصب ذہن رکھتا ہو تو وہ اس واقعہ کو کس انداز میں پیش کر سکتا ہے اس کا بھی ہم اندازہ کر سکتے ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ لیکن پھر بھی اس حقیقت کو تاریخ کی کتابوں میں پیش کرنے سے ہمیں گریز کرنا چاہیئے۔ حقیقت کو چھپانے کے لئے نہیں بلکہ قومی اتحاد کے لئے، ملک کی سالمیت کے لئے ایسا کرنا ناگزیر ہوگا۔ میرا یہ مشورہ غلط بھی نہیں ہے، کیونکہ تاریخ گجرات اور تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے سے ایسے تاریخی حقائق بھی ہمارے سامنے آتے ہیں کہ ہندو راجاؤں اور جین راجاؤں میں کئی جنگیں ہوئی ہیں دونوں مذہب کے راجاؤں نے ایک دوسرے کے مذہب کے مندر توڑے ہیں۔ لوٹ مار کی ہے۔ لیکن ان واقعات کو درسی کتابوں کی ترتیب کرنے والے ہمارے ماہرین درسی کتابوں میں اس لئے شامل نہیں کرنا چاہتے کہ ان واقعات کو پیش کرنے کی وجہ سے ہندو جین اتحاد، بدھ ہندو اتحاد پر اثر پڑتا ہے۔ ان اقوام میں باہم منافرت پیدا ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لئے ان واقعات کا سرسری ذکر بھی درسی کتابوں میں نہیں کیا جاتا۔ ایک تاریخی واقعہ ملاحظہ فرمائیے جس سے معلوم ہوگا کہ ایک ہندو راجہ نے جین مذہب والوں پر کتنا ظلم کیا ہے

کیا اس طرح کے واقعات کو درسی کتابوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ تاریخی واقعہ یوں ہے۔

"چونکہ کمار پال کے کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس لئے اس کا بھانجہ اجے پال راجہ ہوا۔ یہ شیو مذہب کا تھا اور بڑا متعصب تھا۔ اس نے جین مذہب والوں پر بڑا ظلم کیا۔ جینی علماء میں سے کپردی نامی کو کھولتے پانی میں ڈلوا دیا۔ رام چندر نامی وِدوان (عالم) کو جو ایک سو کتابوں کا مصنف تھا تپتے ہوئے تانبے کے پتر پر بٹھل کر مار ڈالا۔ کمار پال کے بنوائے ہوئے اکثر مندروں کو گروا دیا۔ جینیوں کے سردار کو قتل کیا اور دربار کے بہترین اور مدبر سردار مربھٹ کو قتل کر دیا۔" (ماخوذ از تاریخ گجرات، ص ۱۷۲، عنوان اجے پال سولنکی ۱۱۷۴ء تا ۱۱۷۷ء مؤلف۔ پروفیسر سید ابوظفر ندوی)

اس لحاظ سے اجے پال اور محمود غزنوی ایک طرح کے مجرم ہیں۔ لیکن اجے پال سولنکی کا ذکر درسی کتابوں میں اس لئے نہیں کیا جاتا تاکہ اس ذکر سے ہندو جین اتحاد کو ضرب پہنچتی ہے۔ لیکن ہندو مسلم اتحاد کو ضرب پہنچانے کے لئے محمود غزنوی کا ذکر لازمی طور سے کیا جاتا ہے۔ اجے پال سولنکی کے مظالم سے احتراز کیا جاتا ہے تو محمود غزنوی کے مظالم سے بھی احتراز کرنا چاہیئے۔

علم معاشرت کی اس درسی کتاب میں جغرافیہ سے تعلق رکھنے والے اسباق میں گجرات کے تمام علاقوں اور ان کی طرزِ معاشرت کی معلومات دی گئی ہے۔ لیکن "طرزِ معاشرت" میں صرف ہندو اور جین طرزِ معاشرت کا ذکر پایا جاتا ہے۔ ہندو تہواروں، مندروں، تیرتھ گاہوں، ہندو راجاؤں کے بنوائے ہوئے تالابوں اور ہندو مذہب کے مختلف فرقوں کے بانیوں کے متبرک مقامات، میلے ٹھیلے اور ان کے مقامات اور ہندو راجاؤں کے فنِ تعمیر کا ذکر بڑی تفصیل سے موجود ہے۔ لیکن مسلم عہد کے تاریخی مقامات اور فنِ تعمیر کا کوئی ذکر نہیں۔ چانپانیر میں محمود بیگڑہ کے بنائے ہوئے قلعے اور مساجد جو فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں لیکن انکا کوئی ذکر نہیں۔ مدھولکا کے ملاؤ تالاب جیسے مینل دیوی نے بنایا ہے، کا ذکر تو کیا گیا لیکن مسلم عہد کے "خان تالاب" کا کوئی ذکر نہیں۔ مختلف ماتاؤں کے چھوٹے چھوٹے مندروں کا ذکر آجاتا ہے لیکن مسلم تہذیب و ثقافت اور اتحاد کی اشاعت کرنے والے بزرگوں کے تاریخی مقامات اور ان کے مزارات جو فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہیں ان کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ احمد آباد کے جھولتا مینار جو فنِ تعمیر کا عجوبہ ہیں اور عالمی شہرت رکھتے ہیں جنہیں دیکھنے کے لئے آج بھی غیر ملکی سیاح جوق در جوق چلے آتے ہیں، ان کا ذکر بھی "متعصب ذہن" کی طبیعت کو ناگوار گزرا ہے۔ صرف سدی سید کی جالی کا ذکر ہے۔ لیکن یہ جالی کس نے بنوائی، کس عمارت میں کندہ کی گئی ہے، اس کا کوئی ذکر نہیں۔ سدھ راج کے "شہستر لنگ تالاب" کا ذکر تو بڑے پر جوش انداز میں

کیا جا سکتا ہے لیکن مسلمان بادشاہوں کا نام لے کر ان کی بنوائی ہوئی تاریخی عمارتوں کا ذکر غیر ضروری ٹھہرا۔

طرزِ معاشرت کو پیش کرنے کا یہ گھٹیا ڈھنگ صرف ایک ہی فرقے کی طرزِ معاشرت کو اجاگر کرنا چاہتا ہے۔ مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ طلبہ یہ نہ جان سکیں کہ گجرات کی تہذیب و ثقافت کو عظیم الشان بنانے میں مسلمانوں کا کتنا بڑا حصہ ہے۔ گنگا جمنی تہذیب کے یہ منکرین دراصل قومی اتحاد کے دشمن ہیں۔ درسی کتابوں کو اس طرح ترتیب دینے کا یہ رویّہ حقائق سے انحراف کر کے منافرت کو تقویت پہنچا کر قومی یکجہتی کے دامن کو داغدار کرتا ہے۔

آیئے اب "علم معاشرت" جماعت ششم کا جائزہ لیں۔

یہاں بھی وہی حال ہے جو پچھلی کتابوں کا ہے۔ "سومناتھ کی کہانی سبق ۲" کے عنوان سے محمود غزنوی کا سومناتھ پر حملے کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے

سبق ۲: "علاؤالدین خلجی۔ ایک ماہر حکمراں" میں علاؤالدین کو ایک ماہر حکمراں کے طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس پر ہندو دشمنی کا بہتان بھی لگایا گیا ہے۔ اس سبق کا ایک جملہ ملاحظہ فرمائیے: "ہندوؤں کے ساتھ اس کا برتاؤ اچھا نہیں تھا۔ اس لئے ہندوؤں سے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ لگان وصول کیا جاتا تھا"۔ لیکن تاریخی حقائق کچھ اور بتاتے ہیں۔ علاؤالدین خلجی کے دور میں جودھپور کا ایک ہندو مصنف علاؤالدین خلجی کے منصفانہ رویّے کی تعریف کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس نے ایک کتبے میں علاؤالدین کو تہنیت پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے: "خدا کی مانند شجاعت نے زمین کو ظلم و ستم اور نجاست سے پاک کر دیا تھا"۔ (ماخوذ از ہندوستان میں مسلم حکومتوں کی اساس۔ مؤلف اے۔ بی۔ ایم حبیب اللہ)

سبق ۱۱ "اورنگ زیب اور شیواجی" میں مندرجہ ذیل جملے معصوم طلبہ کے ذہنوں میں مذہبی منافرت کا زہر پیدا کرتے ہیں۔ اورنگ زیب کے تعلق سے لکھا ہے۔

"اورنگ زیب کی مذہبی حکمتِ عملی بہت کڑی تھی۔ اس نے ہندوؤں کو اعلیٰ عہدوں سے برطرف کر دیا۔ اکبر نے جزیہ کو معاف کر دیا تھا وہ اس نے پھر سے وصول کرنا شروع کیا۔ اس نے تقریبات پر پابندی عائد کی، مندر گرا کر مسجدیں بنوائیں، ہندوؤں کو میلے رچنے سے منع کر دیا۔ انہیں گھوڑے پر سوار ہونے اور پالکی میں بیٹھنے سے روکا"۔

اوپر کے تمام تر الزامات بے بنیاد ہیں۔ راجہ جے سنگھ خود اورنگ زیب کی فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے جزیہ ٹیکس وصول کیا لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے کئی محصولات اس نے معاف کئے۔ اورنگ زیب کی حکومت بہت وسیع تھی۔ وہ اگر مندر توڑنے والا بادشاہ ہوتا تو ہندوستان کے ہر صوبے میں مندر توڑے

جاتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے عہد میں دو ایک مندر جو توڑے گئے اس کی وجہ سیاسی تھی نہ کہ مذہبی۔ آنجہانی اندرا گاندھی نے بھی سیاسی وجہ کی بنا پر سورن مندر پر حملہ کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔

بالفرض اگر الزامات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان ہندو اور بدھ راجاؤں کو کیوں معاف کر دیا جاتا ہے کہ جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں مندر توڑے، لوٹ مار کی۔ مثلاً گجرات میں انہل واڑ کے قریب وبھومی اور کیمبے (کھمبائت) کے جین مندروں کو ۱۱۹۳ء اور ۱۲۱۰ء کے درمیان مالوا کے پرمار راجہ سبھاتا ورمان نے تباہ و برباد کیا تھا۔ راجہ ہرش نے (جو بدھ مذہب کا پیرو تھا) جس کا تعلق کشمیر کے دوسرے لوہارا سلسلہ سلاطین سے تھا، اپنے خزانے کو بھرنے کے لئے متعدد ہندو مندروں کو تاخت و تاراج کیا تھا۔ (ماخوذ از ہندوستان میں مسلم حکومتوں کی اساس۔ مؤلف۔ اے۔ بی۔ ایم حبیب اللہ)

خود شیواجی نے سورت اور احمد آباد کو بلا امتیاز مذہب و ملت بری طرح سے لوٹا لیکن شیواجی کے لوٹ مار کے واقعات اس سبق میں پیش نہیں کئے گئے، بلکہ شیواجی کو ہندوؤں کے مذہبی رہنما کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

اس طرح مسلم بادشاہوں کو ہدف ملامت بنا کر اور ہندو راجاؤں کو "دھرم رکھشک" تسلیم کرنے کی پالیسی قومی اتحاد اور ملک کی سالمیت کے لئے زبردست خطرہ ثابت ہو رہی ہے۔ جو حقائق اور مشورے اس جائزے میں دیئے گئے ہیں وہ ملک کی بقا کے لئے قابل قبول ٹھہرتے ہیں۔

"علم معاشرت" کی کتابوں کی از سر نو تشکیل لازمی ہے۔ اور یہ تشکیل نو غیر متعصب ذہن رکھنے والوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

مورخہ ۵ جنوری ۱۹۸۳ء سے منظور شدہ کتاب "علم معاشرت" جماعت ہفتم میں سبق ۱۵ "سوراج کے لئے جد و جہد" میں مسلم رہنماؤں کا کوئی رول نہیں بتایا گیا ہے۔ جذبۂ وطن پرستی کو ہوا دینے والوں میں صرف سریندر ناتھ بنرجی، گوپال کرشن گوکھلے اور لوک مانیہ تلک کے نام دیئے گئے ہیں۔ ایک بھی مسلم رہنما کا نام نہیں دیا گیا جب کہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر عبدالحمید انصاری، علی برادران، حکیم اجمل خاں اور مولانا محمود الحسن ایسے قومی اور مذہبی رہنما ہیں جنہوں نے آزادی کی جد و جہد میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ جیل کی سزائیں بھی کاٹی ہیں۔ اپنے مال و اسباب کی قربانیاں بھی دی ہیں۔

اسی سبق میں سر سید احمد خاں پر بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے۔ چند جملے ملاحظہ ہوں: "کانگریس کو منظم ہونے سے روکنے کے لئے اب انگریزوں نے تفریق و امتیاز کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ سر سید احمد نام کے ایک

مسلمان رہنما کو انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ کانگریس سے الگ رہیں اور انکا اپنا ہم نوا بنا لیا۔"

سرسید وہ ہستی ہے جنہوں نے ہندو اور مسلمان کو اپنی دو آنکھوں سے تشبیہ دی ہے۔ ورسالہ اسباب بغاوت ہند" لکھ کر انگریزوں کو قصوروار ٹھہرایا ہے۔ لیکن یہاں ماہرین انہیں انگریزوں کا طرفدار بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ جنگ آزادی میں مسلمانوں نے جو قربانیاں پیش کی ہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ مسلم رہنماؤں کے تعلق سے کوئی الگ سبق منتخب کیا جانا چاہیئے تھا۔ لیکن سبق ۹ "دو محبان وطن" کے نام سے صرف سردار ولبھ بھائی پٹیل اور جواہر لال نہرو کا ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا آزاد کیوں یاد نہیں آئے؟ مولانا محمد علی جوہر کیوں بھلا دیئے گئے؟ خدارا کبھی کبھی ان کا بھی ذکر خیر کچھ تفصیل کے ساتھ ہوا کرے تو انصاف ہاتھ سے نہیں جائے گا۔

میرا مشورہ ہے کہ علم معاشرت کی کتابوں میں سے ہر اس جملے کو نکال دیا جائے جو قومی اتحاد کو توڑنے کا ذمہ دار بن سکتا ہے۔ اور مسلم دشمنی سے پرہیز بھی لازمی ہے۔ اور اگر ہر طرح کے حقائق پیش کرنا ہی ناگزیر ہے تو ان ہندو راجاؤں، جین اور بدھ راجاؤں کا بھی ذکر کیا جائے جنہوں نے ایک دوسرے کے مندر توڑے، لوٹ مار کی، قتل عام برپا کیا۔

امید کہ میں نے جو کچھ تاریخی حقائق پیش کئے ہیں ان پر غور خوض کیا جائے گا۔

●●

جنابِ الیاس قریشی
احمد آباد

گجرات کی درسی کتابوں میں زہر

جماعت پنجم :

۱۔ سبق نمبر ۱۳، صفحہ نمبر ۶۴، پیراگراف نمبر ۳ : "آج سے بارہ سو سال پہلے بھارت پر عربوں نے حملہ کیا۔ حملے کی وجہ سے پترک خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن پترک راجاؤں کے ساتھ ہی ولبھی پور کے دار العلوم کی عظمت بھی کم ہو گئی۔"

۲۔ سبق نمبر ۱۴، صفحہ نمبر ۶۸، پیراگراف نمبر ۲ : "فاتحین نے ایران کی قوم کو اسلام مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔"

۳۔ سبق نمبر ۱۷، صفحہ نمبر ۸۲، پیراگراف نمبر ۲ : "مورتیوں اور مندروں کو توڑتا، بڑی جنگی فوج کے ساتھ سومناتھ کے مندر پر حملے کرتا۔"

۴۔ سبق نمبر ۱۷، صفحہ نمبر ۸۴، پیراگراف نمبر ۱ : "محمود نے سومناتھ کا مندر توڑا۔"

جماعتِ ششم :

۱۔ سبق نمبر ۲، صفحہ نمبر ۷، پیراگراف نمبر ۱ : "غزنی کا سلطان غزنوی دولت کا بہت حریص تھا۔ اس نے سومناتھ کے مندر کی دولت کی تعریفیں سن کر اس کو لوٹنے کے لیے سومناتھ پر حملہ کیا۔"

۲۔ سبق نمبر ۲، صفحہ نمبر ۷، پیراگراف نمبر ۲ : "محمود غزنوی کو بیش بہا جواہرات، ہیرے، لعل وغیرہ مل کر تقریباً بیس لاکھ سے زیادہ کا مال مندر میں سے ملا تھا۔ اس طرح سومناتھ کے شاندار شوالہ کی لوٹ ہوئی۔"

۳۔ سبق نمبر ۶، صفحہ نمبر ۲۲، پیراگراف نمبر ۲ : "علاء الدین بڑا مکار، دغاباز اور نہایت ہی بُرا آدمی تھا۔"

۴۔ سبق نمبر ۶، صفحہ نمبر ۲۳، پیراگراف نمبر ۳ : "ہندوؤں کی طرف اس کا رویہ بہت سخت تھا۔ اس نے ان کے لیے سخت قوانین نافذ کیے۔ اور ان سے جزیہ وغیرہ وصول کرتا تھا۔"

۵۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۲، پیراگراف نمبر ۶ : اس نے ہندوؤں کو اعلیٰ عہدوں سے برطرف کر دیا۔

اکبر نے جس جزیہ کو معاف کر دیا تھا وہ اس نے پھر سے وصول کرنا شروع کیا۔ اس نے تقریبات پر پابندی عائد کی۔ مندر گرا کر مسجدیں بنوائیں۔ ہندوؤں کو مسلح رہنے سے منع کر دیا۔ انھیں گھوڑے پر سواری اور پالکی میں بیٹھنے سے منع کر دیا۔

۶۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۳، پیراگراف نمبر ۱: "اس نے شیعوں کے ساتھ بھی تعصب بھرا برتاؤ کیا۔"

۷۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۴، پیراگراف نمبر ۳: "اورنگ زیب نے اپنی سیاسی پالیسی سے سب کو دشمن بنا لیا تھا۔ وہ تنگ، ضدی، بے رحم تھا۔ اس کی ساری زندگی سازشوں اور جنگوں میں گزری۔"

۸۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۴۵، پیراگراف نمبر ۳: "شیواجی کو فریب دے کر قتل کرنے کے لیے دوستی کا ماحول پیدا کر کے اس کو ملاقات کے لیے افضل خاں نے بلایا۔ ہوشیار شیواجی کو یہ بھید معلوم ہو گیا۔ وہ پہلے سے تیاری کر کے اس سے ملنے گیا۔ افضل خاں شیواجی سے دوستانہ طریقے سے ملا اور اسی وقت شیواجی کی گردن بغل میں دبا کر تلوار سے وار کیا۔ مگر شیواجی نے لوہے کی زرہ پہن رکھی تھی۔ شیواجی نے باگھ نکھ سے افضل خاں کا پیٹ چیر ڈالا۔"

۹۔ سبق نمبر ۱۲، صفحہ ۴۶، پیراگراف نمبر ۵: "یہ سمرتھ سوامی رام داس مغلوں اور مسلمانوں کے مظالم سے ہندو دھرم کو بچانے کیلیے جگہ جگہ مٹھ قائم کر رکھے تھے۔ اور لوگوں کو منظم کر رکھا تھا۔"

جماعت ہفتم

۱۔ سبق نمبر ۱، صفحہ نمبر ۶۵: "بارہویں صدی کے آخر میں بیرونی حملہ آور خلجی نے بہار پر حملہ کیا تب اس نے نالندہ دار العلوم کا خاتمہ کیا تھا۔"

۲۔ سبق نمبر ۱۱، صفحہ نمبر ۱۰۷: "جاوا میں اسلام مذہب پھیلا چنانچہ مجاپہیت کے ہندو راجہ کو بھاگ جانا پڑا۔"

جماعت نہم

۱۔ سبق نمبر ۴، صفحہ نمبر ۳۰: "دونوں خلیفاؤں نے جبراً مذہب تبدیل کرنے کی رسم پر روک (پابندی) لگا رکھی تھی۔"

۲۔ سبق نمبر ۴، صفحہ نمبر ۳۲: "وقت گزرنے پر خلفاء جاہ و حشمت کے لالچ کی طرف مڑے۔ اور رفاہ عام کی جانب لاپرواہی برتی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حکومت کیلیے وہ آپس میں جھگڑتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کا زوال ہوا۔"

۳۔ سبق نمبر ۵، صفحہ نمبر ۴۸: "مسلمانوں کی آمد سے ہندوؤں کے سماجی درجے پر ضرب لگی۔ مسلم حکمرانوں کو ہندوؤں پر اعتماد نہ تھا۔"

۴۔ سبق نمبر ۷، صفحہ نمبر ۶۶: "اورنگ زیب ہٹی، وہمی اور مذہب کے معاملے میں بڑا ہی تنگ نظر

تھا۔ دیگر مذاہب کی جانب اس کا سلوک بے رحمانہ تھا۔"

۵۔ سبق نمبر ۷، صفحہ نمبر ۶۷ "اورنگ زیب صرف غیر مسلموں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ شیعہ مسلک کے مسلمانوں کی جانب بھی بے رحم رہا۔ اس نظریہ کی وجہ سے جب مخالفت ہوئی تب اسے فرو کرنے کے لیے وہ مورتیوں اور مندروں کے خاتمے کرنے کی حد تک پہنچ گیا۔"

مندرجہ بالا جملے گجرات کی درسی کتابوں کے ہیں ان جملوں یا پیراگراف سے مندرجہ ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ مسلمان ہماری سنسکرتی، علوم اور مذہب کے دشمن تھے۔ ۲۔ ہماری حکومتوں کا خاتمہ مسلمانوں نے کیا۔ ۳۔ مسلمانوں نے مندروں کو توڑا۔ ۴۔ مسلمانوں نے تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کو تباہ و برباد کیا۔ ۵۔ شیواجی ہندو قوم کے رہنما تھے؟ ۶۔ اورنگ زیب مسلم قوم کے رہنما تھے۔

"مسلمانوں کے آنے سے ہندو حکومتوں کا خاتمہ ہوا" ایسا بتانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حکومتوں کا عروج و زوال ازل سے ہر ملک و ملت میں نظر آتا ہے۔ ان جنگوں کو بھی ایسے ہی زاویے سے دیکھنا چاہیے۔ مسلمان حکومتوں نے بھی بھارت میں آپس میں جنگیں کی ہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے آپس میں ہندوؤں سے زیادہ جنگیں کی ہیں۔ یہ جنگیں ساری حصول اقتدار کی تھیں جہاد اور غزوات نہ تھے۔

مسلمان گویا ہندو سنسکرتی کے دشمن تھے۔ انھوں نے نالندہ اور دوسرے دارالعلوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ یہ بات غلط ہے۔ عباسی خلیفاؤں کے دربار میں ہندوستانی علوم و فنون کی قدر و منزلت تھی۔ برہمنوں کی حکمت و فراست کے بغداد کے علما معترف تھے۔ ہندسہ اور علم الحساب میں ہندوستان ہی کی اولیت اور سبقت مسلمانوں کے نزدیک مسلم چیز تھی۔ مامون کے قائم کردہ دارالترجمہ میں کئی ہندو فضلا بھی تھے۔ مسعودی وغیرہ نے ہندو طبیبوں کے نام گنوائے ہیں۔ اور ان کی حذاقت کا اعتراف کیا ہے۔ البیرونی ان سب باتوں پر ایک شاہد عادل ہے۔ ابن مقفع نے "پنچ تنتر" کا ترجمہ "کلیلہ و دمنہ" کے نام سے کیا۔ وہ آج تک عالم اسلام میں مقبول ہے۔ اور اس کے ذریعے دنیا کی مختلف زبانوں میں تراجم ہوئے۔ فارسی میں اسی کتاب کے کئی منظوم و منثور ترجمے ہوئے۔ اکبر کے عہد تک یہ یہاں کے براہمنوں کی ذہانت اور معاملہ فہمی کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ دارا نے "उपनिषद" (اوپنشد) کے ترجمے کیے۔ محمد غوث گوالیاری نے "یوگ" کے مطالعہ کے لیے "अमृतकुण्ड" (امرت کنڈ) ترجمہ کیا۔ گوالیار کے ہندی شاعر سندر کو شاہجہاں نے "مہاکوی رائے" یعنی دربار کے ملک الشعرا کا رتبہ عنایت کیا تھا۔ اور اس کی مصنفہ سندر سنگار کے فارسی ترجمہ کا ایک مخطوطہ احمد آباد کے شہر قاضی رضا الحق صاحب کے پاس ہے۔

غالباً سنسکرت کے "لنگارس" پر فارسی میں ایک نادر کتاب ہے۔ ہندوؤں کی عظیم سنسکرتی کے ہر تابناک پہلو پر فارسی اور عربی میں کتابیں دستیاب ہیں۔ ہندو سنسکرتی کو مسلمان بادشاہوں اور اولیا اللہ دونوں نے سراہا ہے۔

اسی طرح گجرات میں مراٹھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے کئی کتب خانے ضائع ہوئے ہیں۔ نہ وہ مسلم دشمنی تھی نہ مسلم علوم وفنوں سے بیر۔ جنگ کی تباہیوں میں یہ باتیں عام ہوتی ہیں۔ مہاراجہ شیواجی راؤ نے بڑودہ اسٹیٹ میں فارسی عربی کے فروغ کے لیے کیا نہیں کیا۔ عرب جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں نے بھارت کی والہانہ انداز میں تعریف کی ہے۔ ان مراعات کا بھی ذکر کیا ہے جو ہندستان میں آباد مسلمانوں کو ہندو راجاؤں کی طرف سے مہیا تھیں۔ نویں جماعت کی کتاب میں کہا گیا ہے کہ اوّل دو خلفائے راشدین نے اشاعت اسلام بالجبر پر پابندی لگائی۔ یہ جملہ اس مسموم ذہنیت کی غمازی کرتا ہے کہ جس کے ذمہ دار متعصب مستشرقین ہیں۔ انھوں نے اپنی مہم اور تحریروں سے یہ بات ذہن نشیں کرادی ہے کہ اسلام کی اشاعت بزور تلوار ہوئی ہے ۔ اور مسلمانوں سے حسن ظن رکھنے والے ذہن میں حقائق کو پس پُشت ڈال کر بطیب خاطر اس کو دہرایا ہے۔ اور اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ بھارت میں بھی اسلام کی اشاعت بالجبر ہوئی ہے۔ حالانکہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ "لااکراہ فی الدین" ہندستان میں اسلام صوفیائے کرام کی کوششوں سے پھیلا ہے۔

شیواجی اور اورنگ زیب کی جنگوں کو صحیح زاویہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ ان کو حصول اقتدار کی جنگیں سمجھنا چاہیے۔ وہ جنگیں مہارانا پرتاپ اور اکبر کے درمیان ہوں یا اورنگ زیب اور دکن کے شیعہ حکومتوں کے خلاف ہوں۔ مذہبی تفریق لشکر کشی کی محرک نہیں تھی۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس زمانے میں قومیت بہ اعتبار مذہب کا تصور عنقا تھا۔

ماضی کے واقعات کو موجودہ اقتدار افزا سیاسی زاویوں سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ ہمارا مستقبل مشترک ہے۔ مندرجہ بالا نکات ایک مسموم ذہن کے فارمیٹ (Format) کا لاشعوری طور پر ایک حصہ بن چکی ہے۔ گویا کوئی بھی تاریخی کتاب ان نکات پر زہر افشانی کیے بغیر نامکمل ہے۔

●●

جناب ایم. اے. بیگ
وارد ھا

مہاراشٹر کی درسی کتابیں

"اپنا بھارت"

شیواجی کی لڑائی کو اس کتاب میں "سوراج کی لڑائی" کہا گیا ہے۔ "ہندوی سوراج"۔ اسی طرح شائستہ خان کا ذکر صفحہ ۴۳ سے صفحہ ۴۵ تک ہے۔ میں نے جابجا نشانات لگا دیے ہیں۔ جابجا ہندوی سوراج کا ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۵۱ پر بادشاہ کی دغابازی کے عنوان سے اورنگ زیب کا ذکر کیا ہے۔ شیواجی کی تاج پوشی کا ذکر ہے۔ تاج پوشی کے سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، اور سوراج کے قیام کی بات کی گئی ہے اور جابجا مسلمانوں کو "دشمن" کہا گیا ہے۔ اس کے بعد "اپنا بھارت" پانچویں جماعت کے لیے ہے۔ اس میں شہنشاہ اکبر، شاہجہاں، اور اورنگ زیب کا ذکر ہے۔

اس کے بعد "اپنا بھارت" چھٹی جماعت کے لیے ہے۔ اس میں وہی شیواجی کا ذکر ہے، اور انہی باتوں کو دہرایا گیا ہے جو پہلی کتابوں میں ہیں۔ لیکن زیادہ تفصیل کے ساتھ۔

اس کے بعد کی کتابیں بھی اسی قسم کی ہیں، ان کو میں نے چھوڑ دیا ہے۔ ان کتابوں میں سادھو۔ سنتوں کا ذکر ہے بڑی تفصیل سے۔ لیکن مسلمان صوفیوں خواجہ اجمیری اور بندہ نواز گیسو دراز کا کہیں ذکر نہیں۔ میں نے عجلت میں یہ کتابیں سرسری نظر سے دیکھی ہیں، ممکن ہے آپ ان سے کچھ کام لے سکیں۔

●●

جناب احمد یوسف
پٹنہ

مہاراشٹر کی درسی کتابیں

"اپنا بھارت"

اس کتاب نے ہندستان کی تاریخ کا بالکل ہی نیا تصور پیش کیا ہے۔ ہندی بولنے والے علاقوں کے لئے یہ تصور بڑا ہی عجیب سا اور بڑا ہی مختلف سا نظر آتا ہے۔ اگر ہندی علاقوں کے لوگ اس کے فرقہ پرستانہ رجحان کی وجہ سے Reject نہ کریں تو بھی وہ اس کے مراٹھی Chauvinism کے سبب ضرور Reject کر دیں گے۔ اس کتاب میں مرکزیت مہاراشٹر کو حاصل ہو گئی ہے۔ دلی کی مرکزیت کو یہ کتاب تسلیم نہیں کرتی، اور مرہٹوں کو وطن کی آزادی (سوراج) کا سب سے بڑا محافظ تصور کرتی ہے۔ اس سوراج کا نام مصنف نے محض ایک سیکولر رنگ دینے کی غرض سے ہندوی سوراج رکھا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ "ہندوی سوراج" بجز ہندو احیاء پرستی کے اور کوئی دوسری شئے نہیں ہے۔

یہاں مغل بادشاہ ظالم، دغاباز اور فریبی ہیں، مگر شیواجی بہادر جفاکش اور بڑے سچے آدمی ہیں۔ کٹر ہندو ہیں مگر دوسرے مذاہب کی بھی عزت کرتے ہیں۔

ص ۱۹ "باجی پربھو جیسے بہادر کی جان خطرے میں ڈالنا شیواجی کو منظور نہ تھا، لیکن انہیں سوراج کی حفاظت بھی مقصود تھی۔" ٭ص ۲۲ "شائستہ خاں کا حملہ گویا سوراج کے لئے دوسری بڑی آفت تھی۔" ص ۲۳ اورنگ زیب کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوا۔ . . . شائستہ خاں کی شکست سے شیواجی راجہ کی دھاک بیٹھ گئی، اس موقع پر انہوں نے جو دلیری اور موقع شناسی کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔" ٭ص ۲۳ مذہبی رسومات شروع ہا بند گیت سات دریاؤں کے مقدس پانی سے شیواجی راجا کو نہلایا گیا۔" ٭ص ۳۰ شیواجی مہاراج نے اشٹ پردھان (آٹھ وزراء) کا تقرر کیا اور ایک نئے سنہ کی ابتدا کی، یہ سنہ ہندوی سوراج کے اقتدار کا مظہر ہے۔" ٭ص ۳۱ "کرناٹک میں کئی چھوٹی ہندو ریاستیں تھیں انہیں اور عادل شاہی ریاستوں کو متحد کر کے اورنگ زیب کو زیر کرنے کا مہاراج کا ارادہ تھا۔" ٭ص ۳۷ "اورنگ زیب نے اس سے کہا، "اگر تم مسلمان ہو جاتے ہو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی۔ . . . سمبھاجی نے اپنے دھرم کی خاطر اپنی جان دے دی اس کا یہ

ایثار بے مثال ہے، وہ شہید کہلایا۔" ص ۱۸۷ "مہاراشٹر میں سینہ گڑھ، راج گڑھ، پرچنڈ گڑھ، پنہالا کے حلقوں پر مغلوں کا قبضہ تھا اور سوراج کا بہت سا علاقہ انہوں نے حاصل کیا تھا۔" ص ۱۸۸ سوراج کی لڑائی کا اختتام "سوراج کو برقرار رکھنے کے لئے مرہٹے چھبیس سال تک پوری بہادری کے ساتھ اورنگ زیب سے لڑتے رہے ... اسی لئے انھوں نے اورنگ زیب جیسے طاقتور دشمن کو زیر کیا۔" ص ۱۹۶ "اسی وقت دلی کے بادشاہ کی مدد کر کے پیشوا نے مالوے کے لئے سند حاصل کر لی (۴۳، ۱۱)۔" ص ۲۱۳ "۵۷ء کی جنگ آزادی میں کسی مسلمان کا ذکر نہیں۔" ص ۲۱۱ "ہولی، پولا اور ورم وغیرہ تہوار جوش وخروش کے ساتھ منائے جاتے۔" محرم تہوار نہیں ہے۔

اپنا بھارت۔ تاریخ کی پہلی کتاب۔ پانچویں جماعت کے لئے II :۔ ص ۳ رام اور کرشن سے پنڈت نہرو تک کے ذکر میں کسی مسلمان کا ذکر نہیں۔" ص ۲۹ "شہاب الدین محمد غوری ... کی اشاعت کرنے کے لئے وہ منزل بہ منزل دلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔" ص ۸۶ "رانا پرتاپ نے اپنے تمام سرداروں کو اکٹھا کیا ... اپنی جوشیلی تقریروں سے سپاہیوں کی ہمت بڑھائی، سب نے سوراج کے لئے آخری دم تک لڑنے کا عہد کیا۔" ص ۹۰ پابند شریعت بادشاہ :۔ اورنگ زیب ایک سنی مسلمان تھا ... اسلام اور سنی جماعت کے اصولوں کی اشاعت کرنا اس کا مقصد تھا ... اورنگ زیب نے اپنے مذہبی برتاؤ کی وجہ سے سلطنت میں رہنے والے ہندو جات، سکھ، سنت نامی لوگوں کا دل دکھایا تھا۔" ص ۹۴ "گرو تیغ بہادر ۱۶۶۷ء میں گدی نشین ہوئے ... بادشاہ نے انھیں گرفتار کیا اور مذہب اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔" ص ۱۰۱ "اورنگ زیب نے ہندوؤں پر جزیہ عائد کیا تھا، اس پر شیواجی نے اورنگ زیب کو سخت الفاظ میں ایک خط لکھا اور جزیہ سے متعلق ناراضگی کا اظہار کیا۔" ص ۱۰۲ "دشمنوں کو زیر کر کے شیواجی نے ہندوی سوراج قائم کیا۔" ص ۱۰۳ "راجا سمبھاجی کو قید کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی ... بادشاہ نے انھیں سخت تکلیفیں دے کر مار ڈالا۔" ص ۱۵۰ "باہر سے آنے والے ان مسلمانوں نے اپنی سلطنتیں قائم کیں اور یہیں رہنے لگے، پہلے انھوں نے یہاں کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا۔"

بڑوں کی کہانیاں تیسری جماعت کے لئے III :۔ اس کتاب میں ۲۰ بڑوں کے ذکر میں صرف ایک مسلمان کا نام آتا ہے یعنی مولانا ابوالکلام آزاد کا۔

اگر انھیں صرف کانگریس کے سابق صدر ہونے کے سبب پیش کیا گیا ہے تو ان کے ساتھ طیب جی،

حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کا نام بھی شامل کرنا تھا۔ سیاست دانوں میں مولانا محمد علی، حسرت موہانی اور رفیع احمد قدوائی کا نام دینا تھا۔ ماہر تعلیمات کی حیثیت سے بھی اور ہندستان کے پہلے مسلمان صدر کی حیثیت سے بھی ڈاکٹر ذاکر حسین کا نام رکھنا تھا۔ اسی طرح اور بھی کچھ لوگ تھے لیکن مصنف نے صرف ایک مسلمان کا نام رکھنا کافی سمجھا۔

چھترپتی شیواجی (چوتھی جماعت کے لئے) :- "چھترپتی شیواجی" پر یہ کتاب ایک نیم تاریخی تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں بھی دلی کی مرکزیت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ یہاں بھی سوراج کی بات کی گئی ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ شیواجی نے مہاراشٹر میں سوراج کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ کتاب بھی مراٹھا وطن پرستی کے زیر اثر لکھی گئی ہے۔

ص ۱ "مہاراشٹر میں شیواجی سے ساڑھے تین سو سال پہلے سوراج نہیں تھا۔ مہاراشٹر کے بڑے حصے پر احمد نگر کے بادشاہ نظام شاہ اور بیجاپور کے حکمراں عادل شاہ کا قبضہ تھا۔ . . . دونوں بادشاہ دشمنی کی وجہ سے اکثر آپس میں لڑا کرتے تھے۔ . . . لوگوں کو پوجا پاٹ کرنے اور تہوار منانے کی آزادی نہ تھی۔" ص ۱۳ "مغل بادشاہ شاہ جہاں نے دکن کو فتح کرنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج روانہ کی تھی۔"

اس وقت ہندستان میں اگر کوئی مرکزی حکومت تھی تو وہ دلی میں مغلوں کی حکومت تھی۔ مغل بادشاہ کہہ کر یہ تصور دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دوسرے چھوٹے حکمرانوں کی طرح مغل بھی تھے۔

ص ۱۹ "شیوبا بھونسلے خاندان کی بزرگ ہستی شری رام چندر جی تھے جنھوں نے ظالم راون کو مار کر عوام کو سکھی بنایا تھا۔" ص ۲۱ "شری رام و کرشن کے خاندان میں تمہارا جنم ہوا ہے تم بھی ظالموں کو ختم کر سکتے ہو۔" ص ۲۲ "اسی سے شیواجی کی ہمت اور بڑھی۔ انہیں محسوس ہوا کہ انہیں بھوانی ماتا کا آشیرواد حاصل ہے۔" ـــــ تاریخ کو ہندوایا جا رہا ہے۔

ص ۲۳ "مغلوں کے حملوں سے مہاراشٹر برباد ہو گیا تھا۔ اس وقت دلی میں مغل بادشاہ اورنگ زیب حکمراں تھا۔ شیواجی نے اس کے علاقے پر حملے کئے جس کی وجہ سے بادشاہ کو غصہ آگیا۔"

اورنگ زیب دلی کا حکمراں تھا اور دلی کا حکمراں ہی ہندستان کی تقدیر کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ یہ جملے تو یہ کہہ رہے ہیں کہ شیواجی ہندستان کے بادشاہ تھے اور اورنگ زیب نے ان کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔

ص ۲۶ "شیواجی کے لئے ـــ اس کامیابی کے بعد شیواجی خاموش نہیں بیٹھے۔ ـــــ اورنگ زیب کے لئے ـــ اورنگ زیب کو بہت غصہ آیا اور اس نے مرہٹہ سلطنت کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔"

••

پروفیسر اکبر رحمانی

جلگاؤں

بڑھتی ہوئی منافرت میں نصابی کتابوں کا رول

آج ہمارا ملک فرقہ وارانہ، علاقائی، نسلی، لسانی اور مذہبی منافرتوں کی آگ میں جل رہا ہے۔ قتل و غارت گری، آتش زنی، لوٹ مار، دہشت گردی، ڈاکہ زنی، آبرو ریزی روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے قصبات و دیہات جو امن و آشتی، محبت اور بھائی چارگی کے گہوارے تھے اب وہ بھی فرقہ وارانہ منافرت کی بھیانک آگ میں جل رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے عہد غلامی میں ہندوستان کے بارے میں درد بھرے انداز میں جس حقیقت کا اظہار کیا تھا وہ آزادی کے چالیس سال گزرنے کے بعد بھی سچ ہے ؎

سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا یاں تو اک قرب فراق انگیز ہے

تعصب، تنگ نظری، فرقہ پرستی اور مذہبی منافرت زندگی کے تمام شعبوں پر چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آج کل تو فرقہ وارانہ صورتِ حال اس قدر "دھماکہ خیز" ہے کہ ذرا سی چنگاری دکھانے ہی سے یہ جوالامکھی کی طرح پھٹ پڑتا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی منافرت کے لیے جہاں ایک طرف خود غرض اور مفاد پرست سیاستداں ذمہ دار ہیں تو وہاں دوسری طرف ملک کا نظامِ تعلیم اور اس سے کہیں زیادہ درسی و نصابی کتابیں ذمہ دار ہیں۔ آپ نے وہ مشہور کہاوت تو ضرور سنی ہوگی کہ "جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔" آج ہمارے اردگرد نفرت، دشمنی اور تعصب کی جو فصل لہلہا رہی ہے وہ نتیجہ ہے اُس تخم ریزی کا جو ہمارے تعلیمی نظام نے نصابی کتابوں کے

دنیا کے انجام دتیا ہے، مگر ہمیں اب بھی اس کا احساس نہیں ہے۔

ایک مفکر نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ وہ کہتا ہے اگر کوئی نیم حکیم غلط نسخہ تجویز کردے تو مریض کو جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ یہ ایک فرد کا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن اگر درسی کتابوں میں ایسا مواد شامل کر دیا جائے جو نہ صرف ذہنوں کو بگاڑے بلکہ ہم جیوں ما دیگرے نیست کا احساس پیدا کرے، اپنے سوا دوسروں سے نفرت کرنے کی تعلیم دے، عدم رواداری سکھائے، انتقامی جذبات کو بھڑکائے، نسلی غرور میں مبتلا کردے تو ایسا نصاب اور ایسی نصابی کتابیں عظیم تباہی و بربادی لاتی ہیں۔ یہ پوری نسل کی تباہی ہوتی ہے۔ اس سے صرف ایک فرد کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ پوری دنیا کے انسانیت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ امن و امان اور سماجی زندگی کا سکون درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

مدرسوں میں پڑھنے والے طلبہ ناپختہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔ ان میں اچھے بُرے کی تمیز نہیں ہوتی۔ ان کا ذہن ایک خالی تختی کی مانند ہوتا ہے کہ اس پر استاد جو چاہے لکھ دے اور درسی کتابیں جو اثرات مرتب کردیں، اُسے وہ من و عن قبول کر لیتا ہے، اور آئندہ زندگی میں بھی یہ باتیں اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتی ہیں۔

پھر یہ کہ اس منزل پر طلبہ کو جو باتیں پڑھائی اور سکھائی جاتی ہیں انھیں وہ حقیقت سمجھتا ہے۔ چوں کہ اس وقت اس میں اچھائی اور بُرائی کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے، وہ استاد کی کہی ہوئی باتوں اور درسی کتابوں میں درج باتوں ہی کو سچ سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر نصابی کتابوں میں کوئی غلط اور گمراہ کُن بات یا واقعہ بیان کیا جائے تو طلبہ اسے سچ سمجھ کر ذہن نشین کرلیں گے اور تمام زندگی ان کے ذہن سے یہ محو نہیں ہوگا۔ بچوں کا یہی ذہنی بگاڑ اور غلط تعلیم و تدریس آگے چل کر قوم و ملک کے لیے تباہی و بربادی کا باعث بن جاتی ہے۔ تاریخِ عالم

میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں ۔

دو عالمی جنگوں کے اسباب کا گہرائی سے جائزہ لیں تو آپ کو :

"ایک بہت بڑا سبب یہ معلوم ہوگا کہ جرمنی کے مدرسوں میں جو تاریخ پڑھائی گئی تھی اسی کے یہ تباہ کن نتائج تھے ۔" [۱]

تاریخ کی درسی کتابوں نے بچپن ہی سے جرمن قوم کے دل و دماغ میں نسلی برتری و تفاخر کا احساس پیدا کر دیا تھا ۔ انہیں غیر آریاؤں سے نفرت کرنا سکھایا تھا ایک قوم (ایک راشٹر) ، ایک زبان (ایک بھاشا) ، ایک کلچر (ایک سنسکرتی) نے انہیں متحد ضرور کیا تھا لیکن ان میں "جارحانہ قوم پرستی" کو فروغ دیا تھا اور پھر اس جارحیت کے جو نتائج برآمد ہوئے ، تاریخ کا ہر طالب علم ان نتائج سے اچھی طرح واقف ہے ۔

اگر کوئی غیر جانب داری سے موجودہ درسی و نصابی کتابوں کا جائزہ لے کر یہ نتیجہ اخذ کرے کہ ہمارا ملک بھی جرمنی کی راہ پر گامزن ہے تو مبالغہ نہ ہوگا ، بلکہ ایک تلخ حقیقت کا اظہار ہوگا ۔ اس تلخ حقیقت سے آنکھیں چرانے کی بجائے اس کا سامنا کرنا ہی ملک و قوم اور انسانیت کے مفاد میں ہوگا ۔

آج ہمارے ملک میں ابتدائی ، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی مدارس میں جو نصابی کتابیں رائج ہیں اگر ان کا قومی یک جہتی کے نقطۂ نظر سے تنقیدی جائزہ لیا جائے تو آپ بھی اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ نصابی کتابیں ہمارے ملک میں وہی رول ادا کر رہی ہیں جو ہٹلر کے جرمنی میں درسی کتابوں نے انجام دیا تھا ۔ بعض نصابی کتابوں کے ذریعے نہ صرف فرقہ وارانہ منافرت پھیلائی جا رہی ہے بلکہ ایک مخصوص فرقے اور مذہب کے خلاف جذبات کو مشتعل کر کے تشدد اور جارحیت

---

[۱] تاریخ کیسے پڑھائیں : خالد یار خان ص ۸ - ۹ شائع کردہ اردو اکیڈمی سندھ سنِ اشاعت جنوری ۱۹۶۱ء

کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

ان درسی کتابوں میں آپ دیکھیں گے کہ ایک مخصوص فرقے کے مذہب، تاریخ، کلچر، ادب، مشاہیر، تہوار اور کارناموں کا زیادہ تذکرہ ہے اور دوسرے فرقوں کے کارہائے نمایاں کو یا تو بالکل نظر انداز کیا گیا یا ان کی قدر کم کی گئی یا پھر توڑ مروڑ کر غلط انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

یہاں یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ جب تمام فرقوں کی مشترکہ جدوجہد سے ملک آزاد ہوا، تو ہم نے جمہوری نظامِ زندگی کو اپنایا، تاکہ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ مذہب، ذات، زبان اور نسل کی بنیاد پر کسی کے ساتھ تفریق یا ترجیحی سلوک نہ ہو۔ پھر ہم نے اپنا ایک نیا آئین بنایا جس میں انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کا عہد کیا گیا۔ اقلیتوں کے مذہبی، تعلیمی اور ثقافتی حقوق کو بنیادی حقوق کا درجہ دے کر ان کے تحفظ کی ضمانت بھی دی تاکہ اکثریت کو من مانی کرنے سے روکا جا سکے اور اقلیتوں کے دل سے عدمِ تحفظ کا احساس دور کیا جا سکے۔

یہ جان کر کہ ہمارا ملک کئی مذاہب، زبانوں اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے اور کثرت میں وحدت (Unity in diversity) ہماری شان ہے۔ ہم نے سیکولرزم (Secularism) کو اپنایا۔ اس کا مطلب مذہب کی نفی نہیں، بلکہ سیکولرزم کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ مملکت کا کوئی مذہب نہ ہوگا، تمام مذاہب کا یکساں احترام ہوگا۔ مذہبی رہنماؤں، پیغمبروں اور مذہبی کتابوں کی قدر و منزلت ہوگی۔ ان کی اہانت و تذلیل نہ ہوگی۔

ان تسلیم شدہ حقائق کی روشنی میں جب نصابی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں متضاد و مخالف باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان نصابی کتابوں میں ہندو مائتھالوجی اور تصورات کا ذکر اس طرح ملتا ہے جیسے یہی تمام باشندگانِ ملک کا عقیدہ ہے۔ ایسا

لگتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچّوں کے ذہنوں میں داستانوں، کہانیوں، Fairy Tales (پریوں کی کہانیوں)، مکالموں، نظموں اور گیتوں کے ذریعے ایک مخصوص مذہب کے کرداروں اور دیو مالائی تصوّرات کو بٹھایا جارہا ہے۔

شجاعت اور بہادری کی مثال دینا ہو تو بھیم، کرشن اور ارجن کے کرداروں کو پیش کیا جاتا ہے۔ بلند ہمّتی اور خودداری کے لیے شیواجی اور رانا پرتاپ کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ عفّت و پاکیزگی کے لیے سیتا اور والدین کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے رام کے کردار کو قابلِ تقلید بتایا جاتا ہے۔

آپ کسی بھی ریاست کی غیر اردو زبانوں کی نصابی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجیے، ان میں آپ کو ایک مخصوص فرقے کے لوگوں، اس کے مذہبی کرداروں، اس کے بادشاہوں اور دیو مالائی تصوّرات کا ذکر ملے گا۔ ان درسی کتابوں میں آٹے میں نمک کے برابر ایک دو مسلم کردار نظر آئیں گے، وہ بھی ایسے جو طلبہ کے لیے قابلِ تقلید نہ ہوں۔ مسلم بادشاہوں سے تو جیسے انھیں چڑ سی ہے۔ کوئی بادشاہ ان کی نظر میں انصاف پسند ہے، نہ بہادر، نہ عقل مند۔ یہ تمام باتیں قومی یک جہتی کے منافی ہیں۔

لسانی درسیات (Language Text Books) کی تدوین کے رہنما اُصول :

زبان وسیلۂ اظہار اور ذریعۂ ابلاغ و ترسیل ہے۔ زبان ہی کے ذریعے انسان اپنے ماحول اور معاشرے سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ بچّے کی شخصیت کی مکمّل نشوونما میں یہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔

ابتدائی اور ثانوی سطح پر غیر مادری زبان کی تدریس کا مقصد طلبہ میں بولنے، لکھنے، سمجھنے اور پڑھنے کی مہارتیں پیدا کرنا ہے۔ ہمارے ملک میں علاقائی زبان کے علاوہ ہندی اور انگریزی زبانیں لازمی طور پر سکھائی جاتی ہیں۔ ان زبانوں کی نصابی

کتابیں مرتّب کرتے وقت نہایت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ تاریخ اور زبانوں کی درسی کتابوں کی ترتیب و تدوین "کارگہہِ شیشہ گری" سے بھی زیادہ نازک کام ہے۔ ان درسی کتابوں میں کسی ایک فرقے کے لوگوں اور اس کے مذہبی کرداروں اور شخصیتوں کا زیادہ تذکرہ اور کسی فرقے کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات نہ پیدا ہوں اس کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے قومی کونسل برائے تعلیم، تحقیق و تربیت (NCERT) نے تمام ریاستوں کو ہدایت جاری کی تھی کہ وہ نصابی کتابیں مرتّب کرتے وقت اس بات پر خصوصی توجّہ دیں کہ اس میں کسی مخصوص مذہب، فرقے یا کلچر کا تذکرہ نہ ہو۔ ہمارے ملک میں قوموں کی شناخت، مذہب سے ہوتی ہے اِس لیے درسی کتابوں میں کسی بھی مذہب، یا اس کے اصولوں یا اس کی شخصیتوں کا اہانت آمیز ذکر نہیں ہونا چاہیے ۔ یہ مذہبی عدم رواداری قومی یک جہتی کے منافی ہے۔ "ہدایت نامے" کے الفاظ یہ ہیں:

"In text books religious intolerance may be reflected in the form of derogating remarks for religious books, tenets, personalities and people of a particular community, obviously such references cannot be accepted and retained in text books."

"If the passage chosen and the descriptions in the book as a whole are specifically related to the life,

culture and practices of community or one religion only..... should be considered objectionable." ؎

قومی کونسل نے اپنے "ہدایت نامہ برائے مبصرین درسیات" میں مزید یہ وضاحت کی ہے کہ درسی کتاب میں مخصوص فرقے کے خیالی کرداروں کا ذکر نہ ہونا چاہیے۔ ہاں مختلف فرقوں کے تہواروں اور رسوم کا تذکرہ قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اس نقطۂ نظر سے "عدم توازن" قابلِ اعتراض ہے۔ قومی کونسل نے مندرجہ ذیل پانچ باتوں کو قابلِ اعتراض اور قومی یک جہتی کے منافی قرار دے کر درسی کتابوں کو ان سے پاک کرنے کی ہدایت کی ہے:

(۱) فرقہ پرستی (Communalism)

(۲) ذات پات اور چھوت چھات (Casteism and Untouchability)

(۳) علاقہ پرستی اور لسانی عصبیت (Regionalism and Linguism)

(۴) نسل پرستی یا اونچ نیچ (Racialism)

(۵) ضعیف الاعتقادی یا اوہام پرستی اور ظلمت پسندی (Superstition and Obscurantism)

ان اصولوں کی روشنی میں مرتبین کتاب کو نثر و نظم کا انتخاب نہایت محتاط انداز میں کرنا چاہیے تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں اکثر ریاستوں کی لسانی درسی کتابوں میں مندرجہ

؎ Instructions for evaluating Language text books.

بالا ہدایات پر عمل نہیں کیا گیا ہے۔

معیارِ اصول: قومی کونسل نے جو معیارِ اصول (Criteria) مقرر کیے ہیں، ان کی وضاحت بھی کر دی ہے تاکہ من مانی تشریح کی گنجائش نہ رہے۔ اس موقع پر ہدایت نامے کے چند اقتباسات دینا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ تعلیم و تدریس سے وابستہ حضرات ان کی روشنی میں اپنے اپنے علاقے کی درسی کتابوں کا جائزہ لے کر قومی یک جہتی کے منافی قابلِ اعتراض مواد کی نشان دہی کر کے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو متوجہ کرا سکیں۔

(۱) فرقہ پرستی سے متعلق وضاحتی اقتباس اس سے پہلے دیا جا چکا ہے۔

(۲) قومی کونسل نے "ذات پات اور چھوت چھات" کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ پیدائشی اعتبار سے انسانوں کے درمیان اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز و تفریق کرنا اور بعض کو اچھوت قرار دینا سراسر غیر انسانی فعل ہے۔ اس کی وجہ سے ایک خاص گروہ "قومی دھارے" سے کٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے قومی یک جہتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس قسم کی تفریق برتنا اب قابلِ تعزیر جرم ہے:

"Therefore, glorifying or condemning reference to the caste status of an individual or group of people should be considered undesirable in a text."

ہدایت نامہ

یعنی درسی کتاب میں کسی ایسی بات کی طرف اشارہ تک نہ ہونا چاہیے جس سے کسی فرد یا گروہ کی ذات کے اعلیٰ و ادنیٰ ہونے کی بنا پر تحقیر و ستائش کی گئی ہو۔

(۳) کونسل نے تیسرے اصول "علاقہ پرستی اور لسانی عصبیت" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے جو رنگا رنگ کلچر اور مختلف بولیوں کا گہوارہ ہے۔ مختلف علاقوں کی زبان، کلچر، روایات و رسوم وغیرہ

ہونے کے باوجود ان میں کئی باتیں مشترک ہیں، اس لیے ہندوستان کا کلچر ایک مشترکہ کلچر ہے۔ یہ کسی خاص فرقے اور مذہب یا کسی خاص علاقے کا کلچر نہیں ہے۔ یہاں مختلف تہذیبوں اور علاقوں کے درمیان لین دین ہوا ہے۔ اس لیے ایک مشترکہ کلچر وجود میں آیا جو ہمارے ملک کی امتیازی شان ہے۔ یہی مشترکہ کلچر "کثرت میں وحدت" کا سماں پیش کرتا ہے اس لیے اس امتیازی خوبی کو زیادہ سے زیادہ اُبھارنا چاہیے۔ اس کے برخلاف:

" Any reference to exclusiveness of a particular regional culture or lang. uage, or over glorification of a particular culture and language by derogating the other should be treated as objectionable material in a textbook."

یعنی درسی کتاب میں کسی مخصوص علاقے، زبان اور کلچر کی مبالغہ آمیز ثناخوانی اور دوسروں کی تحقیر و تذلیل نہایت غیر مستحسن اور قابلِ اعتراض تصور کی جائے گی۔

(۴) قومی کونسل نے نسلی بنیاد پر انسانوں کے درمیان تفریق و تقسیم کو قابلِ اعتراض گردانتے ہوئے کسی خاص نسل کی خوب صورتی یا بدصورتی اور اس کی نسلی خصوصیات کا تذکرہ بھی قومی یک جہتی کے منافی قرار دیا ہے:

" Any description which divides humanity into superior or inferior races, must be discarded. In the same category are descriptions which

associate beauty or ugliness and repulsiveness with a particular race and present racial purity as a virtue. Such descriptions and references should be eliminated.

(۵) قومی کونسل نے ایسے مواد کو بھی درسی کتابوں سے خارج کرنے کی ہدایت کی ہے جو اوہام پرستی اور ظلمت پرستی کو فروغ دے۔ اس کی بجائے ایسے مواد کتابوں میں ہو جو عقلیت پسندی (*Rationalism*)، سیکولر اور سائنسی طرزِ فکر کو بڑھاوا دے۔

"In fact the habit to accept age old beliefs and superstitions without questioning them perpetuates attitudes undesirable for national integration. Therefore, any material that tends to promote obscurantism and superstition should be eliminated from our school text books."

/ درسی کتابوں میں جس طرح متعصبانہ، فرقہ دارانہ اور منافرت انگیز مواد سے قومی یک جہتی کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، اُسی طرح ایسے واقعات اور ایسی شخصیتوں کے تذکرے جن سے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ میں مدد مل سکتی ہے انہیں چھوڑ دینا بھی قومی یک جہتی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے چنانچہ قومی کونسل نے ایسے فروگزاشتوں کو بھی قابلِ اعتراض گردانا ہے:

"Inclusion of prejudicial material is one factor which comes into the way of national integration. Omission of material which could have been conducive to national integration can be another factor leading to similar results...... The process of intermingling and developing friendly relationship among members of different communities, casts and regions etc. has been going on since time immemorial. Omission of this fact is objectionable."

یعنی ہماری تاریخ میں مذہبی رواداری کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مختلف فرقوں، ذاتوں اور علاقوں کے لوگوں کے درمیان دوستانہ روابط اور اخوت و بھائی چارگی کا یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ درسی کتابوں میں ایسے واقعات اور شخصیتوں کا تذکرہ نہ کرنا ایسی فروگزاشت ہے جو قومی یک جہتی کے نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض ہے۔

قومی کونسل نے واقعات کے بیان، محاورات اور کہاوتوں کے استعمال میں بھی محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے کیوں کہ یہ کسی زبان کے بولنے والوں کے ادب اور کلچر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی نسلی، طبقاتی اور ذاتی تعصبات نیز توہمات کی بھی جھلک ان میں دکھائی دیتی ہے۔ کم عمر کے بچوں کی درسی کتابوں میں الفاظ، محاورے اور کہاوتوں کے انتخاب میں کافی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اس عمر کے بچوں میں اچھے اور برے کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس لیے قومی کونسل نے

ملیچھ (मलेच्छ)، یَوَنْ (यवन) جن سے مُراد 'مسلمان' جوکہ باہر سے یہاں آئے، جیسے الفاظ کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح لفظ 'کافر' کے استعمال کو بھی قومی یک جہتی کے منافی قرار دیا ہے۔ کونسل نے 'ہدایت نامے' میں تحریر کیا ہے کہ:

" Use of these words for particular communities in the textbooks of lower classes certainly work against the promotion of the feeling of national integration and should be eliminated."

کسی ذات یا فرقے کے خلاف تحقیر آمیز بیان یا کسی تحقیر آمیز صفت کا جوڑنا بھی قابلِ اعتراض ہے۔ اس ضمن میں قومی کونسل نے مندرجہ ذیل مثالیں دی ہیں:

رامائن کے مصنف تلسی کے اس شعر کو:

ढोल गंवार शुद्र पशु नारी
सकल ताडना के अधिकारी

اور کسی کے بارے میں یہ کہنا کہ: "چمار کہیں کا!" یا یہ بیان کہ "رحیم کا باپ مسلمان ہوتے ہوئے بھی دیش بھکت تھا" قابلِ اعتراض اور قومی یک جہتی کے منافی ہے۔

" Use of derograting remarks and adjectives for a particular community based on age old beliefs need to be eliminated from the school text books."

مہاراشٹر کی نصابی کتابوں پر ایک نظر:

NCERT کی ہدایات کی روشنی میں جب ہم نصابی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ ان ہدایتوں پر یا تو بہت کم عمل کیا گیا یا انہیں قابلِ اعتنا نہ سمجھا گیا۔ ان ہدایتوں کی باوجود آج بھی نصابی کتابوں میں قابلِ اعتراض اور قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے منافی مواد موجود ہے۔ یہاں ہم ریاستِ مہاراشٹر کی پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں میں رائج نصابی کتابوں سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۱) ہندی کی نصابی کتابیں:

ریاست کی پرائمری اسکولوں کے لیے مہاراشٹر اسٹیٹ بیورو آف ٹیکسٹ بکس پروڈکشن اینڈ ریسرچ پونا نے جو "ادارۂ بال بھارتی" کے نام سے مشہور ہے، پہلی تا ساتویں جماعت کی لسانی اور غیر لسانی مضامین کی درسی کتابیں ترتیب دے کر انہیں شائع کیا ہے۔ اس وقت میرے سامنے پانچویں تا ساتویں کی "ہندی بھاشا" کی درسی کتابیں ہیں۔ چوں کہ ریاستِ مہاراشٹر میں "درسیات" کو قومیا لیا گیا ہے، اس لیے اب تمام درسی کتابیں حکومت کے ماتحت ادارے ہی شائع کرتے ہیں اور وہی لازمی طور پر تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ادارہ بال بھارتی نہ صرف کتابیں تیار کرتا ہے بلکہ انہیں چھاپ کر فروخت بھی کرتا ہے۔ ریاستِ مہاراشٹر میں رہنے والے تمام باشندوں کو چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ، عیسائی، جین اور بودھ سبھی کے لیے ان درسی کتابوں کا پڑھنا لازمی ہے۔ چنانچہ ان درسی کتابوں کو مرتب کرتے وقت مختلف مذاہب کا احترام ضروری تھا۔ اور قومی کونسل برائے تعلیم وتحقیق وتربیت نے جو ہدایات دی تھیں، ان پر عمل کرنے کی سخت ضرورت تھی لیکن جب ان ہندی درسی کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک مخصوص فرقے کے لوگوں، اس کے کلچر، اس کے

مذہبی اور دیومالائی کرداروں اور بادشاہوں کا زیادہ ذکر ہے۔ بہ مشکل دو تین اسباق میں مسلمان یا عیسائی کردار ملتے ہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

پانچویں جماعت کی کتاب "سُلبھ ہندی بھاشا"[1] کے پہلے ہی سبق میں 'نمستے کرنے، بھجن کرنے اور گانا گانے' کی تعلیم دی گئی ہے۔ پھر تصویر کے ذریعے اس ہندوانہ کلچر کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

سبق نمبر ۲۵ میں ایلیفنٹا کے غاروں کی سیر کرائی گئی ہے۔ ان غاروں میں ایک شیومندر بھی ہے جس میں ہندوؤں کے دیوتا برہما، وشنو اور مہیش کی ایک عظیم الشان تریمورتی ہے۔ اس کی تصویر بھی دی گئی ہے۔ یہ معلومات بھی دی گئی ہے کہ شیولنگ (اگر کوئی بچہ سوال کر بیٹھے کہ "لنگ" کیا ہوتا ہے تو شاید مرتبین کتاب بھی بتاتے ہوئے شرمائیں گے) قریب دو میٹر اونچا ہے۔ پھر ' اردھ ناریشور'، شیو پاروتی اور نٹ راج کی مورتیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ غرض ہندوستانی کلچر اور بھارتیہ سنسکرتی کے نام پر ہندو دیوی دیوتاؤں کے ناموں کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ مشقی سوالات میں بھی ان دیوی دیوتاؤں پر سوالات کر کے طلبہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۷ ویں سبق میں مدراس میں منائے جاتے والے ہندوؤں کے ایک تہوار "پونگل" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اس موقع پر سورج دیوتا، ہوا دیوتا اور سمندر دیوتا کی پوجا کی جاتی ہے اور چاول کی کھیر ان دیوتاؤں کی بھینٹ کی جاتی ہے۔ تیسرے دن گائے، بیل، بھینس وغیرہ جانوروں کی پوجا کی جاتی ہے۔ سبق میں جانوروں کی پوجا کی تصویر بھی دی گئی ہے۔

---

[1] یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ اس کا گیارہواں ایڈیشن ہے جو ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب ان طلبہ کے لیے ہے جن کی مادری زبان ہندی نہیں ہے۔

۳۲ واں سبق ایک نظم ہے جس کا عنوان "کرشن اور گوپی" ہے۔ اس نظم میں ایک گوپی، یشودھا سے شکایت کرتی ہے اور پھر کرشن اس کا جواب دیتا ہے۔ کرشن، یشودھا اور گوپیوں کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔

کتاب میں سوائے دو اسباق کے تمام کے کردار ایک مخصوص فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جیسے ابھے، شرد، اوما، سشما، رگھوناتھ، ایکناتھ، اکشے، شماناتھ، شرن، یگنیہ دیو، گیان دیو، موہن، سوہن، مینا، شنکر، جینتی لال، جانکی، آنند، بھارتی بائی، راجیشور، بھولا، واسودیو وغیرہ۔

کتاب میں ایشور ودیا ساگر کی رحمدلی، چتوڑ کی رانی کی بہادری، باپوجی کی ہریجنوں سے ہمدردی، بھارتی بائی کی گوا کی آزادی کے لیے شہادت اور گنوار ملاح کی عقل مندی کے قصے ہیں۔ دوسرے فرقے کے کارہائے نمایاں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ دوسرے فرقے کے تہواروں اور عظیم قومی شخصیتوں کا ذکر تک نہیں ہے۔ سبق نمبر۲ کا عنوان "عید" ضرور ہے مگر اس میں "پونگل تہوار" کی طرح "عید" کی حقیقت بیان نہیں کی گئی ہے، بس یونہی عید کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ذرا آپ بھی ملاحظہ کیجیے کہ عید کے بارے میں کیا کہا گیا ہے:

"سعیدہ گھر آئی۔ سعیدہ کے ساتھ رتن آئی۔
سعیدہ کا بھائی حمید آیا، رتن کا بھائی نتن بھی آیا۔
سعیدہ، رتن کی سکھی (سہیلی) بنی۔ نتن، حمید کا ساتھی بنا۔
رتن، سعیدہ، نتن، حمید۔
سپھل (کامیاب) رہی اب ان کی عید۔" (ص۴)

اس سے طلبہ کو عید کے بارے میں کیا معلومات ملی ـــ کچھ بھی نہیں۔

اس میں ایک سبق "شیخ چلی" (۳۰ واں) بھی ہے جس میں اس کی احمقانہ حرکتوں کا ذکر ہے۔

(۲) چھٹی جماعت کی کتاب کا نام ہندی بھاشا ہے۔ اس کے پہلے ہی سبق میں جو تصویر دی گئی ہے وہ ہندو مذہب کے عین مطابق ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ دو چھوٹے بچے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے دیوتا کی مورتی کے سامنے بیٹھے پرارتھنا کر رہے ہیں۔

سبق نمبر ۷ "ناریل کے پیڑ" کے بارے میں ہے لیکن اس میں ابتدا میں بتایا گیا ہے کہ جب پروہت بھگوان کی جگہ پر ناریل رکھ دیتا ہے تو رامو کو تعجب ہوتا ہے کہ آج تک پوجا میں ایسا نہیں ہوا۔ وہ اپنے پتاجی سے دریافت کرتا ہے کہ ناریل کو "بھگوان" کا درجہ کیوں دیا جاتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ناریل اور اس کے پیڑ کے بہت سے فائدے گنانے کے بعد آخر میں کہا گیا کہ ــــ "اس لیے ہمارے پرکھوں نے اسے بھگوان کا درجہ دیا ہوگا۔"

نویں سبق میں مارواڑ کے راجہ درگا داس راٹھور کے بچپن کے بہادرانہ کارنامے کا ذکر ہے۔

گیارہویں سبق میں کنیا کماری کی سیر کرائی گئی ہے۔ کنیا کماری کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ راجہ بھرت کو آٹھ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ بھرت کے نام پر ہی ہمارے ملک کو بھارت کہا جاتا ہے۔ جب راجہ بھرت نے سنیاس لے لیا تو اپنی سلطنت کو نو علاقوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کو ایک ایک علاقہ دے دیا۔ ملک کا جنوبی علاقہ ان کی بیٹی "کماری" کے حصے میں آیا تب سے اس کا نام "کنیا کماری" ہوا۔ پھر اس سبق میں مندروں اور مورتیوں کی خوب صورتی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں پارسی لیڈی کاما اور ہومی بھابھا، سائنس کے جادوگر ایڈیسن،

لہ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ اس کا ۱۹۸۷ء کا جدید ایڈیشن ہے۔

چوڑی والے بابا اور ڈاکٹر ذاکر حسین پر بھی مضامین ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سابقہ درسی کتاب کے مقابلے میں اس میں دوسرے فرقوں کو نمائندگی دی گئی ہے مگر زیادہ تر اسباق میں ایک خاص فرقے کے کردار مذہبی عقائد و روایات اور کلچر کا ذکر ہے۔

(۳) ساتویں جماعت کی ہندی بھاشا:[لہ]

اس کتاب کے سبق نمبر ۱۶ میں تُلسی داس جی کو رام سے کتنی محبت تھی، اُسے ڈرامے کی صورت میں دکھایا گیا ہے۔

صفحہ نمبر ۲۷ پر چکر (चक्र) کے عنوان سے ایک نظم دی گئی ہے۔ اس نظم میں "چکر" کی خدمت و عظمت کے گُن گائے گئے ہیں۔ تصویر میں شری کرشن کو دکھایا گیا ہے جن کے ہاتھ میں "سُدرشن چکر" ہے۔ گیارہ اشعار پر مشتمل اس نظم میں صرف ایک شعر میں شری کرشن کے سُدرشن چکر کا ذکر ہے، لیکن آرٹسٹ نے اسی بات کو زیادہ نمایاں انداز میں پیش کیا ہے۔

۲۵ واں سبق "رام لیلا" پر ہے۔ یہ تہوار شمالی بھارت میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس دن رام چندر جی نے راون پر فتح حاصل کی تھی۔ اس سبق میں "رام لیلا" کے تہوار کو اتحاد اور قومیت کی علامت بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کے دیکھنے سے دشمنوں پر فتح پانے کی تحریک ملتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بھائی بھائی، باپ بیٹے، شوہر بیوی اور آقا و غلام کے تعلقات کیسے ہونا چاہیے۔ سبق کے ذیل میں جو مشق دی گئی ہے اس میں پوچھا گیا ہے کہ "رام چندر کی زندگی کا کون سا واقعہ تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے؟ کیوں؟ دس سطروں میں لکھیے۔"

سبق نمبر ۲۷ میں ہندوؤں کے متبرک مقام "پنڈھر پور" (مہاراشٹر) کے مہان

لہ مطبوعہ ایڈیشن ۱۹۸۲ء یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

شیو بھکت " نرہری سونار " کی داستان بیان کی گئی ہے ۔ اس کہانی میں بتایا گیا ہے کہ نرہری سونار ، شیو شنکر کا کٹر عقیدت مند تھا ۔ شیو کے سوا کسی اور کو نہ مانتا تھا ۔ تمام دیوتا ایک ہی بھگوان کے مختلف روپ ہوتے ہیں یہ بات اسے تسلیم نہ تھی ۔ ایک دن دولت آباد سے ایک ساہوکار ، وٹھل ، (پنڈھر پور کے مشہور مندر کا دیوتا) کی منت پوری کرنے پنڈھر پور آیا اس نے نرہری سونار سے کہا کہ وہ وٹھل وٹھوبا کی مورتی پر چڑھانے کے لیے ایک خوب صورت زیور بنا دے ۔ ساہوکار نے اس سے وٹھوبا کی کمر ناپ لینے کے لیے مندر چلنے کو کہا مگر نرہری سونار نے وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا کیوں کہ وہ شیو شنکر کے سوا کسی دوسرے دیوتا کو نہیں مانتا تھا ۔ آخر ساہوکار نے مندر جا کر ناپ لایا ۔ سونار نے خوب صورت زیور تیار کر دیا ۔ جب ساہوکار نے اسے پہنایا تو وہ بہت ڈھیلا لگا ۔ اسے سونار کے پاس لا کر چھوٹا کرایا ۔ پھر ساہوکار مندر گیا لیکن وہ اور زیادہ چھوٹا ہو گیا ۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ پہلے ڈھیلا اور اب کمر میں آتا ہی نہیں ۔ اس نے نرہری سونار سے مندر چلنے کی منت سماجت کی ۔ مجبوراً وہ چلنے پر راضی ہوا لیکن آنکھ پر پٹی باندھے ہوئے ۔ جب اس نے وٹھوبا کی کمر کو ٹٹولا تو اسے وہ شیو شنکر کی مورتی لگی ۔ آنکھوں سے پٹی ہٹا کر دیکھا تو وہ وٹھوبا کی مورتی تھی ۔ اس نے پھر آنکھوں پر پٹی باندھ لی ۔ اب پھر ٹٹولا تو وہی شیو کی مورتی کا احساس ہوا ۔ اسی وقت اس کے کانوں میں وِٹھل کی آواز آئی :

" ارے شیو جی اور میں ایک ہی ہیں ۔ اب آئندہ تو دیوتاؤں کے درمیان تفریق نہ کرنا ۔ "

نرہری کو بے حد افسوس ہوا ۔ اس نے وٹھل کا نام لے کر زیور پہنایا تو وہ برابر بیٹھ گیا ۔ "

اس سبق میں دو مقامات پر " وٹھل " کی مورتیوں کی تصاویر ہیں ۔

ندیوں کے بیان میں بھی ہندو دیو مالا کی جھلک ملتی ہے ۔ سبق نمبر ۲۸ میں گنگا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ " گنگا میا (ماں) کا مقدس پانی جس جگہ سے سب سے

پہلے نکلتا ہے اس مقام کا نام گوشکھ ہے ..... ہم لوگ اس مقدس زمین .....

ابتدائی درجات کی ان ہندی درسیات میں ہندو مذہب، ہندو روایات، مشرکانہ عقائد، دیومالائی تصورات کو نہایت خوش نما شکل میں ظاہر کیا گیا ہے اور اس انداز سے ان کا ذکر کیا گیا ہے گویا ان کے پڑھنے والے یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ گنگا کو پوِتر ماننا ہندوؤں کا عقیدہ ہے لیکن اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے جیسے وہ ہر ہندوستانی کا عقیدہ ہے۔

ان کتابوں میں دوسرے فرقوں کے عقائد، مذہبی شخصیتوں، تاریخی کرداروں اخلاقی و سبق آموز واقعات اور تہواروں کو بہت کم (بلکہ نہ ہونے کے برابر) جگہ دی گئی ہے۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں جن مسلمانوں نے عظیم قربانیاں دیں یا مسلم بادشاہوں کی رواداری کے جو واقعات تواریخ میں محفوظ ہیں انہیں کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے — یہ "فروگزاشت" جو کہ قصداً اور شعوری طور پر کی گئی ہے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہے۔ میں نے اسے "شعوری" اس لیے کہا ہے کہ مذکورہ کتابوں کو شائع ہوئے ۱۶ برس کا عرصہ ہو چکا ہے، NCERT کی ہدایتوں کے باوجود اب تک ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ NCERT نے کتاب کی اشاعت سے پہلے واضح طور پر یہ ہدایت کی تھی کہ درسی کتاب میں کسی خاص فرقے، مذہب اور کلچر کا زیادہ تذکرہ نہ ہونا چاہیے۔ مبصرین کتاب سے کہا گیا تھا کہ وہ ایسے مواد کی نشان دہی کریں:

"Mention if the passages chosen and the descriptions in the book as a whole are specifically related to the life, culture and practices of a community or one religion only. For example the names of the imaginary characters are chosen from one community alone. But

it should not be inferred that festivals, customs, names etc. pertaining to each and every community should invariably find a place in a text book. The general approach to be followed in a text book should be to represent people and their social environment as they exist in real life situations. Any imbalance in the book from this point of view should be considered objectionable."

(Instructions for evaluating Language Text books from the standpoint of National Integration page 4)

ثانوی درجات کی ہندی کتابیں :

آٹھویں تا دسویں ثانوی درجات کی ہندی نصابی کتابیں مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری اینڈ ہائر سیکنڈری ایجوکیشن نے شائع کی ہے۔ بورڈ نے دو قسم کی کتابیں شائع کی ہے :

(۱) کمار بھارتی ہندی، ان طلبہ کے لیے جن کی مادری زبان ہندی ہے، اور
(۲) ہندی گدیہ پدیہ سنگرہ (हिन्दी गद्य पद्य संग्रह) ان طلبہ کے لیے جن کی مادری زبان ہندی نہیں ہے اور جو مشترکہ کورس (Composite Course) کی حیثیت سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ مہاراشٹر کی اکثر اردو میڈیم ہائی اسکولوں

میں یہی کتاب رائج ہے۔ یہاں ہم اسی کتاب کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

ثانوی درجات کی ہندی درسیات میں کسی مخصوص فرقے، اس کے مذہب، مذہبی شخصیتوں، دیوی دیوتاؤں، مشرکانہ عقائد و روایات اور دیو مالائی تصورات کا ذکر نہیں ہے۔ ان کتابوں میں ہندی لٹریچر سے منتخبہ سبق آموز کہانیاں، مزاحیہ مضامین، ایڈونچر، مجاہدین آزادی، نامور کھلاڑی، سفرنامے وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن آٹھویں تا دسویں جماعتوں کی تینوں درسی کتابوں میں راجپوتوں کی بہادری کی کہانیاں ہیں جو ڈرامے کی شکل میں پیش کی گئی ہیں۔ ان ڈراموں میں راجپوتوں کا مقابلہ مسلمانوں سے دکھا کر راجپوتوں کی ویرتا اور ان کی بہادری اور ان کی حب الوطنی کو سراہا گیا ہے مسلمانوں کے بارے میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ وہ غیر ملکی حملہ آور تھے، ظالم و جابر تھے، لوٹ مار کرتے تھے، دولت کے لالچی تھے۔ جب طلبہ ان کہانیوں کو پڑھیں گے تو یقیناً ان کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوں گے۔

ان میں سے دو ڈرامے — (۱) "دودھا کا بلیدان" (آٹھویں جماعت ص ۷۱) اور (۲) "یہ دھول رنگ لائے گی" (نویں جماعت ص ۴۲)۔ کیشو پرساد سنگھ کے تحریر کردہ ہیں جن کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اور ان کے اکثر تاریخی ڈرامے تخیل کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

آٹھویں جماعت[1] کی کمپوزٹ ہندی کی درسی کتاب میں سبق نمبر ۴:
"دودھا کا بلیدان" میں بتایا گیا ہے کہ ہلدی گھاٹ میں مغلوں سے شکست کھانے کے بعد مہارانا پرتاپ اور ان کا خاندان جنگل میں پناہ گزیں ہے جہاں انہیں روٹی تک میسر نہیں۔ بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ مہارانا پرتاپ اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہے ہیں۔ اس عالم

---

[1] پہلا ایڈیشن ۱۹۸۲ء

بے بسی میں ، وہ نامی بھیل بالک مغلوں کے ہاتھوں زخمی ہونے کے باوجود روٹیوں کا تحفظ کرتا ہے اور مر جاتا ہے۔

سبق میں بتایا گیا ہے کہ ننھے بالک کی اپنے مادرِ وطن کے تحفظ کے لیے دی گئی یہ عظیم الشان قربانی صدیوں تک لوگوں کو گرماتی رہے گی۔ یہ قربانی امر ہے اس لیے اس کے سامنے سب کو سر جھکانا چاہیے۔

اس سبق کے پڑھنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مغل (یعنی مسلمان) ظالم، جابر اور بے رحم تھے۔ انہوں نے ایک معصوم بچے کو بھی اپنے ظلم کا نشانہ بنانے میں پس و پیش نہ کیا۔ اس سے مغلوں کی بے رحمی اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے۔

نویں جماعت کی درسی کتاب میں ڈراما "یہ دھول رنگ لائے گی" میں مہارانا پرتاپ کی غیرت، حمیت اور خودداری کو دکھایا گیا ہے اور مغل بادشاہ اکبر کے سپہ سالار مان سنگھ اور جودھا بائی کی تذلیل و اہانت کی گئی ہے اور ان کی حمیت کو للکارا گیا ہے۔ مرتبینِ کتاب کے مطابق :

"اس ڈرامے میں راجپوتوں کی آن اور دلیش بھکتی کی موثر انداز میں تصویر کشی کی گئی ہے۔"[۱]

ہندوستان میں تاریخ کے ساتھ بڑا مذاق ہو رہا ہے کہ ہر کوئی من مانے طریقے سے تاریخی واقعات کو مسخ کر رہا ہے۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مغلوں میں سب سے اچھا کوئی بادشاہ تھا تو وہ اکبر تھا۔ اکبر کو سیکولرزم کا بانی بتایا جاتا ہے۔ اس کے راجپوتوں اور ہندوؤں سے خوش گوار تعلقات کی تعریف کی جاتی ہے۔ اسے تمام بادشاہوں میں سب سے زیادہ "رواداراور انصاف پسند" بتایا جاتا ہے۔ لیکن مذکورہ ڈرامے میں وہی اکبر

---

[۱] تعارفی نوٹ ص ۲۲

اور اس کی فوج کو غیر ملکی حملہ آور اور ظالم بتایا گیا ہے اور مان سنگھ اور جودھا بائی کو بے غیرت اور وطن کا غدّار دکھایا گیا ہے۔

ڈرامے کے آخر میں دکھایا گیا ہے کہ جب مان سنگھ اپنی بے عزّتی برداشت نہیں کر پاتا ہے تو وہ رانا پرتاپ کو انتقام کی دھمکی دے کر چلا جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد مہارانا پرتاپ حکم دیتا ہے کہ:

"مان سنگھ کے آنے سے یہ جگہ ناپاک ہوگئی ہے، اسے دُھلوادو۔"

دسویں جماعت[1] کی درسی کتاب میں بعنوان "تیمور کی ہار" ایک ڈراما ہے جسے رام کمار ورما نے لکھا ہے۔ یہ ڈراما تیمور کی زندگی کے ایک واقعہ پر مبنی ہے۔ اس ڈرامے میں تیمور لنگ کو لٹیرا اور ظالم بتایا گیا ہے جس سے گاؤں کے تمام ہندو اور مسلمان ڈرتے ہیں۔ جب گاؤں والوں کو پتہ چلتا ہے کہ "تُرک" آرہے ہیں تو وہ گاؤں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔

تیمور جس وقت اس گاؤں میں پہنچتا ہے تو اس کا سامنا ایک ننھے بالک بل کرن سے ہوتا ہے۔ اس کی بے خوفی، نڈرپن، بے باکی اور حوصلے کو دیکھ کر تیمور اپنی ہار مان لیتا ہے۔ اس ڈرامے میں جو مکالمات ہیں وہ مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرتے ہیں۔

ڈرامے کا ایک کردار کلیانی ہے جو بل کرن کی ماں ہے۔ ماں اپنے بیٹے کی سال گرہ کے دن ڈر اور خوف کا گانا گاتی ہے۔ جب بیٹا دریافت کرتا ہے تو اسے بتاتی ہے کہ:

"بہت دن ہوئے غزنی سے محمود غزنوی یہاں آیا تھا اس نے سومناتھ کا مندر توڑا تھا اور بہت سے انسانوں کا قتل کیا

---

[1] ایڈیشن ۱۹۸۴ء

تھا۔ پھر بہت سادھن نے کردہ یہاں سے چلا گیا۔"

اس کے بعد کا جو منظر ہے اس میں دکھایا گیا ہے کہ گاؤں میں بھگدڑ اور بھیانک شور مچ جاتا ہے۔ ہندو گھبرائے ہوئے کہتے ہیں: "ترک آگیا! ترک آگیا!! بھاگو بھاگو.... ترک آگیا۔"

ایک مسلمان، کلیانی سے کہتا ہے "بہن بھاگ چلو۔ جلدی جلدی — وہ تیمور آگیا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے... لوٹتے ہوئے آرہے ہیں وہ لوگ...."

تیسرا ہندو آکر کہتا ہے "بہن کلیانی سب کچھ چھوڑ کر جلدی سے بھاگو، تبھی جان بچے گی.... جنگل میں چھپ جاؤ نہیں تو تہہ خانے میں۔"

اس وقت بل کرن دودھلا نے سُشیان کے گھر گیا ہوا ہوتا ہے۔ کلیانی تہہ خانے میں چھپ جاتی ہے۔ اس وقت تیمور کی فوج کا سردار ظفر اور سپاہی علی بیگ اور مبارک اس گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ ظفر اپنے سپاہی مبارک سے کہتا ہے:

"مبارک! اس وقت آدمیوں کو قتل کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے، ہم تو سونا چاندی لوٹنے آئے ہیں۔"

اس طرح ڈرامے میں تیمور اور اس کے سپاہیوں کو ازحد حریص و لالچی دکھایا گیا ہے۔ تیمور جسے ڈراما نگار نے "غازی تیمور" لکھا ہے، وہ ننھے بل کرن سے تلوار کا دھاک دکھا کر دودھ چھین کر پی لیتا ہے۔ بل کرن چاقو سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کی بے خوفی کو دیکھ کر تیمور اس کی جان بخش دیتا ہے اور اس کے کہنے پر گاؤں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ پھر تیمور کے لنگڑے پن کا مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ کیا ایسے ڈرامے قومی یکجہتی کو فروغ دے سکتے ہیں؟

انگریزی درسی کتب کا جائزہ:

انگریزی جو ایک غیر ملکی زبان ہے اس کی درسی کتابوں میں بھی ایک مخصوص فرقے کے کردار، روایتی کہانیوں اور تاریخی شخصیتوں کا زیادہ تذکرہ ہے۔ درسی اسباق

میں مسلم کردار اور شخصیتوں کا ذکر ملتا ہے۔

انگلش ریڈرز[1] برائے جماعت ہفتم میں خلیفہ ہارون الرشید کے الفاظ پر مبنی کہانی The Barber of Bagdad دو حصّوں میں دی گئی ہے۔ علی بابا اور چالیس چور کی داستان تین حصّوں میں دی گئی ہے۔ بعض اسباق میں یاسمین اور احمد نام کے کردار بھی ملتے ہیں مگر بہ حیثیت مجموعی ان کتابوں میں "توازن" قائم نہیں رکھا گیا ہے۔

چھٹی جماعت[2] کی کتاب میں صفحہ ۵۰ پر "شیواجی" کے عنوان سے ایک سبق ہے۔ اس سبق سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مہاراشٹر مسلمانوں کے عہد حکومت میں غلامی کی حالت میں تھا اور عوام کی حالت بے حد خراب تھی۔ وہ ناخوش تھے۔ شیواجی نے مہاراشٹر کو اغیار کی غلامی سے آزاد کیا۔

"In those days the people in Maharashtra were poor and unhappy. Most of them did not have enough food and clothing. Their ruler, the Sultan of Bijapur, lived far away and did not care for them."

" Shivaji had many enemies. The Moghul Emperor of Delhi and the

---

[1] English Readers Book Three : Std. VII - Reprint: 1987

[2] English Readers Book Two : Std. VI - Reprint: 1987

Sultan of Bijapur were very powerful."

ظاہر ہے ان اقتباسات کے پڑھنے سے طلبہ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکے گی اور وہ بھی مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھنے لگیں گے۔ پھر یہ کہ مسلم عہد حکومت کی غلط تصویر پیش کی گئی ہے۔

شیواجی کی بہادری اور چالاکی کے متعلق ایک واقعہ نویں[1] جماعت کی کتاب کے سبق نمبر ۱۶ The Great Escape (یعنی عظیم فرار) میں دیا گیا ہے۔ اس سبق میں بتایا گیا ہے کہ شیواجی اورنگ زیب کی قید سے کس طرح فرار ہوا؟ سبق میں اورنگ زیب کو دھوکے باز، ظالم اور غیر منصف بتایا گیا ہے اور اس طرح مسلمانوں اور مسلم بادشاہوں کے خلاف بالواسطہ طریقے سے نفرت پیدا کی گئی ہے۔ اس سبق کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

"Shivaji soon realized that Aurangzeb wanted either to kill him secretly or to send him to a remote place in Afghanistan.... First he tried to apeal to Aurangzeb's sense of justice but failed to win his favour."

شیواجی کا تذکرہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ پھر دسویں[2] جماعت کی کتاب میں اس کے کارناموں کو دہرایا گیا۔ سبق نمبر ۵ Shivaji The G eat میں ذرا جذباتی انداز میں شیواجی کی زندگی اور شجاعت کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے:

---

[1] English Reader- Std. IX - Reprint 1987

[2] English Reader- Std. X

"A born revolutionary - Shivaji fought against every kind of aggression and took up arms against cruel rulers."

" He made up his mind to free his land from Mohammad Adil Shah of Bijapur. He fought many battles against the mighty kings of Delhi and Bijapur, unifying his people under the Bhagva Jhenda."

اور جب شیواجی کا جشنِ تاج پوشی منایا گیا تو دربار میں موجود سب لوگوں نے شیواجی مہاراج کی جے کا نعرہ لگاتے ہوئے "گو (گائے) برہمن پرتی پالک" کا نعرہ لگایا۔ اس سبق میں پہلی بار شیواجی کی رواداری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ:

"شیواجی نے سب کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ اسے کسی عقیدے سے نفرت نہیں تھی۔ اس نے رائے گڑھ میں اپنے محل کے مقابل ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ وہ رام داس اور بابا یاقوت کو اپنا روحانی گرو مانتا تھا۔ ملّا حیدر اس کا پرائیویٹ سیکریٹری اور ابراہیم خان اور دولت خاں اس کی فوج کے کمانڈر تھے۔"

پہلی بار شیواجی کی زندگی کے اس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اسے سابقہ جماعتوں کی درسی کتابوں نیز تاریخ کی کتابوں میں اور نمایاں کر کے پیش کیا جاتا، تو ریاستِ مہاراشٹر میں ہندو مسلم تعلقات کو مزید خوش گوار بنانے میں مدد ملتی اور اس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کو فروغ حاصل ہوتا۔

غرض انگریزی کی درسی کتابوں میں بھی ایک مخصوص فرقے کے افراد، ان

کی تہذیب اور ان کی تاریخ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ان کتابوں میں غیر ملکی لٹریچر اور تہذیب کو بھی بڑی حد تک نمائندگی دی گئی ہے جب کہ اُن کے کردار اور ماحول طلبہ کے لیے اجنبی ہیں۔ قومی کونسل نے اس قسم کے موادِ سبق کو قومی یک جہتی کے نقطۂ نظر سے قابلِ اعتراض گردانا ہے:

However, Textbooks and Supplementary books in English language used in Indian school should as far as possible reflect the Indian Culture, the names of local characters, places, flora and fauna of India should generally be used in lessons included in English language textbooks ...... The material which alienates the students from our own culture and way of life should be considered objectionable. The same should be applicable for selections of literary works." [۱]

زبان کی درسی کتابوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ یہ کتابیں ایک مخصوص فرقے کے طلبہ کو پیشِ نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہیں۔ بالخصوص ابتدائی

---

[۱] Instructions for evaluating Language textbooks ..... page 14.

درجات کی کتابیں تو اکثریتی فرقے کے خیالات، دیومالائی تصورات اور مذہبی عقائد کی ترجمان نظر آتی ہیں۔ مرتبین نے یہ نہیں سوچا کہ ان کتابوں کے پڑھنے والے ایک فرقے کے نہیں بلکہ تمام فرقوں کے طلبہ ہوتے ہیں۔

تاریخ کی نصابی کتابوں کا جائزہ

تاریخ ایک ایسا مضمون ہے جس کی اہمیت و افادیت سے کوئی عالم و مفکر انکار نہیں کر سکتا۔ اس مضمون میں ایسی زبردست قوت پنہاں ہے کہ اس کے ذریعے دلوں کو توڑا بھی جا سکتا ہے اور جوڑا بھی۔ تاریخ ماضی کے واقعات و تجربات کا آئینہ پیش کر کے انسانوں کو ان کے حال اور مستقبل کو بہتر اور روشن بنانے میں مدد کرتی ہے۔ اسلاف کے کارنامے سنا کر طلبہ میں حب الوطنی کے جذبات کو ابھار سکتی ہے۔ تاریخ انسانوں کو دانش مند بناتی ہے۔ اسے امن کی اہمیت اور جنگ کی تباہیوں سے واقف کراتی ہے۔ اس میں اعلیٰ و ارفع مقاصد کے لیے جذبۂ ایثار و قربانی پیدا کرتی ہے۔ تاریخ کی مدد سے طلبہ میں انسانوں سے محبت، ہمدردی، رواداری اور وسیع النظری پیدا کی جا سکتی ہے۔

یہ امر نہایت افسوس ناک ہے کہ ہمارے ملک میں تاریخ سے تعمیر کی بجائے تخریب کا، دلوں کو جوڑنے کی بجائے توڑنے کا، مختلف فرقوں اور قوموں میں باہمی محبت و دوستی کی بجائے نفرت و دشمنی کا کام لیا جا رہا ہے۔ کسی بھی ریاست کی تاریخ کی درسی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجیے، اس میں آپ کو دل آزار باتیں، ہندو مسلم آویزش، مسلم بادشاہوں کی کردار کشی، مسلمانوں سے نفرت کے واقعات اور بیانات ملیں گے۔ انگریزوں کے چلے جانے کے باوجود تاریخ کو تفریقی سیاست کا آلۂ کار بنانا ختم نہیں ہوا ہے۔ بقول سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم:

"آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ اس دورِ آزادی میں تاریخ کو تفریقی

سیاست کا آلۂ کار بنانا ختم ہو چکا ہے۔ صدیوں کے روگ برسوں میں دور نہیں ہوتے..... آج بھی یہ رجحان باقی ہے اور خاصا قوی ہے۔ آج بھی یہ دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم تہذیبوں میں کبھی میل نہیں ہوا، ہمیشہ ٹکر ہوتی رہی اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی جب تک ایک تہذیب دوسری تہذیب میں ضم نہ ہو جائے۔" [1]

ملک میں فرقہ وارانہ منافرت، علاقہ پرستی، لسانی اور نسلی عصبیت کو بڑھانے میں تاریخ کی نصابی کتابیں اہم اور موثر رول ادا کر رہی ہیں۔ اگر قومی یکجہتی کے منافی مواد کو نصابی کتابوں سے جلد از جلد خارج نہ کیا گیا تو یہی تاریخ کی نصابی کتابیں ملک کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

تاریخ کی کتابوں کا بنظر غائر جائزہ لینے پر یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ملک ہے۔ ان کی تاریخ قومی تاریخ ہے، ان کے بادشاہ ہی سچے دلیش بھکت اور محب وطن ہیں۔ ان کی یادگاریں قومی یادگاریں ہیں، ان کے آرٹ، ان کے فنون، ان کی تعمیرات ہندوستانی کہلانے کی مستحق ہیں، باقی جو بھی ہیں وہ غیر ملکی حملہ آور ہیں، باہر سے آئے ہیں، اس لیے وہ ہندوستان کے سچے محب وطن نہیں ہو سکتے۔ ان کی زبان غیر ملکی ہے، ان کا کلچر غیر ملکی ہے۔ انہوں نے جتنے عرصے تک یہاں حکومت کی وہ عہد غلامی تھا اور جنہوں نے اس غلامی سے ملک کو آزاد کرانے کی کوشش کی وہی سچے دلیش بھکت ہیں۔

بقول نامور ماہر تعلیم ڈاکٹر سلامت اللہ:

"..... عام طور پر ان درسی کتابوں میں ایسے اسباق

---

[1] خطبۂ صدارت دارالمصنفین جشن طلائی۔ بحوالہ یوگ بھارتی (میلاد ہوپیں جماعت)

پائے جاتے ہیں۔ ۔ کا مدعا یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے وقت سے ۱۹۴۷ء تک غیر ملکی حکمرانی رہی اور اس وقت تک ہندوستان ایک غلام ملک تھا۔ اس سے بھی بدتر چیز یہ ہے کہ بعض مثالوں میں موادِ سبق اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اس سے بعض فرقوں کے خلاف نفرت، شک وشبہ، دشمنی حتیٰ کہ انتقام جیسے گھٹیا جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں۔" لہ

مہاراشٹر میں مروجہ تاریخ کی درسیات پر ایک نظر:

آں جہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے علاقائی زبانوں کے فروغ اور اُن علاقوں کی ہمہ جہتی ترقی کے خیال سے لسانی بنیاد پر ریاستوں کی از سرِ نو تنظیم کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔ ۱۹۵۶ء میں اس کمیشن کی سفارشات کی بنیاد پر موجودہ ریاستیں وجود میں آئیں۔ اس وقت پنڈت جی کو اندازہ نہ تھا کہ آگے چل کر ان ریاستوں میں علاقہ پرستی اور لسانی عصبیت اتنی طاقت حاصل کر لے گی کہ قومی اتحاد و یک جہتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ لیکن کمیشن نے صاف اور واضح الفاظ میں اس خطرے کی طرف اشارہ کر دیا تھا کیونکہ اس نے اسکولوں میں رائج درسی کتابوں میں شامل اسباق کو دیکھ کر اس خطرے کو بھانپ لیا تھا۔ کمیشن نے تحریر کیا تھا کہ:

> "…. بعض ریاستوں کے مدارس میں ایسے گیت نصابی کتابوں میں شامل کر دیے گئے ہیں جن میں علاقائی تصور کی ثنا خوانی کی گئی ہے۔ ادنیٰ جماعتوں میں تاریخ کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان سے اس نمایاں رجحان کا انکشاف ہوا ہے کہ غالب لسانی جماعتوں

لہ تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر۔ ص ۱۷۸

کی گزشتہ کامرانیوں کا ذکر مبالغہ آمیزی کے ساتھ کیا جائے۔" [1]

مہاراشٹر بھی ایک جدید ریاست ہے جو لسانی بنیاد پر ۱۹۶۰ء میں وجود میں آئی۔ ریاستِ مہاراشٹر کی اپنی ایک علاحدہ زبان، تاریخ اور کلچر ہے — اہلِ مہاراشٹر کو اپنی تاریخ، زبان اور کلچر پر بڑا ناز اور فخر ہے۔ ان میں "ہیرو ورشپ" کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے ہیرو (شیواجی) کی شان میں کوئی ایسی بات جس سے ان کی عقیدت مجروح ہوتی ہو برداشت نہیں کر سکتے۔ مہاراشٹر میں شیواجی کا بے حد احترام ہے اس لیے یہاں کی تاریخ کی نصابی کتابوں میں شیواجی اور مراٹھوں کی تاریخ کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ لیکن شیواجی کے کارناموں اور اس دور کے تاریخی واقعات کو مرتبینِ کتاب نے اس طرح پیش کیا ہے جس سے مسلمانوں کے خلاف نفرت، دشمنی اور انتقام کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں۔

ان کتابوں میں بعض تاریخی واقعات کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے تو بعض واقعات اور بیانات ایسے تحریر کیے گئے ہیں جن کی صحت مشکوک ہے۔ مغلوں اور مراٹھوں کے سنگھرش کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اسے قصۂ پارینہ سمجھنے کی بجائے اس سے اُسی کش مکش کو جاری رکھنے کی تحریک ملتی ہے۔ "قصۂ مہر و وفا" سنانے کی بجائے "قصۂ دارا و سکندر" سنانے کو ترجیح دی گئی ہے۔ مزید یہ کہ پوری کتاب میں متضاد قسم کے بیانات ملتے ہیں۔

چوتھی جماعت [2] میں تاریخ کی کتاب شیواجی کے حالاتِ زندگی اور کارناموں پر مشتمل ہے۔ یہ گزشتہ ۱۶ سال سے مراٹھی، ہندی، اُردو، انگریزی، گجراتی، کنڑی اور سندھی میڈیم اسکولوں میں پڑھائی جاری ہے۔ اس کتاب میں

---

[1] تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر۔ ص ۱۷۸

[2] چھترپتی شیواجی (۱۹۸۶)۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔

اب تک کسی قسم کی ترمیم و تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہی تاثر ملتا ہے کہ مسلمان غیر ملکی ہیں۔ مسلم بادشاہ ظالم و جابر تھے۔ وہ عوام کو لوٹتے تھے۔ ان میں مذہبی رواداری نہ تھی۔ ہندوؤں کے وہ سخت دشمن تھے۔ ہندوؤں کو زبردستی یا لالچ دے کر مسلمان بناتے تھے۔ ان کے عہد میں ہندوؤں کو پوجا پاٹ اور تہوار منانے کی آزادی نہ تھی۔ مسلمان بادشاہ مندروں کو توڑتے تھے۔ عوام پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔ عوام معاشی بدحالی کا شکار تھے اور انہیں پیٹ بھر کھانا نہ ملتا تھا۔ مسلمانوں کا دورِ حکومت، عہدِ غلامی تھا ـــــ مذکورہ تاریخ کی کتاب کے مندرجہ ذیل اقتباسات کو پڑھ کر آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔

(۱) "شیواجی نے مہاراشٹر میں سوراج کی بنیاد رکھی۔ سوراج کے معنی ہیں اپنی حکومت۔ مہاراشٹر میں شیواجی سے ساڑھے تین سو سال پہلے سوراج نہیں تھا۔ مہاراشٹر کے بڑے حصے پر احمد نگر کے بادشاہ نظام شاہ اور بیجاپور کے حکمراں عادل شاہ کا قبضہ تھا... ان بادشاہوں میں فراخ دلی نہ تھی اور وہ رعایا پر ظلم ڈھاتے تھے ..... ملک میں خوش حالی نہ تھی .... لوگوں کو پوجا پاٹ کرنے اور تہوار منانے کی آزادی نہ تھی اور ان کو پیٹ بھر کھانا ملتا نہ تھا ـــ زندگی میں پریشانی اور مصیبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہر طرف ظلم کا دَور دَورہ تھا۔" (صفحہ ۱) [1]

---

[1] احمد نگر اور بیجاپور کے مسلم بادشاہوں کے بارے میں ایک طرف یہ کہا جا رہا ہے اور دوسری طرف صفحہ ۹ پر یہ بیان بھی ہے:

"ہر مرہٹہ سردار ہمیشہ اپنی فوج رکھتا تھا اور جب ایسا کوئی سردار عادل شاہ کے پاس جاتا تو اسے آسانی کے ساتھ فوج میں

(۲) " شاہ جی کے دشمنوں (اشارہ مسلمانوں کی طرف) نے پونہ برباد کر ڈالا تھا۔ گھر اور مندر توڑ ڈالے تھے"... (ص ۱۵)

(۳) " ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ملے۔ ہر ایک شخص خوش حال زندگی گزار سکے۔ مرہٹی زبان کی قدر ہو۔ ان تمام باتوں کے لیے شیواجی نے طاقتور دشمنوں کا سامنا کر کے سوراج قائم کیا۔" (ص ۱۶)

(۴) " دوسروں کی غلامی ہم کب تک کریں گے؟ ہمارے چاروں طرف غیروں کی حکومت ہے.... ہم کب تک برداشت کرتے رہیں گے؟" (ص ۲۱)

(۵) "غیروں کی غلامی اب ہم برداشت نہیں کریں گے۔ آؤ! ہم اس مندر میں شیوجی کو گواہ مان کر قسم کھائیں کہ سوراج کے قیام کے لیے ہم اپنا سب کچھ نچھاور کر دیں گے۔" (ص ۲۲)

(۶) " بجاجی نائک نمبالکر شیواجی کا نسبتی بھائی تھا۔ وہ عادل شاہ کا ملازم تھا۔ بادشاہ نے اسے مسلمان بنا لیا تھا۔" (ص ۲۷)

(حاشیہ صفحہ ۵ کا)

نوکری مل جاتی۔ بادشاہ اس مرہٹہ سردار کو: علی فوجی خدمت دیتا اور کبھی کبھی جاگیر بھی دے دیتا تھا ... بیجاپور، احمد نگر کے بادشاہوں کے پاس ایسے کئی مرہٹہ سردار موجود تھے۔ ان میں سندکھیڑ کے جادھو (شیواجی کی ماں سندکھیڑ کے لکھوجی جادھو کی بیٹی تھی)، پھلٹن کے نمبالکر، مدھول کے گھورپڑے، جاولی کے مورے اور ادا پورہ کے بھونسلے مشہور تھے۔"

پوری کتاب میں مسلمانوں کو 'غیر' اور 'غیروں' سے اور ان کے عہدِ حکومت کو 'غیروں کی غلامی' کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا چھ سو سالہ دورِ حکومت غلامی کا زمانہ تھا۔ ایسی صورت میں آپ ہی بتائیے کہ مسلمانوں کے تئیں دوسرے فرقوں میں محبت اور بھائی چارگی کے جذبات کس طرح ابھارے جا سکتے ہیں؟ اس قسم کی تاریخ پڑھ کر تو مسلمانوں کے خلاف نفرت ہی پیدا ہوگی۔

اس کتاب میں مسلم بادشاہوں کو بالواسطہ راون اور کنس جیسا ظالم بتایا گیا ہے جنہیں ختم کرکے عوام کو خوش حال بنایا جا سکتا ہے:

"ماولے.... بادشاہوں کے ظلم اور زیادتی سے تنگ آگئے تھے، ان کی مدد کا خیال شیواجی کے دل میں پیدا ہوا۔ گھر آکر شیواجی اپنی ماں سے اس کا ذکر کرتے۔ جیجابائی ان سے کہتیں "شیوبا! بھونسلہ خاندان کی بزرگ ہستی رام چندرجی تھے، جنھوں نے ظالم راون کو مار کر عوام کو سُکھی بنایا تھا۔ جادھو خاندان کے بزرگ شری کرشن نے پرجا کو خوش حال بنانے کے لیے ظالم کنس کو مار ڈالا تھا۔ شری رام و کرشن کے خاندان میں تمہارا جنم ہوا ہے۔ تم بھی ظالموں کو ختم کر سکتے ہو اور غریب اور معصوم لوگوں کو سُکھی بنا سکتے ہو۔" (ص ۱۶)

کتاب میں صفحہ نمبر ۲ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کی لڑائی کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سنت نام دیو، سنت گیانیشور، سنت ایکناتھ، سنت تکارام اور رام داس سوامی کے حالاتِ زندگی اور کارنامے مع تصاویر دیے گئے ہیں۔ شیواجی کے سنتوں میں بابا یعقوب[1] (یاقوت) کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن کتاب میں ان کے حالاتِ زندگی نہیں دیے گئے ہیں۔ مالوجی بھونسلے کو شاہ شریف نامی بزرگ کی

---

[1] ص ۶۷

دعا سے دو بیٹے ہوئے اور ان کے نام اس بزرگ کے نام پر شاہ جی اور شریف جی رکھے گئے، اس کا بھی کتاب میں کہیں تذکرہ نہیں ہے۔

پانچویں جماعت کی تاریخ میں قدیم بھارت کی مختلف تہذیبوں کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم بادشاہوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں آریہ کے دیوتاؤں — سورج، اِندرا اور اگنی کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ آریہ بھگوان سے جو دعائیں کرتے تھے ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی —

"ہمارے گھر گئے آئے۔ وہ خوشی خوشی ہمارے "گاؤ خانہ" میں رہے اور اسے خوب بچھڑے پیدا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ اس دعا سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آریاؤں میں گائے کی کتنی اہمیت تھی۔" ؎۲

کتاب میں آریاؤں کے مذہب (یعنی ہندو مذہب)، جین اور بُدھ مذہب کے عقائد اور تعلیمات کا ذکر تو ملتا ہے لیکن اسلامی تعلیمات کا کہیں ذکر نہیں ہے، شاید اس لیے نہیں ہے کہ یہ ہندوستانی مذہب نہیں۔ مگر آریہ بھی تو ہندوستانی نہیں۔ اسی کتاب میں درج ہے کہ:

"تقریباً چار ہزار سال پہلے شمال مغربی دروں کے راستے باہر کے لوگ بھارت دیش میں آنے لگے۔ ۔ ۔ ۔ باہر سے آنے والے یہ لوگ آریہ تھے جو وسط ایشیا کے رہنے والے تھے۔" ؎۳

مذکورہ کتاب میں چندر گپت موریہ، اشوک اعظم، گوتمی پُتر ساتکرنی،

؎ اپنا بھارت (تاریخ کی پہلی کتاب) ایڈیشن ۱۹۸۶ء، پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا۔ ؎ ایضاً ص ۱۶ ؎ ایضاً ص ۱۳

وکرمادتیہ، ہرش وردھن، پرتھوی راج چوہان، وجے نگر کے راجہ کرشن دیورائے، دیوگری کے راجہ رام دیورائے اور رانا پرتاپ کی بہادری، فیاضی، علم دوستی، سخاوت انصاف پسندی، رواداری، وسیع النظری، خودداری، فراخ دلی اور حب الوطنی کی بے حد تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔ "ان بادشاہوں نے مادرِ وطن کی شان بڑھائی اور شاندار روایات قائم کیں۔"

ان کے مقابلے میں محمود غزنوی، محمد غوری، علاؤالدین خلجی اور اورنگ زیب کو لالچی، مکّار، فریبی، ظالم، دھوکے باز اور ہندو دشمن بنا کر پیش کیا گیا۔ صرف اکبر اور شاہ جہاں کی تعریف وتوصیف کی گئی۔ اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

ہ "وہ (محمود غزنوی) بہادر، بلند ہمّت اور دولت کا لالچی تھا..... اس نے سومناتھ کے شاندار مندر کو برباد کر ڈالا اور مندر کے ان گنت ہیرے جواہرات اور دولت لے کر چلا گیا..... زندگی کے آخری لمحوں میں اس نے اپنی دولت کا انبار اپنے سامنے رکھوایا اور اسے دیکھتے ہوئے سانس لی۔" (ص ۶۷، ۶۶)

ہ "محمد غوری بہت موقع شناس تھا، اس نے پرتھوی راج کو پیغام بھیجا کہ "تم مذہبِ اسلام قبول کرو اور میری اطاعت منظور کر لو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔" (ص ۶۹)

ہ "دیوگری کی دولت کے قصّے اس (علاؤالدین خلجی) نے سُنے تھے۔ اس نے آٹھ ہزار فوج اپنے ساتھ لی اور وندھیاچل پار کر کے دکن کی جانب بڑھا۔ اس نے یہ مشہور کر دیا کہ چچا سے اس کا جھگڑا ہو گیا ہے اس لیے دکن میں کہیں نوکری کرنے کا ارادہ ہے۔ اصل مقصد کی خبر کسی کو نہ ہونے دی..... علاؤالدین

خلجی نے دیو گری سے خوب دولت حاصل کی۔ دلّی واپس ہو کر اس نے اپنے چچا کو قتل کر ڈالا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔" (ص ۷۲، ۷۱)

مذکورہ کتاب میں سب سے زیادہ ہدفِ تنقید اورنگ زیب کو بنایا گیا ہے۔ اس کے کردار کو کچھ اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ ہندوؤں کا سخت دشمن محسوس ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی تصویر دیکھ کر طلبہ میں اورنگ زیب اور اس کے واسطے سے مسلمانوں سے سخت و شدید نفرت پیدا ہوگی۔ کتاب میں اس کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے کہ اسے پڑھ کر "اسلام" سے بھی نفرت پیدا ہو سکتی ہے۔

● ذیلی سرخی "پابندِ شریعت بادشاہ" کے تحت مذکور ہے کہ:

"اورنگ زیب پکا سُنّی مسلمان تھا اور اسے اس پر بڑا فخر تھا..... اس کی زندگی شریعتِ اسلام کے عین مطابق تھی... اسلام اور سنّی جماعت کے اصولوں کی اشاعت کرنا اس کا مقصد تھا۔"

(ص ۹۶)

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو مسلم بادشاہ اپنے مذہب میں کٹّر ہوتا ہے اس میں رواداری نہیں ہوتی ہے۔ وہ تنگ نظر اور متعصّب ہوتا ہے [1] اسی لیے آگے کہا گیا ہے کہ:

"اورنگ زیب نے اپنے مذہبی برتاؤ کی وجہ سے سلطنت میں رہنے والے ہندو، جاٹ، سکھ، سُتنامی لوگوں کا دل دکھایا تھا..... راجپوتوں کی طرح سکھوں نے بھی اس کی مذہبی پالیسی سے تنگ

---

[1] مگر کسی ہندو کا مذہب میں کٹّر ہونا بُری بات نہیں جیسا کہ پنڈت نہرو کہتے ہیں:

"شیواجی مہاراج ایک کٹّر ہندو تھے لیکن دوسرے مذہب کے لوگوں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ انھوں نے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے لیے انعامات دیے۔" (جیسرتی شیواجی جوانت جوارہ ص اکے مقابل کی عبارت)

آکراس کی کھلم کھلا مخالفت کی۔" (ص ۹۶)

مذکورہ کتاب میں جگہ جگہ یہ لکھا گیا ہے کہ اورنگ زیب نے فلاں کو مذہب اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن جب اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس طرح یہ ثابت کیا گیا کہ اورنگ زیب ہندوؤں کا کٹر دشمن تھا اور وہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بناتا تھا۔

● سکھوں کے نویں گرو تیغ بہادر کے تعلق سے کتاب میں مذکور ہے کہ:

"سکھوں کے تعلق سے اورنگ زیب کی مذہبی تنگ نظری ان سے دیکھی نہیں گئی۔ انہوں نے بادشاہ کی کھلی ہوئی مخالفت کی۔ بادشاہ نے انہیں گرفتار کیا اور مذہب اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، تیغ بہادر نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اسے دلی بلا کر قتل کر دیا۔"

(ص ۹۷)

● گرو گوبند سنگھ کے واقعہ کے بیان میں بھی اورنگ زیب کو فریبی بتایا گیا ہے:

"اب اورنگ زیب نے فریب دینا چاہا۔ اس نے انہیں ملاقات کے لیے بلوایا لیکن گرو گوبند سنگھ نے جواب بھیجا "تم جیسے فریبی کا بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔ تم سے تلوار ہی سے بات چیت کرنا چاہیے۔ جو بھی تم پر بھروسہ کرے گا برباد ہو جائے گا۔ مجھے تمہارا رتی بھر بھروسہ نہیں۔" (ص ۹۹)

● جب راجہ سنبھاجی گرفتار ہوا تو بادشاہ نے ان سے کہا، "اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی"۔... خوددار راجہ سنبھاجی نے یہ منظور نہیں کیا۔ اس لیے بادشاہ نے انہیں سخت تکلیفیں دے دے کر مار ڈالا۔" (ص ۱۰۲)

• اِسی طرح اورنگ زیب کو ہندوؤں کا دشمن، بے رحم اور ظالم بادشاہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے برخلاف ہمیں اورنگ زیب کی افواج میں ہندوؤں کی بڑی تعداد کا ہونا، ہندو رعایا کے ساتھ اس کا انصاف اور فراخ دلی، برہمن پجاریوں اور مندروں کو دیے گئے انعامات اور جاگیریں، ایسی کئی مثالیں تاریخ میں بکھری ملتی ہیں لیکن مسلمان بادشاہوں کی اس رواداری کو کبھی اُجاگر نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس ملک کے تمام مسلمانوں کے بارے میں طلبہ کو یہ ذہن نشین کرایا گیا کہ:

"..... آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمان آئے۔ انہوں نے لگاتار حملے کیے۔ عرب، ترک، افغان اور مغل مسلمان یکے بعد دیگرے بھارت میں وارد ہوئے۔ کوئی دولت کی خاطر آیا تو کوئی مذہب کی اشاعت کے لیے۔ اس دیش کے رہنے والوں نے ان سے لڑائیاں لڑیں۔ باہر سے آنے والے ان مسلمانوں نے اپنی سلطنتیں قائم کیں اور یہیں رہنے لگے۔ پہلے انہوں نے یہاں کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا، لیکن بعد میں آہستہ آہستہ یہاں کی تہذیب میں گھل مل گئے۔"

(ص ۱۰۵)

چوتھی جماعت میں تو شیواجی کی جدوجہد کی پوری داستان بیان کی جا چکی تھی لیکن نصابی کمیٹی کو اس پر سمادھان (اطمینان) نہ ہوا اور اس نے پانچویں اور چھٹی جماعتوں میں نہ صرف اسے دوہرانا بلکہ پوری مرہٹہ سلطنت کی تاریخ بیان کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس کتاب کے باب ۲۳ میں "سوراج کی لڑائی"[1] کے عنوان سے شیواجی کی مغلوں کے خلاف جدوجہد آزادی کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

چھٹی جماعت کی تاریخ: اس کتاب میں مرہٹہ حکومت کی تاریخ

---

[1] اپنا بھارت (دوسرا حصہ) ایڈیشن ۱۹۷۰ء (پہلی بار ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا)

ابتدا سے لے کر خاتمے تک بیان کی گئی ہے۔

کتاب کا سرِ ورق دیکھ کر ہی ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک دوسرے سے محبت کی بجائے عداوت کے جذبات اُبھر سکتے ہیں۔ سرِ ورق پر دی گئی تصویر میں دو فوجوں کو برسرِ پیکار دکھایا گیا ہے اور دونوں اپنی وضع قطع، پرچم اور رنگوں کی وجہ سے صاف پہچانے جاتے ہیں۔ ایک فوجی گروہ اپنی وضع قطع اور بھگوے رنگ کی پگڑیوں کی وجہ سے واضح طور پر ہندو نظر آتا ہے، جب کہ دوسرا گروہ داڑھی اور سبز پرچم کی وجہ سے مسلمان دکھائی دیتا ہے۔ شاید مرتبینِ کتاب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہمیشہ سنگھرش ہوتا رہا ان میں کبھی سنگم نہیں ہوا۔

اس کتاب میں جگہ جگہ مسلم حکمرانوں کو 'غیر' اور ان کی حکومت کو 'غیروں کی حکومت' کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ مرہٹوں کی لڑائی کو 'سوراج کی لڑائی'، سوراج کا قیام'، سوراج کے لیے تیاری'، سوراج پر آئی آفت'، سوراج کے لیے جنگ اور ہندوی سوراج جیسے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ سنبھاجی کے دورِ حکومت کو جنگِ آزادی کا پہلا دور اور راجا رام کے دور کو جنگِ آزادی کا دوسرا دور کہا گیا ہے۔ اس طرح یہ دکھایا گیا ہے کہ مہاراشٹر پر مسلمانوں کا دورِ حکومت' دورِ غلامی تھا۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات ہی اُبھر سکتے ہیں محبت اور دوستی کے نہیں۔

اس کتاب میں تاریخی واقعات کے بیان میں احتیاط نہیں برتی گئی ہے۔ بعض مقامات پر تو انتہائی جذباتی اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے جس سے ایک خاص فرقے کے خلاف مذہبی جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً سینہہ گڑھ کی لڑائی کے وقت ماولوں کی پست ہمتی کو دیکھ کر سوریاجی مالسُرے نے للکارا:

"ساتھیو! نامردوں کی طرح کہاں بھاگتے ہو؟ میں نے قلعہ کا راستہ پیچھے کی کاٹ دیا ہے۔ بہادروں کی طرح لڑو،

اور دشمنوں سے بدلہ لو' بولو ہر ہر مہادیو۔" (ص ۲۷)

اس قسم کے مذہبی نعرے قومی یک جہتی کے سراسر منافی ہیں ۔

مہاراشٹر کی تاریخی کتابوں میں طلبہ کو بار بار یہ ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کو زبردستی عہدوں اور دولت کا لالچ دے کر مسلمان بنایا۔ جن لوگوں نے ان کی بات کو نہیں مانا انہیں تکلیف دے دے کر مارا اور قتل کیا۔ اس سے پہلے گرو تیغ بہادر سنگھ کی مثال دی جا چکی ہے۔ مذکورہ کتاب میں سمبھاجی کے بارے میں بھی اسی طرح کا واقعہ بیان کیا گیا ہے :

" جب سمبھاجی کو گرفتار کر کے اورنگ زیب کے سامنے لایا گیا تو اس نے کہا — " اگر تم مسلمان ہو جاتے ہو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی"۔ سمبھاجی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے دلیری کے ساتھ جواب دیا۔ "میری جان جائے مجھے پرواہ نہیں مگر اپنا عزیز دھرم نہیں چھوڑوں گا۔" اس جواب کو سننے کے بعد اورنگ زیب نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ اس کے بموجب سمبھاجی کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔" (ص ۴۴)

ساتویں جماعت کی تاریخ "اپنا بھارت" (تیسری کتاب) — میں[1]

انگریزوں کی ہندوستان میں آمد سے لے کر آزادی اور دیسی ریاستوں کے انضمام تک کے واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں تمام فرقوں نے حصہ لیا ہے اس بات کو ہمارے رہنما بار بار دہراتے ہیں لیکن اس کتاب میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ملک کو آزاد کرانے میں مسلمانوں کا حصہ برائے

---

[1] ایڈیشن ۱۹۸۳ء۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

نام ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بہادر شاہ ظفر نے جو عظیم قربانی دی ہے اسے بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے بارے میں صرف اتنا ہی کہا گیا ہے کہ :

"میرٹھ کے سپاہیوں نے بہادر شاہ کو بادشاہ بنایا اور انگریزوں نے انہیں گرفتار کر کے قید کر لیا۔"

رانی لکشمی بائی، تانتیا ٹوپے اور نانا صاحب پیشوا کے کارہائے نمایاں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جب کہ اودھ کی بیگم حضرت محل، جنرل بخت خاں (روہیل کھنڈ)، احمد اللہ مدراسی، اسیرانِ مالٹا وغیرہ مجاہدینِ آزادی کو یکسر فراموش کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار انصاری، ڈاکٹر ذاکر حسین، حسرت موہانی وغیرہ مجاہدینِ حریت کی خدمات کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ راجہ رام موہن رائے، سوامی دیانند سرسوتی، سوامی وویکانند، جیوتی با پھلے وغیرہ سماجی مصلحین کے کارناموں کو تو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے لیکن عظیم ریفارمر سر سید احمد خاں کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔

حکومت "تحریکِ خلافت" کو بھی جنگِ آزادی کا ایک حصہ تسلیم کر چکی ہے لیکن مذکورہ کتاب میں تحریکِ خلافت کو جنگِ آزادی سے الگ کر کے لکھا گیا ہے کہ :

"تحریکِ خلافت کا تعلق مسلمانوں سے تھا۔ انگریزوں نے خلیفہ کو تخت سے محروم کر دینا چاہا اس خبر سے ہندوستان کے مذہب پرست مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی۔" (ص ۹۶)

جس طرح مسلم مجاہدینِ آزادی کو نظر انداز کیا گیا اسی طرح اُن اردو اخبارات کو بھی نظر انداز کیا گیا جنہوں نے جنگِ آزادی میں اہم کردار ادا کیا تھا اور جن کے ایڈیٹروں کو قید و بند کی صعوبتیں ظلم برداشت کرنا پڑی تھیں۔ آخری جماعت کا تاریخ نویس نے ۱۹۰۶ء تک کی بیداری میں جن اخبارات نے حصہ لیا ان میں

انگریزی، بنگالی، مراٹھی، گجراتی اور ہندی اخبارات کا تو تذکرہ ہے، لیکن الہلال، البلاغ ہمدرد، کامریڈ، تہذیب الاخلاق جیسے اردو اخبارات کا ذکر تک نہیں۔ اسی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی گئی تھی اور اہانت آمیز الفاظ استعمال کیے گئے تھے۔ مسلمانوں کے ریاست گیر احتجاج پر نہ صرف ان الفاظ کو خارج کیا گیا بلکہ "اسلام" سے متعلق پورے باب پر نظر ثانی کر کے اسے دوبارہ لکھا گیا اور ماہرین و علماء سے اس کی منظوری لی گئی۔

دیگر جماعتوں کی تاریخ، جغرافیہ اور زبانوں کی نصابی کتابوں میں سے مزید مخالف قومی یک جہتی مواد کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ کام صرف ایک فرد کا نہیں ہے۔ اس کام کو اساتذہ کی انجمنوں اور تعلیمی و تحقیقی اداروں نیز ان لوگوں کو انجام دینا چاہیے جنہیں اپنے ملک کا اتحاد، قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی عزیز ہے۔

ماحصل: اس پوری بحث کا ماحصل یہی ہے کہ ملک میں بڑھتی ہوئی منافرت میں نصابی کتابیں موثر رول ادا کر رہی ہیں۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ سب کتابیں حکومت کے خرچ سے اور حکومت کی نگرانی میں تیار اور شائع کی جا رہی ہیں۔ مزید یہ کہ مرکزی حکومت کی جانب سے بار بار یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ مخالف قومی یک جہتی مواد سے نصابی کتابوں کو پاک کر دیا جائے گا۔ ان کتابوں کی ایسی تطہیر کی جائے گی کہ کسی فرقے کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہوں اور نہ کسی خاص فرقے کے خلاف نفرت کے جذبات ابھر سکیں۔

جب بھی فرقہ وارانہ فسادات کی لہر اٹھتی ہے، قومی یک جہتی کونسل کا اجلاس طلب کیا جاتا ہے اور ہر بار نصابی کتابوں میں درج مخالف قومی یک جہتی مواد پر بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔ یقین دہانیاں کی جاتی ہیں۔ NCERT ہدایت نامے جاری کرتی ہے۔ ماہرین مختلف ریاستوں کی نصابی کتابوں کا جائزہ لے کر اپنی رپورٹیں

پیش کرتے ہیں اور ان کی روشنی میں ریاستوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ نصابی کتابوں کی اصلاح کریں۔ دیگر ریاستوں نے ان ہدایتوں پر عمل کیا یا نہیں اس کا مجھے کوئی علم نہیں، لیکن ریاست مہاراشٹر کی جن نصابی کتابوں سے میں نے قابلِ اعتراض مواد کی نشان دہی کی ہے ان میں گزشتہ ۱۰ سال سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

ایسے وقت جب کہ ملک معاشی، سیاسی، مذہبی اور لسانی بحران سے دوچار ہے، مذہب، تہذیب، زبان، علاقہ اور نسل کے نام پر علاحدگی پسندی کے رجحانات فروغ پا رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات، دہشت گردی، قتل و غارت گری میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ مختلف فرقوں کے درمیان نفرت کی خلیج بڑھتی جارہی ہے جس کی وجہ سے قومی اتحاد اور ملک کی سالمیت کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ یہ ایک زبردست چیلنج ہے جس کا ہم سب کو بہ حیثیت ہندوستانی مقابلہ کرنا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ نصابی کتابوں سے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے منافی مواد کو فوری طور پر خارج کر کے ایک صحت مند نصاب کی ترتیب دی جائے۔ یہ نصابی کتابیں ایسی ہوں کہ جنھیں پڑھ کر طلبہ کے دلوں میں حب الوطنی، انسانیت دوستی، اخوت، بھائی چارگی، محبت، ہمدردی، انصاف، رواداری اور صداقت و احترام کے جذبات بیدار ہوں۔

تاریخ کی کتابیں ترتیب دیتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ حقائق مسخ نہ ہوں، من گھڑت واقعات نہ ہوں اور مواد اس انداز سے پیش کیا جائے کہ مختلف تہذیبی اور مذہبی فرقوں کے درمیان رنجش اور بدمزگی پیدا نہ ہو۔ پھر یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ:

> "قومی یک جہتی کا مطلب یہ نہیں کہ اس ملک کی مختلف اکائیوں کو قومی دھارے میں ضم کر دیا جائے۔ ہندوستان کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر قومی یک جہتی کے معنی یہ ہیں کہ یہاں جو مختلف

تہذیبی ولسانی اور مذہبی اکائیاں ہیں ان کو ایک اٹل تاریخی حقیقت کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے اور ہر ایک کی تہذیبی اور مادی ترقی کو فروغ دیا جائے۔ صرف اسی طرح تمام لوگوں میں باہمی یگانگت کا احساس پیدا کرایا جا سکتا ہے۔ قومی یک جہتی کثرت میں وحدت کو ظاہر کرتی ہے اس لیے نصاب اور درسیات میں ایسی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے جو طلبہ میں مختلف تہذیبوں کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے کی قابلیت پیدا کر سکے، کیوں کہ تنہا کسی ایک علاقے کے تہذیبی ورثے سے جذباتی دل بستگی رکھنا قومی یک جہتی کے لیے مفید نہیں۔ لیکن افسوس کہ اب تک وطن پر علاقے ہی کو فوقیت دی جاتی رہی ہے اور مختلف گروہ اور علاقے کے لوگ صرف اپنی اپنی عظمت کی داستان ہی پر فخر کرنے کی فکر میں لگے ہیں۔" [1]

تاریخ، سماجی علوم اور زبان کی درسیات سے یہ بات جھلکنی چاہیے کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں نے اس ملک کی تعمیر و ترقی اور بنانے سنوارنے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ انہوں نے جو بھی ذہنی اور مادی چیزیں عطا کی ہیں (Con-tribution) وہ سب کی سب قومی ورثے (National Heritage) میں شامل ہیں۔ اگرچہ ماضی میں ان میں آپسی لڑائیاں بھی ہوئیں مگر یہ مذہبی لڑائیاں نہ تھیں اور نہ ان کا مقصد مذہب کی بالادستی قائم کرنا یا مذہب کی اشاعت کرنا تھا۔ یہ جنگیں اقتدار اور ہوسِ ملک گیری کی خاطر لڑی گئیں۔

قومی یک جہتی اور اتحاد کے لیے دلوں سے کدورت، تعصب،

---

[1] تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر۔ از ڈاکٹر سلامت اللہ صفحہ ۱۲۷

تنگ نظری، نفرت اور عداوت کا دُور ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر درسی کتابوں میں مسلم بادشاہوں اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور عداوت کے جذبات ابھارنے والے واقعات بیان کیے جاتے رہے تو اس ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی قائم نہ ہو سکے گی۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ قومی یک جہتی کے موافق اور صحت مند درسی کتابیں مرتب کی جائیں۔

(آموزگار جلگاؤں: نومبر/دسمبر ۱۹۸۷ء) ●●

بھرت ڈوگرا

ترجمہ: خلیل احمد خان

مندروں کی تعمیر کے لیے مسلمان حکمرانوں کے عطیات

حالیہ دنوں میں مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں قرون وسطیٰ کی تاریخ میں مندروں کے انہدام کی مثالیں دی جارہی ہیں۔ ان مثالوں میں سے چند مثالیں صداقت سے خالی نہیں جب کہ بعض مثالیں غلط اور جھوٹ ہیں۔ صورتحال یہ ہے کہ ملک کے فرقہ پرست عناصر و افراد بہت حد تک مبالغہ آرائی سے صرف اس لئے کام لے رہے ہیں تاکہ فرقہ وارانہ احساسات کو ہوا دیں اور ہندو اور مسلمان بھائیوں کے درمیان تفریق و منافرت کی خلیج حائل کردیں۔ یہ افراد و عناصر تاریخ کے صرف سیاہ اوراق کو پڑھتے ہیں یا پڑھنا چاہتے ہیں۔ وہ تاریخ کی ان کتابوں کو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے جن میں ایسی لاتعداد مثالیں موجود ہیں کہ مسلمان حکمرانوں نے ہندوؤں کے مندروں کا تحفظ کیا ہے۔ ان مندروں کو عطیات دیئے ہیں اور ہندوؤں کے قدیم مخطوطات کے تراجم کرائے ہیں یا ان مخطوطات کے تراجم میں مالی تعاون دیا ہے تاکہ ان مقدس مخطوطات کے مقدس الفاظ کی اشاعت دور دور تک ہو جائے اور ان کے قارئین کی تعداد میں اضافہ ہو۔ ایسے مسلمان حکمرانوں کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ فراموش کرنا چاہیے۔

ایسی تاریخی شہادتوں کی کمی نہیں ہے جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مندروں کی بہت بڑی تعداد کو مسلمان بادشاہوں نے جاگیریں دی تھیں، مالی امداد دیئے تھے اور ان مندروں کے پجاریوں اور پروہتوں کے وظائف مقرر کئے تھے تاکہ وہ محفوظ رہیں۔

مثال کے طور پر ہمیں مغل بادشاہوں کے ان رویے اور ماخذ پر سنجیدگی سے نظر ڈالنی چاہیے جو انھوں نے ورنداون اور متھرا کے مندروں کے لیے کئے تھے۔ ہندوؤں کے یہ مقدس تیرتھ استھان دہلی اور آگرہ سے بہت ہی قریب تھے جو مغل بادشاہوں کے مرکزی مقامات تھے اور جو ان کی راجدھانیاں تھیں۔

مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے دور سلطنت کے ایسے متعدد دستاویزات دستیاب ہوئے ہیں جن سے انکشاف ہوتا ہے کہ ان مغل تاجداروں کی مندروں کے بارے میں کیسی پالیسی تھی۔ یہ دستاویزات ورنداون ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں موجود ہیں اور بعض دستاویزات ان مندروں میں اب بھی محفوظ ہیں جن کو ان مغل بادشاہوں نے عطیات اور

جاگیروں سے نوازا تھا۔ تارا پدا مکرجی اور عرفان حبیب نے ان مقالوں میں ان دستاویزات کے حوالے دیئے ہیں جو انھوں نے ۴۸ اور ۴۹ ویں انڈین ہسٹری کانگریس کے اجلاسوں میں پیش کئے تھے اور پڑھ کر سنائے تھے۔

عہدِ مغلیہ کے دستاویزات پر مبنی تارا پدا مکرجی اور عرفان حبیب کے مطالعہ اور جائزے کے بموجب شہنشاہ اکبر نے مندروں کو دی جانے والی عطیات میں نہ صرف اضافہ کیا بلکہ اپنے فرمان مورخہ ۷ ہر اگست ۱۵۹۶ء اور ۱۱ ستمبر ۱۵۹۸ء کے ذریعہ متھرا کے تمام مندروں اور ان کے پروہتوں یا مہنتوں کو دی جانے والی تمام عطیات کی شیرازہ بندی کی جس کے بموجب مجموعی طور پر ایک ہزار بیگہ آراضی ورندابن، متھرا اور ان کے مضافات کے ۳۵ مندروں کو دیئے گئے۔ شہنشاہ جہانگیر نے نہ صرف ان وظائف اور عطیات کو جاری رکھا بلکہ اس میں اضافہ کیا۔ اور انھوں نے اکبر کے دیئے ہوئے ۳۵ مندروں میں ۲ مزید مندر بڑھائے۔ جو اکبر نے اپنے مذکورہ بالا دو فرمانوں کے بموجب ۱۵۹۸ء میں دیئے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ۱۲۱ بیگہ اراضی مندر کے سیوکوں کے کنبوں کو دیئے۔ جہانگیر نے ۱۶۲۰ء میں ورنداین کے مندروں کو بچشم خود جاکر دیکھا۔

مندرجہ بالا دستاویزات سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ مندروں کے پروہتوں یا مہنتوں کو اگر کوئی دشواری پیش آتی تھی تو وہ مغل بادشاہوں یا ان کے اعلیٰ عہدے داروں کے پاس اپنی فریادیں لے کر آتے تھے اور بادشاہ سلامت یا ان کے عہدے دار عام طور پر ان کی دشواریاں دور کرنے کے اقدامات کرتے تھے اور ان کی پریشانی حل کر دیتے تھے۔

پانی دینا بند کر دیا گیا تھا، مندروں میں رکھے جانے والے مویشیوں پر ٹیکس عاید کر دیا گیا۔ مندر کے اردگرد کے درخت کاٹ دیئے گئے، مندروں کے مالیوں سے جبریہ کام لیا گیا۔ ان تمام باتوں کی شکایات پجاریوں یا مہنتوں یا مندروں سے وابستہ دوسرے لوگوں نے مغل بادشاہوں یا دوسرے اعلےٰ افسروں کے گوش گذار کیں اور فوراً ہی ان تمام شکایات کا تدارک کیا گیا اور ان کے مسائل حل کیے گئے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مہنتوں نے بادشاہ یا کسی دوسرے اعلےٰ عہدے دار تک کوئی ایسی شکایت پہنچائی جس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی تھی تاہم اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا اور فیصلہ شکایت کرنے والوں کے حق میں ہوتا تھا۔ ایسے دستاویزات بھی دستیاب ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ان مندروں کے مہنتوں یا دوسرے سنتوں کے درمیان مندروں کے سلسلے میں کوئی تنازعہ ہو جاتا تھا تو مغل بادشاہ یا ان کے مامور کردہ عہدے دار ہی مداخلت کر کے اس تنازعہ کو ختم کرتے تھے۔ اسی قسم کے ایک تنازعہ کی مثال والودر داس رادھا با اور کرشن چیتن کے درمیان دستیاب دستاویزات میں سے ایک دستاویز میں ملتی ہے۔

مزید برآں ایک نہایت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز دستاویز سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ورنداین کے موہن کے مندر میں ایک شخص نے گھڑیال بجا کر پوجا کیا اور اسی طرح کے دوسرے پوجا پاٹ کے وقت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ حکومت کے چند عہدے داروں نے اس قسم کے گھڑیال بجانے سے

بجانے کی اجازت طلب کی۔ شاہجہاں نے ۲۹ نومبر ۱۶۳۴ء کے ایک فرمان کے ذریعہ گھڑیال بجانے کی اجازت دیتے ہوئے کہا کہ اس مندر میں وقت بتانے والے گھڑیال کو بجانے سے نہ روکا جائے۔ موجودہ اور آئندہ ہونے والے حکام یا عامل اس فرمان پر عمل پیرا ہوں اور وقت بتانے والے گھڑیال کے استعمال کو نہ روکیں اور نہ کسی قسم کی مداخلت کریں۔ اور اس فرمان پر عمل کرنے میں تاخیر نہ کریں۔ مندروں کے تحفظ و سلامتی اور دوسرے اخراجات کے لیے وظائف اور عطیات دینے کا سلسلہ اورنگ زیب کی حکومت کے دوران بھی جاری تھا چنانچہ ایسے دستاویزات دستیاب ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے الہ آباد وارانسی، اجین، چترکوٹ کے مندروں کے علاوہ دوسرے مندروں کو وظائف دیئے اور مالی امداد کی جس کی پوری تفصیل بشمبھر ناتھ پانڈے نے دی ہے۔ وارانسی کے ایک مشہور مندر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے اس کو ڈھا دینے کا حکم دیا تھا۔ لیکن حال کی ایک شہادت سے انکشاف ہوتا ہے کہ اس مقدس مندر میں چند ناپسندیدہ عناصر نے اورنگ زیب کے ایک گہرے ہندو دوست کی اہلیہ کے ساتھ نازیبا حرکتیں کی تھیں اور جب اورنگ زیب کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے مندر کو مسمار کر دینے کا حکم دیا تھا۔

ٹیپو سلطان مسلمان حکمرانوں میں ایک باوقار اور بہادر سلطان گزرا ہے جن کے بارے میں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ انھوں نے متعدد مندروں کو جاگیریں عطا کی تھیں۔ جریدہ "ینگ انڈیا" نے جس کی ادارت مہاتما گاندھی کرتے تھے یہ لکھا ہے کہ "ٹیپو نے ہندو مندروں کو بڑی بڑی جاگیریں اور دوسری چیزیں یا سامان دیئے تھے اور سری وینکٹ رمن، شری نواس اور شری رگھوناتھ کے ناموں سے موسوم مندروں کو بھی جاگیریں عطا کی تھیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ٹیپو سلطان کے محلات کے حدود میں یہ مندر واقع تھے وہ اب بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کتنا فراخ دل بادشاہ تھا اور مذہبی تعصب سے اس کا دل کس قدر پاک و صاف تھا کہ اس نے اپنے محلات کے حدود ہی میں مندروں کی تعمیر کی اجازت دیدی تھی اور ان کو جاگیریں عطا کی تھیں۔

اودھ کے نوابوں نے اجودھیا کے کئی مندروں کو جاگیریں دی تھیں اور ان کے تحفظ و بقا کے بھی انتظامات کیے تھے۔ نواب صفدر جنگ کے دیوان نے اجودھیا میں کئی مندر تعمیر کرائے تھے اور کئی مندروں کی مرمت کرائی تھی۔ نواب صفدر جنگ نے مردان اکھاڑہ کو ہنومان گڑھی مندر کی تعمیر کے لیے زمین دی تھی۔ آصف الدولہ کے دیوان نے اس مندر کی تعمیر میں مزید مالی امداد دی تھی۔

نواب واجد علی شاہ نے اس مندر کے سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے تنازعہ میں ہندوؤں کی طرفداری اس لیے کی تھی کہ ان کی نظر میں انصاف کا تقاضا یہی تھا۔

شہنشاہ جلال الدین اکبر نے رامائن اور مہابھارت کے تراجم کے لیے ایک دارالترجمہ قائم کیا اور فارسی میں ان دونوں کتابوں کے ترجمے کرائے۔

ساتویں صدی میں دکنی سلطنت کے شاہ عادل شاہ نے شہنشاہ اکبر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا اور اس کتب خانہ کی نگرانی کے لیے سنسکرت کے ایک اسکالر راما پنڈت کی تقرری کی۔ عادل شاہ کے جانشین ابراہیم عادل شاہ نے جن کو غریبوں کا دوست کہا جاتا تھا اور جن کو ان کی عدل گستری غربا پروری اور منکسر المزاجی کی وجہ سے نوشیرواں ثانی کہا جاتا تھا' انھوں نے اپنی بیشتر نظموں میں ہندوؤں کی علم کی دیوی کے گیت گائے تھے۔ مزید براں انھوں نے چند ہندو تیرتھ استھانوں کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

۱۵ویں صدی کے دوران کشمیر میں شاہ زین العابدین نے اپنے پیش رو کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے فرار ہو جانے والے اور اپنے اپنے گھروں کو خیرباد کہہ کر چلے جانے والے ہندوؤں کو واپس لانے کے لیے اپنے خصوصی ایلچی بھیجے اور ان کی باز آبادکاری کی۔ فارسی زبان کے ساتھ ساتھ سنسکرت پر بھی ان کو عبور تھا۔ انھوں نے اپنشد کا فارسی میں ترجمہ کرایا اور ہندوؤں کے تیوہاروں میں آزادی اور دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے تھے اور کئی مندر بھی تعمیر کرائے تھے۔

بنگال میں سلطان نافر شاہ اور سلطان حسین شاہ نام کے پٹھان بادشاہوں نے بھی مہابھارت اور بھاگوت پران کا ترجمہ بنگالی زبان میں کرایا تھا۔ (قومی آواز ۲۹ نومبر ۱۹۹۲ء)

●●

نصابی کتابیں

چند مشورے

جناب حبیب اللہ اعظمی، لکھنؤ

جو کتابیں ابھی نصاب میں پڑھائی جارہی ہیں اگر ان کا سلسلہ جاری رہا تو ملک میں ایک بڑا انتشار پیدا ہو جائے گا اس ماحول میں اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے ننھے بچوں کو Tender age تعلیم کس طرح کی دیں۔ آج عام طور پر یہ ہو رہا ہے کہ بچے کسی Individual کی زندگی کے بارے میں یا راجا مہاراجا کے بارے میں پڑھنے سے بھاگنے لگے ہیں اور سائنس کی طرف زیادہ رجحان ہے۔ تو آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پڑھانے میں اس بات پر زیادہ زور دیں کہ Life of people کیا تھیں، کیا ہیں اور کم از کم سکنڈری level میں تو انہی کی معاشی حالت بھی پیش کرنی چاہیے۔ دوسری چیز جو ہمیں کہنی ہے کہ History میں Distortion جو مذہب کے بارے میں، یا خلفائے راشدین کے بارے میں نظر آتی ہیں وہ بھی عجیب ہیں۔ انکی دو وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ اپنی کم جانکاری کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں یا دوسرا وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں۔ کیونکہ میرے کچھ ساتھی ایسے رہے ہیں کہ جنھوں نے حضرت محمدؐ کو کہا کہ وہ "ریت دیوتا" ہیں تو ان کے ذہن میں Prophet کے وہ معنی ہیں جو اسلام میں Prophet کے معنی نہیں۔ تو یہ ان کے نہ جاننے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے Text Book Committies کو یا N.C.E.R.T. کو یا S.C.E.R.T. کو یہ چاہیے کہ جب وہ Prophet اسلام یا کسی بھی دھرم خواہ عیسائی کے بارے میں لکھتے ہیں تو اس کے جو ماہرین ہیں ان سے رجوع کریں یا ان کی Advisory Board بنا کر اس چیز کی Screening کرائیں کہ وہ لوگ جو نصاب تیار کر رہے تھے اس میں کوئی Factual mistakes تو نہیں جا رہے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے پیپر میں اشارہ کیا تھا کہ Prophet کی والدہ کا نام، ان کے چچا کا نام غلط دیا ہوا ہے۔ تو اس طرح کے جو Factual mistakes ہیں وہ نہیں آسکتے۔ تیسری چیز جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں بلکہ Challange ہے کہ ہندوستان ایک Technical stage میں داخل ہونے جا رہا ہے جسے آپ کہتے ہیں کہ Computer age میں جا رہا ہے۔ تو جہاں اس کی ترقی کے لیے Science کے میدان میں بہت نعرے لگائے جا رہے ہیں یا کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اسی طرح Historians کے اوپر بھی یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ اگر وہ تاریخ کی کتابوں کو صحیح Prospectus میں نہیں پیش کرتے ہیں تو ملک کے برباد ہونے میں ان کی سب سے بڑی ذمہ داری ہوگی اور یہ Science اور Computerisation سب بیکار ہوگا۔

ڈاکٹر وصی احمد، صدر شعبۂ جغرافیہ، کامرس کالج، پٹنہ

میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ Histories میں جو Distortions ہیں اس کے اسباب کیا ہیں اور اس سلسلے میں بہار میں جو ہم نے تجربہ کیا، کتابوں کو یکجا کر کے اس میں کیا کیا دشواریاں ملتی ہیں یہاں تک Sources کا تعلق ہے اس میں History کو جو دیکھنے کا موقع ملا اس میں کچھ بنیادی خرابیاں ہیں کیونکہ مورخ عوام کی History لکھنے کی بجائے بادشاہوں کی History لکھتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم Composite culture کی بجائے ایک Culture کی بات کرتے ہیں۔ ہندی، ہندو، ہندستانی راشٹر یہ کرتے ہیں جو یہ Composite culture ، Back ground میں چلا جاتا ہے تو اگر ایک History میں ہمارا Perspective ہو composite culture دینے کا جو کہ نہیں ملتا ہے تو اس سے دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔

اس ملک میں ۱۸۷ زبانیں بولنے والے اور ۲۳۵ ٹرائبس (Tribes) رہتے ہیں۔ لیکن یہ جو Variety ہے اس کی بجائے اسے آریا اور غیر آریا یا ورسز مسلم ایسا ہی کچھ پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے بنیادی طور پر ایک Angle پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ ملک صرف آریاؤں کا ہے۔ اور ہم بھول جاتے ہیں کہ ہندستان کے ان تمام شمالی، مشرقی علاقوں میں جہاں کہ Mongolides رہتے ہیں۔ اس ملک کے دکھنی علاقے میں Paris Ostrolides رہتے ہیں۔ اس کے درمیانی علاقے میں اراولی سے لیکر Chotanagpur تک دوسرے Tribes رہتے ہیں۔ اس طرح سے آپ دیکھیں گے کہ وہ National History کے بجائے ہم History Indo-gajetic Valley پر زیادہ Concentrate کرتے ہیں۔ تو ہندستان کے جو مختلف علاقے ہیں اور خان صاحب نے یہ سوال کیا تھا لیکن اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ Regional History اگر ہم لکھیں گے تو صرف Regional تصویر سامنے آئے گی اور National تصویر شاید Back ground میں چلی جائے لیکن جب National History ہم لکھتے ہیں تو Indo-Creatic valley تک ہم کیوں نہیں جاتے۔ ہمیں پورے علاقے کو Cover کرنا چاہیئے۔ اس طرح Bad issues ہوئے وہ صرف دو Communities کے Battle project کے طور پر کیوں Concentrate کیے جاتے ہیں۔ آپ رانا پرتاپ اور اکبر کی جو لڑائی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھ دیں کہ رانا پرتاپ کی فوج میں اکبر کی فوج سے زیادہ پٹھان تھے اور اکبر کی فوج میں رانا پرتاپ کی فوج سے زیادہ راجپوت تھے تو آپ کے بچے کے ذہن میں یہ بات آجائیگی کہ یہ دو راجاؤں کے بیچ کی لڑائی تھی کسی ہندو مسلم کے بیچ کی لڑائی نہیں تھی۔ تو یہ جو Composition ہمارا ہوتا ہے وہ Conflict between two communities میں بدل جاتا ہے جب کہ یہ Between two state powers conflict یا دو راجاؤں کا تھا

یہ Poaser سامنے نہیں آتا۔ اس لیے کہ ہم ادھوری سچائی سے کام لیتے ہیں۔

ہمیں Communal harmony کے Angle کو کتابوں میں ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ میں اس کا طرفدار ہوں۔ اور آخری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ stages پر بہت زیادہ نگاہ ہونی چاہیے۔ کس Level کے Student کے لیے ہم کتنی بات کہیں کہ وہ قبول کر سکے گا۔ یہ اس کے ذہن کی تعمیر میں اور ملک میں Contribute کرنے والا اچھا شہری بنانے میں مفید ثابت ہوگا۔ اور اس کی سخت ضرورت ہے۔

بہار میں ہم لوگوں نے اس کا تجربہ کیا۔ وہ جو دشواریاں ہیں وہ میں آپ کے ساتھ Share کرنا چاہتا ہوں۔ بہار میں ہم لوگوں نے کتابوں کا ایک Survey کیا survey کرنے کے بعد حکومت وقت کے پاس ایک وفد کی شکل میں ان باتوں کو لیکر گئے۔ دشواری اس میں دو باتوں کی آئی۔ پہلی تو یہ کہ کتابوں پر اب تک سرکار کا کوئی Control نہیں ہے۔ اسکول Minorities کے ہوسکتے ہیں، Private ہوسکتے ہیں، وہ آزاد ہیں کہ کسی بھی کتاب کو پڑھائیں اور یہ بات N.C.E.R.T. کی تیار کردہ کتابوں کے لیے بھی ہوا اور State کے لیے بھی ہے۔

میرا مشورہ یہ ہوگا کہ ایک ایسا Legislation تیار ہونا چاہیے جو اس پر نگاہ رکھے۔ نتیجہ اس کا معزز کلا حکومت نے کہا کہ صاحب ہمارے پاس ایسی کوئی قوت نہیں ہے کہ ہم ان کی کتابوں کو نکلنے سے روک دیں۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ چونکہ Education ایک Concrete list میں ہے اس لیے مرکزی ہو یا صوبائی حکومت وہ ایک ایسا Legislation تیار کرے جس کے ذریعہ یہ پابندی ہو کہ نصاب تیار کرنے کے جو بھی ادارے ہیں وہ اس کی منظوری کے بغیر کسی طور بھی نصاب سے نہ لگائی جائیں۔ اس سے کسی حد تک اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ کمی جو آپ نے دیکھی خواہ N.C.E.R.T. ہو، S.C.E.R.T. ہو یا N.B.T.C. ہو۔ چونکہ ہمارے ذہن میں ایک ایسا نقشہ ہے کہ جس سے ایک Angle آجاتا ہے لیکن یہاں جب تک قانون نہ بن جائے ہم N.C.E.R.T. کا سدھار (सुधार) نہیں کر سکتے، State کی کتابوں کا سدھار نہیں کر سکتے اور بغیر اس قانون کے ہم ایسی کتابوں کو اسکول میں پڑھانے سے نہیں روک سکتے ہیں۔

ڈاکٹر اخلاق اثر بھوپال:

ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ جو Early history ہے اس میں ہندو مسلم Factor تھا لیکن اس میں صرف ہندو مسلم Factor نہیں تھا۔ اس کو اگر ہم Highlights کریں تو بہت سی باتیں صاف ہو جاتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ N.C.E.R.T. کی جو Text books ہیں وہ Ideal ہیں اور States سے کہا جائے کہ وہ اس Frame پر ہی اپنی کتابیں تیار کریں۔

ڈاکٹر اپروانند پنت

مجھے صرف دو باتیں کہنی ہیں کہ کل سے جو اس پر بحث ہو رہی ہے اس سے یہ بات نکل کے آئی جیسا لگتا ہے کہ ہمارے دیش میں پچھلے چالیس برسوں میں یا اس کے پیچھے جو (सम्प्रदायिक दंगे) سمپردائیک دنگے اور جھگڑے ہو رہے ہیں کہیں نہ کہیں ان کا कारण سمجھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور ان کی جڑ کو इतिहास میں جا کر دیکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اس وجہ سے کہ جیسا شرما جی نے کہا کہ کئی بار ہم اپنے Prejudice کے अनुसार اپنی इच्छा کے अनुसार اپنی पूर्वाग्रह کے अनुसार جڑ کو Medieval history تک لے جاتے ہیں یا Ancient history تک لے جاتے ہیں اور اپنے अनुसार History کو Interperrate کر لیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ کئی بار اورنگ زیب کو آپ جیسا دیکھنا چاہتے ہیں ویسا لکھتے ہیں اگر اکبر کو اچھا دیکھنا چاہتے ہیں تو اچھا لکھتے ہیں۔ اس پر جو باتیں ہو رہی ہیں۔ اسکول میں جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں اور اس کے پہلے جو Suggestions آئے اس سے میں بہت सहमत ہوں کہ Education کو بالکل Free Enterprises جو بنا دیا گیا اور بالکل کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ آپ جیسے چاہیں اسکول کھولیں جیسی چاہیں کتابیں پڑھائیں اس وجہ سے اس بات کی بھی چھوٹ مل گئی ہے کہ جیسی چاہیں ویسی History لکھی جائیں۔ چونکہ یہ National History ہے۔ ہمارے دیش کی History ہے اس لیے لئے جیسے چاہیں لکھنے کی چھوٹ کسی کو بھی نہیں دی جا سکتی۔ اس میں ہمارا اپنا सुझाओ یہ ہے کہ धार्मिक आधार پر جو اسکول چلائے جا رہے ہیں اور धार्मिक आधार پر جو राष्ट्रिय इतिहास لکھا جا رہا ہے چاہے Ancient period کا ہو یا Medieval period کا۔ یا Modern period کا ہو۔ اس پر روک لگایا جانا چاہئے اور جیسے قانون کے سلسلے میں وسی صاحب نے Proposal دیا میرا Proposal یہ ہے کہ सरस्वति शिशु मंदिर جیسا اسکول جو بعض جماعت کی طرف سے لیے اسکول چلائے جا رہے ہیں تو ان اسکولوں پر پہلے پابندی عاید ہونی چاہئے نہیں تو ایسی History writing کو ہم کبھی نہیں روک سکتے۔

جناب فرخ جلالی، علیگڑھ:

درسی کتابیں لکھنے والوں کی مجبوری یہ ہے کہ تاریخ کے ماہرین اردو سے ناواقف ہیں [illegible] کتابیں زیادہ ہیں۔ اردو سماج کے بارے میں N.C.E.R.T. یا دوسرے ادارے خود نہیں جانتے کہ ملک میں ہندو مسلمانوں نے مل کر جو اصلاحی کام کیے ہیں انہیں نصاب میں شامل کیا جائے۔ درسی کتابیں ہر تیس سال کے بعد بدل دینی چاہئیں کیونکہ تمام مصروفیتوں میں

یہی ہوتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کتاب دیکھ لیں۔ اورنگ زیب کی حکومت کے زوال کی ایک وجہ یہی تھی کہ اس کی حکومت میں ہندو مسلم کے بجائے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور خود اس کے ننہیال کے ممتاز محل کے خاندان کے لوگ زیادہ تھے
Initial period میں یہ ہے کہ ہم باقاعدہ Buddhist period کو نہیں مانتے۔

ڈاکٹر ظہیر الدین ملک، علی گڑھ:

کل سے ابتک جو اقتسابات اور Abstract ملک کے مختلف کونے سے سننے میں آئے ہیں، بہار، یوپی گجرات، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش اور دوسری جگہوں سے۔ اس سے سرکار کا ایک Common pattern of behavior اور ایک ہی طرح کا Common factor نظر آتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس Pattern کے پیچھے کیا Moti vation ہے۔ یا ایک Motivate policy کے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے یا Detoriation of facts یا History کے تحت سے ہو رہا ہے۔ اس کا پتہ چلانا ضروری ہے پھر یہ جو بات ہے کہ اس کی جو وجہ ہے وہ Commu nalism ہے اور بغیر Communalism کے یہ Pattern ممکن نہیں ہے۔ ایک صوبہ میں ہو سکتا ہے، دو صوبے کے اندر ہو جائے یہ بات ذہن میں آتی ہے، لیکن پورے ملک کے اندر ایک قوم کو ایک برادری کو اس صورت سے بدنام کرنا تاکہ یہ نفرت ختم نہ ہو اس صورت سے بچوں کے ذہن میں زہر ملایا جا رہا ہے اس کی کوئی سیما ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پر Socio Economic کا اثر ہے۔ مذہب اس کا کاٹ نہیں ہونا چاہیئے۔ جو History کو Distort کر کے پیش کر رہے ہیں ان کا مقصد ان کے مذہب کو بدلنا نہیں، اس مذہب کو ختم کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی نفرت سے ان Socio Economic problem کو جو اپنے Fever میں چاہتی ہیں ان کو لانا ہے اور اس کی جو Basis ہے وہ اقتصادی ہے۔ Social basis ہے۔ اس Communalism کی Basis مذہب نہیں ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ کتابوں میں ہم کیا لکھیں اور کیا پڑھایا جاتا ہے۔ میں تیس سال سے پڑھا رہا ہوں اور Examiner بھی رہا ہوں بس بہت معمولی مثال دوں گا۔ کشمیر کے اندر ایک یونی ورسٹی ہے سری نگر، اس کے History کے اساتذہ سے میری ملاقات ہے، میں جانتا ہوں کہ کس صورت سے وہ پڑھاتے ہیں بہت اچھے قابل لوگ ہیں اور وہ مجبور ہے ہیں کہ کس طرح سے پڑھایا جائے وہی Ideas ہیں ان کے پڑھانے کا۔ وہاں اکثریت مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کی ہے ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ Examiner کون ہوگا۔ لیکن جہاں کہیں بھی اورنگ زیب پر سوال دیا ہے وہاں اس کا جواب اسی جملے سے شروع کیا ہے کہ "اورنگ زیب نہایت کٹر سنی مسلمان ہندوؤں کا دشمن" وہ یہ لکھتے ہیں جس میں زیادہ تر تعداد مسلمانوں کی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ Destortion of History اتنا Deep rooted ہوگیا ہے کہ پورے ملک کے اندر ہر بچے کے اندر چاہے آپ

کسی طرح پڑھائیں لیکن وہ چیپ نوٹس کے سہارے یا شاید اس لیے کہ Examiner خوش ہو جائے گا وہی لکھ دے گا۔ تو میری گذارش یہ تھی کہ ہم جو Historians ہیں ہم اپنے Jurisdiction کے اندر جہاں تک ہم سے ہو سکے کام کریں لیکن وہاں آتنی کامیابی نہیں ہوگی جب تک کہ اس سے زبر جسکی Basis ، Socio Economic ہے لیکن اس نے مذہب کا رنگ اختیار کر لیا اس کے طریقے کو اپنے بس میں نہیں کر لیں۔ وہ Leaders کے کس میں ہیں جو نہیں چاہتے ہیں کہ سب قومیں مل کر بیٹھیں ورنہ ان کی ذاتی مفاد پرستیوں میں آنچ آجائے گی۔ بلکہ یہ کہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی کا جو Indian Persian Litterature ہے انڈیا کا اس کے اندر Indian society کا جو Study fiction ہے اس کی تقسیم مذہبی ہے اسے مسلمان Historians نے نہیں بنائی ہے بلکہ وہ مغل، افغان، راجپوت اور بندیلا یعنی Racial Studyfication ، مسلم Students نے 16th and 17th Century میں کیا ہے۔ یا اسکے پہلے کی جانکاری مجھے نہیں ہے تو وہ لوگ بہت زیادہ سیکولر تھے اور اب ملکانی نے جو Acts organisation کے Reader ہیں، Biju Patnaik نے جسے کرایا ہے وہ بھی اب اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ پھر سے ہم Indians کو اٹھارہویں صدی کی طرف جانا چاہیے جیسے ہم لوگ پہلے رہتے ہیں۔

صدر جلسہ کے تاثرات

حضرات یہ بحث کافی طویل ہو چکی ہے اس لئے میں چاہوں گا کہ اپنی بات مختصر کہہ کر جلسے کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا جائے۔ تاریخ کے اساتذہ یہاں موجود ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اسمیں سکھ بھی ہیں یا نہیں چلے جائیے بیجے میوزیم ہے اس میں بہت سی چیزیں ہیں۔ ممکن ہے ادھر اسمیں بہت سی چیزیں جوڑ دی گئی ہوں۔ ان میں کچھ oil paintings ہیں جن میں ہندوستانی حکمرانوں کے مسلم مظالم کی داستان بیان کی گئی ہیں اور جسطرح وہ تصاویر دکھائی گئی ہیں جس طرح ان کی نمائش کی گئی ہے آپ سکھ نہیں بھی ہیں تو بھی آپ کا خون کھول جائے گا۔ میرا خون کھول گیا تھا۔ میرے میری بیوی اور میرے بچے تھے میں اسے دیکھ کر آگے بڑھ گیا تاکہ وہ نہ دیکھ سکیں میں اسے پہلے دیکھ چکا تھا۔ ادھر کچھ نئی چیزیں جڑی ہیں جو ادھر ہوئی ہیں۔

چلے جائیے متھرا، متھرا میں ایک مندر ہے۔ Sri Krishna Guest House کئی دنوں مجھے وہاں رہنے کا اتفاق ہوا اور کئی دنوں تک میں نے اس مندر کو دیکھا۔ حالانکہ میں تاریخ کا آدمی نہیں ہوں میں نے صرف school Level تک History پڑھی پھر اس کے بعد میں نے History نہیں پڑھی۔ وہاں جو ایک مندر تعمیر کیا جا رہا ہے

مندر ضرور تعمیر کیا جائے لیکن اس کے اندر جو ایک اسکول قائم ہو رہا ہے اور اس کا جو ایک مقصد ہے اس پر آپ لوگوں کی نگاہ ہونی چاہیے اور History کا جسطرح Distortion ہو رہا ہے صرف راستہ دکھا کر اس کی اصلاح نہیں ہوگی۔ فضا میں زہر گھلا ہوا ہے اس مسموم فضا کو آپ کس طرح پاک و صاف کریں گے ہم نہیں جانتے۔ لیکن بہر حال آپ کا ایک بڑا حصہ ہے آپ سوچ سکتے ہیں۔ کچھ دنوں پہلے آپ کو یاد ہوگا کہ جب مشرقی پاکستان کا سقوط ہوا اس سے پہلے مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش بننے سے پہلے کی بات کر رہا ہوں اور جب لڑائی چھڑی تو صرف بنگالی تھے جو اگرچہ مسلمان تھے لیکن انھیں ہم مسلمان نہیں مانتے تھے انھیں کافر کہتے تھے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم کیا سوچتے ہیں۔ ہمارے سوچنے کا یہ انداز کیا ہے۔ تاریخ میں جائیں، نصابی کتابوں میں جان بوجھ کر ذکر کیا گیا ہے۔ دیوی درگا، پیغمبر، پیر کا ذکر ہے۔ اسے وہاں سے نکال دینا چاہیے! لیکن کسی ہندو سے یہ کہنے کہ ہم اپنے پیر، فقیر کو جس طرح دیکھتے ہیں وہ اسی طرح دیکھے، اسی طرح برتے' یہ مشکل ہے۔ ابھی ایک صاحب اپنا پیپر پڑھ رہے تھے جب رسول کی بات آئی تو اٹھ گئے 'صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پڑھا اور کہا چوک ہوگئی، کیوں چوک ہوگئی۔ لیکن وہی بات اگر شیر سنگھ کریں گے تو زبان زدنی قرار دیے جائیں گے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ انداز بدلیے۔

آپ اور ہم مسلمان ہیں۔ آپ لا اکراہ فی الدین کے ماننے والے ہیں۔ لیکن ہم کس طرح اہانت کرتے ہیں دوسرے مذہب والوں کی، وہ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے، کہنے کی نہیں ہوتیں، میں بھی نہیں کہوں گا۔ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں' آپ تاریخ کے بڑے عالم لوگ ہیں اور میں نے آپ کے سامنے زبان کھولی ہے۔

●●

5. Ibid.

6. Ibid

7. Mukhia Harbans, *"Perspective on Medieval History"*, Vikas Delhi. 1993 p.p. 33-45.

8. Arjun Deo; Ibid.

9. Arjun Deo, Ibid.

10. Basu Nilotpal *"Manipulating History, A crime against young minds* People's Democracy 20. 6. 1993.

11. Ibid.

12. *"Sponsored Communalisation of Education"* New Age 28.2.1993

13. Panikkar K. N. *"Culture and Communalism"* p.p. 24-31, Social

14. Scientist No. 238-39, Vol. 21. 1993.

15. The People's Democracy - 20. 6. 93 and The New Age-'21. 2. 93.

against the basic values that are given to us by the framers of the Indian Constitution. We have to be on guard against the misuse of history.

The people must take initiative and tell the government that it should not allow old and out-dated textbooks to continue. Different social and political organisations should see to it that new textbooks correctly reflect the values that are given to us by our freedom fighters and the basic principles enshrined in the new education policy of 1988

The new education policy wants to inculcate secular and humanistic values in the students. It wants the students to imbibe the basic ideals of Indian freedom movement and Indian Constitution. The students should understand the tradition of composite culture of India. They should believe in equality of men and women and the protection of ecology. It should develop the spirit of inquiry and scientific temper.

The educational policy clearly points out that while teaching history and civics to the students of class 5th to 8th, the students should be acquainted with the plural and composite nature of Indian culture. The student should be made to free himself from caste and communal prejudices, regional and parochial attitudes and all sorts of irrational thinking. He should adopt progressive and scientific attitude. The students should be told that for the establishment of a just and egalitarian society, social change is necessary. He should understand evolution and development of Indian history in the light of world history. Also the students should develop the capacity to understand the contemporary problems of the society through the historical perspective. The students should learn to develop critical and scientific attitude towards history.[19]

We must try to prevent the misuse of history textbooks to score political gains. We should not allow people to see our past in present and to rake up imaginary quarrels from the past. We should oppose the people who launch political movements to correct the so-called 'wrongs' in history. These movements come in the way of national integration and generate unnecessary conflicts between different people.

REFERENCES

1. Rudolph L and Rudolph S "*Cultural policy - the textbook policy and cultural identity.*" p.p. 131-54 in Wilson A and Dalton D Integration in states of South Asia. Vikas, New Delhi. 1981.
2. Prasanna Kumar J Fundamentalism and National Integration.
3. (Unpublished Ph.D. thesis accepted by Dr. Ambedkar Marathwada University) p.p. 114-15.
4. Arjun Deo "*Distorting History to suit political ends.*" ew Wave, 25. 2. 1993.

tory should focus attention on the social forces at work. The chairman of the history subject committee, Dr Deshpande writes that[11] because of the Chief Minister's promise that not a word would be changed from the 25 years old book, the communal overtones remain. Incitement to violence is still there. All the work that was put in for the revised draft is lost for ever. We were all asked to surrender our copies to the government. The violent and communal history being dished out to 4th standard students in Maharashtra will not change since this is a matter of legislative action on the floor of the house. The government will find it difficult to go back."[18]

Infact the new portion on Shivaji was historically more sensible and accurate as it correctly sought to tell the students the true achievements of Shivaji and his greatness, instead of creating a myth out of history to divide the people. One can say that due to incitement by the newspapers, communal and parochial elements gained an upper hand. Simultaneously, the socialist and nationalist forces did not protest because they didn't want to lose votes.

This decision of the government has created many problems. To accommodate 76 pages of Shivaji, the government dropped the portion on Indian culture and included it in the textbook for 5th standard. Due to the arbitrary action of the government, the size of 5th standard has become unwieldy because now it consists of 4 sections and its size has increased by 20 pages. It now deals with story of freedom, the story of India's freedom movement, Indian culture and civics. The pages are curtailed and the book has lost its inner cohesion.

It is regrettable that the government pursued the policy of succumbing to the pressure of communal and chauvinistic forces. It is necessary that the 4th Standard book should be thoroughly revised and all the communal references in the text that harm the cause of national integration should be deleted.

IX

We have seen in the preceding pages how the ghost of Elliot and Dowson is still alive and kicking. We have not yet seen the history textbooks for remaining classes. But what is important is that we must free ourselves from the traditional historiography which lays emphasis on the personalities and gives more importance to political history. We must take into account social and economic aspects of history. We should not impose our modern concepts. Concerns and ideas on to the past because as historians we are committed to truth.

The BJP government in UP, Rajasthan, MP and Himachal Pradesh tried to rewrite history. The attempt was to communalise history and to strike at the very foundations of Indian nation state. These attempts went

1988 put forward ten basic principles that are to be inculcated in the students so that they can develop progressive attitude in their life. The students are asked to imbibe values like liberty, equality, fraternity, democracy and secularism. It wanted to promote the ideas and values that were passed on to us by leaders of our freedom movement.[15] The old book for 4th standard consisted of 92 pages and out of these 76 pages were devoted to Shivaji alone. In this book, Shivaji's life and career was depicted in communal perspective. And at times it even incited communal passion. It was decided to revise the syllabus for the 4th standard. It consisted of three sections. The first section dealt with Indian culture, its evolution, its multi-faceted character and its role in making India a nation. In the second section there was a discussion on Shivaji in the light of the new historical perspective. It consists of achievements and contribution of the saint poets of Maharashtra, development and organisation of the Swarajya of Shivaji, the consecration ceremony of Shivaji and its political significance. It was attempted to inculcate in the students, the spirit of unity and public welfare fostered by Shivaji.[16] The third section was devoted to civics. The Balbharati requested the subject committee on history to prepare a new textbook on the basis of this syllabus. The committee prepared the textbook, and the section dealing with Shivaji was drafted keeping in view the directives given by the government. As per the procedure of the board, once the text is ready, it goes out for a try-out session. For this session, 60 teachers from different parts of the state are invited. These teachers discuss the text thread-bare and give useful suggestions. During the try-out session of this book some portion of the text were leaked out by teachers sympathetic to Hindutva and a public campaign against the new book was launched.

The Saamna of Bombay and the Kesari of Pune took the lead and argued that the government of Maharashtra was trying to belittle the importance of Shivaji. They held that the board had reduced the biography of Shivaji by nearly 40 pages and Shivaji depicted in the new text is not inspiring to students as descriptions are placid. They held that history should be studied to learn from it and to repeat it to emulate it. The vicious campaign launched by these papers ultimately succeeded because the Sena MLAs raised this issue in the assembly. All MLAs of different political parties including that of the Left parties and the Janata Dal supported the argument of the Sena leaders that the government has belittled the importance of Shivaji. The unanimous opinion of the house unnerved the then Chief Minister of Maharashtra, Mr. Sudhakarrao Naik and instead of defending the policy of the government, he declared that the government would retain the old book and not a single word of it would be changed.[17]

Before the chief minister made this announcement, the education minister was trying to defend the policy on the floor of the house saying that the government was only trying to de-individualise history. That his-

4) After receiving Shivaji's message, Afzalkhan laughed and twirling his beard, he said "Oh! Very good! What is Shivaji before Afzalkhan! He has no courage to fight with me. I should go to Pratapgarh and crush him." (p. 34)

5) The Khan attempted to kill Shivaji with the help of a small sword *(Khanjar)* but Shivaji wasn't hurt because he wore an armour. He swiftly whipped out his *Bichwa* and pierced it in the soft belly of the Khan. His intestines came out and he collapsed. Khan's assistant, Krishnaji Bhaskar came forward to help Khan but Shivaji slew his with a stroke of lancer. Sayyad Banda was about to attack Shivaji, but his assistant Jiva Mahale at once killed him. (p. 36- 37)

6) The consecration ceremony of Shivaji was described in great details but the constitutional and political significance of this ceremony was not pointed out.

7) Under the title 'Living source of inspiration' the picture of Goddess Tuljabhavani is depicted. This chapter is written to tell students what lessons they should draw from the life of Shivaji. The author writes that "protection of good people and extirpation of bad people" was the motto of Shivaji.(p. 75.76)

8) Shivaji never bent his knees before the foreign powers that were very powerful and supported by lakhs of soldiers (p. 76-77)

The author in the book has told the story of Shivaji with lot of devotion rather than objectivity, and instead of correctly creating historical awareness about the life and times of Shivaji, he encourages hero worship. He seeks to inculcate superstition, credulity and unscientific attitude about Shivaji who normally did not like credulity and blind faith in fate. The author tries to drive a wedge between the Hindus and Muslims by calling the Muslim rulers as 'foreigners'. We may have many reservations about some of these Muslim rulers as far as their oppressive regimes are concerned but it is difficult to call them foreigners because they were living on these lands since 400 years. The author implicitly accepts the two nation theory as the Hindu enemies are considered as the opposition from our own people, and the opposition from foreigners means the opposition from Muslim rulers of the country. As it is rightly pointed out we still have a medieval approach towards history. Instead of introducing a new value system, the book encourages communal and jingoistic interpretation of history that incites violence and parochialism.

VIII

The government of Maharashtra decided to revise syllabus which had been taught to the students since 1967-68. It was felt that new cultural values should be introduced through these books. New education policy of

For the third standard a book called 'The story of Man' is introduced. It is a well written and beautifully produced book. It is based on the syllabus prepared by NCERT and it discusses the evolution of man from stone age to the age of agriculture. This book was well received and the young boys liked it. But the communal elements did not like it and some newspapers in Maharashtra launched a vitriolic campaign against it. The Kesari of Pune took the lead and the 'learned' executive editor of the Kesari didn't understand the difference between the story of man and the story of stone because he couldn't differentiate between the story of stone and the story of stone age. He seemed to be comfortable with the former. In his editorial he further wrote "It is not the story of man but it is the story of monkey."

But this opposition was just the beginning of the movement launched by the Kesari to communalise Indian history at the behest of certain communal elements in the country. The Kesari and other Hindu communal elements launched their movement against new history textbook for the 4th standard which was greatly revised under the new syllabus.

VII

After the formation of linguistic states in India, every state tried to find out its local heroes and glorified them in order to secure the support of the masses. In the process, the political leaders gave a lot of encouragement to parochial and sectarian forces. In Maharashtra, the life of Shivaji was considered praise-worthy because he established his own independent state and gave inspiration to freedom fighters during India's freedom movement. Naturally, Shivaji occupied a prominent place in minds of the Marathi speaking people. 25 years ago a special book on Shivaji, Raja Shivchhatrapati was prescribed for the students of fourth standard. It was written in a jingoistic language and gave encouragement to violence and war-mongering. It is in the general tenor of the books written for 5th to 7th standard.

Following statements clearly indicate the ideological position of the author:

1) Shivaji said "all states surrounding us are alien states and we should establish our own state. We should not live under the foreign rule." (p.21-22)

2) Shivaji found a secret treasure at fort Torana and some of his followers thought that Goddess Bhavani had blessed him. (p.27)

3) Shivaji faced challenge from both alien enemies and the enmity from his own people. Adilshahi, Siddi, Portugese and the Mughals were the alien enemies and Nimbalkar, More and Ghorpade were enemies coming from our own people (p. 29-30)

chapters deal with the life and times of Shivaji which is the summary of what is presented to the students in 4th standard. It was a history of kings, their battles and their conspiracies to capture political power. Attempt is always made to glorify the past. For example, the author writes "The Hinduvi Swaraj established by Shivaji was people's state, it was based on justice and morality, welfare of the people the opposition to repression and restoration of peace. Protection of Hindu culture and Maharashtra dharma was the noble aim of the Swaraj."(p.11) Marathas were proud of Hindu religion but they pursued the policy of religious tolerance. The author still divides Indian history into Hindu and Muslim periods therefore, he writes "After the battle of Panipat, both the Marathas and Mussalmans became weak.(p.72) He tries to show that while Hindus were not united, the Mussalmans were. But the fact of the matter was that both of them were divided because of political conflicts.In the third book of the series the history of modern India is discussed. The author of the book has criticised Mahatma Gandhi for his 'pro—Muslim' attitude. He writes "Gandhi didn't approve of hatred of Muslims. He was of the view that India should pay Rs. 55 crores to Pakistan (it was her share) and cooperate with her. But there were many people in India who didn't like the generosity of Mahatma Gandhi. The news of massacres in Pakistan and the prevailing atmosphere of fear convinced them that Gandhi's generosity was uncalled for. But due to insistence of Gandhi the government agreed to pay Rs. 55 crores to Pakistan." Subsequently Gandhi was shot by a lunatic. (p.139)

On the issue of giving the share of Rs. 55 crores to Pakistan, Gandhi's position was just and moral because after both the countries agreed to partition they had to fulfill the obligations that were binding on both the parties. It is wrong to call it 'uncalled for generosity'. Gandhi was vilified by the Hindu communal forces on this issue and unfortunately, the textbooks prepared by the Congress government backed it. Secondly, there was an elaborate and well planned conspiracy to assassinate Mahatma Gandhi and it was not a stray act of a lunatic. The investigation by the government of India had clearly proved this fact. Most of these textbooks represented backward historiography which neglected social economic and cultural aspects of history, and laid more stress on political history, especially the history of dynasties, monarchs and their internal struggles and conspiracies. They highlighted military conquests and battles. They failed to understand that religious cleavages formed only one aspect of history and it should not be considered as the most important aspect.

VI

As I have written earlier all these books are now withdrawn and new history books are being written. These books are certainly better than the earlier books but the communal forces had begun a campaign of caulmny against them.

author is again trying to give religious colour to a political struggle between different kings. Both Hindu and Muslim kings were supported by Muslims and Hindus. Some of the aggressors and their successors lived here for a few hundred years and they became the inhabitants of this land. In history, the entire Muslim community from Mohammad Bin Kasim to Hadirshah couldn't be considered as a homogeneous group or the attacking party. If we accept this proposition, we fail to understand the complex social reality of Islam in India . As a result, we treat a Muslim as a foreigner and not a national of this country. Here we can clearly see how the historiography of Dowson and Elliot could justify the concept of existence of two separate nations in India!

It is true that all Muslim rulers were not tolerant and enlightened. In fact, on the advise of bigots and fanatic Mullhas they commited atrocities on Hindus. Further, preferential treatment was given to Muslim clergy. But this was not true about all Muslim rulers. In most of the cases they had to depend on their Hindu supporters because if the Sultan followed the religious policy recommended by the clergy, due to hostility of the Hindus, his position became insecure and if he followed tolerant policy he couldn't pursue the religious policy advocated by the mullas. Therefore, normally they had to steer the middle course as their identification with the Hindus might encourage pretenders to the throne to use the Mullahs and Islam to capture political power.

The fight against the aggressors was a continuous process and many Muslim kings had to protect their kingdoms against the attacking Mongols, Turks, Iranians and Afghans. The Mongols, Tamurlane, Nadirshah and Ahamadshah Abdali killed thousands of Indians both Hindus and Muslims, and both Hindu and Muslim kings fought against foreign invasion. The internecine and imperialist wars among different states such as Akbar's attack on Nizamshahi or Gondvan can't be called 'foreign' invasion. It is the pernicious tendency of this writer to depict the local political struggles as the 'national' struggles between Hindus and Muslims.

It is true that Akbar was a Mughal king who pursued the liberal religious policy. But it is difficult to agree with the opinion of the author that he was the only Mughal emperor to do so. Babur, Humayun, Jahangir and Shah Jahan, by and large, pursued tolerant and liberal religious policy. Only Aurangzeb was a bigot who destroyed the foundations of Mughal empire by persecuting Hindus and Sikhs. He imposed *Jezia* on the Hindus. Barring few exceptions like Sikandar Lodi, Pherozshah Tughlak and Aurangzeb the Jezia was never imposed on Hindus and it was beyond the capacity of any emperor to enforce it all over India. It was very obnoxious tax which was rightly disliked by the Hindus.

The second book in the series meant for 6th standard is 'Our India' and in this book entire history of the Marathas is incorporated. The first 8

(2) If Huns, Shakas and Kushans were aggressors then the Aryans were also aggressors. But it seems, the author identifies himself with the Aryans, and so he doesn't treat them as foreigners. Vikramaditya might have destroyed the Shaka kingdom but by that time, the Shakas were completely Indianised as the name of the king defeated by Vikramaditya was Rudrashimha. It is difficult to call these Shaka kings — foreigners — when they had been living in India for 300 years before Vikramaditya. There is no golden age in history because in ancient and medieval times, upper classes and castes maintained their power by suppressing the lower classes of society. The concepts of golden age is a myth and no age could be called the golden age as such.

(3) During the Gupta period there was no rivalry between Hindu religion and other religions, and so it wasn't necessary for the Guptas to be proud of their religion. Secondly, during that period there was no concept of unified Hindu religion. During that time the Shaiva or Vaishnava sects were more important.

(4) Mohammad Ghazni was primarily interested in plundering the riches of this country. When it suited him, he used religion as a weapon to gain legitimacy. He was supported by a large number of Hindu soldiers and there were some Muslim soldiers in the army of Anang Pal. It was primarily a political battle and it shouldn't be treated as a battle between two religions.

(5) Mohammad Ghuri was more interested in establishing his kingdom in India and Chauhan wanted to protect his own state. For both of them religion was secondary. The Turks were more interested in consolidation of their rule in Punjab and Delhi than in the spread of religion.

(6) It is wrong to glorify the Yadav kings because in their state prevailed religious intolerance and caste arrogance in the Hindu society. It was corrupted by religious rites and priestly deceit. It is difficult to accept this contention of the author, since contemporary Marathi sources like the "Leela Charitra" give a different version of the Yadav period.

(7) Both Rana Udaisingh and Rana Pratap were proud of their kingdom, and they showed admirable courage in fighting against the Mughals. But the struggle between the Mewar and the Mughals shouldn't be interpreted through religious perspective because Rana Sanga and Rana Pratap were solidly backed by Pathan soldiers. In the famous battle of Haldighati, Pratap was supported by the large Pathan army of Hakim Khan that bravely fought against the Mughals army led by Mansingh.

(8) The communal historians always viewed Indian history as the struggle between Hindu and Muslim religions. They held that Hindus continued to offer resistance to the Muslims and through the efforts of the Marathas, the Hindus succeeded in defeating the Muslims. Once again, the

(6) Rana Uday Singh of Shisodia clan was very proud of his Kshatriya caste and Hindu religion. He fought against the emperor Akbar to protect his state and religion. (p.81) Rana Pratap also wanted to protect his states and religion. (p.87)

(7) During that period Hindus had to pay the offensive tax called *Jezia*. Akbar abolished it. He was the only Mughal emperor who followed the liberal religious policy.(p.84,86)

(8) Mahamud Ghazni and Ghuri attacked India but the Rajputs tried to defend India. Allauddin established the rule of Delhi Sultanat in south India. Shankar Deo Yadav sought to fight against it, but he failed. The great Vijay Nagar empire tried to defend the country for some time but this glorious empire was destroyed by oppressive aggressors. The Marathas took up the cause of protection of independence of the country in their hands.(p.100) This is the introduction to the chapter on Shivaji "The struggle for Swaraj".

In the concluding chapter of the book the author writes, that since 8th century — Arabs,Turks, Afgans and Mughals came to India. Some of them came for plunder and others came to spread their religion. They forcibly converted a large number of Hindus to Islam, but slowly they got adjusted to India which became their motherland. But immediately, he writes "we have a long tradition of fighting against the aggressors. Puru, Chandragupta, Vikramaditya, Dahir Bappa Raval, Rana Pratap, Shivaji, Durgavati, Tarabai and Chandbibi are some of the names. They staked their life for the sake of the country. We have a tradition of such brave heroes in our country. There lived great kings in our country. They thought that king was the father of subjects. There were many generous kings in India who distributed all of their wealth from their treasury. Such is the glorious tradition of our motherland and for that purpose only we should pray to her by singing the national song 'Vande Mataram' with full devotion." (p.100-108)

This book is a good example of communal historiography as the author tries to impose modern ideas and notions in the medieval history. We can refute his statements in the light of new facts in the field of history.

(1) It is difficult to say that Harappan culture represented Hindu culture. It was also wrong to argue that the idol of Unicorn man on the seal was that of Pashupati or to identify the mother worship with that of the worship of Shakti because Pashupati and Shakti concepts became popular mainly, after the first century AD One can certainly say that perhaps the fertility rites go back to Harappan age but it can't be immediately identified with full –fledged worship of Shakti that became popular only after the first century AD.

should give lessons to students in nationalism and patriotism against the foreign aggression. History textbooks from 4th standard to 7th standard were permeated with this feeling. Again the textbook writers were greatly influenced by contemporary historiography and despite the best efforts, the old prejudices got reflected in the textbooks.

The textbooks from 4th to 7th standard are under review, and now withdrawn because a new syllabus has been introduced and new textbooks are being prepared. It seems that new history books are certainly better than the earlier books. The old books are reviewed here to show that despite their communal nature and the secular protestations of the government, these books have continued to soil the minds of young students for the past 25 years. I shall now review 3 textbooks meant for 5th to 7th standards and then I shall discuss the problem of new textbooks for the 4th standard.

V

For the fifth standard students, a book 'Our India' was written. The contents of this book were communal and chauvinistic by nature. This book covered Indian history from the Harappa culture to the death of Aurangzeb. While introducing the subject, the author says "We are one nation, we have one national flag, one national aim and our cultural tradition is one and our interest also one. This feeling of unity has been there since ancient times." (p.3) The book exhorts students to sacrifice everything in the cause of nation and its glorious cultural tradition.

Following are some of the statements made in this book:

(1) Regarding Harppan culture see the idol of Pashupati. There are horns on its head. Pashupati means Shiva. Shiva was their main god. They used to worship Goddess Shakti. (p.11)

(2) The age of the Gupta was the golden age in Indian history and Emperor Vikramaditya was proud of Hindu religion and Hindu religion prospered during his reign. (p.53)

(3) The king of Punjab Anang Pal was a proud Hindu and to protect his religion and kingdom, he brought about the unity of all Rajputs against the avaricious Mahamud Ghazni but he was defeated.(p66)

(4) Prithviraj Chavan fought against Shahbuddin Ghuri to protect his kingdom and religion. Ghuri wanted to spread his religion and capture Indian states. (p.68-69)

(5) The Yadav kings were very religious and lovers of learning. The people were very happy under the Yadav rule. (p.71-72)

Govalkar as a freedom fighter but the fact of the matter is, except Dr. Hedgewar, no RSS leader took part in the freedom movement.

(5) Hindus tried to protect their caste system. It maintained high standard of morality and purity of blood.[10]

(6) Prithviraj Chavan killed Mohamad Ghuri and his dead body lay on the feet of Prithviraj.[11]

The language of these books is very offensive and abusive. It is full of hatred. These books must have generated a lot of hatred against the Muslims in north India. The RSS schools published a book 'Sankar Saurabh' which had a picture of greater India with Goddess Shakti holding a saffron flag in a hand and leaning on a Lion. In one of the boxes it is written that, "We are Hindus and Hindustan is ours. We are its original inhabitants and have been living here since the beginning". In the book 'Sankar Saurabh' No.3 meant for fifth standard students, there is a lesson on the Karseva of 30th October 1990. It narrates the martyrdom of the Kothari brothers in the cause of the temple at Ayodhya.[12]

The textbooks prepared by Muslim communal bodies does the same thing in reverse, as they condemn Akbar and glorify the achievements of Aurangzeb. It lays emphasis on religious perspective and tries to undermine the progressive perspective.[13]

IV

The history textbooks in Maharashtra were prepared by Balbharati in late sixties. In Maharashtra, the history of the Marathas and the life of Shivaji was presented to students in a distorted form. It is a well known fact that Shivaji and his successors in 18th century never pursued anti-Muslim religious policy. But the communal Hindu historians termed the Maratha history as the establishment of 'Hindu Pad Padshahi' and argued that Sadashivrao Bhau went to Delhi in 1970 to enthrone Vishvasrao as the emperor of India. It is a well-known fact that the Marathas fought the third battle of Panipat to protect the Mughal empire and they never wanted to replace the Mughal emperor with a Hindu king. When Mahadji Shinde reinstated Shaha Alam to the throne, Shinde was awarded the title of Vakil-i-Mutlak. Shinde in turn presented it to Peshava Sawai Madhavrao who respectfully accepted it. Thus there was no concept of 'Hindu Pad Padshahi' but the Marathi textbooks before 1960 declared that the Maratha state was some sort of 'Hindu Pad Padshahi'.

The communal influences on the historiography in Maharashtra were very strong and when the new textbooks were being written for the government sponsored Balbharati in the late sixties, these influences worked under the garb of nationalism. At that time, India fought two wars against China and Pakistan and it was thought that history textbooks

Jazia should be imposed on Hindus because no communalist believes in peaceful co-existence.

Senior and respected historians like RC Majumdar couldn't transcend the categories created by Elliot and Dowson. He wrote that in ancient times the Hindu civilization reflected morning glory and noonday splendour and during the Muslim rule, there was the era of darkness and decline. He held that establishment of British rule in India was merely exchange of one foreign yoke for another.[8]

I have discussed this issue in detail because I am of the view that textbook writers borrowed their basic approach from these historians.

Now history textbooks are under attack from parochial and sectarian elements. After the re-organisation of state on linguistic basis, different state governments gave encouragement to the cult of local heroes. Hence Shivaji in Maharashtra, Rajendra Chola in Tamilnadu, Krishna Deo Rai in Andhra Pradesh, Rana Pratap in Rajasthan, Lachit Badfukan in Assam and assorted Hindu kings in Karnataka and Orissa became the state heroes. It is difficult to write anything critical about these heroes because now there is combination of communalism and the castiest provincialism. Further, political forces encourage chauvinistic interpretation of history to consolidate their own position. Glorification of th past to the extent of absurdity; anti-dating the events and finding of all ideas and philosophies in ancient period; denying or ignoring the cultural-intellectual-scientific or technological ideas received from other countries; and projection of medieval period of Indian history as an era of decadence, full of communal conflicts are the hallmark of communal historiography.[9]

III

When the BJP came to power in 1990 in UP, MP, Rajasthan and Himachal Pradesh, its government decided to change the history textbooks. It was an attempt to give communal colour to history. Following are some of the examples of 'history' taught to the students, in these states.

(1) The Aryans didn't come from outside as they were original inhabitants of India.

(2) Delhi's Kutub Minar was actually built by Samudragupta and its name was Vishnustambha.

(3) Whenever Arabs went they had a Sword in one hand and Koran in the other, they destroyed temples, libraries and the women-folk were humiliated. Mercy and justice were unknown to them, innumerable Hindus were made Mussalmans at the point of sword.

(4) A book on history has devoted 20 pages to the national movement, of which 3 pages are written on Dr Hedgewar. Some of these extolled

they misrepresented Hindus to Muslims and vice-versa. The peaceful Indian Mussalman, (descended beyond doubt from his Hindu ancestors), was dressed up in the garb of a foreign barbarian as a demolisher of temples and eater of beef and declared to be a military colonist where he lived for 30 to 40 centuries. They held that the Hindus were weak, emaciated from excessive heat; fit for stratagem and spoil.[7]

The Hindu communal historians borrowed all of their theories from the garbled history of Elliot and Dowson. They viewed Indian medieval history as a continuous struggle between Hindus and Muslims for 600 years in which the Muslims were constantly challenged by Hindus, until the Marathas in the 18th century, put the final seal of Hindu victory. Sawarkar wrote a book called six golden pages in Indian history and vilified even a liberal emperor like Akbar. The historians under the influence of the RSS maintained that India was the original home of the Aryans. They revised the chronology and maintained that Megasthenes was not working as the ambassador in Chandra Gupta Maurya's court but in the court of Chandra Gupta. Second of the Gupta dynasty! They wanted to push the age of Mauryas back by 1000 years ! According to them, the golden age in Indian history existed in ancient India as it was the period of great Hindu achievements. On the other hand; the Muslim period was depicted as a period of decadence. That is, 600 years of Muslim rule in India was treated as a homogeneous unit and didn't take into consideration the evolution of a composite Indian culture. They attributed crime and violence committed by fanatical Muslim rulers to the common Mussalman. They laid stress on political history which was selectively used to advance the cause of Hindu communalism.

The Hindu Communalists have now decided to rewrite Indian history. One retired engineer in Thane, Mr. Kulkarni has begun (a) project of publishing a multi-volume Indian history. A first volume on 'Adi Shankaracharya'.has been published. The general secretary of the Vishva Hindu Parishad, Mr. Moropant Pingale has declared that the VHP was going to publish 86 volumes of History of India because the present day Indian history is contaminated by British historians and the secularists.

Elliot and Dowson gave inspiration to Muslim communal historians who wanted to establish the validity of two-nation theory and uphold the cause of Muslim fanaticism. They held that before Muslims came to India there existed no culture or civilization, and the Indians learnt true culture and civilization from Muslims. They didn't approve of cultural synthesis between Islam and Hinduism and extolled the virtues of those Muslim rulers who destroyed temples, broke idols and forcibly converted Hindus. They detested a liberal king like Akbar. The Ulema sought to exercise influence through the politicisation of religion. They always insisted that

volumes of work entitled 'History of India as told by her own historians, which included carefully selected sources of medieval Indian history Henri Elliot was foreign secretary to British government of India and Dowson was a Professor in staff college Sandhurst. Elliot was frank enough to admit that the purpose of this project was to divide people on communal lines. His books highlighted the permanent enmity between Hindus and Muslims as the latter demolished Hindu temples, deprived Hindus of their religious rights, forcibly converted and massacred them. Most of the Muslim rulers were depicted as drunken tyrants and religious fanatics. This was done to convince the Hindus of the comparative advantage of British rule in India. He sought to prove that there were two nation — Hindu and Muslim in India and that the Hindu nation was conquered by foreign Muslims. The Muslim tyranny lasted for 600 years. Hindus were enslaved by Muslims and they were freed by the Britishers.[4]

The historical accounts written by historians of court were normally written in an archaic style, which eulogised the ruler and attributed qualities that he seldom possessed. Some of them were bigots and to please the king and the clergy they normally described every Muslim king as the Ghazi, who waged *Jihad* against the *Kafirs* and destroyed their temples and broke their idols and converted a large number of Hindus to 'true' religion. But very few Muslim kings were as fanatic as shown by these texts. Elliot and Dowson chose these passages to show the newly educated Hindus and Muslims that their history was a period of continuous warfare and that no peaceful co-existence between them was possible. It is not surprising that Elliot and Dowson's historiography was immediately appropriated by both Hindus and Muslim communalists to establish separate identity of Hindus and Muslims.

The communalists used the history as the opium of the people. They built-up illusions of a great past. Prof Arjun Deo writes "The two antagonistic communal trends complemented each other, each finding in Aurangzeb a justification of his variety of communalism; the Hindu communalists by believing that Aurangzeb's fanaticism is the final proof of irreconcilability of Hindus and Muslims. The Muslim communalists found him to be the pious Muslim who in a way laid the foundation of Pakaistan.[5]

The nationalist historians tried to present an alternative to colonial and communal interpretation of history. However, they failed in their efforts because they laid stress on political and administrative history and drew their inspiration from the same source. Again their categories of analysis remained communal,[6] hence they could be easily appropriated by communal historians.

Prof Mohamad Habib exposed the evil effects of history of Elliot and Dowson and wrote that their doctrines were introduced to vitiate young minds of rising generations. The evils wrought was incalculable because

school curriculum for the last 15 years. It also covers the controversy about the 4th standard history textbooks on Shivaji.

I

The history textbooks in India are constantly attacked by communal elements because through them they could impose their own version of history on the young students. Both Hindu and Muslim communal organisations run their own schools and prepare their own textbooks which are highly communal and distorted. The Jansangh element in the Janata party did the same thing after 1977 when they came to power in Rajasthan and M P[1]

National Integration Council realised the mischief played by the textbooks and in its meeting held in 1981, the committee asked the government to review textbooks and impart proper training to teachers. It exhorted the government to use modified textbooks in history and language after 1983-84.[2] By and large, this directive was not followed by state government.

It is very important that history textbooks should be written impartially because India is a multi-lingual and multi-religious country. There is a tendency in the society to interpret our present day problems in the light of past history. History was used by the communal elements to divide the people. Prejudice is so strong that consciously or otherwise, it seeps into social consciousness and makes enemies of our own neighbours.

Indian history is studied through three perspectives- 1) the colonial imperialist perspective, 2) the communal perspective and 3) nationalist perspective. The later two perspectives were also influenced by colonial historiography.

II

After the establishment of British rule in India, the Britishers decided to write a comprehensive history of India with a modern perspective. In the process, they invented the concept of Aryan race and Dravidian race and gave birth to a racial theory of history. The famous utilitarian thinker James S Mill was to write a history of India in 1817-18 without even visiting India. It was written for the benefit of British administrative officers. He divided Indian history into three phases - Hindu, Muslim and British periods and painted Indian society in the darkest possible colour. Both Mill and Macarulay wanted to sap the moral courage of Indians. Infact an early Indian nationalist, Vishnushastri Chiploonkar wrote in 1870s that it would take 100-125 years to show that both Mill and Macaurlay were dishonest.

This work of dishonesty was continued by Elliot and Dowson who gave the communal turn to Indian Historiography. They prepared 8

COMMUNALISM AND HISTORY TEXTBOOKS IN MAHARASHTRA

Dr Ashok Chousalkar

The history textbooks play a very important role in shaping the minds of the young students because if the textbooks are written through communal or sectarian perspective the students may develop sympathy for Communal parties that want to destroy the secular and democratic foundations of independent India. It is expected that the textbooks would inculcate the spirit of secularism and scientific temper in the minds of the students and prepare them for establishing modern and progressive society in India. It is our experience that the history textbooks play a very crucial role in creating communal consciousness.

In Maharashtra at the outset, textbooks on history were prepared by private publishers and barring few exceptions, most of them were communal. At that time Indian historiography was also not that developed, and it was easy to propagate communal ideas in the guise of nationalism. But in 1966-67, the government of Maharashtra decided to take over the production of textbooks. And so the Maharashtra Board of Textbook Production and Research or Balbharati was established. This board prepares textbooks for the students upto 8th standard and the SSC board gets textbooks prepared for 9th and 10th standards. The NCERT gives general guidelines to the state government as far as syllabus and preparation of textbooks is concerned. Normally the school syllabus changes every ten years because it is necessary to accommodate latest trends in the field of knowledge in the textbooks. But in Maharashtra, the syllabus for primary and secondary schools has not been changed since the last 15 years. In 1977, the state government should have effected the change but it had no time to do this. As a result, the Maharashtra students had to endure textbooks prepared in the late sixties up to 1994. In 1995, the last of the textbooks will be withdrawn because since 1989 the government had introduced new syllabus and new textbooks are being produced.

The nature of this study is tentative in the sense that all new textbooks are not ready and the old textbooks are in the process of being phased out. Therefore, it is primarily based on the old textbooks that dominated the

One big black hole in Mughal history has been illuminated in December 1987 issue of Azad Academy Journal under the title "The Biography of Babur for the missing period of 1528 A.D." It has been shown by giving eye-witness account recorded by his own daughter Gulbadan Begam in Humayun Nama that after one year of the battle of Khanwa against Rana Sanga on 16 March 1527 A.D. She stayed with his Royal father for three months at Agra and then accompanied him to Dholpur and Fatehpur and back. Many more details about the use of human figure to decorate the covers of holy-Quran dated 1776 A.D. now kept in Salar Jung Museum, Hyderabad under No.119 are given in our Research paper "Mock Pillars of Black Stone used by Mir Baqi", which is lying with Institute of Objective Studies, New Dehi for publication. Some black-holes in Mughal history have been illumianted in the Secular Emperor Babur, Vol.ii, now in print with Lok-Geet-Parkashan. More black-holes will be exposed to sun light in Vol.iii of The Secular Emperor Babur. We will be grateful to scholars if they help us in any way in our difficult task.



Reference

1. Gemstones and Minerals - John Sinkandas - p.78-101.
2. A Treatise on Rocks-Rock-Weathering and Soils-George Perkins Merrill, 1906, p.159-182, p.205-207.
3. Practical Masonary-William R., Purchase 1898, p.6.

best sand for sawing stone is flint road grit, it is sawed by the attrition of the saw plate with the sand and water.[3]

Then we require the services of a Botanist to tell us that Santalum Album (Sandal wood) tree is a semi-parasitic shrub. Its roots penetrate the roots of plants, like Bomboo, sugarcane and palm to sack nutrition for this plant. It grows only in drier parts of Mysore, Coimbatore and Salem districts at an elevation of 2000-3000 feet. It hardly exceeds 10 meters in hight in a period of 40 years. It seldom exceeds one foot in diameter. This includes a white coloured sapwood all around which is 2 inches thick, but has no scent. This is soft wood and easily attacked by aunts. If we remove 2 inches sapwood all around, we are left with a sandal log 8 inches in diameter. This heart wood is yellow-brown in colour, very hard and close frained and full of sandalwood oil. No botanist has come forward to explain how a 12 inches wide sandal wood beam, alleged to have been used in Babari Masjid, Ayodhya could be carved out of sandal log with maximum 8 inches diameter. I will let you know the secret. The so-called sandal-wood beam used in Babari Masjid is not a sandal-wood beam at all. It is black-stone veneering. Black-stone beam, with fine sapwood of sandal pasted on three sides visible to pilgrims has been used. This is not the job of historian. But since no botanist was coming forward, we had to do this ourselves. This unknown feature of the architecture of Babur has created lot of misunderstanding.

The 2nd unknown feature of Architecture of Babur is the use of Mock-pillars. Misguided by their false appearance, Hindus cooked up their own stories about Kasauti Pillars. Muslims not knowing their real character, became defensive. No body ever tried to know that they are not pillars at all. But a mere visit to State Museum Lucknow and seeing mock-pillars bearing No.G-278 and G-279 kept in the basement will clear anybody's dobuts. The mock-pillars fitted against the wall in the 3 gates of the central hall of Babari Masjid really look like pillars [base 9 inches square and capital 7 inches square.] But when detached from the wall they look like a mere stone shaft with neck which is less than 2 inches thick, with 9" x $4\frac{1}{2}$" base and 7" x $3\frac{1}{2}$" capital with $1\frac{1}{2}$" thick neck. Hereby I am giving the photograph of these mock-pillars kept in Lucknow State Museum.

These mock-pillars have been certified by Museum authorities as decorated black stone pilasters, belonging to 12th C.A.D. Mock-pillars used in Babari Masjid, look exactly like these mock pillars. So they also do not belong to any period prior to 12th C.A.D.

BLACK-HOLES IN MUGHAL HISTORY

By
Mrs.Surindar Kaur
w/o Mr.Sher Singh

The efforts of the Khuda Bakhsh Library to collect rare manuscripts on Medieval Indian History to fill up the gaps in Indian History, are no doubt commendable. But there are some black-holes in Mughal History which can not be illuminated even with these rare manuscripts. I will rather say they are not concern of historians at all. So called Black-Kasauti Pillars used in Babari Masjid, Ayodhya are a typical example.

To comment on Kasauti, we do not require a historian, but a geologist's service. No geologist has come forward so far to tell the gullible public (both Hindus and Muslims) that Kasauti is not at all a rare stone. It is available in abundance, $\frac{1}{3}$ of the Indian mountains are nothing but Kasauti stone. Its geological name is Basalt.[1] The stone chips we use in concrete roofs are nothing but Kasauti stone. But to test gold or silver on it, one has to apply a little bit of Ghee or oil on its surface to make the golden streak prominent. This is the trade secret which Indian goldsmiths do not want public to know. They sel' ordinary stone by applying Ghee or oil on its surface as Kasauti at exhorbitant prices.

These Kasauti stones can be reduced to clayey powder by agents of rock-weathering, like heat and cold, water inside the Kasauti stone and freezing temperature and atmospheric effect.[2] The other trade-secret we do not know is that stone pillars can be sawn into two exact halves. Only one has to keep on pouring water mixed with fine sand over the saw-blade. The

:adia. (This chapter has been updated to cover the period up to Shri Sanjiva Reddy).

Most of the textbook authors seem to have little familiarity with historical writings other than a few textbooks. Each one of the textbook by such authors is a collection of borrowed ides and words from other textbooks. One can find a number of paragraphs which occur in a number of textbooks without almost any change in vocabulary. There are long quotations mainly from Dr.Ishwari Prasad, Lane-Poole and V.A.Smith. In most textbooks there are often many mutually contradictory views quoted without any evalution or comment. Atleast a part of the reason for the kind of History they write is their almost total historical illiteracy as far as the historical writings of the past half a century are concerned. many state textbook agencies seem to have failed to involve seculer professional historians in the task of preparing textbooks.

The programme of textbook evalution which was initiated with a view to eliminating communalist and other biases from history textbooks has perhaps not been a great success. The main reason for this seems to have been in the choice of evaluators. The evaluators themselves need to be evaluated first.

Inspite of all this, during the past few years,there has been a definite trend towards improving the quality of history textbooks, particularly in removing more blatant communal distortions. However, this trend is not necessarily irreversible. It was not many Years ago that some textbooks were sought to be banned precisely on the ground that they reflected a non-communal view of Indian history. A number of 'cultural' and 'religious' organization have remained active in disseminating communalist view of history and obscurantism, communalism's naturalally. With the growing activities of obscurantists and fundamentalist and their claims of representing their repective religious communities, pressures are likely to be exerted on the educational agencies and the state to see that secular and objective histories are not prescribed for School children on the ground that they hurt the religious sentiments of the community. these pressures have always been there but there are grounds to believe that they may be intensified.

---

religion... it was the last desperate struggle for India's freedom and so profoundly did the sacred impress the heart of the Indians that even Hindu women sold their jewels, melted down their gold ornaments, and sent their contributions from a distance to furnish resources for this "holy war".

About Rana Pratap, he says, "But in spite of privations and sufferings, he never ceased to carry on the struggle for liberating his country ... The story of his bravery, hero and untold sufferings for the cause of the country has become almost proverbial..." About Shivaji, he says, "He conceived the noblest idea of liberating his 'country and religion' form foreign yoke, and nobly did he carry it out by consecrating his whole life to the sacred cause...... His greatful countrymen have ever looked upon him 'as an incarnation of God' and even today no other name stirs the pulse of the mighty Hindu community from the Himalayas to Cape Comorin as that of the great Maratha leader". **A New Textbook of History of India** says about prithivi Raj Chauhan "his fate did not come to his help and the cricumtances were against him, otherwise he would have saved his motherland from the foreign Yoke. Even as it is, the like of him are seldom born in India and we are always proud of such great sons of India who laid down their lives for the sake of their country". the textbook entitled **Muslim Rule in India** describes the rise of Vijayanagar kingdom as the result of a 'freedom movement'.

Some textboks use the terminology of modren mass movements in describing Indian developments. A textbook brougth out by the Haryana Board of School Education, while referring to the religious policy of the Sultans, says, "It is for this reason that went on trying to gain their lost independence."

Most of the books also blame 'Muslim Rule' for most of the evils of the Hindu Society such as caste regidity, purdah system, child marraiges, etc. Most of the textbooks surveyed in this note pay little attention to the history of the freedom movement. However, it can be said that while some attention is paid to Muslim communalism, hardly any book refers to Hindu communalism. Here again, Hindus and Muslims are referred to as homogeneous entitles, each having its own interest and having little in common other. The Muslim League is also generally presented as the authentic representative of the Muslims.

A New Textbooks of History of India has a chapter entitled From Lord Curzon to President V.V.Giri, indicating an unbroken line of rulers of

treated as the main and often the sole, determining factor. The entire period is sometimes treated as a dark period and mostly a period of conflicts between Hindus and Muslims. If the ruler is a Muslim, then 'Muslims' are the rulers and Hindus are the subjects. Every conflict and war between a Hindu and a Muslim ruler is presented as a conflict between Hindu and Muslim. Every act of a person is seen as the act of the religion of that person. The States whose rulers are Muslims are almost invariably described as being theocratic, as Islamic states, which are run almost exclusively for the purpose of converting people to Islam. Hindus and Muslims are presented as the two main categories, each reflecting a homogeneous entity without any differentiation. Hindu kings who resist the expansion of a 'Muslim' kingdom or empire or Hind chieftains who try to establish their independent kingdoms do not fight merely for their kingdom's independence but for the country's freedom and against foreign rule. Some textbooks even trace the partition of the country to the beginning of this period. The language used in many textbooks is often highly charged, almost as that of a participant in the events described. Some examples of such writings are given here.

A textbook entitled **New history of India** says about Mahmud: "Mahmud was a robber. He did not intend to set up his rule in India. He was very greedy. He was a true Muslim. He destroyed the temples and killed the Hindus". About Qut-buddin Aibak, this books says, "Aibak was fond of constructing new buildings. He constructed two mosques on the ruins of Hindu temples, which he himself destroyed"' (emphasis added)

About Timur's invasion, **A New Textbook of History of India** says, "From certain contemporary sources... we come to know that the chief aim of Timur 's invasion of India was not the thirst for conquest but to purify India from the unbelivers and to spread the Muslims faith". Further, it says, "As a result of Timur's invasion of India the bitterness between the Hindus and the Muslims greatly increased. Timur was very cruel to the Hindus. He looted them and murdered them in lakhs. On one single day he massacred as many as 100,000 Hindus at the very gate of Delhi. For all their destruction and ruin the Hindus blamed the Muslims and this led to strained relatons between them".

How the modren sense of nationalism is transferred to past conflicts may be seen from the following examples. R.C.Mazumdar, while describing the conflict between Mahmud of Ghazni and Anandpal, says, "...but the Indians were not insensible of the danger which threatened their country and

which is separated from northern India by the Vindhya and Satpura ranges 'maintained its separate identity and did not play any important role in the history of India'. According to this book, two 'quite different civilization' developed-one in Northern India and other in the Deccan. However, this separation is not without its uses. It says, "There is no doubt that this separation of the north and the south has sometimes led to separatist tendencies but it has benefited us to. In times of danger it has served as a 'Safety Zone' for the culture of the North. Whenever the Hindus were presented by the Muslim rulers in the north they slipped away to the South and saved their lives. The Hindus culture, literature and religion were thus saved from extinction. All this was made possible only due to the existence of the Satpura and the Vindhya hills". It says that 'Rajputana always stood up as a torch- bearer of Indian freedom' because the 'Rajputs carved out their independent States (in Rajputana) which continued to flourish even under the Muslim rule'. The book refers to the Gupta period as 'the Goldern Age of Hinduism' and 'An Age of Hindu Imperialism' of which the 'Indians' especially the Hindus, will ever remain proud'. This book and another book entitled **Neelam History of Ancient and Medieval India** (a question-answer book) blame Buddhism for many misfortunes of Indians. According to the former, the people began to hate 'such a faith which made them quite important' during the period after Ashoka. Later, in 712 A.D., it was 'because of the treacherous act of some Sindhi Jats and Buddhists, who went to the side of the enemy, the Indians were defeated'. According to the latter, "the concept of Ahimsa preached by Buddhism killed the martial spirit of the people especially of those who followed this religion there by making them so weak that they could not protect their own honour and freedom. As a result they suffered the bonds of slavery for several centuries". Further on, it says, "Buddhism was also a factor in the emergence of new castes. When the Buddhist converts came back to the fold of Hinduism they formed themselves into distinct castes". It attributes the decline of the Guptas also to the effects of Buddhism because some of the later Guptas had adopted Buddhism. These books tend to treat Buddhism as a kind of aberration while the real glorious periods were those when Hinduism was revised and it is of those periods of which Indians, especially the Hindus', should be proud.

The period the presentation of which has suffered the most blatant communalist distortions is the medieval period, sometimes still referred to as the Muslim period. In most textbooks dealing with this period, religion is

large number of private institutions without ever being evaluated and even without being prescribed or recommended by an educational agency. They include a variety of 'cheap' books, though they are quite expensive, such as notes, keys and questions and answers which are used by those teachers and students even where educational agencies have prescribed a textbook. The general quality of most of the privately published textbooks may be seen from the report of an evaluation which was done sometime ago. Twelve private publishers' textbooks on Indian History which had been recommended by a Board of Secondary Education were evaluated and each one of them was found to be unsuitable as teaching-learning material.

An effort has been made in this note to indicate some of the communal distortions in history textbooks used in schools. The examples from some textbooks given in this regard merely illustrate the kinds of presentations which are still found in textbooks. Not all textbooks can be painted with the same brush but at the sametime the same paint can be seen on quite a few textbooks.

The periodization of Indian history into Hindu and Muslim periods is no longer commonly used though some continue to use it. R.C.Majumdar's A Brief History of India, first published in 1925 and revised in its 34th edition in 1977 continues to divide Indian history into the Hindu period, the Mohammadan period and the British period. The second volume of a three-volume history of India by V.D.Mahajan, which is used also by under-graduate students, is entitled 'Muslim Rule in India'. R.C.Majumdar concluded the portion on the ancient period with two chapters entitled 'The Last Days of Hindu Independence' and 'Hindu civilization during the Post Vedic Period'. Most other textbooks, even when they do not use terms like 'Hindu period', and 'Muslim period' basically follow the same framework. The ancient period is presented basically as a period of Hindu rule and medieval period as a period of Muslim rule. The first part of a two part book entitled **A New Textbook of History of India** starts its chapter on the Aryan with the following statement. "The history of India is generally regarded as the history of the Aryans in India". The very first chapter of this book which describes geographical features and historical sources gives the reader a clear idea of what this book has in store for him. It starts by blaming the north-western passes for having 'always been a cause of trouble for the Indian people' and holds the 'hot climate coupled with the immense wealth of this Indo-gangetic plain' responsible for converting 'the once martial races ... into lazy and easy-going people'. In further says that the Deccan

large number of historians during the four decades after independence and it can be said that at the level of historical scholarship, generally speaking, these distortions have been corrected. This is, of course, not to suggest that all historical scholarship in Independent India is free from writing history in a communalist framework. One series of voluminous volumes in the history of India, for example, has consistently followed this framework and a number of eminent scholars have associated themselves with the preparation of these volumes. But perhaps it would be true to say that the communalist framework no longer occupies a dominant position.

Most people who go through the process of formal education learn their history at school. The main, and in many cases the role, source of historical knowledge for both students and teachers are the textbooks which are recommended and/or prescribed by the educational authorities in the States. Realizing the importance of history textbooks, efforts have been made during the past two or three decades to free history textbooks from communalist distortions. These efforts have been initiated by the State or have had the support of the State except for a short period when the process was sought to be reversed. The NCERT also has made consistent efforts in this regard. It has brought out textbooks, most of them written by eminent historians, which have played some part in combating communalist distortions. A programme of textbook evaluation also has been undertaken with a view to helping educational agencies in eliminating some of the more gross distortions from the instructional materials.

Most of the school textbooks upto the upper primary and in some States, up to the secondary level are brought out by State agencies though a large number are still brought out by private publishers. Some of the evils associated with the textbook industry such as profiteering, mal-practices and intrigues, which had been pointed out by the Education Commission, have been ended as a result of nationalization. But the general quality of the textbooks, both private and nationalized, has not improved very greatly. The programmes of evaluation of history textbooks undertaken by stage agencies have helped in eliminating some gross distortions but the progress achieved in this regard even in the case of nationalized textbooks is not quite satisfactory. There have been cases in which a textbook has been found suitable after evaluation by the educational authorities in a state but soon after its contents have become an issue of communal controversy and the book has to be withdrawn. In the case of books brought out by private publishers, the situation is for worse. Many of these books are used by a

A Note
on
Communalism and History Textbooks

By
Dr.Arjun Dev
- N.C.E.R.T.

Communalism was found to be the 'most serviceable' of the divisive forces by the imperialists. It was fostered and promoted to disrupt the nationalist movement's mobilization of the people for freedom from foreign rule and for their common political economic and social interests as Indians. The imperialists rejected the existence of c. the emergence of an Indian nation and asserted that the population of India basically comprised of religious communities which were mutually exclusive and antagonistic to one another. Hindus and Muslims particularly, according to them, represented two distinct civilizations and had interests which were mutually incompatible. The communal forces succeeded in partitioning the country which was accompanied by a communal holocaust. Independence has not diminished the strength of communalism which continues to pose a threat to the integrity and unity of India and to the social progress of the Indian people by weakening their unity for pursuing common political, economic and social goals.

A distorted view of India's history is a major component of the ideology of communalism. Many scholars of Indian historiography have traced the communalist distortion of Indian history to the works of a number of early British historians of India, some of which were sponsored by the British Government in India, and to Indian historical writings some of which were inspired by certain aspects of Indian nationalism in its early phase. The process of the correction of these distortions initiated by nationalist historians of the pre-independence period has been carried forward by a

religion is that Eternal Truth, that supreme Divine presence, that one light of which we are all children. The true light of the religion, will not give a room to the false religious slogans of the demagogues, fanatics and communalists. Our students shall begin to seggregate the sacred spirit of religion from the religio-political propoganda. Our text books of history, seem to have taken a vow to supply the students only the material of political worth. The scheme of conquests and administration have been dealt with passion. Not the true spirit of the religion has been magnified, nor the religiousness of the saints has been glofied. There is no illustration of the efforts of the Hindu saints and the Sufis for religio-cultural synthesis. How many students of history of secondary classes are told about the fact that Hazrat Nizamuddin Aulia was deadly against the forceful conversion and uttered under the spells of spiritual ecstasy : HAR QAUM RĀST RAHĒ DEENĒ WA QIBLA GĀ HĒ ? How many books of school level have exposed the truth that the Hindu Jogis had been an honourable guests in the Sufi Khanqahs? Our children are told about Mahmud's plunder of the wealth of the temples but they are kept unknown to the truth that there were Hindus in his army - and were honourable citizens in Ghazni under his rule.

All such historical truths should also be included into the text books of history of Medieval India.

---

the previous fanatic rulers. But the author of Aina-i-Tarikh seems to have inclined to tarnish the image of Akbar. He is bearing the mask of Abdul Qadir Badauni Instead of singing in praise of Akbar, he presents him to be an ememy of Islam. Under the heading اسلام سے بغاوت اور دینِ الہٰی کا فتنہ (Rebellion against Islam), he writes:

"دین سے اس کی ساری عقیدت بغاوت میں بدل گئی اور بعد میں تو وہ ایسا کھیل کھیلا کہ مذہب و اخلاق اور شرافت و انسانیت نے سر پیٹ لیا۔ شیعیت کی طرف راغب ہوا تو متعہ کو جائز کرکے خود امام عادل بن بیٹھا اور سُنّی علما کو اور اکابرِ دین کو بے حد اذیتیں پہنچائیں ... ہندو مت کی طرف بڑھا تو وضع قطع اور طرزِ معاشرت ہندوانی اختیار کی ... مندر بنوا کر بُت پرستی کا باقاعدہ انتظام کیا۔ (Ibid., Vol.II, p.120)

He speaks of Dara Shikoh as follows :

اس کے عقائد اور اعمال کے باعث تینوں بھائی اور ذمہ دار علما اُسے مُرتد اور اسلام سے خارج شمار کرتے تھے۔ (Ibid., Vol.II, p.174)

Therefore, the above estimate of Akbar is enough to under-stand the worth of the text book. Though the book does not release deadly Venom of communalism, yet it may flare up the Muslim sentiments to recapture the lost days of the orthodox Muslim Rulers of India.

Suggestions:

All the history books of Medieval India for secondary classes need a revision. A standard text book should be prepared under the supervision of the historians whose integrity as a secular historian is not under question. The books should be presented in natural and regional languages but their subject matter should be the same. The private institution should not be allowed to impart education in their own way. Their management, staff, syllabus and the text books prescribed for the study should be under the control of the central board of education.

This is a realized feeling of mine, that the religion is the most effective motor for national integration. For our Marxist historians, the bread may be, and might have been ultima thule of each aspirant of worldly life. But the soul's food is the milk of love, which perennial source is the religion. The greatest tragedy of our times is that we know the least about God, but pleads most about Him. We fight each orther to shut the God in the four walls of a Mandir and Masjid, but never feels his presence in our hearts. I suggest, herewith, that a comparative study of all the major religions of India in brief to be included in the text books, for the unifying spirit of each

Under the heading بھگتی مت کے اثرات (the influence of Bhakti sect), the author points out:

تمام مذاہب سچے ہیں' اِس اُصول کی اشاعت نے سیدھا اور سچا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت کے احساس کو گھٹا دیا' چنانچہ دینِ حق کی اشاعت میں اِس سے کافی رکاوٹ پیدا ہوئی۔

(Ibid., Vol.II, p.21)

Sikandar Lodi's personal character has been rendered by the author as under:

تقویٰ اور پاکبازی میں سکندر اپنے باپ سے بھی آگے تھا۔ ارکانِ اسلام کی خود سختی سے پابندی کرتا تھا اور دوسروں کو اُس کی ترغیب دیتا۔

(Ibid., Vol.II, p.47)

The author has left to write any thing about his religious attitude towards the Hindus. Though he has given a very crushing weight to the staunchness of the religious nature of Sikandar, but he has not mentioned about Sikandar's repulsive attitude towards keeping the beard (Abdullah in his 'Tarikh-i-Daudi, folio 79-80 and Ahmad Yadgar in his 'Tarikh-i-Salatin-i-Afghan' p.62 refers to his discussion with Haji Abdul Wahab about the beard).

Afzal Husain's above book seems to have been a Twentieth century edition of Tabaqat-i-Nasiri and the ghost of minhajus Siraj seems to have been in the working with him. The almighty Allah is pleased to bless all the muslim kings who assumed an imperial status. He says:

اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی سوجھ بوجھ دی تھی (Ibid., Vol.II, p.102)

اللہ تعالیٰ اُسے جزائے خیر دے (Ibid., Vol.II, p.103)

باری تعالیٰ نے اُسے سکندر جیسی صالح اولاد عطا فرمائی (Ibid., Vol.II, p.44)

But this observation should not be included into the review, because the teaching of History in a traditional Madrasa is bound for such an analysis.

The Mughal emperor Akbar's policy of religious tolerance towards the Hindus and his sincere efforts to bring about a synthesis between Hinduism and Islam deserve an honourable place in the History of India. Akbar's religious tolerance provides an ointment for the bleeding scars inflicted by

Government may be taken an examplary effort of writing history for national integration.

The Urdu Medium Schools

Though most of us have decently adjusted with the Public School Culture, nevertheless, many of us, still seem to have been obsessed by the 'Maktab Phobia'. Such persons think that all good can only be imparted to the students only through the maktab and Madrasa. These Maktab and Madrasa have their own system of management and education, therefore, they go on with their distinctive curriculum. But history is also one of the subject taught in these schools. In U.P. there are a number of Urdu Medium Schools.

The text book of history prescribed in such institutions is at our disposal for the review. The title of the book is Aina-i-Tarikh in two parts. The part first starts with the description of the aborgines and ends with the fall of the Tughlaq dynasty. The part second deals with the remaining dynasties of the Sultanat and Mughul Period. The books is written by Afzal Husain and published by the Maktaba-i-Islami, Delhi.

In the preface, the author has discussed about the various trends of History-writing and finally arrives at the following view point.

اگرایک مسلمان صحیح اسلامی ذہنیت کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس کا فرض ہے کہ جہاں تک
ممکن ہو وہ واقعات کو جیسے وہ فی الواقع گزرے ہیں بلا کسی تعصب کے جوں کا توں سامنے رکھے۔

(Ibid., Vol.I, p.5)

Let us now come to review some of its chapters and see how far and how much the author has been honest in writing history without prejudices. The author has taken full 5 pages to write about Alauddin Khalji's reign. His fiscal reforms and economic schemes are out of discussion, but two and a half pages have been filled with the conversation between Qazi Mughnis of Delhi and Alauddin Khalji. Even the chapter has been named as Alauddin Khalji Aur Qazi Mughisuddin. Those who are aware of Ziauddin Barni's intention in quoting the conversation between the above two in his - Tarikh-i-Firuzshahi, may also guese the motif of the present author. The religious attitude of Firuzshah is presented as under:

وہ شریعت کا بہت پابند تھا اور اسلام کی اشاعت کا دل سے خواہاں تھا (Ibid., Vol.I, p.115)

अलाउददीन शासन के मामलों में धर्म के दखल को पसन्द नहीं करता था। (Ibid, p.50)

फीरोज़ का इस्लाम धर्म में अटूट विश्वास था परन्तु अन्य धर्म के लोगों के साथ उसका व्यवहार ठीक नही था। उसने अन्य धर्म के अनुयायीयों पर जज़िया कर लगाया। शिया मुसलमानो के साथ भी उसका व्यवहार ठीक नही था। (Ibid, p.57)

The author of the above has used the simple words - व्यवहार ठीक नहीं था। (the treatment was not good), which do not arouse a bitter feeling in the hearts of the students. Moreover, the truth is balance by a counter truth, that शिया मुसलमानों के साथ भी उसका व्यवहार ठीक नही था । But Jazya was concerned only with Hindus, therefore, the word , अन्य धर्म के लोगों के साथ (Other religions) need replacement of the word - Hindu. About Sikandar Lodi, the book says:

सिकन्दर लोदी अन्य धर्म के मानने वालों के साथ अच्छा व्यवहार नही करता था। उनके प्रति कठोरता का व्यवहार करता था और उनके पूजा पाठ पर उसने प्रतिबंध लगा दिया था। (Ibid, p.65)

The words like धार्मिक अत्याचार(Religious persecution) are absent, and this proves the secular approach of the authors. The shining example of the sober, just and judicious inter pretations is as under and that is related with Aurangzeb. The book refers:

वित्तीय कमी की पूर्ति के लिए हिन्दुओं पर जज़िया कर लगा दिया यधपि उसके समय में जज़िया कर की दर सल्तनतकाल के फीरोज़ तुगलक तथा सिकन्दर लोदी के समय से कम थी किन्तु कुछ मुगल अधिकारीयों ने कर की वसूली में अत्याचार किये उसके शासन काल की एक मुख्य विशेषता यह है कि जहाँ एक ओर मंदिर का विध्वंस हुआ वहीं कुछ स्थानों के ब्राहमणों तथा पुरोहितों को सम्राट द्वारा भूमि प्रदान की गई। कुछ धर्म परिवर्तन भी हुए किन्तु व्यक्तिगत धार्मिक स्वतंत्रता पर रोक नहीं लगाई गई।(Ibid, p.153-156)

If we compare the above estimate of the religious policy of Aurangzeb with the same estimate rendered by NCERT text book discussed under the category of English Medium Schools, we shall have to say that this Hindi Text book is more secular in its approach than that of the English Text Book. The Propounder of the above estimate seems to have been equipped with adequate knowledge of historical facts, and also with a grim sense of secularism. He deserves our thanks.

Thus, the text book prescribed in the Secondary Schools of U.P.

Patna 1986). On the other, 'Aurangzeb himself declared it openly before those who demanded some of the Hindu officials' expulsion from state service, that 'Religion has no concern with secular business of state, and in matters of this kind bigotry should find no place.

But, above all, the text book under reference is free from distortion of historical truth. The book does not give an eulogical appraisals of the kings of any particular community.

The Hindi Medium Schools:

Let our thanks with a note of commendation go to the government of U.P. for it has tried to bring uniformity in the syllabus of secondary classes. Almost all the Hindi Medium Schools, Whether of government or private, have prescribed the only text book for secondary classes, which title is - Hamara Itihas Aur Nagrik Jivan, Part II. The book is the publication of State Council of Educational Research and Training. The book is prepared by the board of selected authors under the direction of Dr.Guru Mauj Prasad. The Preface of the books reads the aim and object of the book as under:

समाज के विविध वर्गों में राष्ट्रीय एकीकरण एवं भांवात्मक एकता का विकास करने में सहायता प्रदान करने के उद्देश्य से उत्तर प्रदेश शासन ने यह निर्णय लिया है ..... कि ऐसी पुस्तक माला की संरचना की जाय जो देश के भावी नागरिकों को भारतीय समाज के क्रमिक विकास का सम्यक बोध कराने के साथ-साथ उन में लोकतान्त्रिक जीवन शैली सर्वधर्म समभाव तथा समाजवाद जैसे राष्ट्रीय आदर्शों के प्रति आस्था विकसित करने में सहायक हों।

(With an object to develop the sense of national unity and emotional intigrity in all different classes of society, the government of U.P. has decided to construct a series of the books which are helpful not only to impart the right knowledge of the gradual evolution of the Indian Society to the future citizens of the country, but also helpful in the development of the belief in the democratic pattern of life, respect for all the religions and the socialism)

The authors of the book have tried their level best to abide themselves with the above declared aim and object. The facts have been narrated in plain words and the inference is deduced without personal prejudices. Some known realities have been described in frank and can did language. The following are the references of the evaluation of the character and deeds of the Muslim kings. The book refers:

The religion has not been spared by the author she says:

"Destroying temples had an other advantage. He (Mahmud) could claim, as he did, that he had obtained religious merit by destroying images (Ibid., p.34).

I am of opinion that Medieval Indian History Text Books can set the minds of the students at ablaze by an unwanted stress or exaggeration on the iconolastic deeds of the Muslim invaders, and on the religious persecutions rarely wrought by some kings. Firuz Shah Tughlaq, Sikandar Lodi of the Sultanet period and Aurangzeb of the Mughal period have been the victims of the prejudices of historians. The Hindu minded historians have established them to be an avowed enemies of the Hindu and Hinduism, where as, the Muslim historians have venerated them to the status of a Ghazi and honoured them as to be the champions, defenders and the preservers of the religion of the Holy Prophet, Muhammad in the land of the infidels. But the book seems to have been devoid of any serious communal approach. If the truth of the historical events is noticed releasing some bitter feeling, an other truth as a sugar pill has been put to balance the effect. For example, the religious policy of Firuz Tughlaq begins with the words:

He allowed the orthodox Ulema to influence state policy in certain matters. He was less tolerant not only of non-Muslims but also of those Muslims who were not orthodox (Ibid., p.5).

But Sultans 'less tolerant attitude towards the non-Muslims' is Balanced by his love for ancient Indian culture. The book records:

"Firuz was interested in the ancient culture of India. A number of books in Sanskrit including some on religion and philosophy were translated into Persian and Arabic at his orders. (Ibid., p.53) But author's estimate of the religious policy of Aurangzeb. Needs our attention. The book speaks of him:

To make matters worse he was influenced by an orthodox-Muslim group and he decided that he would rule in accordance with the laws of Islam .... He became unpopular when he introduced Jazya (the poll tax on non-Muslims) What he did not realize is that the job of a king is to rule efficiently and that religion should not be allowed to interfere with the government. (Ibid., pp.140-141)

Undoubtedly the above referred sentences describe the truth, but only half-truth. The author must have also brought this fact to the knowledge of the students, that Aurangzeb gave land grants to some of the temples and the Gurudwaras (See, B.N.Pande's Khuda Bakhsh Memorial Lectures,

of history knows only the work of the steel of sword and the sagacity of soldiers who wielded it in the battle fields. But the historians whose brains are spun with the fogs of religious fanaticism take this the victory of one religion on the other. Really, Medieval India presents an encounter between two religions and cultures, but this encounter does not mean always an armed conflict. There has also been a process of assimilation, adjustment and synthesis. However, the communalists in guise of historians have an opportunity to paint the truth with the colour of fanaticism. The ink of prejudices can very well be used both in the codemnation of moral truth and appreciation of indecent lies. A Hindu historian can interpret history with his Hindu mindedness and a Muslim historian with Muslim mindedness. The history of Medieval Muslim India can provide a heap of dry grass for the amber of communalism.

Thus, on one side we have small emotional children of secondary classes, and, on the other, the history of the most sensitive period.

I have classified the schools on the basis of the medium of instructions therein, not on the basis of their management. In U.P., there are English Medium, Hindi Medium and Urdu Medium schools. Let us, now, go through the text-books of Medieval Indian History prescribed for secondary classes.

The Text Books of English Medium Schools

The text book for class VIIth entitled as 'History And Civics' refers to the history of India from 800-1750. This book is prepared under the auspices of NCERT and the author is Romila Thaper. I do not feel it an exigency to comment on the historical approach of its author. She is one of the Pundits of enlightened historical thinking. The facts have been given in plain words and a reasonable approach has been caried out in their interpretation. The stress has been given on the economics of the period. In the chapter KINGDOMS OF THE NORTH A.D. 800-1200, the author writes:

"As a number of grantees increased, more and more land went into the hands of the grantees. Therefore, the total amount of revenue which came to the king decreased,......... The revenue was devided up between the feudatories and the king, so the king could not spend extra amounts on the army. This was one reason, why the kingdoms of the north could not defend themselves properly against the Turkish attacks. (Ibid., pp.36-37).

Text Books of Secondary Classes of U.P. Schools
- A Review

by
Dr.Om Parakash Gupta
Department Of History,
Govt. Raza P.G. College,
Rampur (U.P.)

A seminar on 'Distortion of History' with special reference to History Text Books of Secondary Class, is really worth appreciating, for the review shall certainly elucidate some truths of grave consideration.

Before starting with the review of the books, I would love to clarify my motive behind the above option for the particular classes and a distinctive period of history. I have taken up the books of the secondary classes only because of the 'age-factor'. The classes of secondary schools run from class VIth to VIIIth. Most of the students of these classes are of the age between 10 to 13 years. According to the theory of psychology, the students of this group of age are the sweet primes of the pre-puberal period. This is the most tender as well as serious stage in the development of personality. The qualities of friendship, sympathy, love and social adjustment develop at this stage. The qualities that a child learns at this stage help him throughout his life. This pre-puberal stage lies between childhood and adolescence. The children at this stage are, neither, mentally immature to believe the existence of the 'winged fairies' and the 'one eyed Cyclops', nor intellectually sharp to discern the truth out of the bundle of historical tricks. They live by their emotions and sentiments and not by logic and reason. Once they are haunted by the ghost of emotion, the exorcist of reason fails to correct their assertions. This is the stage where the integration of personality assumes its form, and this integration of personality is necessary for the adjustment with social environment.

Next, the choice of mine for the books of Medieval Indian History alone is also logical. As we know, the Medieval Indian History starts with the advent of the Turks in India and the final collapse of Hindu Rule. The Muse

Ramananda Tirth and about 10 thousand satyagrihis" — Further, he was in league with Pakistan and Kasam Rizvi's Razakar organisation committed great atrocities on the people of the state. He even spoke in terms of invading Delhi. The Razekars started attacking villagers on the boarder outside the state. Atrocities on the People in the state increased"(p.76). Is not it surprising that the authors of the text who are so thorough in giving details of the one particular community's atrocities simply forgets to mention the name of Gandhiji's killer. "On 30th January 1948, an extremist youth shot down Gandhiji: (p.74).

References

1. Report of the states Re-organization Commission Govt. of India Press, 1959. p.39.
2. Kousar J.Azam, political aspects of National Integration, Meenakshi Prakashan, 1981, p.293.
3. Report of the Emotional Integration Committee Govt. of India Press, 1961, p.131.
4. S.Gopal, 'The fear of History', Seminar, January 1978, p.72
5. NCERT-The Curriculum for the Ten year School-a framework,p.37.
6. Gusfield Joseph, quoted in Education and Politics in India ed. Rudolph & Rudolph - OUP - 1972, p.120.
7. Saxena N.C. : 'The Nature and Origin of Communal Riots in India' in 'Communal Riots in Post-Independence India, edited by Engineer, A.A., p.59.
8. Husain Shaheen: Communal Riots in the Post-Partition period in India - A study of some causes and remedial measures, in 'Communal Riots in Post-Independence India', edited by Engineer A.A., p.165.

****

Although there is a side heading on the "Khilafat Movement" with two paragraphs.

The projection is more of a political bargaining between the Khilafat leaders and the Congress. "Both the parties reached an agreement to the effect that the Khilafat leaders should support the not-cooperation movement and the Congress is return should extend its support to the khilafat Movement (p.27)".

2. The 'Exercises' does not carry any reference of the Khilafat Movement.

3. While discussing the phase of 'armed revolution', scores of Hindu revolutionaries .... have been mentioned while gives the impression as if the revolution ws carried forward by only one community, only in the kakori conspiracy that name of Ashfaqullah Khan has been mentioned, that too in passing.

4. (p.52) The authors have mentioned that the great revolutions walked up the gallows shorting slogan like Inquilab Zindabad while the same authors, in other text books have repeatedly mentioned 'Vande Matram' as the slogans of the .... Needless to mention, Inquilab Zindabad, a popular slogen in those times, speaks of its Urdu/Muslim origin. Hence its mention is consciously awaited.

5. (p.68) Describing the Muslim League, Direct Action plan it says that this led to disturbed situation in Bengal and other provinces where voilence, looting and arson took place on a large scale. These violent activities continued until the partition of the country.

6. And finally, when the date was fixed for the transfer of power, the authors try to give an impression that the "idea of Akhand Bharat receded in the background and partition was inevitable" (p.69).

7. An unnecessary reference to the neighbouring country (Pakistan) is repeatedly made while describing the accession of Kashmir. Such a reference may create unhealthy attitude towards our neighbours and is careful of communal feelings among the vulnerable minds of students. "In view of the gravity of the situation, Indian soldiers were air borne to Srinagar. Pakistani soldiers and invaders numbered more than a lakh while the number of Indian soldiers was only 16 thousand (p.75), the Indian army tried to beat back Pakistan invaders right up to their borders (p.76).

8. Again the 'merger of Hyderabad story' carry unwanted reference which can if played up while teaching, can create animosity against Muslims. For instance, "people of the state launched a movement under the leadership of Swami Ramananda Tirtha. The Nizam arrested Swami

The chapters describing national awakening which led to the establishment of Indian National Congress, does not mention any contribution of Muslims, nor it mentions any association or movement of nationalist Muslims which fought for India's independence. Its only a passing reference, in one sentence about Badruddin Tyabji who presided over the session of Congress" (p.62).

The chapter on 'National Movement' is 'localized' centerring around Lokmanya Tilak.

"Lokmanya, who organized Ganesh Utsaw and Shivaji Utsaw (these two regional festivals get historically legitimized here) did a tremendous job in educating the people. During the agitation against the partition of Bengal, with the help of the fourfold programme of Swaraj, Swadeshi, boycott and national education, he raised the discontent against the government to a very high pitch. He was rightly called the father of 'Indian Unrest'. Out of six questions on the chapter two are on 'Tilak' and the practical work given is, "get more information about the political work of Tilak" (p.66). As if to balance the account, a passing reference is made; "Maulana Azad, Shaukat Ali and Mohammad Ali took part in the movement" (p.72). The two chapters are, therefore, more a glouring tribute to Tilak rather than an account of national struggle.

In the seventies a controversy arouse regarding 'Vande Matram'. Muslim schools had refused to sing it for religious reasons. But the text books galore with references of 'Vande Matram', 'Vande Matram' a poem written the Bengali poet, Bankim Chandra Chatterji, became the slogan of the movement' (p.66) .... "with this slogan on their lips people held meetings all over the country" .... "government issued an order preventing the utterance of Vande Mataram. People broke the order and Vande Mataram became a song that inspired the national movement" ..... "Many patriots, with Vande Mataram on their lips, climbed the gallows".

It is astonishing that the popular slogan 'Inquilab Zindabad' is just not mentioned.

Because, secret Revolutionary societies of Sawarkar (Abhinav Bharat), Shamji Krishan Verma (India House in England) and Birendra Ghosh and Bhupendra Dutta's (Anushilan Samiti) is described without a reference to the famous Reshmi Romal movement which had astounded the British of its communication network.

Similarly, writing about 'open opposition' newspapers that are mentioned are: Yugantar, Samdhya, Vande Matram, Kesari, Kal. No Urdu newspapers is mentioned.

The younger generation which have not experienced the traumatic times of India's partition should be either left alone or be acquainted with a balanced view point about the communal frenzy that occured on either side. But the text book in question takes a partisan view and very authorititively says. "There were Hindu-Muslim riots in many places. Hindus in Pakistan were massacred in large numbers. Lakhs of refugees came from Pakistan into India" and then to balance the earlier statements it continues, "there were similar riots in India".

Std.VIIIth

Std. VIII text books carries an introduction to Islam and Prophet Muhammad. But the writer, it seems is ignorant of the fundamentals of Islam. It is stated, "his teaching went against Quraish" (p.10). His teaching was not only against the non-believers among the Quraish but it was against all the Meccans. It further states, "the Sufis did not accept all that the Quran said. They spoke out openly of their disagreement". This is a blatant distortion of Sufism. In fact, no Sufi worth his status, if he does not follows the injunctions of the Quran and traditions of the Prophet. Again, "the Hindu custom of greeting each other by the words of (Ram Ram) is observed by the Muslims too" (p.20). This again is unthinkable unless the writer, by writing this is encouraging Muslim sectarian. And the strangest of all is, "the differences between the Hindus and Muslims were the same as those between the castes of Hindus" (p.20). Needless to add, that Hindus and Muslims are two distinct groups with different cultures and traditions of their own. Castes on the other hand are endogamous groupings having restrictions on mutual interactions. They can remain compartmentalized grouping but Muslim and Hindu, for centuries have been interacting with each other, regardless of their caste status. Communal feelings can be aroused either by projecting a particular group in an undesirable light or by not projecting their due share in historical part. Unfortunately the history text books indulge in both these 'tactics'. At one place they would denigrate Muslim rulers while at other places they would simply ignore Muslim's contribution. For instances, there is only one paragraph on Tipu Sultan of Mysore (p.39) while Ranjitsingh, Mangal Pandey gets more prominence. As regards uprising of 1857 there is one line about Bahadur Shah, "the dethroned Mughal Emperor was crowned again" (p.52). In a chapter on Religions, social and cultural Awakening only Sayyed Ahmad Khan is mentioned. About him it is said, "to improve the status of women he opposed polygamy and purdah' (p.68) Can anything be further from truth?

Saints: Gyameshwar, Chaitenya, Tulsidas, Kabir, Narsi Malita, Purandardas, Meerabi, Tukaram, Ramdas, Basashewar.

Great Men: Swami Ramkrishna Pramahansa, Swami Vivekananda & Gurudeo Tagore.

Great leaders: Dadabhai Naoroji, Lokmanya Tilak, Lajpat Rai, Mahatma Gandhi, Subhash Chandra Bose, Nehru.

Social Reformers: Ishwarchand Vidyasagar, Jyoti Rao Phule (p.3)

* Except for Akbar, no other Muslim king, saint, great leader or social reformer is mentioned.

Std. VIth

The Std. VI book deals with Maratha history. At the outset, readers are introduced to 'Maharashtra Dharma'. Sant Ramdas, 'Bring together all the Marathas and uphold 'maharashtra Dharma', he told the people. Thus the saint created among the people throughout the land a love for their language and their 'dharma'. The statements, is an indirect way, attempt to project that Marathi language must be loved over all other languages and every Maharashtrian should be a staunch believer of 'dharma'.

The struggle for indepndence in 1857 is one again projected in a biased fashion. There has been no mention of common people's participation or of Mughal warriors but instead is just one paragraph it ends with a statement, 'the death of Tatya Tope ended the uprising of 1857' (p.136).

Std. VIIth

Instead of objective interpretation of history, a biased view of history is delibrately presented in the text books. And the ethnocutric attitude is so subtly (loudly at times) indoctrinated that the whole purpose of history is defeated.

Once again Khilafat Movement is separated from the independence struggle and is shown as an exclusive movement of Muslims. "This was a movement confined to Muslims and when the British decided to abolish the Khilafat it produced great discontent among the religious minded Indian Muslims. The reason for the Gandhiji's association with Khilafat Movement was because it was anti- British and he linked it up with his own non-cooperation movement. Hakim Ajmal Khan, Maulana Shaukat Ali & Maulana Mohammad Ali joined the Non-cooperation Movement for some time (p.106). Such distortion of historical realities where association of Muslim leaders to national struggle is shown as on mere bargain or exchange, that too for some time, is simply ridiculous and speaks of the subtle communal slant.

Prithviraj Chauhan (lesson 15), Krishnadevaraya of Vijaynagar (lesson 17), Rana Pratap (lesson 20) were brave, large hearted, secular, just and staunch nationalist. "They all resisted foreign aggression and played with their lives in doing so. (p.111)". "The great emperors Ashoka, Akbar (the only Muslim king who is revered by the writers) and Chhatrapati Shivaji Maharaja not only ruled the country but inspired the people with new thoughts and ideas (p.111).

Another theme which is played up is the idea of forcible conversion resorted to by the Muslim rulers, the avoidance of which could have lessened the anti-Muslim feelings. Aurangzeb, of course, is the main target. 'He plotted to convert Ajit Singh, the son of Prithvi Singh, to Islam' (p.100). 'Aurangzeb arrested him (Teghbahadur) and asked him to embrace the Islam religion. But Guru Teghbahadur flatly refused to accept the Islam religion. Aurangzeb they killed him"(p.101). "The captured Sambhaji Raji was brought before the Emperor, Aurangzeb promised not to put an end to his life provided the embraced Islam. Sambhaji Raji, proud as he was, refused Aurangzeb then tortured him to death"(p.106). "In the beginning they (Muslim invaders) forcibly converted many of the local people (p.109) but in due course they also absorbed local culture".

The repeated reference to one's proud adherence to religion further creates a kind of fanaticism in the minds of vulnerable readers. The Medieval wars in essence were the result of political conflicts and were not religious wars as they are made out to be. The reference to one's belief, therefore, is unnecessary and it speaks of veiled communalism. For instance, 'Emperor Vikramaditya was proud to be a Hindu and a great devotee of Vishnu' (p.56). 'Rana Pratap was very proud of his country and his religion' (p.91).

Again, the text book carries detailed exposition of aryan religion, Jainism, Buddhism but Islam is not mentioned, may be due to the fact that it is not essentially an 'Indian' religion. But as the book mentions, (p.13/14) even Aryans were not 'Indians' by birth. They too were outsiders. "Some four thousand years ago, new tribes from North-West started coming into India. They came through khyber pass .... These people were Aryans, inhabitants of North-Eastern Europe". Hence we are not surprised when Muslim 'outsiders' are not mentioned as contribution to the great traditions of this country. The names, according to the text, that should be remembered are:

Great kings : Ashoka, Akbar, Shivaji, Rana Pratap

Heroes: Rama, Krishna

Religious leaders: Mahavir, Buddha, Guru Nanak

find that despite all those efforts, text books appeard to be a veiled propaganda and does arouse communal feelings.

One must not forget that there are more than seven lakh Urdu medium students in Maharashtra who are reading the same in Urdu text. Besides, the same text is translated in Gujarati, Hindi, Sindhi and Kanada languages for the benefit of those language students. And these books are being used, in some classes, for almost 17 years. Shall we, then, conclude that the book has been whole heartedly accepted and no criticism is sent to the autnorities pointing out its communal bias. Or, a critical opinion has not yet been entertained. In either case, periodic evaluation is essential, that too, from the vernacular schools. It would also be desirable to include history teachers of various languages communities, if not as writers, at least on the board. Unless the composition of the board is changed to include minority's representation, its sincerity will always be doubted.

Std. Vth

Strangely enough, the standard Vth text book starts with ancient Aryan gods and goddesses. To ingrain in the minds of innocent readers, 'the Sun God', the 'Fire God' and the 'God Indra' are also printed besides various hymns. In fact one of the 'suktas' is .bout the Cows, "Let our cows come home, let them stay happily in our cattle sheds. Let them have many calves"

As projected in current manner, Muslim kings are shown as tyrants and oppressors: "During his first campaign Mahmud (of Gazni) had slaughtered thousand of innocent men and women .... He then plundered the vast treasures of the country and returned to Gazni with the loot and many elephants in his train .... He was very avaricious.(p.69) 'Aurangzeb was suspicious untrustworthy and crafty by nature .... His whole administration was partial in that it denied equal rights to his non-Muslim subjects'. And prior to this biased description Aurangzeb is described as 'a staunch follower of the Sunni sect of Islam. .... He said his prayers, fasted and performed namaz regularly according to injunctions of the Quran .... His aim in life was to spread Islam and particularly its Sunni branch. He believed that Allah had sent him to earth to propagate Islam' (p.99). The obvious derogatory reference to his personality can easily mislead the young readers to think that the Muslims are never broad-minded or secular. In fact a pious Muslim can be a worst human being, specially intolerant of other religions. On the other hand, kings like Chandragupta Maurya (Lesson 8), Ashoka (Lesson 9) (It would be difficult to come across another emperor who was so anxious about his people's happiness p.47) Satkarni (lesson 10), Harshavardhana (lesson 12),

contribution of communal writings of text books, although to a lesser extent, as responsible for spreading communal consciousness. "School text books also unfortunately encourage anti-Muslim feelings by teaching and praising the culture and values of the majority community".[7]

The enlightened section of population realize the importance of this particular factor only when the harm is already inflicted and many innocents lines lost. The state governments, instead of striking at the root of the problem, routinely appoint an Enquiry Commission to simply pass the buck on to the Commission, findings of which are either never made public or is announced when all is forgotton. It is in this context that history text books in particular need urgent revision. "Though the governments at the centre and the state have been repeatedly urged to have the text-books of Indian history rewritten with a view to promote communal harmony, mutual tolerance and national integration, very little seems to have been done in this regard and history books with biased and prejudiced version continue to poison the minds of younger generations. It is necessary that the rewriting of books of Indian history on the proper lines is done at the earliest and without any further delay, which would be a positive factor in promoting communal harmony and national integration and thus prevent religious bigotry and communal violence in the country".[8] But unless there is a strong political will accompanied by enlightened public opinion to reframe the syllabi in the positive direction, things would remain as they are. "Verily God does not alter the fortunes of a nation until they bring about a change in their own situation" - Quran.

An Analysis:

History text-books in the state of Maharashtra have to undergo a very close scrutiny. There is a board of studies consisting of eight members (Bhosale, Saraf, Deo, Vakil, Hooda, Gaur, Ghugale & Thakur) who may be taking the policy decisions. Then, there is a committee of writers (Lohar, Hole, Atre) for primary classes and a committee of writers for Std. VIII to X (Ahire, Sheory, Kachole, Vaisahanpayan) and a coordination (Kerulkar) to finalise the task.

The initial draft of the book is 'referred to several renowned historians and experienced teachers of history for their opinion'. Simultaneously the lessons are "tried out" in classes and suggestions and opinions are invited. After all these stages are over then the book is finally sent for publication. Indeed, the efforts are laudable and it appears that every possible care is taken to avoid any derogatory reference, factual inaccuracies, and subjective biases. But when one goes through these books (the present analysis is only of V to Xth Std. text books) one is pained to

appreciation of different subcultures and the common bond that hold them together. It is here that text books in history can play a decisive role. By highlighting the common features of Indian communities, giving proper emphasis to minorities' issues and recreating a past that can be understood and not just memorized, Indian Historians can certainly rise above the sectarian level and create a qaulity text books. "History text books are not intended primarily to teach the child patriotism, loyalty, movality, mythology or whatever they are meant to teach the child history. Such virtues can be taught through other, preferably extra curricular, means".[4]

But what actually happens is that text books writing is either entrusted to the professorial writers of text books or to the 'chosen few' who can be relied upon in propagating 'his master's voice'. In either case their basic approach is undesirable. They sometimes fail to reach high academic standards - incorporating the latest contributions of historical research or their orientation is consciously or unconsciously biased and parochial. "The approach to the teaching of history should be objective and comparative, stressing the social, economic and cultural aspects against the background of political developments. Without suppressing historical facts, the trends towards synthesis and reconciliation should be emphasized. Conflicts and Tension need to be understood in a proper historical setting. The methods of presentation should help develop an appreciation of the national and cultural heritage".[5]

Such guidlines sound utopian because at the practical level communal virus eats up the spirit behind such lofty ideals. In most cases text book preparation have been taken over by the state-government machinery and in a highly politicized bureaucracy one could only be asking for moon if one expects the bureaucracy to deliver the desired goals. The Committee of writers and coordinators are part of the same system who are seized with the passion to promote their ideology, which is, in most cases, communally biased. These feelings are propagated year after year in the 'authenticated' version of history and "schools function not only as a homogenizer. It also serves to intensify political and group struggles".[6] The political socialization at family level serves to reinforce the myths, symbols, prejudices and stereotypes and in the absence of any healthy and integrationist political culture such negative feeling get ingrained in the minds of impressionable youth. These negative indoctrination, at times, bursts into destructive forces. Needless to say, communal propaganda that is blurted out from various plateforms also contribute to communal actions and reactions. The constant hammering of ethnocentric values results in treating the minorities as anti-Majority and in some instances, even anti-national. And various reports on communal riots blame the

politics. Goals of national education being vague and economic and political orientation being supreme, the education system has failed to achieve attitudinal integration. In fact what we find today is that in a highly charged atmosphere, revivalistic values are indectrinated through veiled propaganda and a constant exercise of reinterpretation of tradition is attempted at all levels. Under such circumstances, sub-cultural groups would obviously resist the onslaughts of dominant cultural group. And 'behind this resistance of the sub-culture there has been the operation of the instrumentalist philosophy of education whereby regional elite have sought to restrict elite mobility to their own advantage as also to control structural differentation and stratification, by restricting the upward mobility of minority groups. Linguistic and regional tensions are inherent in such a situation.[2]

Linguistic chavinism and narrow parochialism, in the last two decades have joined hands with religious assertiveness. Consequently inter-religious animosity has seeped through the secular fabric of Indian society giving rise to communal disharmony and in extreme cases, to communal disturbances. Some political parties are exploiting the situation as a destructive force. Instead of discouraging such distruptive forces ruthlessly and eliminating them at all levels, our edutional plannes seem to be provinding them effective plateforms. A sincere effort in this direction was made by the Emotional Integration Committee which emphasized the study of moral principles and ethical dogmas of all religious at school, college and university levels. The Committee also proposed that comparative study of all religious and universal philosophy should form an integral programme of education, so that offences and misunderstandings about different religions may be submerged consistent with such spiritual heritage of the past. Besides, the text books and techniques of teaching should not mis-represent the facts, distort the ideas, create prejudices and hatred amongst the different communities of the region.

The Emotional Integration Committee concluded after a sample content analysis of text books: "There have been factual inaccuracies, greater emphasis on local heroes and inaccurate and drab illustration. Lessions on the removal of untouchability and other social problems have hereby been touched. Lessons connected with freedom movement are few, nor is much space devoted to the heroes who took part in them. Lives of religious leaders and reformers are not included in some of the books; training in citizenship receives scant attention, so do inter-regional understanding, communal harmony and social equality".[3]

National Integration and communal harmony, which is repeatedly emphasized, can be achieved only through a proper understanding and

the regime. Hitler, too, had his army of intellectuals who justified genocide for their master. Historians of that era proved Germans as the most superior of races and cradle of world civilization. Mussollini had also ordered the revision of Italian history to lend respect to his rule. In the early phase of communist societies distortions of events and personalities were officially ordered to suit the aspirations of new class.

Situation in our country is not much different except that the "method of madness" differs in our setup. The episode of Time capsule during Mrs.Gandhi's regime is still fresh in our memories. And Janata government's spending a considerable sum on digging up that capsule and getting it rewritten is also not yet forgotten. There have been cases of History text-books under attack which were written by eminent historians and published by NCERT and Indian Council of Historical Research. And all this censorship and governmental interference in academic matters, though direct or indirect means is a pointer to the policies of the ruling party.

It is unfortunate that a developing polity which should have given precedence to national perspective and a broad-based approach through its educational system, has been caught in regional and sectarian politics. Consequently 'national personality' which should have emerged out of the educational system is still a distant dream. Instead what we witness is a 'regional personality' emerging out of the educational system and the reasons for this is obvious. Our system under various political pressures has accepted the narrowness of regional realities and has given rise to regional loyalities and regional values thereby relegating the national goals to a secondary position.

Education, being in the State list, further encouraged regionalism and hence text books and their contents clearly manifest increasing regionalism at all levels. The regional and communal fervour went to such irrational limits that separate national anthems became the part of the school curriculum. The State Reorganisation Commission reported "Already in the school of some of the states, songs exalting the regional ideas have been introduced into text books. History books taught in lower classes have disclosed a marked tendency to exaggerate the past achievements of the dominant linguistic groups. These inevitable tendencies in language-based states will unavoidably weaken our sense of national unity".[1]

The sense of unity was weakened the day Indian states were organised on linguistic lines. The language-groups with the passage of time started asserting themselves and politicking on communal lines increased. Not surprisingly that the slogar of 'sones of soil' has become a part of regional

COMMUNALISM AND CURRICULUM

An Analysis of History Text Books in the State of Maharashtra Paper read at South Asian Regional Seminar on Indian History under the auspices of Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna March 22-26, 1988

Prof.Syed Iqbal
Deptt. of Sociology,
Burhani College,
Bombay-400 010.

Curriculum planning is a formidable task involving not only responsibility towards the pupils but also a greater responsibility towards the society, for the curriculum, once planned, shapes and moulds generations. If the educational planners and syllabus framers fail in this task, one can predict the slow death of a society. This decaying process, ironically, begins at the ideational level and ends at disunity and fragmentation of a total group. Prejudices, biases, stereotypes and sectarian thinking replace objectivity and rational approach. Younger minds don't even get the inkling of the poisioning process. In fact they try to excel in their mastery of what is dished out to then. Teachers, even if they are conscientious, plead helplessness. Educational administrators, in order to pledge loyalty to their masters, turn indifferent to realities. Ultimately it is the ruling elite or a dominant ideology that takes the day, sacrificing all the norms of educational equality, democratic and secular principles and spirit of emotional integration.

History is replete with such examples. The moment a new regime comes to power it tries to consolidate its hold over all the aspects of society. The State turns a new patron which strongly wishes to dominate intellectual life. Once the intellectual and ideological aspect of society is 'tamed' then its rule automatically gets legitimized. Opposition in all forms is eliminated. Dissenting voices are throttled and the rule of law is replaced by the whims and fansies of the rulers. Surprisingly it gets its supporters from the intellectual elites who, for reasons of their own, whole-heartedly support

Indians were of the view that students are given education in Christian religion in these institutions and the aim of the government in imparting education was to only produce clerks who could manage the work of government offices. Therefore, students of the upper class did not think it proper to receive education in these institutions."

Most textbooks generally ignore significant devalopments is social economic and cultural history and these are hardly any references to the movements in the Indian states and to the Socio-economic content of the nationalist movement. The peasants and workers movement, the rise and growth of socialist ideas and movements, the international outlook of the nationalist movement, etc. are also generally ignored. The desciiption of the social and religious reform movements are also not based on more recent findings and interpretations.

The maps and illustrations, and the language and style also suffer from the same kinds of faults and weaknesses as those dealing with the ancient and medieval periods. There are many incomprehensible statements such as "The Indian acquired faith in Christ but not in the Western creed of christianity."

Conclusion

The statements from the textbooks which have been quoted above are historically inaccurate and false. they have been made out of ignorence or disregard of the historical work done during the past many decades. they also reflectan approach to the study of the past which is not only not conducive to an objective understanding of the past but also one which has been influenced by sectarian, casteist chauvinistic and other narrow prejudices. Instead of promoting national integration, such as approach only helps to foster narrow prejudices and obscurantism. The study of history, as most historians today see it, makes for a less narrow-minded personality and promotes a forward-looking outlook. This it does by promoting an awareness of the variety and diversity, as well as basic unity, in humanity and by showing that the world of man is not stationary but is subject to constant and continuous movement, charge and devlopment. However, for national integration which is related to it, it is necessary that types of history textbooks of which only a few examples have been given here do not find any place in the educational system.

****

treatment of communal trends, most textbooks given a tendentious presentation. While Muslim communalism generally receives some attention, Hindu Communalism is almost comletely ignored. In the description of Muslim communalism also, most books use the term 'Muslim' where the proper term to use should be 'some sections among Muslim' or 'Muslim Leangue'. For example, one textbook says "When Turkey joined the Great War on the side of Germany against England, Indian Muslims were faced with a dilemma. They were loyal to the English but they were loyal to the head of their faith also." An impression is created as though all Muslims were loyal to the British until Turkey's entry into the First World War.

The secular character of the Indian national movement is rarely emphasized in the textbooks. Some textbooks accuse the Congress of following a policy of appeasement towads the Muslim. For example, one textbook says, "The congress committed a serious mistake by accepting the Lucknow pact. By accepting this, the Congress Committee the principle of communal electorates in the error of accepting the Two-Nation Theory of the League. From there began the Congress policy of appeasement of the Muslims." Thus, according to this textbook the policy which Congress more or less pursued consistently throughout the freedom struggle of Hindu-Muslim unity was 'a policy of appeasement' and acceptance of the Two-Nation Theory.

Most textbooks also ignore the role of Muslims in the rebellion of 1857. One textbook, for example, refers to Bahadur Shah as an unwilling leader of the revolt of 1857 but does not make any refrence to any other Muslim leader or Muslim participation in general in the revolt.

The assessment of historical personalities is oftan coloured by religious prejudices. One textbook has the following about Tipu - "But he was a Bigot. He forcibly converted thousands of Hindus to Islam, illtreated the Brahmans, polluted their temples and violated the chastity of many women. It is only because of these atrocities that the Marathas turned against him."

The textbooks abound in inaccurate and confused statements on almost every important aspect of modern Indian History. About the introduction of English education, for example, one textbook says, "According to the decision of 1854, universities were established in the capital towns of three Presidencies. These universities examined students of institutions imparting education in medicino, law and engineering and awarded them B.A. and M.A. degrees. English was made the medium of instruction in all colleges.

Muslims. One textbook puts it bluntly thus: "Hindu civilization and Muslim civilization were antgonistic to each other."

The textbooks also abound in factual inaccuracies, mythical explanations and plain and simple absurdities. One textbook, presumably referring to Allauddin Khalji's conversation with Qazi Mughisuddin given in Barni's Tarikh Ferozshahi, says, 'He (Allauddin) himself writes...' as though Alauddin had written a book in which the quoted words occur. The same book refers to the permission to upper castes to have 'international' marriages, Whatever that might mean. Another textbook mentions some Devanagari inscriptions supposedly found on qutb Minar to prove that it was a Hindu structure. It says, 'Because of the devanagari inscriptions on this Minar and its decorative features and on many more grounds, some Indian scholors call it a Hindu Minar built by a Rajput King" (italics original), one textbook gives the impression as if jiziah was abolished by Akbar to please Brahmans and says. "The Brahmans were the philosophers and the intellectuals behind the movements in the country." (Most of the people behind most of the movements in mediveal india were non-E:ahmans).

The maps and illustrations in most of the textbooks are generally not satisfactory. Some are purely imaginery and simply atrocious. One book, for example, has a crude line drawing which shows Muhammad Ghori being killed by Prithviraja Chauhan. The same book also contains another crude line drawing showing Alauddin Khilji looking at Padmire's image in the mirror.

Like the textbooks dealing with ancient Indian History, those dealing with the medieval period pay little attention to devlopments in the southern parts of the country.

Modern Indian History

The textbooks dealing with modern Indian History were found unsuitable as teaching materials for the same reasons as those dealing with the ancient and medieval periods. Most of them showed little aquaintance with the modern findings and approaches to the study of modern India. Only a few of the more common deficiences and distortions are being mentioned here.

The textbooks evaluated generally ignore devlopments in sourthern India, particularly during the struggle for freedom. The role of Muslims also is generally ignored except for brief refernces to a few individuals. In the

Hardly any testbook also refers to the fact that for a long time the high offices of the State were not open to all Muslims and were given only to the State were not open to all Muslims and were given only to the members of the Turkish nobility.

This lack of critical attitude is shown in the treatment of almost every other topic in the textbooks. Even Timur's invasion which finally put an end to the Tughlak dynasty is presented as basically motivated by the desire to spread Islam. One textbook says, "He was a staunch Muslim and by killing idol-worshipping hindus and and destroying temples and idols he wanted to earn the title of Ghazi." Even though Timur invaded the truncated Delhi Sultanat, the textbooks nowhere critically examine the so-called religious motives behind his invasion. Here, as else where in most of the books, terms such as 'Kattar Musalman' (staunch Muslim) and 'Kattar sunny Musalman' (staunch Sunni Muslim) are used as synonyms for 'intolerant Muslim.'

In the description of the war of succession among the sons of shah Jahan and of the policies followed by Aurangzeb not a single textbook gives a balanced treatment and shows any acquaintacne with the historical findings of the succession between the four sons was not a question of other books is on the same lines. Not a single textbook mentions that all the ulema did not support Aurangzeb, that while Dara was supported by 24 non-Muslim nobles Aurangzeb was supported by 21, that the Rajputs joined hands with aurangzeb against Dara after the first battle of the war and that during Aurangzeb's reign the number and proportion of non-Muslim in the nobility was higher than at any time before. The explanations which most textbooks give are not only simplistic and ill-informed but also reflect a sectarian and communalist distortion of history. The same is true for the description of the causes of the decline of the Mughal empire where all other causes political, economic and social are ignored and the sole cause of decline is soon in the religious policy of Aurangzeb. The Mughals 'attempts to annex the Daccan State also is generally presented primarily, and often solely, in terms of Shia-Sunni conflict.

The communalist and sectarian interpretations are reflected not only in the description of political events but in the treatment of almost every other aspect. Little attention is paid to the processes of intermingling and the growth of new cultural elements, emergence of popularreligious and social reform movements, rise and growth of a number of modern Indian languages and the first literatures in many Indian languages. On the contrary, the entire period is seen generally as one of basic hostility between the Hindus and the

textbook says, "Because of the influence of the social equality of Muslims, low class Hindus had started adopting Islam. Therefore the bonds of the caste system became more rigid than before for the defence of Hindu religion." The practice of child marriage is also attributed to the "Islamic" state.

Hardly any of the textbooks evaluted critically examins the relationship between religion and the medvieval Indian state and differentiates between the formal aspects and historical reality. Almost all of them describe the medieval India state as an Islamic state. "The State of Sultans in Delhi was an Islamic State and its basis was religion... Sultans ran the government according to the laws of Islam." Another textbook terms the Sultan at theorcratic in which "Every ruler owed his allegiance to the Khalifa." the author of another textbook who refers to the Sultan as an Islamic state, quotes another author's view that it was a theocracy and says, "In fact the Muslim ruler considered Himself not a ruler but also a person who had been sent by God to spread Islam. Hence he made all efforts to convert non-Muslims to Islam and for this he used all the power of the State. " He further quotes, approvingly, another author to say, "The goal of Islamic state in India was to convert entire population to Islam, to destory the religions of the country and by forcing the people to follow the religion of Muhammad to transform dar-ul-harab to dar-ul-Islam. " Another textbook, says that 'Muslim wanted to finish the Hindus." One book, after reporting that the Delhi Sultanat was a theocracy jumps to another absurdity by saying that Babur established a secular state. This statement is perhaps made in the interest of national integration. Hardly any textbook mentions, much less emphasises, that the Delhi Sultanat was a completely independent state and that the practice of receiving investiture by the Caliph and mentioning him on the coins and in the khutba was a formal act which was resorted to by the Sultans even when the Caliphate did not exist (for example, the Mongols killed the Abbasid Caliph in 1259 and destroyed the Caliphate. Many decades later Mohammad Tughlaq discovered on of his descendants in Egypt to obtain from him the investiture.) No book mentions that no Sultan permitted the Ulema to determine of influence the policy of the state. Similarly, Hindus are genrally mentioned as the 'ruled' and hardly any book refers to the fact that through out the period they not only controlled the trade but also constituted the bulk of the rural aristocracy. Similarly, most textbooks refer to 'Muslims' as being the rulers and no kind of social differentiation existing among the followers of Islam in India is shown.

In their description of Mahmud of Ghaznī's invasions, most of the textbooks give highly exaggerated place to the religious aspect and religious motives. Most textbooks present Mahmud's invasions as having been motivated by the desire to spread and Islam. Some books give an impression that because of the destruction of idols by him, Mahmud was accepted as a religious leader. For example, one book says, "By destroying idols, he become a religious leader." The treatment of Muhammad Ghori's invasions is also generally in the same style. Hardly any textbook deals with the west and Central Asian developments which had such a close bearing on India. Most textbooks present the Islamic World as a monolithic entity under all-powerful caliphs. Developments such as the ascendancy of the Turks, the emergence of absolutist monarchies, the decline in the power of the Caliphs, the effects of Mongol invasions on West and Central Asia, have been almost totally ignored. Because of the lack of understanding of these developments, the primary, and in many cases the sole, element which is presented is the religious one, often accompanied by all the details of a horror story.

The entire period of medieval Indian history is presented as one of Muslims as rulers and Hindu as subjects. Some of them the period from the time of Prithviraja's death to 1857 as one of slavery. one book, for example, says, 'With the fall of Prithviraj India had to suffer under the strong chains of slavery.' The acts of the Sultans and of their soldiers and officers are generally presented as acts of the 'Muslim' and no distinction is made between the rulers, the solidiers, and the Muslim community. For example, one book says, ".....But his (Gujarat ruler's) wife fell into the hands of Muslims and she was sent to the Sultan's harem. muslims also looted Somnath temple."

Many textbooks have blamed Indian climate for the defect of Indian rulers by the Turks. One book says, "Muslims were inhabitants of cold regions, Hence they were stronger and more powerful. Because of India's hot climate, soldiers here were less strong. The effects of climate had made them weak and lazy." another book finds India's hot climate as a cause for the decline of the Delhi Sultanat.

Many textbooks trace the rigidification of the caste system and various other evils to the 'Muslim' invasions. Some of the explanations appear to be rationalisations of caste rigidity. One textbook, for example, says, "....But Turkish invaders, instead of adopting Hindu religion and culture, had started destroying it. Because of this Brahmans who were specially honoured in the Rajput period made the rules of the caste system more rigid." "Another

the developments in the rest of the country. One book says, "Dravid culture and civilization greatly flourished in the South and today the social thinking, customs and traditions, food habits, living style and languages of the people of this area are different. "There is no reference of the people of this region in other parts of the country and that of other parts on this region in any aspect of life.

Most of the textbooks abound in inacurate, carelessly worded or just absurd statements. One book says, "It is said about Parikshit, the ruler of this area, that rivers of milk and honey flowed in his kingdom. He had performed the aswamedha vajna. Kosala state was situated on the Ganga in the present Awadh Pradesh." The same book also says, "The Gupta rulers consolidated and further strengthened national unity through matrimonial alliances also. In this way the entire country was politically united and well-organized."

...Most of the books abound in horried printing errors. In one textbook hardly any name is correctly printing and the caption of a badly reproduced picture of Sanchi Stupa reads: Gandhi Ka Stupa.

The quality of maps and illustrations is generally poor. The maps are inauthentic and prited. illustrations in some of the books are imaginary and crude in the extreme.

From the point of view of up-to-dateness of the historical approach and information and the required emphasis on social, economic and cultural aspects, not a single textbooks has been found to be satisfactory.

Medieval Indian History

Most of the textbooks evaluted give a grossly distorted version of medieval Indian history. They abound in unhistorical usages of terms, give a highly exaggerated role to religion, make no differentiation between the formal and the real, present simplistic explanations of complex historical phenomens and are totally uncritical in their presentation of historical events, developments and phenomena. Most of them present the history of medieval India solely in terms of Hindu-Muslim conflict. Little attention is paid to the processes of intermingling and cultural interaction and the emergence of a rich composite culture in the country. By projecting later communal and sectarian prejudices to the study of medieval Indian developments, they tend to foster those prejudices. Most of the textbooks show little acquaintance with historical researches of the past half country.

Even with regard to the description of different religions, most of the textbooks are full of errors and distortions. Most of the textbooks use the terms Aryan (Vedic) religion and Hinduism as interchangeable. With regard to other reliigions, there are statements which are carelessly worded, inaccurate and distortions. One book defines the Digambar sect thus "They wor ship nudo idols." 'Another textbook dealing with the teachings of prophet Mohammed says, 'Mohammed Sahib was opposed to giving freedom and high status in society to women." While most of the textbooks dealing with ancient India cover the period up to 800 and some even the later period, hardly any textbook refers to christianity in India.

Some of the most imbalanced presentations are those relating to foreign invasions. Here, the style is highly emotionally charged and the description highly exaggerated. For example, one textbook describes the Huns in India thus; 'The Huns were a cruel barbaric and fighting race of Central Asia..... the Huns were cruel and oppressive. They took great pleasure in plundering, killing people and setting fire. Wherever they went, they would plunder and kill people, and set fire to the splendid temples, monasteries and buildings.... But the absorption of Huns in Indian society led to the beqinning of the decline of the moral life of Indians. The worst effect of Hun invasions was that they caused great damage to Indian culture. They killed many learned men and artists. They turned many big cities into ruins and set fire to many monasteries, temples, monuments and many literary works. "The description of the Arab invasions of sind is similarly charged with emotion. It is also communalist in interpretation, presenting the conflict as basically a religious, and reflecting an attitude of hostility to islam. One book says, "Some traitor Buddhists and Jats went over to the enemy and in this same topic says, "...But the invaders could not establish the supremany of Islam in the face of the greatness of Hindu religion. With the help of the sword, only a few weaklings became Muslims but in the entire Sind region the people expressed their contempt for Islam.... Barahmins kept up the Indian people and destroyed the influence of Islam." It is surprising that hardly any of the textbooks evaluated refers to the first contacts of India with Islam through the Arab traders on the western coats of India.

Most textbooks also pay scant attention to the history of developments in southern parts of the country. Not a single textbook is satisfactory form this point of view. Mutual influences between different parts of the country in the growth of various aspects of culture are also ignored. Whatever notice

illustrates Rigvedic cultivation and threshing by two photographs of present day agricultural operations. This book also refers to the existence of temples in the 5th century B.C. Many textbooks also use the terms Aryans, Hindu and Vadic as synonyms. The terms 'Indian culture' and 'Hindu culture' are generally used as interchangeable.

Not a single textbook evaluated gives a proper historical account of the Varna system, the conditions under which it evolved and the role it played in different periods of Indian history. Some textbooks uncritically quote the mythological version of the origin. Some others try to explain it in a way as though justifying it as a highly rational system. For example, one book says, "Division of people according to occupation was also the work of Aryans. They saw that no person his own could do the work of a soldier, a brahman, a vaishya and a sudra. Hence they divided society into four varnas. There four varnas were. This way becaused of division of labour all things were done in the proper way. This way work was done better than before and the problem of livelihood was also solved." The practice of untouchability rarely arouses the textbook authors abhorrence. Some of them give highly mislead in explanations of its origin. One of the books mentions at thus: "people (during Harash's period) generally ate wheat, barley, milk, curds and vegetables... Meat eaters were called untouchables or pariahs."

The treatment of India's cultural contacts with other coutries in the textbooks give the impression that the culture of some other countries, as a result of Indian influence, was a total imitation of Indian culture in which their own traditions did not play any part. This kind of treatment not only hampers the pupil's understanding of the processes of the growth of differnt cultures but is also likely to create attitudes which are inimical to international understanding. Two examples of unhistorical tereatment of relations with other countries are being given here. One book, in its section dealing with India's cultural contacts with Asian countries, says, "In this way we see that Greater India is one of the most beautiful creations of ancient history. For about 1500 years indians taught the lesson of civilization to the uncivilized races abroad. By giving them the knowledge of religion, language, script, literature, social customs, thinking and manners,moral and various arts, Indians made them civilized." Another book, in its section on India and Afghanistan in a chapter dealing with India's cultural contacts with asian countries, all through tries to establish that Afghanistan was a part of India instead of showing that the two countries had a long period of cultural contacts and even common history.

understanding and objective study etc. Most of the textbooks were found to be totally unsuitable as teaching materials. Only a few examples of such materials selected at random are being given below.

Ancient Indian History

The sections dealing with Indian pre-and proto-history are genrally based on outdated information. Some books show total disregard of even elementary facts and are full of absurd statements. One book, for example, refers to the use of animals in ploughing in the Indian noolithic period. The same book also states, "Indians made use of stop and Copper metals (sic) before anyone also." Much of the description in the section on the Harappa culture is based purely on speculation. for example, it says "Women were respected highly in society. In social and equals." To, establish that the Harrappa culture was a Dravidian culture, this book hits upon a most original, though absurd, explanation. The Harappa culture, this book says, was a Dravidian culture because the doors of houses found in cities of harappa and Mohanjodaro are not very high while the Aryans were a tall people. Another book suggests as though Harappa culture and Greek civilization were contemporaries.

Most of the textbooks use the term 'Aryan' as a purely racial category and even tend to glorify the idea of racial purity, sometimes bordering on raclialism. One textbook, for example, says, "Aryan race is considered among the famous superior and civilized races of the world... Most people in India, and Englishmen, Iranians, Germans, Spanoards, French etc. feel pride in considering themselves descendants of the Aryans. according to them pure blood of the Aryans flows intheir veins.

"......." Hardly any book refers to the correct usage of 'Aryan' as a linguistic category denoting people(s) speaking languages of the Indo-European family of languages. One book in Hindi refers to this in a mistranslation as 'Hindu-Eropean' rather than the more commonly used tern 'baropia! Hardly any book refers to the intermingling of peoples and 'races' in India or elsewhere, much less emphasize it. The description of the Vedic (Aryan) culture is generally unhistorical. One book claims that even today our dress same as that of the ancient Aryans. The same book, referring to and food is the/early Aryans, says, "Some people also this think that they knew the use of cannons and gunpowder." Another refers to the use of undergarments such as banians and shirts by the Rig Vedic Aryans. It also

realistic terms. What is needed is not to tailor history textbooks to suit national integration by suppressing certain facts and •exaggerating the importance of others. Most of the historytextbooks continue to be tailored, tailored to suit certain prejudices, and narrow loyalties and interests. What is needed is a presentation of authentic history in our textbooks, free from distortions. This would be clear from the following brief report.

Report of evaluation

The following report is based on an evaluation of twelve textbooks dealing with the history of India which were being used at the higher (Senior) Secondary stage during the years 1978 to 1982.

The teaching of history, as of other subjects, at the higher (Senior) Secondary stage, is envisaged as a discipline providing foundation for higher academic studies in the subject. This should not only be free from historical inaccuracies but shouid also reflect the current state of historical knowlegde. they should help develop an approach of objectivity to the study of the past and shouid be free from communal, parocuial, racial regionàl and other narrow prejudices. The textual material should include suitable illustrative materials and maps which are authentic. The language and style of presentation should be clear and unambiguous and should promote critical thinking and understanding of the processes of historical development.

For the work of evaluation, the guidelines provieded to the reviewers mentioned two broad considerations viz.i) to see that the presentation of the past is authentic and is free from myths and factual inaccuracies, and ii) to see that the presentation did not foster communal, casteist, regional and racial prejudices and attitudes. The guidelines made it clear that facts of history are not to be suppressed or tailored to suit the purpose of national integration.

The purpose was to free history textbooks from inaccurecies and distortions which may have vitiated their quality as resulted of inadequate knowledge and lack of familiarity with modern historical researches on the part of the authors, or by misconceptions and prejudices. The evalution reports have brought to light the extremely poor quality of most history textbooks. Most textbooks were found to be abounding in inaccuracies, gross distortions, communalist, casteist and even racialist presentation and inauthentic and even aesthetically horrid illustrative materials, usages of languages and styles of presentation unsuited to promoting clear

the 'Babus' the great virtues of the British rule. The study of the ancient period suffered from another kind of distortion, which perhaps helped fulfil a psychological need. D.P.Mukerji, in an essay on Indian historiography, wrote, "when people want to acquire self-respect, they may adopt various means one of which is a trip to ancient times where food for self- respect is abundant. This resulted in glorification of the ancient past and acceptance of the theory of Indians as being primarily a spiritual people, that is a people lacking in socio-political interest and objective attitude. With an overriding bias for spiritual thoughts and tendency to be lost in subjective speculation. Another myth which charachterized much of writing on Indian culture emerged in its fully developed form in one particular region of India. Drawing attention to this, Professor H.K.Sherwani, in an address to the Indian History Congress, said, "we are apt to regard Indian culture to be monolithic, stagnant and unprogressive, centred from the days of Yore somewhere on the banks of the Ganga and the Jamuna in the Western, Central and Eastern part of what is now the Uttar Pradesh, and not only culture but religion and politics are made to hang around this rather circumscribed region.... This near sightedness has caused many a fallacy and a bickering both in the cultural and the political fields.... Those who belong to this school would much rather ignore the impact of history at least during the last one thousand years and more and to think that they are living in a self-created paradise where life is lived or should be lived as it was at the dawn of history."

During recent years many historical writings have helped in rectifying the kinds of distortions mentioned above. It has been rightly pointed out that 'the desciplne of history has been made more precise and more analytical'. Now evidence and fresh interpretations enable us to reassess the past in more realistic terms and proceed in new directions. Hitorians, too, have become, as it were, self-conscious, both about the nature of evidence and about the social and political function which historical writing has played in the past.'

The connection between national integration and history textbooks may be seen in the broad context of the objective of the study of history - to master and understand the past as the key to the understanding of the present - and the work of modern historians in correcting the distortions of the past and reassessment of the past in more realistic terms.

History textbooks, generally speaking, neither reflect this basic objective of study of the past nor the work of modern historians in correctingthe distortions of the past and reassessment of the past in more

History Textbooks

and

National Integration

By
Dr.Arjun Dev
- N.C.E.R.T

E.H.Carr, defining the function of the historian, has stated that it is neither to love the past nor to emancipate himself from the past, but to master and understand it as the key to the understanding of the present. This understanding, more or less universally accepted, of their function has led historians to ractify the distortions which charachterized a large body of previous historical writings. From the time the first histories were written, the study of the past was used to sanctify institutions and to give validity to existing social system, beliefs and prejudices. Often historical writings were used for more sinister purpose. Gaetano Salvemini has remarked some where that most European professors of history deserved to be hanged for their crime of promoting national chauvinism, fascism, wars and ideas of racial superiority. Modern Indian historians have extensivly written on the distortions which characterized much of historical writings during the colonial period. In this context one may recall the Introduction to the 8 volume. 'History of India as told by its own historians' (1867-77) - which for a long time was the main source book for historians of medieval India. In his intorduction, Sri H.M.Elliot, then Foreign Secretary to the Government of India, wrote, They will make our native subjects more sensible of the immense advantages accruing to them under mildness and equity of our rule. If instruction was sought for from them we shold be spared the rash declarations respecting Mohamedan India, which are frequently made by persons not otherwise ignorant. Characters now renowned only for the splendour of their achivements, and a succession of victories, would, when we withdraw the veil of flattery and divest them of rhetorical flourishes, be set forth in a truer light and probably be held up to the execration of mankind. we should no longer hear bombastic babus, enjoying under our Government the highest degree of personal liberty and more political privileges than were over conceded to a conquered nation, rent about patriotism, and the degradation of their present position. "These volumes were frankly desingned to divide India on communal lines, besides teaching



CONTENTS

Distortion of Indian History

Poisoning the Text Books

57. The Bankipur Ms. has left out the names of the merchant. The prefix Asa or Asad to Bhar has been taken by the writer's esteemed friend, Dr. Z. A. Desai, to be substantially correct. According to him the name should be pronounced as Asa Abhir. He says that Asa has been no uncommon name and the founder of Asawal, the ancient site of modern Ahmadabad, is stated to be Asa of the Bhil tribe. Abhir is a community in Gupat.

58. Elliot translates Dahhabh Mal' as ten lacs of rupees. The Azangarh Ms. has 'Dah Lakh Balotra'.

59. See my paper in Patna University Journal on Taj-ul Maasir.

60. T. M. has Kola Rai-Ajmere and T. N. has Rai Kola Pithaura' We do'nt know why the word Kola was used by all.

61. Tabarhind has been identified with Bhatinda. See Dr. Habibullah's notes in F.M.R. The word Hajar, Hanjar, Janjar or Jagar is without aots. Is it Jajner or Hajner of the North West

62. Isāmi also refers to 'the ingenious manner in which Muizuddin provided for the lack of elephants whose presence in the Indian army frightened his horses" (F.M. R. G .D. by Habibullah p. 81 note 26).

63. This portion is missing in Azamgarh Ms.

64. The Azamgarh Ms. does not give this piece.

65. According to T. N. the fighting continued for one month under the walls of Uchh, and on Tuesday, the 29th of Jamadi III 625 (Kay 1,228) the place capitulated. In the same month Malik Nasiruddin Qubacha drowned himself near the fort of Bhakkar in the water of Indus, having a few days before sent his son, Malik Alauddin Bahram to wait upon Sultan Shamsuddin.

66. Dr. Habibullah has accepted the unconvincing suggestions of one of his colleagues that Daulat Shah of Thomas' coin was different from Balka, the accepted and acknowledged leader of the refractory Khajli's of Bengal who ousted the former and invited the imperial invasion of Bengal (F.M.R.P. 100, 169).

67. Everywhere the spelling in both the Mss. is Iltimish.

68. Amir Khusrau writes in Qiran-us-Saadain "Gird-i-Sarash kard Muazzin cho ghast Qāmatash az Masjid-i-Isa Guzasht; Mauz nash Anja ke Iqāmat Kashid; Qāmat-i-Musazzin natawānid rasid"

69. Had Dr. Nizamuddin given some thought to this piece he would not have described it as "an account of the Masjid-ii-Alfi or the Mosque of 1,000 arches erected by Iltutmish in the old capital of Delhi.



(Source : Patna University Journal,
Vol.21, No.1, 1966)

51. Awfi has professed to take the story from Utbi's work, but he has embellished it by additional matters concerning the advice of young Mahmud and the use of the miraculous fountain with curious natural properties. Alberuni and Abul Fazal had been quoted by Hodivala, (commentary 135). The former has referred to a well in a hill of Farghana in which, when a dirty thing was thrown, it began to rain, and also to a caverin in Tabaristan which if filled by filth, heaven became cloudy. Abul Fazal refers to a mountain between Kashmir and Tibbet in which if a flesh of animal fell there was heavy fall of snow and rains ensued.

52. The Hindu Shahiya kingdom of Waihind or Udhanpura which bordered on KashmirinN, Multan in S, and Lamghan in W was founded by Lallya (Keller of Alberuni), probably in the 9th century A. D. Kamalu, the third of the line, must have flourished sometime between 876 and 900 A. D. He was followed by Bhima' the father of the more famous Jaipal, whose reign may have begun probably in 965 and ended with his death, in 1002,

53. Both Azamgarh and Bankipur Mss. spell the word as Fardan or Farghan and do not support Hodivala's surmise about it being Farrukhan, a common title of Ispahbads of the time.

54. The Azamgah Ms. has Rai for Parshawar and his Brahmid, which is wrong None of the 2 Mss. has Marde or Marwazi which Hodivala would have us accept.

55. Khusru Shah succeeded his father, Bahram Shah in 552-1157, and having lost Ghazni to the Ghuzz, (who were already master of Khorasan), he fell upon Lahor where he died after of a reign of 7 years. His son, Khusru-Malik was constantly threatened by Muhammad bin Sam of Ghor who compelled him to. sue for peace. His son was carried off as a hostage when the Ghorid Chief attacked Lahor in 577-1181-2. 'Bud' and not' raft' is the correct word which occurs in Bankipur Ms. This is supported by both Minhaj and Farishta Farishta also refers to the fraud practised by the Ghorid Chief in sending back the Ghaznavid heir-apparent with splendid escort to show his apparent sincerity for cultivating friendly relations. When Khusru Malik advanced apart of the way to meet his son he was surrounded by the Ghorid force and found himself a prisoner Minhaj Siraj says that in 588-1178 the Ghorid Chief again advanced on Lahor, took it, and dethroned Khusru Malik, and carried him as a prisoner to Ghazni. and thence to a fort where he was thrown in 598-1207.

56. Mamlikat-i-Khurasan and NehaWand in the 2 Mss. did not belong to the Ghaznavids at this time.

the whole of these two pieces.

46. According to Elliot, the river mentioned here can be no other than Sindh or Panjnad and that Mahmud returned by a much more westerly course than he proposed in coming. Nizamuddin writes in Tabaqat-i-Akbari that when Mahmud resolved upon returning home from Somnath he learned that Parandeva, one of the greatest Rajas of Hindusthan, was preparing to intercept him. The Sultan not deeming it advisable at the time to contend with this chief, went towards Multan through Sindh. In this journey his men suffered much in some places from scarcity of water and in others from want of forage."

47. Bahram, the son of Alauddin Masud by the sister of Sultan Sanjar (Saljuqi) was a brother of Arsalan and not his uncle, as Minhaj Siraj tells us. The author of Tabaqat-i-Nasiri tells us that being defeated, Arsalan fled to Hindustan and fell into great distress and he expired in 511 (1117) after a reign of about 2 years. The Qasaid-i-Masood Saad Salman referred to by Hodivala give Wednesday, 6 th Shawwal, 509 or 23 February, 1116, as the date of his accession.

48. Elliot's manuscript followed by all, gives 511 but both Bankipur and Azamgarh manuscripts have 512. Isna is for. Ahada Ibn-ul-Athir says that Arsalan was expelled again from Ghazni and, killed in Jamadi II, 512, that is, more than three months earlier than the date of the first defeat mentioned by Awfi. The author of Khulasatul Akhbar (Khawand Mir) says that Arsalan fell into the hands of his brother who despatched him to the next world in 512.

49. The scribe of the Bankipur manuscript seems to have left out something which is supplied by the Azamgarh manuscript. Sultan Bahram returned to Ghazni with the army. Malik Arsalan who fled from before him was eventually captured in the hills of Ghazni and was sent to the next world. In neither of the 2 manuscripts before us is the mention of Arsalan's capture in the Shukran hills as given by Elliot

50. Other variation are Baghru, Nagru According to Hodivala the Buddhists referred to a spring called Nagharada or Naga-like or dragon fountain. It is said that snow and storm caused a panic in Jaypal's host the place was, according to Utbi, somewhere in the pass of Ghurrak (Kabul river) and. The site of the batte was between Ghaznir Far wan and Larmghan. The first battle with Jaipal near the miraculous fountain must have occurred in 327-982,3 which was the 14th of the 63 years life of Mahmud, who died in 421

i-kaghazi wa Surat-i-murghā-i-wa oqubat-i-Hayāt barāāi naqsh karda bud" while Azamgrh ms. adds "ke dar neki wa safa wa bayaz wa Sāyid-i-paiwast Miyan-i-baiza mi mānist".

39. See chapter 7, book No. 2.

40. Only a few of the 81 anecdotes on the Ghaznawids which have some bearing on Indian History have been considered in this paper. As Dr. Nizamuddin has pointed out, Awfi has mixed up two distinct works of Abul Fazal Mohammad Baihaqui and Abul Nasar al-Utbi and has mentioned the latter by name only in two of his anecdotes. He may have drawn upon the last portion of Baihaqui's work which is said to have originally consisted of 30 Volumes.

41. The Historian, Minhāj Sirāj, writes that before the birth of Mahmud in the night of Thursday, the 10th of Moharram (Ashura) 371, A. H. his father had dreamed about the rising of a tree from the fire-place so high as to over shadow the whole world. This was interpreted as the birth of his great son which 'coincided with the falling down of the idol of waihind which is within confines of Paishawer (Peshawer) on the river Sindh or Indus. waihind lay about 15 miles north of Atak. The Rai referred to in the text may have been Jaipal.

42. J. A S. B. XXI, P. 121.

43. Merutunga's work finished in Vs. 1361 or 1304 A. D. mentions Dinara, Tanka (gold), Daramma (silver) among the coins current in Gujrat. There is no doubt about the foreign origin of the first two, but it is difficult to say anything certain about the third which sounds like Darahim (plural of Darham or Dirham, a Silver coin of which from 20-25 at different times passed current for a Dinar which was a gold coin). In C. B. b. I. Awfi tells us about an unnamed Hindu Rai whose brother, a Govenor of Naharwala, had made counterfeit Dirham and circulated them in different parts of the country and had also attempted to poison the Raja (Rai)

44. The manuscript consulted by Thomas has 'Sad-bar- hazar' The Azamgarh and Bankipur manuscripts give as above. Elliot has 100,000,000 Dirhams.

45. Vide a similar story related by Alberuni and by Awfi (I.C. 120) with some variations about Kanak (Kanishka) called by Awfi as the king of Zabulistan (Siestan, Kabul and Ghazni) who was misuided and enticed into a waterless tract by the patriotic Indian W azir of his opponent, the Rai of Kannauj. Elliot has translated

on Gujarat. Medieval coinage of Gujrat and Rajasthan had much in common. But Dr. Desai is not quite certain about it.

30 The actual words in Bankipur Ms. are (Jāma-i-Tarraqou). The Azamgarh Ms. says "Khatib rā chahār cheez Bedūd az Jāmaha-i-wa zarāif" (He gave the Khatib four things in the form of robes and ingenious things).

31. Elliot and Dawson have misread the word Malav as Bala. But the manuscripts before us gives clear indication of Malwa.

32. On the besis of the Epigraph referred to above Dr. Z. A. Desai has given the correct name of the builder as Said-b.Abu-Sharf-b-Shapur al Bammi indicating that he was a Persian by birth. Hence both Yamani and Tamuni are wrong.

33. In one of his Majlis, Hazrat Nizamuddin Aulia testified to the honest and business like dealings of the Gujrat traders in contrast to the higgling and haggling and exacting, extortionate attitude of the Lahori traders (FF). Marco Polo has also praised the honesty of the Gujrat trading community.

34. See Hodivala's observation in Elliot and Dawson's History No. II p. 68. Azamgarh Ms. has 'kurpal' Two other tales of the Chalukya period, one of the Rai and his brother, the Governor of Nahrwala who wanted to poison him and was punished, and another about the Indian Rai teaching a lessons to the king of Turkistan, who had asked him about a prescription of longevity have been left out.

35. Awfi has gone beyond the legendary tales and has told us about some Indian animals, their constitution and their pecularites, particularly of the elephants, and their innate spirit of vengience. When our Awfi was in Naharwala he heard from the prince of physicians, Shamsuddin Qaisar that the elephant of the Rai of Naharwala used to bother the inmates of a tailor's shop by thrusting its trunk into it. Once a tailor, pricked the trunk by his needle. The elephant harbouring malice again went to the shop, flooded it with water from its trunk, and spoiled all the cloths and garments stored therein. We are told that elephants felt afraid of cats, rats and hogs. The chapter on strange wild and ferocious animals and their habitat, as also those on birds and their peculiarities and on curious properties of Natural objects, stones and metals form very interesting reading.

36. Awfi has frequently mentioned this book see Dr. Nizamuddin's notes on its origin and various versions P. No. 72).

37. Dr. Nizamuddin has added Injil or Gospel which is missing in Bankipur Manuscript. (See his learned note on the five works of Mani P. 41, 42.

38. The Bankipur Ms. has simply this "Durj-i-buzurg bar shakl-

the same feelings as modern Sharnathies. It is strange that a scholar of the eminence of Hodivala, accepting Elliot's reading of Tarsa for Parsayan should have taken pains to transfer the blame from the Zoroastrians to the Jainas. His comments in his Studies in I. M. F. and in J. C. O. VIII, 1926, are not convincing particularly because he does not seem to have had the Persian original of Awfi before him.

21. The earliest booklet that has come down to us is the short poem in Apabharamasha language by Abdul Rahman. It is named Sandesa Rasak.

22. Dr. A. K. Mazumdar writes in his book (Chalukiyas of Gujrat) "It was probably this Paramara pilferer of temples who destroyed the mosque and minarates as alleged by al Awfi, p. 147."

23. The writer's esteemed friend Dr. Z. A. Desai, has kindly sent the reprint of his very valuable and informative article entitled "Muslims in the 13th century Gujrat as known from Arabic inscription", and has also referred to the Annual Report of Indian Epigraphy, 1959-60, No. 95 which contains the text of the original inscription of Saad-b-Abu Sharf-al-Bammy who had constructed the mosque referred to by Awfi and is now preserved in Salwan Mohalla Mosque at Cambay in Kaira District. The date given is Moharram, 615-1218. This is the earliest extant Muslim epigraph in Gujrat which can be seen in Salwan Mosque. It belongs to the period when Bhima Dew, 1178-1240, ruled over Gujrat. It is in the time of Bhima that Subhadra or Subhata Verman, the Parmara ruler of Malwa, had invaded Gujrat in V.S. 1261-1234 A. D.

24. "Darin Shahr Tāifa-i-Mughān and "Jamaāt-i-Mughān Kāfirān rābarun dāshtand tā ba Musulmanān Harb kardand (Azamgarh Ms.) (Moghān-priests of fire worshippers).

25. The Bankipur, Azamgarh, and Kishunganj manuscripts have Pārsi or Pārsayān.

26. It might mean priest or elders of the Jainas who were powerful in Gujrat,

27. Other variations are Tarala, Nawala, Barala. The infamous Khusru Khan of the Khalji period belonged to the Baradau community as we learn from a couplet of Amir Khusru, but Baradau can not be Barala.

28. The Kishunganj Ms. has Sura or Saura and Bankipur Ms. spells it as Seoda. Dr. Z. A. Desai suggests that it might be Sheora, a term by which some of the Jainas were called in Gujrat.

29. Awfi has used this word in 3 places. Hodiwala has ignored it. Dr. Z. A. Desai thinks that it may have been the name of a coin minted at a place called Balotra which is situated in the Baramer District in the south-west Rajasthan, almost bordering

and valuable source of information available to us. Moreover the historical value of Jawami lies in the wealth of information it furnishes us with about the social and cultural conditions, the modes of life of the various classes, high and low, their dress, speech, manners and morals, in short the social life and the general condition of the time to which the various anecdotes refer. There is no attempt at a gloss or distortion of facts.

14. In C. 15 B 4 he says that the normal period of a man's life, according to astronomical and astrological calculations, does not exceed 120 years. Some say that longevity is due to heredity, and there is also the influence of the planetary system and of climate on man's existence.

15. Dr. Nizamuddin refers to it as a contemporary instance of monstrocity and says that the creature brought before Iltutmish had the face of monkey and the mouth of a bear without the lower set of teeth and rest of the body like that of a human being. The word Monkey does not occur in the manuscripts consulted by the present writer.

16. Al-Muntasir billah Abu Jafar-b-Az Zahir, the last but one of the Abbasid caliphs (632-644).

17. It is for the biologists to say about the possibility or otherwise regarding the impregnation of a human being and an animal of a different genus.

18. Qutbnuma, (Persian,) or the 'mariners' compass was invented by the Chinese who had an instrument resembling a fish made on mathematical principles. This was used by the Arabs in the first century A.H. for ascertaining the directions of the sea. Idrisi (549 or 1153) was the first Arab Geographer to mention it in his book which has been referred to by Monsieur Leoban in his book on Arab civilisation. Maqrezi, in his Khitat-i-Misr (845-1441), writes "the voyagers of Indian ocean, in dark nights when the star was not seen to be the guide for direction, used a thin hollow or concave iron piece resembling a fish with something magnetic in its mouth. When thrown in the water, the fish turned towards the Antartic or south pole with its tale being towards the Arctic or the north pole (Gujarat ki Tamadduni Tarikh by M. Abu Zafar Nadvi, Azamgarh 1962).

19. Awfi's account will, it is hoped, be read with great interest.

20. Several migrations took place at successive periods after the first exodus, 3 years since the first invasion, under caliph Omar the first. The earliest immigration from Sanjan seems to have been in Cambay (Karaka's History of the Parsis P. I. 35).

The first comers in Khambhayat (probably in 1090) must have had

8. Awfi has frequently referred to, and drawn upon, this work which he had translated from Arabic into Persian.

9. Awfi has referred in Jawame to this which was probably a collection of Laudatory poems in praise of Ilututmish and his wazir, Junaidi, but it is now lost.

10. Dr. Nizamuddin has traced and commented upon 37 sources from which Awfi derived his anecdotes, specially those with uncertain titles, divergences and similarities of contents, slightly different versions of, or special emphasis laid on, certain points in the anecdotes to suit the chapter heading. These are very valuable and perhaps the best part of the Introduction.

11. In Fuad-ul-Fawad and Siyrul Auliya we are told that the Chisti saint wished several times to have the whole work translated for himself but owing to his straitened circumstances he could neither have a scribe nor the wherewithal for the task. Fortunately Hamid offered his services and began with one Dirham which the Saint could spare at the time for the paper. In course of time gratutious gifts came and the work was done to the great satisfaction of the saint.

12. Tarikh-i-Firoz Shahi. As regards Kabiruddin's fath-nama, this work has not come down to us.

13. Dr. Nizamuddin, while dilating on the merits of the voluminous and encyclopaedic work of Awfi points out its limitations also—"In his attempt to preserve the traditions of the past and communicate them faithfully he has ignored what passed around him and he abstained from giving contemporary history. Of first-hand material which would have been of immense value to us, there is practically nothing. Lack of dates in historical anecdotes is one of the serious defects of this collection. Besides this, the arbitrary arrangement of anecdotes and about the particular individuals in different chapters and under different headings without any chronological sequence or systematic design is a great hindrance to the utility of the work. In very few cases has al-Awfi challenged the authenticity of his materials. Hence some inconsistences and inaccuracies have crept into the anecdotes. While, on the whole, all this is true, there are many exceptions also. Many episodes extracted from the contemporary and authentic sources have undoubted foundations of facts." Historical anecdotes about the Umayyads and the Abbasids and some of the Ghaznawids have been furnished with dates, and he alone gives the exact chronology in regard to the final defeat deft and death of Qubacha. As regards the references to the contemporary events under the reign of Qubacha and Iltutmish, though meagre, they may be taken as an authentic

teachers see Dr. Nazamuddin's Introduction.

3. Lubab, Volume No. 2 P. 411. There is no definite evidence about the time he arrived in India. As regards conditions which drove him from his homeland they were practically the same which led to the migration of the historians, Hasan Nizami and Minhaj Siraj, the authors of Tajul Maasir and Tabaqt-i-Nasiri respectively, and of so many others. In his preface to J. H. Awfi has referred to the devastating activities of the Mongols in the Islamic lands and the comparative immunity enjoyed by those who were in Indian regions.

4. Dr. Nizamuddin has quoted a long passage forming the subscription of a translated work, composed in 620, of Muhammad bin Umar b Muhammad Samarquandı, an intimate friend of Awfi; whom he met at Cambay. He was deputed by Qubacha as a newswriter of coastal regions of Gujrat and says, among other things, that "Qazi Imam Sadidul-Mulk-Waddin, Wāiz-ul-Muluk-was-Salatin, Muhammad-Al-Awfi had taken his abode and had resided for some days at Kambayat (Combay) and I, the slave, had been his intimate friend." Dr. Hodiwala has justly critisised Dr. Nizamuddin's statement that Awfi was sent as Chief Judge at the behest of Qubacha to the recently acquired country of Gujrat and Naharwala as it was called and that Awfi was Judge of the place (Kambayat) in the province of Naharwala, a dependency of Malik Nasiruddin Qubacha on the irrefutable ground that Naharwa'a or Gujrat was an absolutely independent Hindu Kingdom up to 1298, and he has rightly pointed out that Awfi was sent as Chief Judge only to decide cases among the Musalmans who had resorted there for commerce and trade in the country which was still held firmly in the grasp of the Hindu kings. "His functions were like those of Consuls in our own time."

5. An event not recorded anywhere but mentioned by Awfi about the victory of the exalted Nasri standard against Badruddin Khokhar on the bank of the Jhelum (see infra).

6. In face of the numismatic evidence (see Thomas for the coins of the Balka) and Minhaj's silence about the parentage of the Bengal Usurpur, he can not be said to be either the son of or any near ralative of Husamuddin Iwaz as Raverty, Haigh and Nizamuddin would have us believe.

7. Awfi was also an adviser of Majdul Mulk Bahauddin Ali Ahmad Jamaji who had been a wazir of Tajuddin Yalduz in 612 and had espoused the cause of Qubacha against the claim of Iltutmish.

(Ke-tā). In double words when the second begins with the same letter as that at the end of the first, one of two such letters is dropped; e.g. 'Haijā' (Haich Jā) but 'Harroz' is everywhere written as Har-roz. Alif is always dropped in such words as 'Ibrāhim', 'Hārun', 'Isā' 'Mustafā', 'Wassalām', 'Alaihissalām', 'Abul Qāsim', 'Sulaimān'. Alif is also dropped from 'Azaishān', 'Ba, aishān' Ānast, 'Aqlimast', 'Kandar', (Ke-Andar). In old Ms., Hai (small or final) is as a rule found omitted in such compound words as 'Harche', Anj, Badinj' Darinj', the Jim standing for 'Che'. In our Ms. Ānje is more commonly used, but there are also 'Ānj', 'Darānj'. The letters 'Be' 'Jim' and 'Kāf' are written uniformly as in old Mss.; as 'Pe', 'Che', 'Ke' without dot, stroke or hook. 'Lākin', 'Kajun', 'Katu', 'Kaman', stand for 'Lā-Kin' and 'Kachun', 'Ke-tu, 'Ke-man'. Nabishtan is always written for Nawishtan, and we get 'Isfahsālar/for 'Sipahsālār'. Hamza is dropped over 'Ye' in such words as 'Ru-wai', 'Rehāyee', 'Su-wai', etc. 'Ān' occurs not only at the end of the names of the animal as 'Aspān', Shutrān, 'Mishān', but also in other words as 'Dostgaan', 'Jolangān' 'Maulāgān',. We get also 'Ha' in 'Kasha' for persons. There is an uncommon use of oblique case 'Re' in several places. Except a few places where we get 'Hikāyat', there is more common use of 'Hikāyah'. 'Hayāt', is more frequently written with 'Wāve' instead of 'Te'. Hama is used for 'Me' and there is much use of prefix 'bā' Āzarbāzgān is written for Āzarbāijan. 'Bawak', the Contracted form of 'buward' + 'Ke', has been used in a Rubai in chapter V Book I.

References

1. The author has mentioned himself in several places as Muhammad Awfi and has nowhere given his surname. Mustaufi, the author of Tarikh-i-Guzida, who came about a century after him called him Nuruddin and he has been followed by others, notably by Rieu, Elliot and Qazvini. But Muhammad Muin, in his book, published by Danish-i-Tehran, 1335, has discussed the questions of the name, parentage, antecedents, education and acquisitions, travels and itinerary, contemporaries and literary friends of Awfi in the light of Dr. Nizamuddin's thesis entitled Introduction to Jawāmiul Hikayat, published in London in 1929, in Gibbs Memorial series. The brief notice of Awfi given here is based on them and on the foreword of Qazvini toLubab-ul-Albab, edited by G. Browne.
2. Awfi has mentioned his ancester, Abdur Rahman b Awf, in C.14 b2. He has also referred to his grandfather without naming him whom he accompanied in a journey while he was still a child, and he gives the story of an Alawi Syed who had turned a new leaf in his life. He has also mentioned his first teacher, Ruknuddin Imamzada of Bukhara, who ran a Madrasa in Farchap. For other

textual content everywhere, its strikingly archaic forms and features, in respect of spelling and other grammatical peculiarities, are such as to make it approach much nearer to any near-contemporary Ms. Unfortunately it is undated but the white thick stout paper, the bold cursive antique Naskh character, the fading ink, black, red and yellow, the languisning gilt emblishments on each of the two opposite pages of the last 3 Qisms, with the names of the book on the top and the benedictory expressions on the prophet and his descendants at the bottom, the gilded lettering and decorations mellowed by time from bright yellowish colour to brownish, and above all its archaic orthographical peculiarities take this Ms. to the end of the 14th, or more properly to the beginning of the 15th century A. D. and to a land outside India, probably Iraq or Persia.

The large bound volume contains 466 folios, with 31 lines to a page, and its size measuring is 12 X 8₁/'; 9₁/' X 6₁/'. Folios I and 2 of the original Ms. were missing and have been replaced by old brownish and modern white paper written in different hands. The really antique Ms. begins with the table of contents, written alternately in a black red and yellow, and such alternation in it is to be found throughout the whole Ms. which has been transcribed by one and the same person. Unfortunately the scribe has been rather careless about dotting and diacritical marks and in regard to 'Markaz' or bent part of the letter 'Kāf'. Maluk is written as Malul and Halāk as Halāl, Tadāruk as Tadārul, Turkistan as Turlasan etc. The scribe may have been a Persian of a time when Nastaliq had not come into vogue. Nastaliq character is said to have been invented by Khawaja Ali Tabrizi, who was patronised by Tamarlane and flourished at the end of the 8th century A.H.

The orthographical and grammatical peculiarities of this Ms. are in accord with those found in the ancient Mss. especially those transcribed outside India. The Persians consider 'Dāl' 'Zāl' to be different sounds rather than two seperate letters. They usually wrote 'Dāl' with a dot on it as 'Zāl'. In old Persian Mss., we get 'Zāl' for 'Dāl', when the letter preceding it is vocalised (Mutaharrik), and when it is preceded by a long vowel as 'a' 'āā', 'Ū' 'Eg', Khozāwand, 'Kheraz', 'Āyaz', 'Shawaz', 'Bāaz', 'Buz', Rawaz', etc. But when the preceding letter is quiescent (Sākin), it is written without dot as 'Āyand', 'Budand', 'Shawand', 'Rawand', etc. This and some other archaic forms, given below, were prevalent till the and of the 9th century A. H. The old Persian Mss. were devoid of 'Keh' and we get therein 'Ki', and 'Kai', 'instead. In the Ms. before us there is consistent use of 'Ki', and 'Kai', for 'Kab', but the compound words such as 'Chunāke', 'Badānke', 'Ānke', Harke' etc. end in '*Kāf*' instead of '*He*' (final or small), such 'Hai' is generally dropped with 'Che' and 'Ke' when joined in compounds as 'Kachun' ('Ke-Chun') Kata

blue sky in his court remains in attendance like a Hindu serving as a 'Darban' (gatekeeper). The minaret like a living creature is standing in the presence of that king because it has the honour of performing his orders. It has been awarded its robe of honour.

VI

Before we conclude this first instalment of the paper on Awfi's monumental work, it would be worthwhile to notice, very briefly, the four manuscripts which have been consulted. Of these, the two which are incomplete and without striking features need not detain us. One of them, recently acquired for Bankipur O. P. L., is written in modern good Nastaliq character, but it contains only some selective Hikayats of the first Chapter of Book I. The Kishunganj (Purnea), Ms: borrowed last year from Mr. Akmal Yazdani is older, has the introduction of the work, but covers only the 12 Chapters of the Book. Of the two complete copies, the large-sized volume of Azamgarh belonging to Darul Musannifin, kindly lent out two years before, along with Dr. Nizamuddin's Introduction, by the writer's esteemed friend, Maulana Sabāhuddin Abdur Rahmān, comprises 350 folios with 31 lines to a page. The colophon is devoid of the date of transcription but it gives the name of the original owner. About 31 pieces including the introductory observations on Caliphate and Imamate of Chapter 5 of Book *I* are missing, though there is a running pagination provided by some one. Unfortunately an important piece concerning a current unrecorded event relating to Badruddin Tiry-abal(?) Khokhar which occurs in this portion is not available to us for collation. The Ms. appears to have been written in small legible Nastaliq by several scribes who may have distributed different portions amongst themselves for transcription. They all appear to have been well-read men and were mature in their profession The ink is losing its old bright-black colour and the paper has become brittle. The manuscript is somewhat damaged, but one with slight efforts can get what one wants from the insect-eaten portions. The scribe or scribes appear to have left-out a few words and expressions here and there. There are slight deviations from what are found in other texts, but the arrangement and the contents correspond, on the whole, with what are found in the good and old Bankipur manuscript and the very many manuscripts which Dr. Nizamuddin consulted. Barring a few places in which Bābs and Qisms and a few Hikayats are given in rubric, there is nothing in the major portion of the Ms. except a little space in between to distinguish the preceding from the succeeding anecdotes. As regards the substance the variants do not make much material change and are not such as to detract from the value of the Ms.

Now we come to the catalogued Ms. of the Bankipur Khodabaksh Library, which is not only of very respectable antiquity but is also the fullest textual representation of the ancient compilation. Its list of chapter headings, the divisions and arrangements of the respective 100 anecdotes of 25 Babs in each of 4 Qisms, its fairly good, though not wholly correct

good faith in the principles of Islam, that the sound of the prayer" call (Azan) should reach the ears of all the creatures, he fixed the size and the lofty height of the monument and, consequently, the wise engineers, in accordance with the royal command, constructed a Minar which was so to say an Alif " (الف) written on the tablet of the mosque, and the arches of the mosque were given a curved shape like that of a Noon (ن), and thus they are like Alif and Noon respectively, indicating 'Ān' (dignity). Who else possesses the beauty that belongs to you ? Let the evil eye be at a distance from whatever you possess. I wonder how the great traditional saying of the prophet emanates from the mouth that you possess, that is how the call for the prayer, 'God is great (Allah-o-Akbar)' comes out from your tongueless mouth and it reaches the ears of so many creatures. You might say that the Minar has got the attributes of the 'Mustaqimān' (the righteous ones standing erect in prayer) who when they hear the remembrance (zikr) of their Friend (God) their hearts warm up as the Quran says that whenever the names, attributes and praise of God are repeated, the heart begins to beat. Moreover, the spiral twist or coil (Paich) which is the heart of the Minar is evidently due to the fear or restlessness of the mind (Tāāb-t-zamir) (i. e. the twist in the heart of the Minar here refers to the spiral stairs leading to the top) giving occasion for suspicion that the Minar has got the manner of the hypocrites for its exterior is erect and straight while inwardly it is crooked (Kaz—has steep bands or curvature). The Minar may be likened to a brook or rivulet which is continuously flowing into waters of the benevolence of God's name and attributes and the Canon Law of Mustafa remains the water of face-lustre therefrom. (The Minar is compared with water so that Aufi could say that Islam received 'Ab-i-Ru' from it.) It has been constructed with the help and under the patronage of and due to the exalted magnanimity of the king of the world, the Khusraw of the age, world-taker and law-giver till eternity. Inevitably the mercury pours forth its eulogium on the king of the world from the sixth vault of the heaven (for the edifice constructed by the king). Verse:-

Praise be to the king, great as the first Mehdi and powerful as Alexander II who through the grace of God could erect such a strong structure as will remain for ever like a strong fortress of Islam. He has constructed a Kāaba in India whose beauty is praised perpetually with heart and soul by his friends (Like Ibrahim Khalilullah). This heavenly prototype of Kaaba became a place for circumambulation of angels when by the grace of God the king became the builder of ths Kaaba. Its eye-brows are curved and is always dyed with (Vasma) so that the sky may kiss the threshold by its forehead. It is sitting cross-legged in a quartern form like a king, with a golden crown on its head. Five times every night and day, it plays the musical band at the palace of the (Divine) Sultan. The planet of Saturn on the 7th heaven and the

the establishment of the holy inmates of the world above and also lofty Minaret which is higher than the vault of heaven. Quite in keeping with the noble and lofty attainments of the king of the world, its foundation is as sound as the Judgement of King, as spacious as his open (generous) hand, as noble and lofty as his disposition, and as bright and illuminating as his face. Verse:-

"From whatever door the pilgrim enters the mosque, the Lord opens for him a hundred other doors."

The whole of the courtyard and the flooring of the mosque is made of white marble and the arches also have been constructed of stone in such a manner as to baffle the imagination. The vault of heaven hides its face behind clouds and is filled with shame on seeing it. Its courtyard is as beautiful as the face of a bride with its arched eyebrows. Perpetual pleasures and comfort pledge their faith to its porticos (Rawāq).

And by its side, he constructed the Minār, the loftiness of which beggars description. You might say that a lofty cypress has raised its head (has grown) in the flower garden and verily all mosques are meant for God. The elegant edifice of the mosque is an abode of all the pious and the devout ones and the tower (Burj) constructed in it is like a cypress tree from the top of which sweet toned nightingales of the prayer hall sing at dawn the hymns of the glory of God and the loud chanting of God's name descend like that which emanate from the priests of the fire worshippers (Maubad). The tower has a lofty stature but is devoid of hands and feet. It is one which raises its head aloft but is hollow-hearted. (This is interesting as 'Tehidil' refers to the interior of the Minar wherein steps are made). It is vociferous (long tongued); it has one mouth but many teeth. It is a rare structure for with all its loftiness, it has no feet (base) and still it has a mouth (opening or door), and it is so difficult for the pen to describe how it is standing on its heels. Even if it does not have any board or tablet, its basement (Kursi) is higher than the highest of heaven (Arsh). If it is not a slave then why are the rings in its ears, and if it is a freeman then why have the written documents (inscriptions) been put round its neck like an amulet (contract of servitude)? If it is not a pen then why has a girdle been thrown round its waist, and if it is a pen then why has its auspicious crown (pinnacle) been covered in the fashion of an inkpot? It has kept itself erect like a kulahdar (Capwearer) but it can reach its girdle buckled round the waist to which are attached the declarations of God's name. It is of high dignity and of lofty stature for it is constantly engaged (absorbed) in the work of providing the call for prayers of God's creatures.

As the triumphing judgement of the king suggested, due to his

country is like a barren woman and father's brothers and sons become antagonistic to one another for rank and position. When they were convinced that so long as General Abul Abbas was alive mischief would continue, they decided to follow the example of Commander of the faithful, Jafar-al-Mansur, who owed much to Abu Muslim and overthrew him as in spite of his best services his existence was found to be prejudicial to the interests of the state. When they decided to dispose of Abul Abbas they called him. When he was standing before the throne a soldier getting the hints came from behind the general and with one stroke of his sword severed his head. I have heard from an elderly man that when the wound was inflicted and the head was severed the general had just raised his hands and drawn his dagger a little but he fell down. His murder gave rest and peace to the country. His sons, however, were taken care of and brought up, and the services of his father were not allowed to go in vain. There is no doubt that kingship and sovereignty can notbe established without violent punishment.

Chapter 18, Book 4, which is devoted to monuments, opens with the remark that the best legacies which are handed down by the ancient people are the grand and lofty buildings which perpetuate their names and vestiges. After dilating on the utility of antiquities and giving brief accounts of the remarkable monuments erected by Shaddad, Zulcarnain, Alexander, Naushervan, Persians and Egyptians, Awfi gives an interesting information that along with the engineers of Syria and Iraq those of Hindustan also helped Abu Jafar Mansur in laying the foundation of the famous city of Baghdad which was begun in 145 A. H. and was almost completed in 5 years by 150 A. H. with 3000 men working daily in its construction. More important than all this is the account of the mosque and the Minar begun by and named after Qutubuddin Aibak, but completed by Iltutmish in the old capital of Delhi. An attempt has been made here to give the literal translation of the relevant passage, embodying the impressions of the first and the only contemporary writer of these remarkable historic edifices:-

"Praise be to God that in this last of the age the Creator of the worlds has extended His grace and guidance to the Sultan of Sultans, the shadow of God on the world, the helper of the creatures of God, the protector of the laws of God, the supporter of the Caliph of God, Shamsuddunya waddin, the liberator of the realms of the world, the propagator of the words of God, the refuge-giver to the men of faith, the heir to the kingdom of Soloman, the lord of seal and signet, Abul Muzaffar-as-Sultan Iltutmish, May God make his helpers more powerful and respectable and double his authority and domination! In the imperial metropolis of Delhi which is a sort of Kaaba for the perambulation of the nobles, and the gentry and the source of the pure water of favour, he has constructed the mosque which is like

victory over Koker (Khokhar) which is one of the leading victories of the time. It so happened that when the imperial Nasri standard proceeded at the propitious time of dawn with good fortune serving as guard both on the right and the left under the escort of God's protection with the view to effecting the liberation of the realm of Loyehi (Lobbi), the land of Kumar (Kuhar) became full of crescents with the hooks of swift-footed horses and through the breeze of the royal disposition became the envy of the black-eyed nymph of the paradise and of the Tartary. Badruddin, the dirty (Napak), was known to be possessed of plenty of wealth and troops and abundant number of followers. But when he realised that the atom had no way out but to disappear before the sun, he took recourse to flight and crossed over to the other side of the Jhelum River. The great king issued a Farman for building a bridge of boats over the river so that the royal troops passed easily to the opposite bank (in pursuit of the fugitive). Badruddin Tiryabal had wished that after flight he would be beyond the reach of the royal army, but when he heard that the bridge had been built by king's order he lost his heart and exclaimed ! Verses: "I let my tears trickle down by cheeks. I made haste for running away, but the bridge was built and that bridge belonged (stood on) to the river which was in my possession. But from the other side of the river a bridge has at last come out." Accordingly like Job he sought the protection of the king and the royal order was issued in his favour by the nonchallant attitude of the auspicious king. Besides wealth 50 thousands swordsmen were declared to be ready to resign their lives into his hands. It is thus that the great ones do their work as they ought to do and it is in this way that God manifests His grace.

As there are very few contemporary or near contemporary events recorded by Awfi, one anecdote which is about the 3 sons of the Shaibani rulers of Ghor may be given here. Awfi writes in Chapter 9, Book I. It has been related about the reign of Sultan Ghiyasuddunya Waddin and Muizuddunya waddin that after the martyrdom of Sultan Saifuddin, the Commandar-in-Chief, Abul Abbas, tried his best to establish the power and authority of the 2 kings. When their state came into being, due to his devoted efforts, and they became firmly established, then Abul Abbas wanted to keep them as puppet rulers and as a screen for the usurpation of all powers in the kingdom by himself so that he might do what he wished. When he looked at the influence of their power and authority he thought that they would try their utmost to preserve that for themselves and, therefore, he contacted their uncle; Fakhrud Dunya Waddin. He sent letters to him and to his sons and requested their support. When the kings got scent of these activities they consulted their elderly people. and all said unanimously that a

prison by the Qazi. The owner of the slave girl wrote about the affair to the benign Sultan and disclosed everything. The king ordered that the price money of that slave girl should be paid out of the state treasury and that the scholar (Dânishmand) should be taken out of the prison. But for the sake of ending such iniquity an wickedness and preventing such fraud and deceit he ordered that the man should serve in the royal kitchen as a water-carrier for one year. That searcher after knowledge with leather bag hanging round his neck used to carry water. But only a week had elapsed when the auspicious sight of the Sultan fell on that theological lawyer (Faqih) and he ordered that he should be set at liberty and given a rich robe. That Faqih gained his ends and objects by virtue of the rewards of his (Sultan's) beneficence.

In Chapter V, book I Awfi after giving an account of the campaigns of Khalid-b-walid against Uballa in the reign of Ard Sher tells us of a historical event upon which historians are silent. The language is very confusing and the date and facts of the events recorded are not easily ascertainable. The Azamgarh Ms. does not have it as some pages including this portion are missing from it. The use of word 'Nāsri' shows that the campaign against Badruddin Khokhar was led by Qubacha at a time when Awfi was in his court and was writing the account of the Persian conquests by Khalid bin Walid in his book. Iltutmish fought with Qutbuddin Aibak and Shihabuddin in campaigns against the Khokhars in 602, but Awfi at that time was somewhere in Persia or Khorasan. Chronologically Rāyaāt (Banners)-i-Nāsri would fit in more with that of Prince Nasriduddin Mahmud to whom, according to the author of Tājul Maāsir, the Government of Lahor was committed in 614-1517. Was he the 'Wāris-i-Iqbāl' referred to by Awfi? We do not know when the prince imperial was sent to Awadh from whence he marched with Malik Jani, the ousted governor of Bihar, against Husamuddin Iwaz of Bengal in 624-1227. As regards the name of the Khokhar Chief, Farishta and others tell us that many of the Khokhars had accepted Islam in the time of Muizzuddin Bin Sām. It is difficult to take Tirayābal in our Ms. as a distortion or misreading of Tirhiah, the name of a Trans-Indus tribe mentioned by Kamil Ibn-i-Asir and Farishta. Another difficulty lies in the two geographical names which occur in the Ms. We may, however, place our reading of the important piece before the readers for what it is worth.

As a proof of his assertion that God in every age has glorified the *faith* of Islam through the power and Majesty of the King, Awfi has related the following event:—

When the Jockey of the glorious stead of my pen was running at full speed at the time of writing this account on the plain of white paper and just when it had reached the doors of the gate of the Persian conquest (of Khalid-b-Walid) suddenly the auspicious heir (apparent) came in and gave the glad tidings of the

ting and killing him in 624-1226, but he suddenly fell ill and died after ruling in Lakhnauti for about a year and a half. This gave an opportunity to one described variously as Malik Ikhtiyaruddin Balka Khalji or Daulat Shah Balka to establish himself in Bengal as an independent ruler till he was defeated, captured, and decapitated by Iltutmish in the beginning of 628/Nov. 1230. But the identity of the man who had usurped the throne of Bengal for about 18 months has become an object of controversy and nobody has said clearly anything about the circumstances of Mahmud's death. Some say that Daulat Shah was the son or relation of Husamuddin Iwaz. According to Awfi the premature death of the Prince was due to Divine decree and it afforded an opportunity to Daulat Shah to forget all that he owed to him and his imperial father and he carved out an independent principality for himself in Bengal. Minhaj calls him at one place (Tabaqat-i-Nasiri, printed, p. 163) Ikhtiyaruddin Balka, and at another names him (p. 174) Balka Malik Khalji. In the list of Iltutmish's Maliks, Minhaj mentions him as Malik Kizil Khan Daulat Shah Khalji, Malik-i-Lakhnauti (p. 177), and he says nowhere that he was a son of Iwaz. This is practically substantiated by Awfi who says that due to the favours of the imperial house he had risen from the lowest to the highest position and he was guilty of ingratitude when in defiance of the imperial authority he assumed independence in Gaur and Lakhnauti, caused the Khutba to be recited in his name, and even dared to face the imperial force. He must have risen to a high office in the service of Prince Nasiruddin Mahmud whose sudden death left a void which he filled up in Bengal, assuming the regal name and title on his coins as Alauddin Daulat Shah bin Maudud. but acknowledging the suzerainty of Iltutmish by retaining his name. That he was easily overthrown shows that the usurper had not gained the affection and support of the Amirs of Bengal with whom Iwaz had been so immensely popular. This Daulat Shah could not have been a son of Iwaz but a Delhi Amir and a former protege of the emperor or his eldest son who had imposed himself on the frustrated nobles of Bengal.

A less important affair, but an anecdote of contemporary interest, and based on his personal knowledge, has been given by Awfi in Chapter 9, Book I. After relating the story of Atābak Zangi, a king of Persia, and the patron of the celebrated Saadi Shirāzi, and the exemplary punishment he meted out to a certain penniless person who had obtained a slave girl by practising a ruse on the slave dealer and had been imprisoned by the order of the Qāzi, "the compiler, Muhammad Awfi" says that "a similar incident happened during the time of the generous hearted Sultan Qutbudduniya Waddin (Aibak)". There was a scholar who was called Sharaf and I, the author (Da'i) had seen him. He too had shown an inclination to practise such a deception. By such a stratagem he had posed himself to be the purchaser of a slave girl and allowed himself to be put in the

of Sultan Altemsh, (Iltutmish) who was without a compeer and was unrivalled. He was a fragrant flower in the garden of existence and like the flowers he had a very short duration of life. He obeyed the call of the most holy God. May God's blessing be yours I have seen such a freedom-loving generous-hearted prince whose ambitious programme remained unfulfilled. May the king of the world, saheb Qiran, together with that of his kingdom and conquests prove to be durable! If a star falls down from the constellation of the kingdom, from the sphere many other stars will arise to replace it.

As for Daulat Shah, ingratitude and ambition for state and dominion moved and induced him to assume absolute and arbitrary powers. Becoming despotic and aiming at perpetuity and power he made himself master of the extensive dominion of Gaur and Lakhnauti. He thought that chieftainship is a facile affair working easily but he could not distinguish between 'be' and 'don't be; and failed to realise that leadership has many ills or evills. He raised the standard of oppression, lit the fire of sedition, caused the khutba to be read in his name, and appropriated to himself the title of the Sultan, unsheathed the sword of tyranny, and unjustly killed one thousand scholarly people for the sake of perpetuating his false authority and dominion. When the powerful and absolute monarch, the shadow of the mercy of the creator, resolved to put out that fire, he ordered his victorious army to proceed towards that side by land and sea and himself marched in that direction under the shade of the victorious canopy, and with the prospect of good fortune and success. When the royal standard arrived in that region that unlucky contemned person was seized with a despicable feeling and on account of the resources that he possessed which were the result of his despotism or insistence on the thing being done he became so proud and arrogant as to be ready to face him. But before the light of the rays of the sun of his Imperial Majesty, the Shadow of God, could fall on the ungrateful wretch, on account of the splendour of the swords of the servants of the state he fell like shadow on the dust and as soon as the lion-like soldiers of the victorious army made their move he became sleepy like a rabbit. The head of Daulat Shah fell like a polo ball and he perished on account of the good fortune (Daulat) of the king. Every heart which harbours evil designs against the king becomes despised and despaired of his head and life like Daulat Shah. The head on the body looks up for dominion and it deprived of the body and becomes the dust of the world. The victory which was an outstanding event of the time was also due to the problem-solving advice of Khawaja Jahan, the Dastur of Saheb Qiran.

Our standard historians tell us that Prince Nasiruddin Mahmud, the eldest son of Iltutmish and the governor of Awadh, overthrew the 14 years' rule of Ghiyasuddin or Husamuddin Iwaz Khalji by defea-

the Ist of Rabi I, 625, against Qubacha, having sent in advance his forces led by Izzuddin Sālāri and Nasiruddin Aitmar and subsequently despatched his Wazir al-Junaidi for the capture of the island fort of Bhakkar to which Qubacha had withdrawn, having already sent his treasure and forces from Uchch. We are not told how and within what time Iltutmish made himself master of Uchch. It was on the 10th of Rabi I that the Delhi forces reached Bhakkar. Soon preparations began to be made under the direction of the Wazir to assault the fort but it could not be delivered immediately. A part of the wazirs' forces sailed in large vessels, dropped down on water, and encamped on the plain dry land near Lohri (Rohri) river. The fortified enclosure of Bhakkar (Hisar) was encircled and the assault was successfully made on Monday, 2nd Jāmadi I, 625,. Qubacha had been compelled to retire to the inner fort (Qila). It was a bloodless coup. Qubacha sent envoys to mediate and offered to send his treasure and also his son as a hostage. But his successful rival insisted on his personal surrender, Preferring death to dishonour he committed suicide by drowning in the night of Thursday, 19th Jamadi II, 625 or 26th May, 1228 i.e. 17 days after the first investment and about II days less than 4 months after the arrival of Iltutmish at Uchch.

Anothor event of historical importance given by Awfi in Ch. 19BK. 3 on the basis of what he learnt from those who were looked upon respectfully and revered above others and which happened during the reign of Iltutmish relates to the affairs of "the traitorous refractory rebel Daulat Shah, the mean-minded ungrateful Wretch". The account is as follows:-

As the tailor of imperial favours had sewn the garment of upbringing and education (Tarbiat) longer than what his stature warranted, he raised the dust of mirth and enjoyment and as the royal benevolence had planted the sapling of benefits on the salty earth of mean disposition it did not bear any fruit except that of ungratefulness. As Firdausi Tusi-may God's mercy be upon him! has said" If you nourish the offspring of a lion, when it will have its sharp teeth, you will have to bear the consequences thereof. When after a time it's claws are grown it will attack its cherisher. "The black hearted black faced reprobate Daulat Shah, was puffed up with the noise of his breakable and ignoble prosperity which was due to his Majesty. On account of the distillation of the royal favours he rose from the lowest extremity of obscurity to the summit of approbation and from the lowest he attained the highest position and when he who at first was not accepted as worthy of maintaining even one horse became a hero and champion through the benevolent glance of the lord paramount, and he became possessed of/power and authority to issue -and enforce commands, the devil found a lodgement in his head. The sphere like Ad (ancient sinful Arab tribe) displayed its accustomed faithlessness and owing to its lack of manliness made the throne of the state empty of the incomparable personality of the prince. Imperial Malik-us-Sharq Nasir-ul-Haq Waddin, the son of the Sultan

did not remember the Quranic command "Donot indulge in your destruction with your own hands. "Early in the night of 19th of Jamadi II (26th May 1228) which was the last day of his life he came to the bank of the river and addressing the emperor in his imagination he uttered this verse:—"If your gain lies in harm to one like me-let all my marks and traces be effaced by the Time. I don't like that the hands like yours should be stained with the blood of one like me". So saying he cast himself in the water and put a period to his existence. The fire of his prosperity was extinguished without painful work of killing on account of the good fortune of his lordship, Nizamul Mulk. The whole of an extensive dominion came into the possession of the servants of His imperial Majesty.

During all this time I, the compiler of this collection, was lying besieged in that fortification. Sometime before this Malik Nasiruddin had set to me the task of collecting and compiling this Hikāyat (narrative anecdotes). But before the turrets could be strengthened the notched parapet of the citadel of Nasiri's life and fortune had been shaken and and had been brought down by the earthquake of dissolution, and this compilation remained disarranged and unsystematised. One night when I felt strongly inclined towards its completion the good fortune of Saheb Qiran and of the Asaf of the Soloman of the age dinned into my ears that there were many advantages in bringing this book to its final stage and form a survey of the deeds of those who have passed away. The events and occurrences relating to the events tend to produce confidence. Augmented experiences serve as a stock of trade and livelihood and give solace in griefs and afflictions and enliven and gladden the unhappy and the sorrowful ones. Through the hints given by that sun of the sky of dignity I gathered the scattered jewels of anecdotes and the pearls of traditions and knit them into a necklace. I made such a string of pearls as might suit or befit the excellent collar of Sultanul Wuzara Nizamul Mulk etc.

Before passing to other important topics it would be better to consider here very briefly the main facts and events which Awfi has given in a highly involved and verbose language. The destructive activities of the Mongols in Islamic lands during the Caliphate of an Nasir who died in 622 has been referred to here and also in Lubāb-ul-albāb. But Awfi does not say anything about the appearance of the Mongols in Upper Sindh and about Qubacha being besieged by them in Multan for more than a month in 621, nor does he refer to Iltutmish ousting his rival and Ham Zulf (Sārbu or wife's sister's husband) Qubacha from Lahore and compelling him to remain content for the time being with Multan, Uch and Sindh. Both of them did their best to afford protection to Muslim refugees fleeing from Mongol oppression. As regards the events leading to the fall of Qubacha we are told that Iltutmish made the move on

In an auspicious hour the fully epuipped choicest troops of Nizamul Mulk made their advance. Fifty boats filled with fully armed veteran warriors proceeded on the 10th of Rabi 1,625, on that river and arrived at the entrance of the island fort of Bhakkar. They encamped on the bank of the Lohri (Rohri or Sakar river) which is on one side of Bhakkar. The Asafi Nizamul Mulki order was issued that experienced warriors should arrange all their boats in such a manner as to surround the fort from all sides like a circle. At that time owing to the intensive heat of the air the waters of the Panj-ab were in a tidal condition and the situation did not permit an immediate delivery of the assault. Both sides were, however, engaged in making their efforts on the shores of the Panj-ab the water whereof was agitated like the besieged inmates of the fort.

Early in the morning of Monday the 2nd of Jamadi 1,625, the boats were put in motion. By the orders of the excellent companion (Wazir) of Saheb Qiran the Maliks, Omrahs, and generals arranged their forces and the veteran warriors moved their boats towards the fortified enclosure (Hisar) the inmates whereof were taken aback and felt confounded on seeing their fury and impetuousity. The sailors carried their vessels near the plain on the edge of the fortified enclosure and the warriors dropping down on the waters set their foot on the dry land. When the men who had been deputed to guard the fortified enclosure saw such a daring venture they thought that their safety lay in flight, and surrendered. Malik Nasiruddin being thus outwitted and routed turned his face towards the inner fort (Qila) and entered it. The victorious troops immediately surrounded the Hisar and took it without doing any harm to or wounding a single person. His lordship Khawaja Jahan (Wazir) got into the Hisar and proclaimed a general amnesty for life and property of the Musulmans. Due to his good faith and perfect compassion the female part of the Muslim families remained completely immune from all mischiefs and none dared shed the blood of any of them. Thousands of men and women who had been besieged within the fortified enclosure and who felt grieved and were terrorstricken, apprehending wholesale massacre, imprisonment and plunder, and who even deserved exemplary punishment, were overjoyed on seeing this clemency, and they opened their lips in prayers for the perpetual prosperity of his lordship. They gave the name of 'Jan Bakhsh' (Life giver) to Khwaja Jahan.

When Malik Nasiruddin had retired with something like fifty of his chosen adherents to the Qila (inner fort) he sent some advocates and mediators to intercede for him. He wanted to make his wealth and his son as a shield against the arrow shot of death and consequently he sent out his son and treasure. But when the exalted command was issued that he should himself hasten to the presence he lost all selfconfidence and preferred death to life. He

rendered void and destitute of the ornaments of Friday prayers and the custom of reciting the Khutba, and so many thousands of populous regions have been made completely empty of their inhabitants, the people of these regions are having their peaceful sleep in the cradle of comfort and are at ease on the carpet of peace and tranquillity. All this is due to the good management of Khawaja Jahan the Dastur of Saheb Qirān.

Although the manifold activities of the great Wazir are beyond description yet one of the great deeds worth mentioning is the conquest of the fort of Bhakkar which has no imaginable parallel.

The Divine decree had created a hill in the midst of the Panjab sea and human device had built a fort on the top of this hill to which there was no access except through boats. Big boulders of stone were lying here and there under water so that it was impossible for inexperienced sailors to ply their vessels in that direction. It was on the lst of Rabi 1,625, that the king of the world.........was moved by the just feeling of retaliation which is inherent in man and he resolved to blot out completely all the sources of mischiefs of Malik Nasiruddin Qubacha-May God pardon him!. He was determined to mete out to him a requital for all the breach of faith and agreement of which he had been guilty. On the 1st of Rabi I the imperial standard arrived and shed its lustrous justice on the confines of the realm of Uchch. Malik Nasiruddin Qubacha-may the mercy of God be for him! had already taken the precautionary measures and had sent away the whole of his troops and retinue, goods and household furniture in boats under the guard of experienced men. When the sun of imperial dignity cast its blazing rays on that region, Malik Nasiruddin like a shadow fell on the dust of helplessness and put his head on the water (found his position unstable). Boats were made to sail on the water of the five rivers-Panjab-and when he arrived at the island-fort of Bhakkar he took refuge in that strong place. He did not realise that firmness and stability of the fortress was of no avail before the might and splendour of Nizamul Mulk.

When Malik Nasiruddin took up his headquarters in the island-fort of Bhakkar, royal order was issued to Maliks and Amirs to pursue him and invest that fort from two sides of the Panjab. Malikul Umara Izzuddin Salari the Barbak proceeded at the head of his veteran warriors and on the side of Barsana (?) the great amir and commander Malikul Umara Nasiruddin Aitmar (Taimur) advanced with his forces and encamped in front of the valley of the hills. As there was no room or posibility of an open engagement or of mining or digging through the walls and yet the royal resolve was firmly bent on the liberation of that strong fort, command was issued to Khawaja Jahan, the Dastur of Saheb Qiran to turn his own attention and proceed himself towards that side.

of faith to be proper for him. God the most high made him suffer from retribution. By the sufficiently effective measures taken and firmness and constancy shown by Khawaja Jahan the Dastur (Wazir) of Saheb Qiran, Nizamul Mulk Muhammad Bin Abi Saad-al-Junaidi ……………the fire of his prosperity was finally extinguished in the fort of Bhakkar and he cast himself in the depth of the water. The illustrious action of the lord of the world was recorded in the register of times."

Elsewhere, in Chap—14 BK. 3 he writes:—"As regards the things which have been witnessed (by me) during the illustrious reign, conducive to justice and benevolence, peace and equitable transactions of the world taking angelic Sultan Shamsuddunya Waddin Iltutmish the most important is the liberation of Bhakkar by his lordship, Khawaja Jahan Nizamul Mulk Qiwāmuddaulat Waddin Muhammad bin Abi Saad-al-Junaidi…………When this happened and Malik Nasiruddin becoming panicky and terror-stricken let his kingdom be lost and laid waste and gave himself up to water, an account of which has been exhaustively given in the preface, a body of people were lying besieged in that fortification. A considerable amount of money and a large wealth belonging to the Nasiri treasury had come to their hands in the form of salaries to troops, gifts and gratuities. When their work came to a standstill and the fire of his (Nasiri) State and prosperity was put out those people felt greatly apprehensive that they might possibly be called upon to restore or refund their riches. But the favour of Khawaja Jahan did not allow him to take any such step and there was no room in his conscience for any such idea. All of them were treated kindly and humanely, and they were even granted robes on behalf of the generous-hearted Sahib Qirān.

The historical portion of the preface, shorn of its unnecessary verbiage is as follows:- May God be praised that He has placed all the affairs of the creations under the absolute control of the great Sultan ……………Abul Muzaffar Iltutmish, the supporter of the Commander of the faithful ………………and has caused the shadow of his majesty to spread over those who are stricken with calamities. Due to the watchful Government, excellent administration of justice, and awe-inspiring majesty of this virtuous, religious minded Sultan, a large body of Mussalmans sought refuge in his court from the violent swords of the infidel Tātārs, the destroyers of realms and climes and the hellish tormentors of the servants of God. By the grace of God the protection and support of this Alexander-like sovereign has proved a barrier against the onrush of the mischievous Gogs. During this time when several of the populous realms of Islam have been laid waste and devastated by their sharp swords and so many thousands of mosques and pulpits have been

In Chap. 5 Bk I Awfi gives us a contemporary account relating to the diplomatic relations of Sultan Iltutmish with the Abbasid Caliphate of Baghdad and his investiture in 626 by the then Caliph, Al Mustansir Billah Abu Jafar bin Azzahir Billah Abu Mansur Muhammad. There is a reference in it to the good points in the Caliph's character. Mustansir, the 26th and the last but one Caliph, succeeded his father in 623, reigned for 7 years, and died in 640 He was a good ruler who set up many guest houses, madrasas, libraries etc. Awfi writes "When the caliphate became adorned by the commander of the Faithful, Al Mustansir billah, and he had the authority to issue commands and prohibitions in the land of Islam, he ordered that all the charitable deeds which his father, Azzahir, had done during the period of his caliphate should be continued as before and even added to. An indication of his excessive elegance and magnificence lies in this that the most sacred and exalted God extended His grace to the king of the world, Sultan Shamsudunya Waddin Abul Muzaffar Iltutmish; the helper of the commander of the Faithful (may his kingdom be perpetuated) and he attached himself to him through the cord of loyalty and placed himself in the grip of his friendship. He sent gifts and presents to the exalted court of the Caliph. None of the Caliphs in history had shown such felicitious regards to the kings and none had sent so many rare things from Hindustan to Baghdad. Owing to this affinity, from the noble court of the caliph came standard, ring, a long Vest, a special turban, and saddled camels, Arabian horses and other robes of honour for the king, nobles and princes, and this remains the proud privilege of this royal family.

Besides the first hand account of the defeat and death of Nasiruddin Qubacha at the hands of the Wazir of Iltutmish which Awfi gives us in a highly ornate and inflated style in the preface, one very striking thing is his reference to his former patron in an uncomplimentary language, in Ch. 10 BK. 3, which has for its heading Condemnation of kufran-i-Niamat "(ungratefulness for past favours or benefits) and of those who were struck with misfortune owing to their own actions". He writes "Among the base qualities and despisable dispositions there is nothing worse than ingratitude for the favours received in the past. Whoever breaks his engagements becomes accursed in the eyes of the sacred and exalted creator. The example of Malik Nasiruddiu Qubacha-may God pardon his sins ! furnished a test case of untrustworthiness for all the kings because several times he took solemn oaths and pledged himself heart and soul to serve and remain loyal to, and united in words and deeds with, the Sultan of the age, shamsuddunya Waddin Iltutmish, and he solemnly promised that the birds of his designs would never drink out of the reservoir of perfidy and the phoenix of his resolution could never resort to fraud and subterfuge. But, eventually, he did contrary to all these solemn asseverations and deemed breach

Bakr, the Nazim-ul-Juyush (administrator of troops) who was endowed with patience, modesty, and loyalty, was an inspirer of awe and fear, and was of very high lineage. When this representative of the great Sadr arrived in the place he realised that the Qazi would be a bad dispenser of (justice) and his accusations were nothing but falsehood and calumny, Imadul-Mulk said that in no case he would give the post of the Qazi to that man. He turned him back and sent him to Khwajah-i-Jahan (the wazir) who presented him before His Majesty and stated the whole case disclosing the falsehood committeed by Jamal Tarsā. The Firman was issued that the Qazi, along with his teacher, Jamāl Tarsā, should be mounted on the Shutrān-i-Ghurgin or Scabby camels, treated severely and Paraded throughout the bazars of Dehli, the capital city, and it should be noised abroad that whoever would be guilty of falsehood and misrepresentation would be similarly paraded in one or the other cities of Hindustan. This order was enforced. It was because of graceful favours and excellent management of Sahib Qiran, the solomon of the age, and Nizam-ul-Mulk Qiwamuddin, the wazir, that in their time, due to their justice, the calumniators and tale-bearers, who like double-tongued serpents poured the poison on others have been rendered like fish out of water and have drawn their head backward (feel abashed) like porcupine.

Another affair of a different nature has been recorded in chap. 24 BK. 2. "The compiler of this book is going to relate what has happened and what has come under his observation during the reign of the king of the world, Shamsuddunya Waddin Sultan of Sultans, Iltutmish.. and that is this. When it was reported to his Majesty that Alam who held the office of Isfahsalari (Chief-command) and was a brother of Qazi-ul-Qazzat (Chief Justice) Saaduddin turned out a counterfeit coin and interfered with the currency system by his mixing measures, the king thought it advisable to order for a thorough enquiry and investigation of the whole affair. After a searching enquiry and investigation some seals of others were discovered from beneath the lining of a garment (Betana) worn by a man and this was placed before his Majesty. It took a good deal of time for the Wakils to investigate and bring out and show the seal so as to prove the perfidious action against him. At this the great noble Bahaul Mulk Muhammad bin Asaad, the heir of Imad (?) observed that for (seven) month in past that seal (Muhr) had been kept tied in the turban of the king of Islam, and at no hour, either during the coure of the journey, or when staying in the capital, it had been found missing, and none either of the gentry or the commonality knew anything about it.. Now all this time, till this severe search was made the reality of his transaction did not dawn upon the judgment of his Majesty. As quite adequate proofs of his guilt had been found, whatever his Majesty considered proper to remedy the situation that was decreed".

which has come to my observation during this reign of justice and mercy—may it remain immune from decay and dissolution till the Day of Judgement! is this. A trickester had made a pious man the dupe of his trickery and deception. Continence and piety converted into prevarication and hypocrisy had become his perfidious profession. Imposture and stupidity had gained victory on honesty and wisdom and (false) oration and perfidy had got the upper hand over confidence (concealment of secrets) and trust. Gold had become copper and the Pārsa (Chaste and abstemious) had become 'Tarsā' (a pagan or guebre). One who had been called Jamal Pārsa for a long time began to be nicknamed as Jamal Tarsā. He became notorious as a practitioner of deception. He had made coquetry and calumny his profession. Giving out falsely that he had the things of Qazi Saaduddin in trust, that man who was an evil omen on the face of the earth, distributed Dirams (small coins) among the people although in fact he had none. Owing to the innate purity of mind and cleanness of opinion, the Sāhib Qirān (the lord of the auspicious conjunction, king Iltutmish) and his distinguished wazir, Nizam-ul-mulk 'Qiwamuddin (Junaidi), allowed the reverse of his fraud to become current and the attention of none was drawn towards his deceptive deeds. This continued till their penetrating wisdom and discerning and illuminating minds became aware of the dust of his enormous lies. However, the mischievous saucy fellow went on with his pursuit of cashing his hypocrisy in the market of truth, taking advantage of the tacit tolerance of the lords and masters. He gathered some comrades and fellow companions to help him in his nefarious pursuits. One such person was Qazi Muhammad Gurdezi who had held the office of the Qazi of Bayana for a long time, but at that time he had been dismissed and condemned. Being instigated by Jamal Tarsa, he came and put forward a petition in which he wrote, "Immense wealth belonging to Husamuddin Ghalabak is lying in trust with some people in Bayana and I am fully acquainted with that. If the post of the Qazi of that place is given back to me the ass-load (Kharwārhā) of gold would be deposited by me in the royal exchequer. Although such words were devoid of principles or scruples, but who could guess that an old poor wise man would stoop so low in his ambition for power and position as to take resort to lies. Yet the post of the Qazi was promised to him if his statement proved to be based on facts. But at the same time he said that a Shahna (a revenue officer) should be deputed to help him so that if the trustees did not voluntarily surrender the property he would use force to realise it from them. As Khawaja Jahan, the Dastur (Wazir) of Sahib Qiran, endowed with the gifts of perfect justice and benevolence, thought, because of his discerning vision and illuminating judgement, that if a Turk was commissioned with this task his daring intrepidity would not allow him to oppress any Musalman. So the great Sadar deputed to this business Imad-ul-Mulk Sharfuddin Abu

number of captives, elephants and other rich booties fell into the hands of the victor According to Hasan Nizami, the city of Nahrawala" came under the enclosure of the Empire" and Ferishtah adds that a Muslim Governor was put in charge of the conquered country. Awfi's reference to Qutbuddin's successful expedition to Anhilwara is correct but he fails to mention that the victoy proved to be pyrrhic, a mere phase of a punitive expedition, and the Muslim occupation of the country was only temporary for the conquest was soon nullified by the restoration of the Hindu dynasty in Gujerat which lasted for a litile more than a century.

Muizzuddin Ghori has been mentioned by Awfi in two or three other Hikayats. In chapter 13, Book 1, he has told us about the tactics he employed which ensured his victory in the second battle of Tarain in A.D. 1193. He writes, "when the martyerd Sultan Muhammad Bin Sam (may God illumine his tomb) was about to fight for the second time against Kola between Jajneor Hajar and Tabarhind, He knew that the enemies while marshalling their forces for action kept the elephants before the horses which became nervous at their sight and this had been one of the causes of his defeat. When the opposite forces approached so near each other as to make the camp fire visible on either side the sultan ordered that all the wood either on his side or in front of the different tents should be set on fire and kept burning throughout the night (to cover their movements) so that its blazing flame might cause the enemies to imagine that to be the camping ground. He kept his whole army moving throughout the night. The infidels saw the fire and thought that the army was maintaining the gorund. At dawn, the next day, the Sultan suddenly charged the army of Kola from the rear and killed large number of his men. When pressed hard, Kola wanted to retreat, but he could not maintain his forces in order nor could he keep his elephants under control. The ranks of the enemy were broken; Kola was taken prisoner; and the Muslims gained a complete victory." Minhaj Siraj says that the Sultan had kept the main body of his army a few karoh (kos) in the rear and moved forward slowly. His light and unarmoured horsemen were grouped into four divisions of 10,000 each, and were directed to advance with their arrows from all sides. They were to feign retreat and march back quickly on their horses when the enemies made their onrush with the elephants, horses and foot soldiers. By such tactics the Muslim army harassed the forces of infidels, and defeated them

V

More important than what Awfi derived from other sources, written or oral, are what he writes on the basis of his own personal knowledge and observation. In ones of the Hikayats he says, "One of the things relating to the extirpation of the adventurers and the chastisement and the torture of the talebearers and calumniators

fferent places. It was added that at that very time he had his property worth ten lakhs in Ghaznin and it was suggested that if the Sultan issued a Farman for the confiscation of the goods to the state, that might enable him to raise an army and replenish the state treasury. The Sultan wrote his answer on the back of the petition (Tauqi) that had Nahrwala fallen into his hands, the appropriation of Asa Abhir's wealth would have been lawful; but to seize his property in Ghaznin would be contrary to the dictatates of justice. Accordingly he did not have any concern with that property. His virtues met with its reward for it happened that two years afterwards the most generous king Qutbuddunya Waddin (Aibak, may may the Almighty be merciful to him and pardon him! marched at the head of his army from Delhi, liberated that country by means of his resplendant sword, and punished the people thereof for their previous misdeeds so that the whole world leant and got the proof that the injury which the cause had once received was but a black spot on the face of his Majesty, the Sultan, to guard it from the effects of the evil eye. Praise be to God that today during the reign of the king of the world, the Sultan of Sultans, Shamsuddunya Waddin Iltutmishi helper of the Commander of the faithful and of the vizirate of Abul Maali Muhammad Ibn Abi Saad al Junaidi there is complete peace and tranquillity everywehre and the government and administration of justice of the Shahinshah and his Asif are such that wolf is happy in association with the lamb.

The reference here is perhaps to the invasion of Muizzuddin, better known as Shihābuddin Muhammad Ghori, in A.D. 1178. The author of Tabaqāt-i-Nasiri tells us that the Ghorid Sultan marched with an army towards Nahrawala by way of Uch and Multan but he was defeated and returned without accomplishing his propues. Awfi does not say anything about any retaliatory expedition undertaken by the Ghorid Sultan but he has created a difficulty by using the words "Bād as do saal "(after two years) in regard to what he considered to be a successful expedition led by Qutbuddin Aibak. It appears that the transcriber of the original manuscript of Awfi's book mistook" (Do) for (Nauzdah-19) for it was exactly 19 years after A. H. 574 A.D. 1178 when Muizzuddin Ghori had suffered his defeat at the hands of Mularaj II at Kaijadram at the foot of Mt. Abu that his lieutenant, Qutbuddin Aibak, being helped by a relieving force from Ghazni, marched towards Anhilapataka or Anhilwara in Safar A.H. 593 (January. A.D. 1197) to avenge the treacherous attack of the Taterans or Elliot's Mher or Mairs, supported by the Chalukyas a year earlier. Aibak marched from Ajmer, passed through Pali and Nadul which had already been deserted, and on Monday, the 14th of Rabi I. A.H. 593 (4th February, A.D. 1179) the army of Bhima II led by Rai Karan, Wallan, and Darabaras was completely defeated and a large

ful punished Tuman for his mis deeds. The moral of this story is to show the consequences of tale bearing and to impress upon the great and wealthy people not to place their confidence in low born and unworthy people so that they should not regret afterwards.

B. In chapter 13, Book I, Awfi gives us a historical information and tells us how Muizzuddin or Shihabuddin Ghori who was already firmly established in Ghaznin, the Ghaznavid capital, deprived Khusru Malik Tajud daula, the last representative of the Yamini dynasty, of Lahore and the Panjab by a strategem and the Ghaznavid empire was replaced by that of the Ghorids in 583-1187. He writes "At the time when the martyred Sultan, may God illumine his tomb! wanted to make Khusru Malik[55] his prisoner and take possession of Khorasan, the latter' son (Malik Shah) went to Ghaznin at which the Sultan felt (apparently) pleased and was gracious enough to allow him to return to Lahawar (Lahore). He conferred on him all the paraphernalia of royalty and also gave some horses and elephants for his service. He issued a Farman that they (his men) should follow the young son (of Khusru Malik), make him move slowly onward and stay where he stopped. When Khusru Malik learned this he stopped and thought that all this was due to his good-will (friendship) and a proof of his anxiety for peace and amity. He was awaiting the arrival of his sun and preparing himself for a reciprocity of action. The son of Khusru Malik had taken his departure from Ghaznin, but the latter had not covered much of the distance on the way when, one morning, Khusru Malik rose (from his sleep) and found forces arrayed on the other side of the river and he was taken aback. As he had not got the capacity to maintain his stand, he (unwillingly) surrendered himself to him. By this stratagem, the kingdom of Nihawand[56] passed without fatigue and exertion into his possession and sovereignty was transferred with such ease from one dynasty to another."

Chapter VII of Book I which tells us of the sense of justice and equity of Sultan Muizzuddin Muhammad Bin Sam of Ghor, who refrained from confiscating the wealth of Hindu in Ghaznin, is of some historical importance. It runs as follows:—At the time when the dawn of the sword of the martyred Sultan, the honour of the world and religion, Muhammad Bin Sam, had turned the day of the enemies of the faith into evening (of defeat) and he was resolved to effect the conquest of Nahrwala, he had to see bones of disappontment in the morsel (nawla) of his conquests and having returned without achieving his purpose to his capital, he was engaged in furthering his resources to retrieve the disaster and avenge his defeat. One of the the sycophant courtiers (Sāiyyān) represented to him that in Nahrwala there resided a broker (Bayāyi) whom the inhabitants and the gentry of that locality called Asa Abhir. He always sent large consignment of goods for trading transactions through his agent to di

sely before the Amir. The Sultan without any investigation and remedial measures (Tadaruki) ordered Tuman to seize him (Abul Fazal). He imprisoned him and plundered his house.

When Abul Fazal had been removed from his office, Tuman got a wide and free field for his absolute control and domination. He conferred robes of honour on Khatib lut and sent him to Peshawar. Khatib lighted the fire of oppression and raised aloft the standard of his tyranny. He subjected the creatures of God to various expedients of spoliation. When Khawaja Hussain arrived at Peshawar so that he should restore the affairs of that side in order, the people came and complained to him against Khatib lut. The Khawaja admonished him but it was of no avail, for Khatib lut gave him replies which were very improper and disresnectful. Husain could not endure absusive and absurd language and to save his honour and reputation ordered him to be taken away from his presence. Speedily this news was transmitted to Tuman. He ran post-haste before Amir Abdur Rashid and represented that as Khatib lut knew that Husain had unlawfully exacted some money from the people the latter had thrown him into prison so that he might retain that money. When he made such accusations, Amir Abdur Rashid ordered him to go and bring the Superintendent of finances (Sabib-i-Diwan) to the Court. Tuman started that very night with 300 horse soldiers and showed the royal mandate to the Governor (Shahna) of Parshawar. He put Khawaja Husain under arrest and threw him into the prison from which Khatib Lut was brought out. Many good Musalmans were treated ignominiously. Soon after he returned to the Court taking with him Khawaja Husain. All sorts of humiliations were heaped upon him. Many of the attendants of Khawaja Husain accompanied him and people of all classes from Hindustan had joined his company. When they crossed Tudry or Budri (Nuhdari) pass, some soldiers arrived there and brought the news that Amir Abdur Rashid, owing to the domination of unworthy people over him, and the confusion that had occurred in his country had gone into the fort. The reprobate Tughril arrived in Ghazni, killed Abdur Rashid, and usurped the Kingdom. When that party got this intelligence, all, horse and foot came before Khawaja Hussain and said that circumstances had changed and had taken different complexion, and the victor had become the vanquished. They added that they were ready to obey his orders and he had to issue his command. Khawaja Husain said that the most important work of theirs was to remove the chains from his feet and put the same on those of Tuman. The soldier siezed Tuman, pulled him down, and set him on his foot and took off the chain from the feet of Khawaja Hussain and put the same on those of Tuman. The Khawaja mounted a horse and Khatib lut and all his attendents were made prisoners and were placed on the back of camel and were carried with utmost humiliation to Ghazni. God, the most glorious and power-

Abdur Rashid, a son of the celebrated Mahmud of Ghazna, having been imprisoned for many years contrived to escape and replace the boy king, Sultan Ali, in 440 or 1049 and was murdered after a reign of two years and a half by Tughril, his general. Minhaj Siraj says that Abdur Rashid lacked firmness and courage and, therefore, changes and reverses came upon the state. But he was very much interested in history and the historian, Baihaqi, comes into the picture in this account of Awfi which is as follows:

"It has been stated in Tarikh-i-Nasiri that during the time the throne of Ghazna was occupied by Amir Abdur Rashid, there was the son of a slave (Ghulam Bachcha) called Tuman who was a mean-spirited and low-minded person but was held in favour by the Amir who had promoted him to a high rank. He began to stretch his hands of command and sway over the country and as he was a man of no consequence, mean and ignoble, he began his efforts to extirpate the nobles and great men. He espoused the cause of Abu Suhail Rauzani and exalted him above and pitted him against the Khawaja of the court, the Wazir of the Kingdom, Abul Razzaq Ahmad Maimandi who was mulcted (fined and deprived of office). He favoured his own brother who was called Mobarak Barahi, and secured for him some jobs in the province (Wilayet) of Parshawer" (Peshawer). He encouraged and train.. some tale-bearers and back-biters with the results that the market of wicked people, sycophants and calumniators, obtained great vogue. These people spread a plethora of false reports and the Kingdom was ruined. He brought the post-master of Village or towns (Barid-i-Daihaha) within the system of the farming of revenue (Muqāta) although before that nobody had given such assignment to such agents. Amongst the perfidious people there was one Khatib Lut who had become notorious for tale-bearing, back-biting and wickedness. He was also elevated and entrusted with the office of Superintendent of finance of the Kingdom, a job which had been performed with utmost economy and honesty by Khawaja Husain. After he (Husain) had held the office for three months he was ordered by the Sultan to proceed towards Hindustan so that having collected the revenue of those regions he should return to the court. Khawahja Abu Tahir (Husain) proceeded towards Hindustan but wherever he arrived he saw the agents (Gumashta) of Tuman who had oppressed the creatures of God and had brought the whole affair under his absolute control. He saw absolute confusion prevailing everywhere in affairs and offices. Khawaja prepared reports of the state of affairs and wrote about the same to the superintendent of Chancery (Diwan-i-Risalat). This office was held at that time by Shaikh Abul Fazal Baihaqi. When these several reports were placed before the Sultan, Abdur Rashid, he came down upon Tuman and chided him for all that his agents had done. Tuman became an enemy of Abul Fazal Baihaqi and accused him fal-

called Kamlua" by Alberuni and Kamlu by Awfi, who was unquestionably a contemporary of Amru bin lais, the second ruler of the Saffarid dynasty of Iraq--Ajam who flourished between 265 and 267 A. H. 878-900 A.D. Described by Awfi as the Rai of Hindustan, and as the third of the Brahmanical series of Kabul kings by Alberuni, Kamlu whose original name may have been Kamulaka or Kamalaverdhana was succeeded by Bhima and he, by Jayapala, the antagonist of Sabuktagin and Mahmud (Hodiwala). The story of how he was outwitted by the Saffarid Governor of Zabulistan (a tract of country northeast and south east of Ghaznin) and was guilty of sacriligious activities is as follows: "It is said that Amru lais conferred the viceregal office of Zabulistan on Fardaan (or Fardaghan) and sent him there at the head of 400 horses. At that time a large place of worship of the Hindus was Saikawand and people from remote parts of Hindustan used to flock to that place to perform their pligrimage to the idols there. On his arrival in Zabulistan he led his army against Saikawand, captured it, broke the idols into pieces, and overthrew the idolators. He distributed some parts of the captured booty among his troops, sent the rest to Amru lais, wrote an account of the victory, and asked for reinforcements. The news of the fall of Saikawand reached Kamlu who was Rai of Hindustan. He collected a countless force of soldiers and marched towards Zabulistan. Fardaan heard of this army of Hind and he too enlisted the support of some Hindus who proceeded towards Hindustan and arrived in the camp of Kamlu. They told the Rai that after having captured Saik-wand Farddaan had despatched his men to different parts of the kingdom asking for additional troops for he knew that the Hindus would certainly form a united front against him; that as a result of this such a large army of the Muslims had collected around him that hardly any space in that land was left without it; that behined him was the army of Amru lais ready to advance; and that they had planned to decoy him and his army to a narrow pass or defile with a view to slaughtering them all. When Rai Kamlu got this report he stopped where he was and became slow and cautious in his movement. In the meanwhile, reinforcements arrived from Khorasan for Fardaan, so-much so that it became impossible for the opposite party to cope with him. By this ingenious method he succeeded in achieving his purpose (I-12).

In chapter 19, book III, we get an annecdote based on the later volumes of Baihaqi's Tarikh-i-Daulat-i-Nasri, now perhaps lost, which tells us of Tuman, the upstart favourite of the Ghaznavid ruler, Abdur Rashid, whose mismanagement of the affairs of Peshawar led to the despatch of a high official for enquiry and investigation and resulted in the temporary dismissal and subsequent release of Tuman, his policy of terrorization, and his ultimate fall, owing to the murder of his patron, the Amir. Sultan Bahaud Daula

him on Wednesday, the 14th Shawwal, 512. Sultan Sanjar appointed Sultan Bahram Shah as his deputy in Ghaznin and Hindoostan, and having seated him on the throne returned to Bulkh. When Sultan Sanjar had returned, Malik Arsalan came back and Bahram Shah fled from Ghaznin and went towards Bulkh. When Sultan Sanjar was informed of this he sent his forces to recieve and restore Bahram and stabilise his position. (After doing this) the army returned to Bulkh. Also in this year Barqiyaruk Mohammad bin-Malik Shah died in Iraq and the country of Khurasan and the whole of Iraq were annexed by Sanjar.

In C-20-B4, while dealing with the chemical properties of natural objects Awfi has taken a portion of Utbi's account of an early struggle between Sabuktagin and Shahi King of Kabul (he was Jaipal.) He writes, "It has been recorded in Tarikh Daulat-e Yamini of Abu Nasr that when the king of Kabul intended to make war upon the Muslims, at the beginn ng of the career of Amir Nasiruddin Sabuktagin, and the latter turned his face towards Ghaznin, Sultan Mahmood was only fourteen years dd. Amir Nasiruddin summoned the nobles of his army and consulted them as to what they should do Amir Mahmood said" In my opinion the corect plan is to fall back before the army of the Rai and take a strong position somewhere in the midst of a mountain where we might be secure from their night attacks and sudden onrush. They would be unable to bypass us and we may baffle and harass them and render them powerless by our plundering raids. This counsel was approved of by all. Amir Nasiruddin advanced and encamped in the vicinity of Nagarwan[54] (Baqrwan). The king of Kabul marched thither with his countless army. Both the forces lay encamped there for a long time. One day a person came to the camp of Amir Nasiruddin and said that there was a spring in the mountain which had this property that if filth was cast in it, the wind became stormy and snow, rains, and cold followed to such an extent as to mak it impossible for anyone to endure that and stay there. So long as the filth remained in that spring,[51] cold and rains would last. Accordingly, he ordered that filth should be thrown in it. The sky became over cast with clouds and the weather became rainy and cold. The opposing forces were reduced to extremity and the army of Islam delivered an assault on, and threw down many of the enemies At last, being made helpless they sued for peace which the Musalmans agreed to on their own terms. Thus owing to such natural property of the spring the army of Islam became victorious and returned with success.

Among the tales of the Hindu and the Ghaznawid rulers which Elliot translated from Jawame a few appear to be of sufficient historical interest. One of these establishes the identity and also the approximate time of the Shahi Hindu king of Kabul

come his guides. They led him into a desert where there was neither water nor grass. The Sultan asked them as to what was the kind of that road and where was a habitation. They replied. "We have been sent by our Rai and he has given us a considerable amount of money so that we may bring you to this place. Now you have a great ocean before you and the army of Hind is behind you. We have done our business, now do whatever purpose you have in your view, for it is certain that not one single person of yours will escape in safety." In the meanwhile the Sultan suddenly saw some waterfowls (Murghabi) flying in the air and he said that wherever waterfowls are found there must be water and so saying he proceeded after them. At length they reached a village on the bank of a river but they did not get good drinking water. Thereupon he ordered that a suitable punishment should be inflicted on those two guides. They found an Alawi Syed residing in the village with his family. He was summoned and asked about the direction. He pleaded ignorance but added that there was an old man in another village and he might possibly be knowing the way. They Sultan ordered that the Alawi should be taken on a camel to that village near that old man. He called the old man and asked him as to where a ford could be found. The old man replied that he had never seen any one crossing the river excepting on one occasion when a body of men had crossed it but he did not know the actual spot from which they had crossed. He added that if he had the necessary strength he could go to the place and find out the passage. At the orders of the Sultan they provided him with a horse and placed a considerable sum of money before him. The old man led them to a certain spot on the bank of a river and said that so far as he knew that was the place from where that body of people had found the passage. The Sultan placing his trust in God sent some men into river, but nowhere did they find it fordable. The sultan being despondent at his sad plight but resigning himself to the will of his creator and uttering the name of God the Great and throwing himself upon His protection, urged his horse into the water of the river and crossed it. His whole army and all his attendants followed his example and got out safe and sound from the river. This was one of the marvellous deeds of the Sultan, and this evident proof of the treachery of the infidels became noised abroad.

There is a reference to India in another historical anecdote (C 5-B-I) ' It has been related that when Sultan Masood bin Ibrahim died, Malik Arsalan, his son ascended the throne and resolved to kill Sultan Behram Shah, (b) his brother, the latter fled from before his brother with one attendant (Rikabdar) rider whose horse had an inverted shoeing. He went to Seistan and thence to Kirman and at last won the support of Sultan Sanjar. The latter espousing his cause marched upon Ghaznin against Malik Arsalan and defeated

the idol temples and the scattering of the idol worshippers, some clever men of Hind (Hukama) exercised their ingenuity and devised a plan (of deception). They brought forth a Dirham of full standard value and placed a suitable prize upon it. When some time passed away that coin obtained free circulation. People came from Muslim countries (Dar-i-Islam), purchased them, and carried them to Khorasan. When they (the schemers) saw that the people had become accustomed to the use of that currency and it had been firmly established they began by degrees to debase the standard. The merchants continued to trade in silver, taking it to be a profitable thing without being aware of its depreciated value. From all parts of the world they brought silver and gold to Hind and the Muslims fell victim to the stratagem. When the evil went beyond limits and Alauddaula (Masud III 1049-1114) ascended the throne he consulted his notbles as to how he should remedy the confused situation. They advised that all the debased silver coinage should be brought in the royal treasury and the legitimate ones should be released for the merchants as compensation and exchange. Accordingly, he ordered that they should issue 100 millions (Sad bar sad hazar) of silver coins from the treasury to the mint and expend the same on the relief and compensation of the creatures of Almighty God. The fame of this good action spread throughout the world."

In Ch. 20 B. 4 Awfi tells us about a magnetic device to maintain the equilibrium invented by the Hindu idolators of Somnath temple which kept the idol suspended in the air without any support "It is related that when Sultan Mahmud (bin) Sabuktagin may God have mercy on him! went on his expedition to somnath he saw an idol temple with the idol suspended without any support or canopy in the air. He called his learned and pious men and asked them to explain the secrets of this mysterious affair. They said, May your state remain in perpetuity! It is very simple and easy to explain this wondrous thing which the clever Hindus have invented, and that is this. They have built the four walls of the idol temple on the support of the loadstone and the roofing thereof also rests on the same loadstone. That idol is made of magnetic oxide of iron. As from different directions the loadstone with the properties of attracing the idol of iron are equidistant it stands suspended without any visible support in the air. If the king wishes the truth of this assertion to become self-evident he may order that one of the walls of this temple be brought down and the loadstone fixed therein be removed. As soon as the wall of the temple was pulled down, the artifice or arrangement (Tazvir) was exposed.

There is another reference to a strategem (Makr) of the Hindus in connection with the return from Somnath expedition by Mahmud of Ghazna in Chapter 12 Book I.' At the time the Sultan returned from Somnath, two Hindus came to him and offered to be-

of Wajhind there was an idol temple, situated on the sea side, and the idol in it was very much decorated. It fell down in the water along with the walls of the temple which had cracked and collapsed The Hindus of the locality felt greatly concerned and apprehensive and they approached the Rai and said "On Rai' You have given a place in your presence (capital) to the Musalmans and have let them preach their religion in our midst. It is their enchantment which had caused this affair". The Rai withdrew his protection from the Musalmans who were settled in a part of his realm. He summoned them and threatningly told them" I had given you a place under my protection and justice, but you have begun to practise sorcery and have caused the idol temple to topple down". The Musalmans stood aghast at this accustion. A learned man amongst them ventured to address the Rai thus" Oh king you are a wise and just ruler. We are innocent of the charge that has been levelled against us for incantation and necromancy are forbidden in our faith. If any Musalman practises charm and enchantment he goes out of the fold of Islam. Our faith is not so weak as to make us go out of the fold because of the presence of idols or any such things. We constantly read the Holy book, the Quran, and repeat the names, attributes and praises of God the Great with the result that no magic or sorcery can have any influence on us." But the infideles were agitated and insistent. The Rai consulted an astrologer who advised him to leave the Musalman undisturbed for it was not an earthly but heavenly affair" He added that in a previous night a mother gave birth to a son and the astrological calculations, based on conjunction of planetes, indicate that the Rai's institution would suffer at his hands and might be he would conquer Hindustan and ruin the idol temples. But these Musalmans had not committed any crime" The Rai said that although what he had stated might be the case yet the those people would have to leave his country within the shortest possible time. He gave one weeks, time for this and threatened the Musalmans with dire punishment if they did not carry out his orders. Accordingly, those Musalmans left for Ghazni and told Amir-Sabuktagin about the affairs of the temple. What had been predicted actually happened some time after wards. Mahmud did demolish the temple and infidelity was laid low.

There is an interesting story in Chapter 12 Book I which, to quote Thomas" contributes an apposite historiotte on the currency of the Ghaznavids "and furnishes "a traditionary comment on the depreciation of the monetary standard which led to an extensive deterioration in the local standard. The passage also shows that the ghaznavid rulers allowed the curiency of privately minted coins in their dominion "It has been related that when Yamin-ud daula (Mahmud 997-1087) attained sovereighty and the effects of his Government spread through various countries and were felt on, and resulted in, the destruction of

he should be excused if things went wrong. All this was agreed to and Aristotle took him to his house, administered an anaesthetic drug, made him insensible, and cut off some of the cords of the head with his knife. When he examined the whole of the skull he saw the worm whose legs had firmly held his brain. He wanted to extract these. Sartap was closely watching all this from a window. When the master was about to take out the penetrating thing Sartap cautioned him" Oh master uptill now your treatment was quite correct; but beware, if you try to pull it out from the back, the legs of that worm will tear up the brain memberane (parda-i-sar) and the treatment would not be useful. Aristotle said "I swear to God that you are the Indian physician. Come on so that we may do this work jointly. Sartap came down and told Aristotle "Oh master Give order that a big sewing needle is heated on and placed against the affected place so that due to the heat of the fire the millipede may draw out its legs and then you may separate it. Aristotle praised him and was struck with wonder at his sharp observation. What he had said came to happen. The Worm was brought out off his head and the skull was set in its proper place and then treated with ointment till it was thoroughly healed up. The man was cured.
Aristotle showed great favours to Sartap or Sarbat and sent him back with due care and honour. Ch. 20 B.1.)

IV

There are many stories about the Ghaznavids and the Ghorids (A) Besides the fable of Sabuktagin, the doe and the fawn and Mahmood's unique cases of justice about which we have read in our school books, Awfi tells us in chapter 21, book I, about the dream of Amir subuktagin, at the time of the birth of his celebrated son, Mahmud of of Ghazna, the iconoclast, which coincided with the accidental fall of an idol temple near the sea." It has been related in Tarikh-i Nasiri that Amir Sabuktagin had seen a dream before the birth of his son, Mahmud, that he had caught hold of three hawks, two of which he had let go while the third had been retained by him in his hands. He asked an interpreter of dreams to explain the meaning of the phantom and was told: "You were destined by Providance to have three sons, only one of whom would survive you and conquer a whole world". Such a thing actually came to pass, for before the birth of Mahmud his father had been blessed with two sons, Husam, and Hasan who had both died. It was in the night of Thursday, the 10th of Muharram, 361 (973), that Amir Sabuktagin woke up from his dream. When he was pondering on the possibilities of a son bringing great prosperity to him, the news was brought by one of his attendants that God had gifted him with a son. Sabuktagin was very glad at this and named the infant Mahmud. One of the effects of such a birth was that in the Indian Town

The author refers to a book named 'Arāzur Riyāsat Fi Arāzus Siyāsat' as his source and says 'Mani appeared in China in the reign of Bahram, son of Hormuz. He was an expert painter and a wise geometrician, but he used to deceive the people with his subterfuges. He preached his bad religion among the people. The substance of his ... eches was what I have already said before. He said "the soul is a captive in the body of human beings; it is of the other world, but is held in bondage, and subjection in the body and is just like the bird in the cage. The bird always knocks at the bars of the cage and is after the opportunity offered by the opening of the door of the cage so that it may get release and fly away to its destination. Now it behoves men also to make such efforts so that the sooner the pure soul gets liberation from the impurity of the self and the body, the better. It is on these patterns that he practised deception upon God's creatures and used to say that dying was better than living and that this transient life was devoid of any basic element. He was taken to Bahram and the latter presented him before his courtiers. When he stood before the throne, the king asked him to speak out what he had to say. Mani made a similar mischiefmaking speech, at which Bahram said "what do you say? Is your life better than your death? He replied "the soul would be better with my death" The King said, I shall act according to your statement. As you prefer death to life, I have no he sitation in sending you to the hell. After that he ordered him to be hanged, and thus the mischief arising from him came to an end.

An interesting story derived from an unknown ancient source shows how an Indian physician collaborated with Aristotle in curing a man by surgical operation. It has been related that when the fame of the great philosopher physician, Aristotle, spread in all directions, from various countries people began to flock to him for guidance and benefit from him. There was, in India, an expert physician named sartap. He had specialized in medicine and had become greatly skilled in it. When he heard of the abundance of knowledge and the eminent position possessed by Aristotle he left Hindustan for Unan (Greece) and lived for a considerable time with him. But he never disclosed himself and always posed to be devoid of all branches of knowledge. He, however, kept a close watch on the Aristotellan method of treatment. It once happened that while a certain person was asleep, a Hazarpa (scolopendra or millipede) which is called Gosh khar entered his ears, became firmly fixed up in it, and made the life of the man a hell for him. Night and day he felt the torture and at length stated his condition before Aristotle. The latter said that the treatment was difficult and risky and there was a danger of his losing his life but if he was fully authorised by his heirs and friends to undertake the case he would take the precautionary measures so that he might be relieved of his troubles; but

Practising a ruse he provided himself with food and clothes for one whole year in such a manner that nobody could know anything about, it. He told his followers that he would go above to the Heavens for he had been called there by God, the most holy, and he would remain there for one year. He instructed them to assemble after the expiry of one year on a certan day near the mouth of a cavern with a led horse so that he might come again to teach them the canons and rituals of the faith. Then he suddenly disappeared ȷ the cavern which had already been furnished with one years food. He had a casket of gems shiningly pure and white as a paper with fixed dried sides and arms of the size and resemblance of an egg. That gem (durj) reflected strange forms and figures. The form of every existence (life) and the torture and torments for deviation had been painted thereon. He had perfected it during that one year. He came out of the cell just at the appointed time with that casket of gem in his hands and said that he had been commissioned by God to convey His Command and that the thing in his hand was the scripture. When the people saw that all felt helpless and had perforce to acknowledge his statements as true. They called it the Manichaean stone and it is still preserved in the royal treasury of the Chinese kings. Numerous people of China and Tibbet and some Hindustanis accepted his religion and in these regions his work proved to be successful, and he attained the object which he had in his view. But he was seized with a desire to return to his own homeland and his eagerness to see his home made him move in that direction. He thought that whatever he had gained in the land of Turkistan might befall his lot in other places as well. During his absence Ardshir had been the king of Persia, but he had died, and his sons had succeeded him, and they too had passed away. When Mani arrived in Ajam (Persia) and began to invite people to his faith, Bahram, son of Hormuz, called him and quesioned him as to what he was at and what was his soul like which was imprisoned in man's body and got a release on death. Bahram asked him whether according to his belief death was better than life and he replied that death led men to eternal life and that the transient earthly existence was full of desire and lust. Bahram said that he would act upon his words that death was better than life and would cause his soul to be liberated from his body. He added that he (Mani) had taken a solemn vow before his grandfather that he would never come back to that kingdom and, if he did that he would be liable for punishment. He then ordered him to be flayed alive. His skin filled with grass was kept hanging for a long time at his own inn and.... acquired the name of Bab-i-Mani'. It was known as such up to the borders of Nishapur.

There is another and a shorter notice of Mani in Chapter IV, Book I, in connection with the account of the kingship of Bahram, of the Sassanid dynasty of Iran.

including India (Kāshmir and Tibet) which he visited and stayed in. Awfi writes in chap. VIII of Book III" "one of the false prophets was Mani who had a large following. He was a native of Babylonia and belonged to a village named Mardev. He had attained great perfections in the art of painting. That he was an expert in this art was shown by the way he first made a circle of silken wire twenty yards long. and then with a pen drew a (circular) line. When the compass was put upon and revolved round, it was found to be its exact replica, there being not a jot of difference between the two. He was a pupil of Qarun, the philosopher, and he was fully acquainted with the doctrines of Tarsa (guebre), Mughans (worshipers of fire), Sanviyan (dualists). He made his appearance in the reign of Shapur Ardshir and claimed to be a prophet. He used to say that The Almighty creator had especially commissioned him with the task of imparting the knowledge of science and philosophy and teaching the need of good action and good conduct. Zardasht (Zoroaster) was sent to the earth in the land of Ajam (Iran) during the reign of Gushtashp, and at another time Isa (Jesus) was sent to the Arabian land, Now he had been sent as a messenger to them "Light and darkness are eternal. It is forbidden to kill animals and to injure the Darwishes and animals. Poverty is bitter than wealth. Abstention from avarice and from sensual indulgence, and asceticism and renunciation of the world are virtuous deeds. There are times and seasons for affairs relating to the female part of the family. Hoarding is prohibited and must not be practised. One should not have more than what will suffice for one day's sustenance and garments for one year would do. To have more than one wife is prohibited and it is obligatory to pay Ushr (tenth ofthe property) in charity. He should pass one seventh of this life in fasting. One should travel constantly for preaching, for trading in goods and establishing fellowship and making more friends."

He wrote some books all of which began with the various letters of the alphabets. This included Shaburqān, Kanz-ul-Akhbār, Sifrul Jabābira, sifrul Isrār. He also claimed to be the Fariqlit whose coming was predicted by Jesus, may peace be on him ! and also that he was the commentator of all that was preached by Jesus. When Shapur got the information about him he ordered him to be exiled from his kingdom and threatened him with death if he stayed on. Mani went to India and visited Kashmir and Tibet. The people of Tibet and Turkistan accepted him. He made images in Hindustan by his art and artifices. He made people go astray from the right path. He travelled widely in the paths leading to China and in the mountainous regions but never stayed long in any place. During the course of his travels he happened to arrive at a hilly place at the foot of which was a very wide valley with flowing waters and the ingress to it was very narrow. He chose that for his abode.

a meadow and his eyes fell on the body of a hog which was lying in a dying condition. Although the jackal was very hungry, yet he thought the hog might be the prey of a lion in the neighbour-hood and in case he made that hog his food the lion would devour him and, therefore, it was advisable for him not to take any hasty step. He wanted to see if there was any rival in the field. Shortly after this he saw a lion emerging from a corner and immediately going before the lion he showed great humility and submission and made a suitable speech. The lion asked the jackal as to whether there was any thing which might serve the purpose of his food. The jackal said 'which ever way you wend your stately steps food would come out of even a flint or would come like a rain from the sky. But your royal disposition' would not allow you to feel inclined towards all kinds of food. A dying hog is lying over there, but I know that the king of the beast would abstain from eating a corpse or taking one whom he has not himself thrown down and wounded. When the lion heard this pleasing talk he said that he would like to make an offer of the hog to Jackal and so saying he went away. The jackal thought that there might be another adversary and, therefore, he should not do any thing hurriedly. After waiting for some time the jackal's eyes fell on a panther (Yuz) who arrived there. He immediately rushed towards him and offered his services to him. The panther asked him as to whether there was any thing at hand which he might subsist upon. The jackal said that there was a hog which had been preyed upon by a lion. The latter had kept that hog in his charge and he was guarding it. The panther thought that the lion might be some where near. He felt afraid of the lion and abandoned the prey. After some time a monkey (Buzna) came there. The jackal saw him and found him week and helpless; he said to himself that no artifice or subterfuge is necessary to deceive such a creature. His sense of magnanimity and fortitude would not allow him to keep the monkey disappointed and deprived of a share. Accordingly, the jackal threw before the mon key a portion of the flesh of the hog and kept the rest for himself which he ate up. In this way he kept himself immune from the mischiefs and malignancy of the lion and the harm or injury of the panther, and thus wisemen came to realise how one should lead ones life so that it may be passed with safety and in happiness.

III

One feels tempted to consider here two stories regarding Mani, the prophet of Dualism and of an Indian physician who was a con temporary of Aristotle. Awfi has given an interesting, detailed and informative account of Mani called Waiz-i-Zindiqa (preacher of Zindiqism or Dualism), the principles and doctrines of Manichaeanism, Mani's mastery in the art of painting, the few books that he wrote some of which have come down to us, and to places and countries

that they have rested under my shade and have had sound sleep through my generosity. "The serpent said to the man "I have already put before you two witnesses. Now surrender your body so that I may bite it. "The man said "If another says so I shall resign myself to the decree of God. "There was a fox near at hand. The serpent asked the man to put the question to that fox. Before the question could be put the fox addressed the man "what are you talking about the—recompense of good and evils? What good have you done to this serpent? "The man said "the serpent was about to be burnt in the fire, but I brought it out of it". The fox said" you are a big man, why are you talking about what is opposed to truth! The serpant testified to the statement. The fox asked the serpent as to how the man could bring it out of the fire for it was a thing which appeared to be unbelievable. The man said "I tied my bag to the tip of my stick and extended the stick to a place where this serpent was lying and then brought it out in the bag". The fox asked him to give a demonstration for how could such a big serpent be contained in a bag. It added "open out your Tobra so that the serpent may enter it and then only the truth of your statement can be established, and I can give my decision". The serpent said" Whatever this fox says is true and it is out of kindness that it says so ". So saying the serpent entered the Tobra. The fox said to the man" Now that you find your enemy in your knot, dont give it time, otherwise you would suffer. The camel driver took th hint, firmly held the bag, and beat the serpent against the ground to death and thus got his release. The moral of this story is that it behoves every wiseman to be very cautious and prudent, never to enemy trust in the enemy, nor treat him as contemptible. He should put his leg on the head of his evil-wishers as soon as he saw the calamity to be impending so that after the enemy is overthrown he should lead a life of ease and happiness."

Another fable[33] of the lion, Jackal, hog, panther and monkey, taken from perhaps kalila Dimna[34], illustrating the truth of the dictum of a Brahmin as to how one can remain in safety, which occurs in chapter 25 book I, is as follows: One day a Brahmin, during the course of his discourse on the princ iples of wisdom observed that a wise man should do three things so that he may lead a safe and successful life. Firstly, we should behave with utmost civility and courtesy and offer his services to those who are possessed of force and power and violent temper. As regards the valorous ones he should observe all the rules of associations and good company by which one gains or profits. and those who are low or inferior should be allowed to have a share in the gifts so that the balance of benefits might remain with him. There is proof of the veracity of the statement. It is said that once a jackal was traversing

sumed by the fire. The Godfearing man had a kind heart and he thought that though the serpent was an enemy of man it was in a wretched condition and his sense of humanity dictated the need of helping it out of its predicament. He took his Tobra (the bag out of which animals eat their corn), tied it to a stick, and let it down so that the serpent should enter it. Then he drew back his stick, opened out the bag, and let out the serpent. It entered into a conversation with him and said "Though you have done this good to me I am going to bite you for I am a deadly enemy of man. The enmity between us is inherent in us. (Here is a gloss) The Quran itself says that to befriend an enemy is against prudence. I am determined to bite. Now you have to choose between the two alternatives: whom should I bite first, you or your camel The man said "After all I have been beneficient to you and you are giving me this requital." The serpent replied "Verily goodness is recompensed by wickedness This I have learnt from men, for it is the habit of the sons of Adam to do evil for the good deeds. If you wish that I should adduce proof and cite witness, in support of my contention, then look at this buffalo which is grasing at some distance and I shall ask her about the affair. "Both of them went near the buffalo. The man asked the buffalo if the requital of good was evil and she replied that it was so for it was the way of the human beings who did wicked deeds for good actions. She added "I had been under the control of a man for so many years and every year I gave birth to a calf. I used to fill their house with milk and butter and their household and marriage necessities were fulfilled by me. Now that I have become old and cannot produce any calf they have abandoned me and have ceased to take care of me. I began to graze in this desert and and being free and without any work for sometime I again put on flesh on my body. One day my enemy passed by me and seeing me fresh and fat he went to a butcher and brought him to me so that he may purchase me from him, kill me and sell my flesh. This is the recompense I have, had from that man for so many services I rendered to him. Indeed it is the habit of the sons of Adam to turn evil for good." The serpent asked the man if he was satisfied with what he had heard. (Again the author becomes subiective) He said that Shariat (canon law) required a second witness. They saw a tree standing near by. The serpent put the same question to the tree which said that such was its own experience of men. It added I have been standing in this desert and people come to seek shelter under me from the heat of the sun. They take their rest under my shade and feel comforted. But one of them says that this green branch of the tree is good for me, another says that he would have planks of weed from me for they would be turned into beautiful doorways of his house. If they are chiefs they come and take whatever branches of mine they like and this causes pain and grief to me. None of them thinks

and power had passed into his hands he had experienced many ups and downs of fortune and passed many of his years in virtual begging, leading the life of an ascetic, and when he attained sovereignty he recognised its responsibilities. He spread the carpet of justice and equity and afforded a place of protection to his subjects under the shadow of his administration. One day he came out of the gate of Nahrwala on the back of an elephant, and while looking in different directions, his eyes fell on the wife of a washerman of ravishing beauty who was garbed in a red robe and was proceeding towards a jungle to wash the clothes. The Rai felt inspired with a feeling of love for, and union with, her. He felt enamoured of her and turned his elephant towards her wishing to trample her patience and chastity under the feet of the elephant of his passion. But he soon came to himself and giving way to his introspection he thought "O passion you are doing something what is wrong. Wish well and be of good action: good never comes to to those who do ill. He then turned back his elephant, being filled with remorse at his first feelings. Assembling a body of the Brahmins he ordered them to collect fuel for he had decided to burn himself alive (in penance). The Brahmins asked him what sin he had coomitted. He disclosed the situation of his mind. The Brahmins said that they would burn him and allow his self destruction for he was a king possessing power to issue orders and enforce them; he could not restrain his passion, then he would force any one towards whom he felt inclined to do his bidding. and thus the female population would become subjected to the suspicion of producing illegitimate offeprings and, therefore, it was advisable that he should burn himself as a penance for his sins so as to gain an everlasting life. Wood was brought and a funeral pyre was made and lighted. When the Rai was about to throw himself on the burning faggot, the Brahmins prevented him from doing so and said "The work of expiation is done for the sin was of the mind, not of the body. We would have burnt you if the body had committed the sin But your mind has already been punished and purified by the fire of remorse. They removed the Rai from the pyre and in thanks-givings he ordered charities to be distributed.

There are many other Hikayats regarding Indian Kings and people which for the lack of something of a historical and cultural Significance have to pass over. But before concluding this section it appears worthwhile to give some specimens of the Indian stories gathered by Awfi. One story which illustrates moral principles and wherein, according to some Indian fashion, animals and plants are introduced as speakers, is as follows (chap. 15 bk. 2): It has been related in the book of the Indian philosophers that one day a camel driver was proceeding through a desert. He arrived at a place where a Caravan was encamped. They had lit a fire which was burning. He caught sight of a big serpent which was in the midst of the faggot and had no way to come out of the same and was about to be con-

father's registers of accounts in which he might have made mention of the transaction. The registers were brought forward but there was no mention therein of the money. The son observed "Had my father left anything with you on trust he would have put that down on record, but as he had made no mention of ths money I am not justified in taking it from you. "The trustee insisted on the son taking the money, but the latter persisted in his refusal to accept it. There was a growing tension in their respective contention. At last they agreed to refer the mattêr to "Rai Jai Singh". The Rai said "I am of opinion that this amount should be spent on some work of lasting utility so that the real owner would reap the reward (sawab) of virtue and charity." Accordingly th "nine lakhs reservoir of water" (hauz), the finest in the world, hitherto unsurpassed by all that the cleverest hand had executed or imagined, was built. It remains till this day and produces its beneficial effects."

A similar story illustrating the honesty of the Gujrati people and the wisdom and tact shown by their unnamed 'Rai' which Awfi got from some "Hindi work" says that a certain person who had discovered a treasure concealed under the walls of a newly purchased house insisted on it being taken by its former owner who professed ignorance about the money and refused to take it. They agreed to request the "Rai" to accept it and expend it on the affairs of the country (Masalih-i-Mulk). The Rai said "you are average citizens but are so scrupulous about a trust money. How can I, entrusted with the responsible duty of managing and adjusting the affairs of my subjects, and having the reins of authority and power in my hands, venture to have this money?" They said that he being their king was to settle the question in accordance with justice and equity. At the suggestion of tne Rai the daughter of the seller was married with the son of the purchaser and the treasure was allotted to them. The king would not suffer the skirt of his robes of equity and righteousness to be soiled by dirt of oppression and dishonesty.

There is an interesting anecdote of Alorbar or Gurpal[34], correctly identified by Hodivala with Kumarapala, who has been regarded by many as the greatest king of the Chalukya dynasty of Gujerat (A. D. 1143 A. D. 1173). He was a grand nephew and successor of Jayasimha siddharaja and followed the faith of the Jainas. Besides the biographical references in Awfi's Hikayat to the early wanderings of Kumarapala and the life of hardships, privations and austerities of an ascetic that he led and to his noble character and high sense of honour which are historically substantiated and borne out by the accounts left by so many contemporary Jaina scholars, we get here something for those who are interested in social history. It says "There was a Rai in Nahrwala named Gurpal who surpassed all other rulers of Hind for his noble character, sense of justice and wisdom. Before the reins of authority

mouth could gulp it down because of its salty, bitter taste, and they realised that it was sea water.

The Rai then told them that he could not trust any body because the case involved differences in religion and, therefore, he had himself gone to Kambayat, had made enquiries, and was satisfied that the Muslims had been subjected to tyranny and oppression. "Why should in my country a group of people who lived under the shadow of my protection suffer from such grief and sorrow." He then ordered that two chief men (Muqaddam) from the different groups of infidels such as the Brahmanān, the Parsiānān[15], the Mahans[16] (?), the Navāla[17] (?), Saura (or seoda or sheoras)[18] and Mughans (fire-worshipping priests) who were concerned in the affair should be punished and one lakh of Balotras[19] was given to the Muslims so that they might construct afresh the mosque and the minaret. He also granted to the Khatib Chatr (parasols or canopies) of such coloured[20] silken clothes as are preserved to this day and are exhibited on special I'd (festival) days. The minar and the Masjid were standing till the time of the invasion of Nahrwala by the army of Malwa[21] when they were again destroyed. Afterwards sayeed Bin sharaf Yamani[22] reconstructed them (for the third time) at his own expense and having erected four towers with golden cupolas publicised afresh the way of the Islamic faith in this land of infidelity. These monuments of the faith, mosque and minaret-are still extant. There is a strong expectation that very soon the royal standard of the Sultan of Sultans..................Shamsuddunya Waddin (Iltutmish) would be moved in this direction, and the conquest of this region and conversion of idol temples into mosques and sacred shrines would prove the truth of the Quranic text.........."Awfi's pious hope was not fulfilled for there is no reference to the invasion of Gujerat by Iltutmish or his general. He had already completed his work a few years before A.H. 632=A.D. 1234 when Iltutmish invaded Malwa, captured Bhilsa, and sacked Ujjain. He did not proceed further.

Awfi seems to have been very much impressed by the stories of the excellent Chalukya ruler, Jaysingh (Siddharaja), which were still current in Gujrat a little less than a century after his death, for he figures in some other Hikayat-s also. One about the nice disposal of an unclaimed amount placed in deposit may be given here because of its importance in social history, showing the high standard of morality[23] of the Gujeratis of that time. Chapter 12 of Book I says "In the city of Nahrwala one of the merchants o Hind had deposited nine lakhs of Balotras with a soldier (sipahi) and died sometime after this. The trustee (Amin) sent for the son of the depositor of the amount and asked him to take from him the nine lakhs of Balotras which his father had left with him. The son replied that he knew nothing about it but he would consult his

Awfi writes:- "I, Muhammad Awfi, the compiler of the book, am relating the story as I heard it when I happend to be at Kambayat (Cambay). It is a fine city situated on the seashore where a body of orthodox sunni Muslims of pure faith, and firm convictions and very hospitable, reside. There is a large number of poor or strangers there. It belongs to the chiefs of the dominion of Gujerat and Nahrwala. In that city reside not only a body of Muslims but also a group of the[21] fire-worshippers. They (the Muslims) told me that during the reign of Jaysingh there was in the city a mosque and also a minaret from which the crier called the Faithful to prayers The group of fire (Mughān) worshippers instigated the infidels Kafirān to attack the Muslims, eighty of whom were put to the without any fault of their own. The mosque was burnt and the minaret was pulled down. The Muslims had a khatib (sermoniser) named Ali who managed to escape and fled to Nahrwala. None of of the domestics and the favourite courtiers of the Rai paid any heed to his grievance or showed any inclination to help him. Every one attempted to screen those of his religious persuasion (kesh). Eventually one day when the Rai set out for his hunting excursion, Khatib Ali sat down on the way behind a tree. When the Rai arrived there khatib Ali stood up and beseeched him on oath to stop his elephant and hear his complaint. He read out the Qasida (laudatory poem) which he had composed in Hindavi (Gujrati) wherein he had stated his case.

The Rai having heard the complaint of oppression placed Khatib Ali in charge of one of his chief attendants (Khawas) and ordered him to keep and look after him till the time he was summoned to his presence. The Rai then returned and told his chief minister that he should keep a strong grip on the affairs of the kingdom during the three days when he would not grant any audience and would like to remain undisturbed in his seclusion. When the night came, the Rai mounted a camel and covered the distance of 40 Farsang (a league) between Nahrwala and Kambayat. This he accomplished during one night and a day. Disguising himself as a merchant and with the sword slung across his shoulder, he entered the town of Kambayat, stopped for short times at different places in markets, made enquiries and heard from everyone that the Muslims had been oppressed and had been killed without any fault of theirs. Having ascertained the truth of the affair and caused a vessel to be filled up with the sea water he returned and arrived at Nahrwala on the third night of his departure from there. The next day he held his court which was attended by the Muqaddams. He directed Khatib Ali to relate his grievances. Whe he had stated his case, a body of infidels wanted to intimidate and falsify him. The Rai ordered his ewer-bearer to give them the waterpot so that they might drink water from it. No one who put that water into

of the just kings opens with the following observation, "It is known to the sages and wise ones that the duration, integrity and peace of the world are dependent on justice. Mustafa—may peace be upon him! has said that one hour of justice is better than sixty years of worship, for one hour of king's justice can ensure peace and security of the world and enable all the men to remain engaged in worship with complete composure of mind. The worship of the votary is for his own individual self while the king's justice is meant for all, the gentry, the commonalty, the worshipper and the sinner. God in the Quranic verses commands His creatures to do justice and benevolence and forbids them to do evil deed and men who know the reality have also said that the laws of religion and morality come under it. There is also a rational explanation. Had there been no protection of justice and equity, men possessed of might and majesty would have destroyed the weak and the helpless and weak ones and this would ultimately rebound to their own disadvantage and destruction. They have no independence and permanent means of subsistence of their own and they are themselves incapable of humble and lowly works and laborious occupations. But for the justice of kings and wazirs, the affairs of this country would soon go to wreck and ruin. Now I am going to relate some stories of just kings and the way they administered justice and truth.

The second story in the same Chapter about Jaysingh (Siddharaja), the famous Chalukya ruler of Gujerat (c. 1094-1143) is well worth translating in full for it throws valuable light on.

(a) the sense of justice and tolerant spirit of the Indian ruler,

(b) the settlement of the rancorous Parsi refugees[illegible] from Muslim-dominated Iran who exploited the vulgus mobile to wreak their vengeance upon the Arab colonists in Cambay, pursuing their peaceful avocation of trade,

(c) the cultivation of the regional[illegible] languages by these Muslims to such an extent as to compose poems therein,

(d) the punishment of some classes of local population concerned in the affair,

(e) a type of coinage used in Gujerat at that time

(f) the attack of the Parmaras of Malwa, led probably by Subhata Varman[illegible] (Subhata or Sohada) on Anhilapataka or Anhilwara in or about V. S. 1261 or A.D. 1204, and the second sack and destruction of the mosque and minarets of Cambay,

(g) the reconstruction and beautification of these sacred buildings by a local[illegible] Muslim as seen by our author three decades later and

(h) the author's expectation of an impending invasion and conquest of the region by Iltutmish.

Mustansir.[17] It was said that the mother of the man had been lifted away by a bear and he was a result of their cohabitation. The fact recorded here does not appear to be impossible[17] for not unoften we find such stories of freaks of fortunes published in newsdapers.

A point of capital importance found in Chapter 20 of the 4th Books is the earliest reference in a work written by a Muslim to the famous Mariner's compass (Qutb Numa) We read "I, the compiler of the book, was once voyaging on the sea when a heavy gale or storm suddenly burst out, dark clouds enveloped the atmosphere, and the waves became agitated and stormy. The inmates of the vessels were panic-stricken and raised a clamour. The pilot who guided the vessel had lost the sense of direction but he presently brought out a fish-shaped[18] piece of iron hollowed or concave (Mujawwaf) and threw it on a waterful bowl (Tas). It was revolved till it became still or firmly fixed in the direction of Qibla (South). Taking the cue from it, the vessel was led in that direction. After this when I made enquiries, seeking knowledge of the affair, I was told that the loadstone (Sang-i-Miqnatis) possessed the property of acting as a magnet when it is pressed on the iron. When its influence is felt on the iron piece it comes to a standstill as soon as the point of Qibla (night direction) is reached. I tested it and found it to be so. God alone knows the mystery."

Awfi is the first and the only contemporary writer who gives a very interesting description of what came to be called as the Qutb Minar[19] though he does not mention it as such and ascribes its construction as well as that of the adjoining mosque (Quwwat--ul Islam) to Iltutmish. We shall consider these later and also the events af historical authenticity of which he was an eye-witness or had direct knowledge such as the chronological sequence and circumstances involving the capture of the fort of Bhakkar and the fall and death of Sultan Nasiruddin Qubacha. Another thing which helps us in forming our judgement of Awfi's production is the object he had always in his view of offering exhortation on ethical and political wisdom. Most of his Hikayats (narrative anecdotes) are meant to illustrate either praiseworthy or blameable qualities, virtues and vices of men, especialy rulers, wazirs and others. Such traits as justice, forgiveness, clemency, modesty, sagacity and sound judgement are commended, while envy, malice, avarice, embezzlement, wiles and subterfuges are condemned. To begin with it would be worthwhile to consider only such Hikâyâts as have some bearing on Indian History.

II

Chapter VI Book I on the excellences of justice and accounts

Delhi, the imperial metropolis, such as Khawaja Sadr Nizami, the author of *Taj-ul-Maāsir*, Qazi Sadr-i-Jahan Minhaj Jauzjani, and Maulana Sadiduddin (Sadruddin) Awfi, the respective compiers of *Tabaqat-i-Nasiri* and *Jawami'-ul-Hikayat* and Kabiruddin, son of Tajuddin Iraqi, who, in the time of Alauddin, wrote his enchanting *Fathnamas*, was a preeminent person and a man of repute of the age and worthy of confidence.

In assessing the value of *Jawami'* one has to turn one's views seven conturies back when the Mongol holocaust was sweeping away all that was the best in the Islamic lands, including works furnishing materials for the historians, and realise the worth of the traditions, anecdotes, detached narratives and miscellaneous notices culled from historical works that had survived or were derived from oral information and personal observations. Awfi was not a historian[17] nor even a chronicler in the modern sense but he has preserved much that can be brought within the sphere of his researches by a careful student of history who knows how to sift the real from the traditional. Like many of his age, Awfi, was not devoid of supers titions and prejudices. and did not deny the validity of the supernatural powers of saints and what appears to be marvellous and miraculous to us. But at times he wrote as if he was a rationalist in his selection, appraisal and comments. He and some other later foreign travellers have referred to the longevity[18] claimed by some Indians as a result of some special medicines used by them. He tells us that the Indians claimed to prolong their lives by using some herbs or medicine and refers to the Chief of Jalandhar who had maintained his health at the age of 250, but he adds that "It is not possible to live so long except by divine dispensation and no medicine can effect such prolongation." Relating the story of the Turkish chiefs requesting the Indian Raja to inform them of drugs which produced longevity, he tells us how the Indian 'Rai' moralised on the need of justice and benevolence and said that wealth and power were faithless friends and life was but an uncertain companion, neither the one nor the other being permanent and enduring (IV. 15:1 14)

In the chapter 14 books IV ("the Marvels of Creation") he teils us of a "wonderful occurrence of the age" which he himself witnessed in the time of Iltutmish." A woman brought her son the whole of whose body was full of hairs like that of a bear, his lower jaw was devoid of teeth, his belly resembled that of a bear,[19] but the rest of his limbs was like that of a, man. As his teeth were not in order, his mutterings were unintelligible and he used to dance and frolic. One of the strange things about him was that he had begotten a daughter who had a form similar to his. "The sultan of the Sultans may his kingdom be perpetuated, sent him to the court of the Caliph, the Commander of the Faithful,

of them have certainly been amplified and embellished to make them more agreeable reading." Before considering the justifiability or otherwise of these estimates, it is better to say a few words about Awfi's poetical effusions. His peetical work, *Madaih-us Sultan'* composed on the lines of *Haqiqat-ul-ul-Haqiqat* of Sanā,i, containing a collection of his Qasāids, or laudatory poems has now become scarce. His well-known prose works are interspersed with numerous Arabic and Persian verses and poems such as *Qasidas*, *Rubais*, and *Qitaāt*. One of his contemporaries, Muhammad Bin Umar Bin Muhammad Samarqandi, who transcribed his Persian translation of *Alfaraj Bād-as*-at *Shiddat* has described him as Waiz-ul-Mulk-was-Salātin (Sermonizer of royalty), Munshi-un-Nazm Wan Nasr (a veteran writer of poetry and prose), Malik-ul:Kalam (King of Discourses) and Afzal-ul-Alim (the most excellent of learned men),

Now as regards *Jawāmi'-ul-Hikāyāt*, its popularity and its historical and literary importance, the first thing to consider is the large number of the sources,[10] more than nine dozens, which the author mentions and claims to have drawn upon. Many of them are no longer available to us. While dealing with persons and places, facts and incidents, he uses the words "Ānche Mushāhida uftād" (What has come to the view), "In Hikāyāt Shunidam" (I heard this story). "Awarda and" (That which has been brought or carried). He speaks of things which he learnt, read or saw when he was in Cambay or Anhilwara, or other Indian towns. He was an eye-witness of what he says about the siege of Bhakkar and tells us what he learnt at Delhi about the affairs of Daulat Shah Balka of Bengal. It is not for nothing that his book has been always so popular, has attracted the attention of the learned throughout the last seven centuries, has been translated in other languages, and has been referred to, or even served as source-materials for, many writers from Hamdullah Mustaufi (A. H. 730) to Ferishta (A.H. 1015), and from the author of *Tabaqat-i-Nasiri* (A. H. 650) to that of Haft *Iglim* (A. 1002) or *Zinat-ul- Majalis* (A. H. 1004) and *Tarikh-l-Nigaristan* (A. H. 957).

One of the earliest Indians who managed, with great difficulty, to get a complete copy of Awfi's *Jawami'* transcribed for himself was the Chishti Sufi Saint, Shaikh Najibuddin Mutawakkil, the younger brother and disciple of the celebrated Fariduddin Ganjshakar of Pak patan who died in A. H. 668 A.D, 1271. On wednesday[11] 23 Ramzan, A.H. 708/A.D. 1308, H. Nizamuddin Aulia told his audience how Hamid Nassakhi did this job for the saint. The well-known Indian historian, Ziauddin Barani, a contemporary of Hamdullah Mustaufi who was the first to refer to Awfi's work in his book, Tarikh-i-Guzida and Nuzht-ul-Qulub, considers Jawami' as one of the four reliable histories written in Delhl, He writes 'Everyone', (of the four trustworthy, honoured, and illustrious historians of

informed person. He was a voracious reader, an eloquent preacher, an erudite scholar, a poet, a prosodist, a calligraphist and a prolific writer. It was under the patronage[1] of Ainul-Mulk Fakhruddin Husain Sharaf-ul-Mulk Raziuddin Abu Bakr-Ashaari, the wazir of Nasiruddin Qubacha, that he wrote the first Biography and Anthology of Persian poets and named it *Lub-ul-albab* which was edited and published in two volumes by Edward Browne. Awfi writes in the preface that when after his wide travels, he found his ambitions satisfied in the court of the king of the East and his Wazir (Qubacha and Ashaari), it occurred to him that he should present the Wazir with a gift of abiding value in the form of an anthology of the Persian poets, past and present, and he dedicated the work to him. Though Manaqib-us-Shuara of Abu Tahir Khātuni, noticed by Bland in J.R.A.S. (1891), was composed earlier at the end of the eleventh century A.D. and Nizami Uruzi Samarquandi also produced his work, *Chahar Maqala* earlier, in or about A.H. 550, they cannot bear favourable comparison with Awfi's work as biographical anthology. It is the oldest work of the kind preserved to us and was probably completed in A. H. 617. Awfi's translation in Persian in 620 of the Arabic work entitled *Alfaraj Būdar' Shidhat* (Narration of Wonderful Cases of deliverance from distress) composed in A. H. 384 by Qazi Abu Ali Al Mohsin bin Ali bin Muhammad bin Daud-ul-Tanukhi, was produced some two score and more years before the work of Husain bin Asad Husain Dihistani Muaiyyadi. This work has also been dedicated to Qubacha on whom he has poured forth his exordium and eulogium. Some extracts thereof with notes have been given by Awfi in his most important work, *Jawāmi-ul'-Hikāyāt Wa Lawāmi'-ul-Riwāyāt* (compendium of anecdots and flashes of traditions). This voluminous work divided into 4 Qisms or books, each with 25 Bābs or chapters, and containing 21,13 Hikāyāts (narrations) which are taken from 93 acknowledged anb many more unmentioned sources was also begun in the court and at the instance of Sultan Nasiruddin Qubacha. But before it could be completed, Qubacha, being defeated by the Wazir of Illutmish, was drowned in the Sindh river. The great Wazir, however, realized its worth and encouraged Awfi to resume and finish it and allowed him to dedicate it to him.

Elliot describes it as a Romance of History. Other European scholars have also shown a tendency of belittling its historical value. Briggs would take it as more useful in commemorating the prevailing opinions of contemporaries than as a source of authenticity. Thomas says that "the author of *Jawāmi'-ul-Hikāyāt* is something better than a mere story teller and his residence at Delhi under Iltutmish gave him advantages in sifting Indian legends of no mean order. He says further, "Many of the stories which are here recorded of historical persons have no doubt a foundation of fact, but some

Qazi sadiduddin[1] Muhammad, better known by his patronymic, Awfi, which was derived from his direct ancestor, Abdur Rahman bin Awf, one of the big ten of the Prophet's companions, and a member of the Council of Six nominated by Caliph Umar I to choose his successor, was a great scholar, a religious teacher, an effective preacher, and a writer of repute of the thirteenth century A. D. He was born[2] in Bokhara sometime between A. H. 567 A.H.=1172 A.D. and 572=D. 1176, and having lived and studied there for the first twentyfive or thirty years of his life he embarked on his wide travels in search for further acquisition of knowledge and experience. He visited numerous towns in Transoxiana, Central Asia, Persia, Afghanistan and India. One finds him in A.H. 597 in Samarqand where his maternal uncle, Majduddin Muhammad Bin Adnan, was the court physician and scholar of the court of the reigning king, Sultan Ibrahim Tamghaj, and was compiling for him a history of Turkish kings. He was attached for a time in that year to the heir-apparent, Nusrat-uddin, who appointed him to Darul Insha, but he soon returned to Bukhara whence he went to Khawarizm, and then to khorasan, Nishapur, Nisa etc. From Shahr-i-Nau, between Astrabad and Khawarizm, he went again to Khorasan which he had to leave for good in A.H. 607 when the pagan Mongols burst upon the Muslim lands, ruining the flourishing cities of the Islamic lands of Bukhara and Balkh, Khawarizm, Herat etc. Passing through Ghazni, he reached Lahore[3] and was for a time in the company of such poets and litterateurs as Hamiduddin Masud and Sharfuddin Ahmad Damawandi. From Lahore he arrived in Sindh and took refuge, like so many others, at the court of Sultan Nasiruddin Qubacha at Uch at about or little before 617. He spent a considerable time in India, and appears to have lived in such Indian towns as Cambay[4] and Nahrawala about which he writes so much. He had a lengthened stay in the court of Qubacha,[5] was besieged, along with him, in the fort of Bhakkar in A. H. 625, and then entered the services of his victor, Nizamul Mulk Junaidi, the Vazir of Iltutmish, whom he eulogises so much and so often. He was present in Delhi when Nasiruddin Mahmud, the eldest son of the Emperor, marched on his successful expedition against the rebellious chief of Lakhnauti (Bengal), Ikhtiyaruddin Daulat[6] Shah bin Maudud Khalji alias Balka. This happened in A. H. 628-1230-31. Nothing is known about the time and place of his death which might have occurred in or about 1232-33.

Awfi was a widely travelled, much experienced and well-

About the author

Prof.Syed Hasan Askari (b. 1901), Khujwa, Siwan/Saran, graduated, 1922, from G.B.B. (now L.S.) College, Muzaffarpur, got his M.A. (in history) 1924, and B.L., 1925, from Patna University. Was Lecturer in History, Patna College, 1927, Asstt. Professor from 1934 to 1950 and Professor of History from 1950 to 1956. Was Associate Member of Indian Historical Records Commission. Member of Bihar Research Society's Council and was on the Editorial Board of the Medieval India Quarterly; served as Hon'y. Secretary of the Regional Records Survey and Hon'y. Joint Director of the K.P.Jaiswal Research Institute. In recognition of his valuable contribution to Medieval Indian History and Culture, he was conferred 'Honoriscausa' by Magadh University and Padma Shri by the President of India.

He has been one of the two most distinguished users of Khuda Bakhsh Manuscripts.

Collecting his scattered papers in homogeneous volumes and placing this, the fourth in the series, in your hands, is the least that Khuda Bakhsh Library could do to repay the indebtedness (گہرجانبِ ابرِنیساں قرضستم) May this humble tribute give the doyen of Indian History, the solace and satisfaction that the prophet does not go unrecognised in his own land before setting out on his final voyage.

The above lines were worth as preface to the 4th volumes of the series, when Prof.Askari was still alive. Now when the *fifth* volumes of this series is going to press, he is no more with us. He left us for his eternal abode on 28 November, 1990. May his soul rest in peace.

A.R.B.

About Jawami'ul-Hikayat & its Author

The author of *Jawami'ul-Hikayat*, **Awfi** (570-630), belonged to **Uzbekistan**, attached to the court of Amir of **Bukhara**. He wrote several other books of which the extant ones include the monumental Tazkira of poets called *Lubul Albab & Jawami'ul Hikayat* containing over a hundred chapters, out of which 77 have so far been published (till 1992). One sixth of the *Jawami'ul-Hikayat* has been translated into Urdu by famous poet Akhtar Shairani which was published by Anjuman Taraqi-e-Urdu in 1943.

Here is a detailed study of the monumental work *Jawami'ul Hikayat by the renowned historian Prof.S.H.Askari.*

A.R.B.

On

Awfi's

Jawami-ul Hikayat

by

Prof. S. H. Askari

(d.1990)

1994

Price Rs. 75/-

Printed by J.T.S. Printers, Langar Toli, Patna-800004 and published by Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna.

Khuda Bakhsh Library
Journal



Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna

Khuda Bakhsh Library Journal



Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna